تالیف:
حضرت مولانا سید احمد حسن محدث دہلوی رحمۃ اللہ
تفسیر
احسن التفاسیر
اردو
www.KitaboSunnat.com
ہدیہ منجانب بلال گروپ آف انڈسٹریز لاہور کراچی

بسم الله الرحمن الرحيم
الحمد لله رب العلمين الرحمن الرحيم
ملك يوم الدين اياك نعبد
وقف

وإياك نستعين اهدنا الصراط
المستقيم صراط الذين أنعمت عليهم
غير المغضوب عليهم ولا الضالين
وقف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
اس تفسیر کو پڑھنے اور اس سے فائدہ
اُٹھانے والے حضرات سے درخواست ہے کہ وہ
بلال گروپ آف انڈسٹریز
کے مالکان، انکے آباؤ اجداد، آل اولاد اور اہل و عیال کو
اپنی دُعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھیں، خصوصاً یہ دُعا کہ اللہ تعالیٰ
انکی تمام لغزشیں معاف فرمائے اور حسنات قبول فرمائے،
اور خاتمہ بالخیر فرمائے: آمین ثم آمین
فون: 36-5716134
A-88 مین گلبرگ ــــ لاہور
وقف

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا

قرآن مجید مترجم

ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلویؒ المتوفی سنہ ۱۲۳۰ھ

مع تفسیر

احسن التفاسیر

اردو

جس میں احادیث حسنہ صحیحہ اور اقوال صحابہؓ و دیگر سلف سے قرآن حکیم کی تفسیر کی گئی ہے اور صحت روایت کا حد درجہ خیال رکھتے ہوئے معتبرہ و مسلمہ تفاسیر ابن جریر، ابن کثیر، معالم، خازن، دُرِّ منثور اور فتح البیان کے اہم مطالب کا بہترین انتخاب ہے۔ نیز آیاتِ کریمہ کے شانِ نزول صحیح بہ التزام صحت سند لائے گئے ہیں

از تالیفاتِ عالیہ

عمدة المفسرین، سند المحدثین، علامۂ زمن حضرت مولانا سیّد احمد حسن (المتوفی ۱۳۳۸ھ)

مصنّف تنقیح الرواة فی تخریج احادیث المشکوٰة وغیرہ

تزیین و تخریج احادیث

حافظ عبدالرحمٰن گوہڑوی

جلد سوم

جو منزل سوم پر مشتمل ہے

المکتبة السلفیة شیش محل روڈ۔ لاہور ۲

فہرست مطالب تفسیر احسن التفاسیر جلد سوم

پ ۱۲۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ

۷۵ ——— ۱۴۲

سورۂ ہود

۷۲ ——— ۱۳۸

سورۂ یوسف (پ ۱۲-۱۳)

فوٹو آفسٹ:- اورئینٹ پریس توحید نگر لاہور
فون ۳۲۱۹۷۸

تفسیر

احسن التفاسیر

منزل سوم

۱ ـــ ۳۸۸

سورۃ یونس ـــــ سورۃ النحل

آیاتہا ۱۰۹ ——— (۱۰) سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ (۵۱) ——— رکوعاتہا ۱۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان رحم والا

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ① اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى

یہ آیتیں ہیں پکی کتاب کی کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ حکم بھیجا ہم نے ایک

رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ

مرد کو ان میں سے کہ ڈر سنا لوگوں کو اور خوشخبری سنا دے جو لوگ یقین لائے کہ ان کو ہے پایہ سچا

عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ②

اپنے رب کے یہاں کہنے لگے منکر بیشک یہ جادوگر ہے صریح

۱-۲- تفسیر ابن جریر میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو نبی کیا تو اہل عرب پہلے تو یہ تعجب کرتے تھے کہ خدا کی طرف سے انسان نبی کیوں کر ہو سکتا ہے کوئی فرشتہ نبی ہو کر کیوں نہیں آیا جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اور اسی قسم کی آیتیں نازل فرمائیںؐ اور ان مشرکوں کی تسکین اہل کتاب کے بیان سے بھی ہو گئی کہ پہلے انبیاء بھی سب انسان ہی تھے تو پھر یہ کہنے لگے کہ لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (۴۳: ۳۱) جس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ مکہ میں جیسا ولید بن مغیرہ اور طائف میں مسعود بن عمرو ثقفی ہیں اسی طرح کے کسی مالدار اور ذی اقتدار آدمی پر قرآن کیوں نہیں اترا جس پر اللہ تعالیٰ نے اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ (۴۳: ۳۲) نازل فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ نبوت ایک رحمت الٰہی ہے اللہ نے اپنی مصلحت میں جس کسی کو اس رحمت کا مستحق جانا اس کو وہ رحمت مل گئی رحمت الٰہی کے حصے بانٹنے والے یہ لوگ کون ہیں اور ان کو اس حصے بانٹنے کا حق کس نے دیا ہے۔ حروف مقطعات کی تفسیر تو سورہ بقرہ میں گذر چکی ہے۔[2] باقی حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ قرآن فصاحت و بلاغت اخبار غیب اور ہر طرح کی نصیحت میں ایسا پختہ ہے کہ اس کے ان اوصاف میں کہیں کچھ خامی نہیں ہے اسی واسطے یہ مشرکین مکہ باوجود دعوے فصاحت کے اس کے مانند کچھ کلام بنا کر پیش کرنے سے عاجز ہیں اس پر بھی جو ان لوگوں کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر یہاں تک تعجب ہے کہ یہ لوگ قرآن کو جادو اور اللہ کے رسول کو جادوگر بتلاتے ہیں یہ ان لوگوں کی نادانی ہے کیونکہ قرآن کے نازل ہونے سے چالیس برس پہلے یہ اللہ کے رسول ان لوگوں میں رہے کیا ان لوگوں نے کبھی یہ دیکھا ہے کہ اللہ کے رسول نے کسی جادوگر سے جادو سیکھا ہے جس کے سبب سے یہ لوگ اللہ کے کلام کو جادو اور اللہ کے رسول کو جادوگر بتلاتے ہیں حضرت عبد اللہؓ بن عباس کے صحیح قول کے موافق اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ کی تفسیر یہ ہے کہ قرآن شریف کی نصیحت پر عمل کرنے والے ایماندار لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے مرتبے عقبیٰ میں لکھے ہیں جن کا حال قیامت کے دن ان ایماندار لوگوں کو معلوم ہوگا صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ایک حدیث

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۴۱۶ ج ۲ [2] تفسیر احسن التفاسیر جلد اول ص ۶۹-۷۰۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى

اللہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دن میں پھر قائم ہوا

عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ ذٰلِكُمُ

عرش پر تدبیر کرتا کام کی کوئی سفارش نہ کر سکے مگر جو پہلے اس کا حکم ہو وہ

اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ③

اللہ ہے رب تمہارا سو اس کو پوجو کیا تم دھیان نہیں کرتے

قدسی ابوہریرہؓ کی روایت سے اوپر گذر چکی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایماندار لوگوں کے لئے جنت میں جو سامان تیار کئے گئے ہیں وہ نہ کسی نے آنکھوں سے دیکھے نہ کانوں سے سنے نہ کسی کے دل پر اُن کا خیال گذر سکتا ہے[1] حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے حوالہ سے اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ کی جو تفسیر اوپر بیان کی گئی اس حدیث سے اُس کی پوری تائید ہوتی ہے۔

۳۔ اللہ پاک نے چھ دن کی مدت میں زمین و آسمان بنایا اگر وہ چاہتا تو ایک لحظہ میں بنا دیتا لیکن چھ دن کی مدت میں آسمان و زمین کے پیدا کرنے میں یہ حکمت ہے کہ انسان اس عادت الٰہی کو سیکھے کہ ہر کام کو سہولت سے کرے کسی کام میں عادت سے بڑھ کر جلدی نہ کرے کہ اس طرح کی جلدی شیطان کی عادت میں داخل ہے چنانچہ مسند ابی یعلیٰ میں انسؓ بن مالک کی صحیح روایت ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر ایک کام میں سہولت عادت الٰہی ہے اور حد سے زیادہ جلدی عادت شیطانی ہے[2] کفار بھی اس بات کے تو قائل تھے کہ خدا نے زمین و آسمان کو بنایا ہے مگر بتوں کی تعظیم کرتے اور رسول کو نہیں مانتے تھے اس لئے فرمایا کہ جس کو اتنی بڑی قدرت حاصل ہے جس کے سمجھنے سے انسان کی عقل عاجز ہے اگر اُس نے رسول تمہاری طرف تمہیں میں سے بھیجا تو پھر تمہیں کیوں تعجب ہے اور جب انسان اور انسان کی سب ضرورت کی چیزوں کو اللہ نے پیدا کیا ہے تو پھر بتوں کو قابل تعظیم ٹھہرانے کا کیا حق ہے عرش خدا کی ساری مخلوق سے بڑا ہے بعضوں کا قول ہے کہ عرش یاقوت سرخ کا ہے اللہ پاک وہیں سے کل کاموں کی تدبیر کرتا ہے پھر اس آیت میں کفار کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ تم جو بتوں کو پوجتے ہو اور یہ اعتقاد رکھتے ہو کہ یہی بت تمہاری شفاعت کریں گے تو یہ یاد رکھو کہ تمہارا رب اگر ہے تو وہی خدا ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور اسی کی عبادت کرنی زیبا ہے ان بتوں کی کیا طاقت ہے جو شفاعت کریں گے۔ اولیاء غوث۔ قطب[3] یہاں تک کہ انبیاء علیہم السلام بھی بغیر مرضی اللہ کے کسی کی شفاعت نہیں کر سکیں گے۔ مسند امام احمد اور ترمذی میں ابی رزین عقیلی کی روایت ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے پانی کو پیدا کیا پھر عرش معلی کو اور پھر سب مخلوقات کو پیدا کیا۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[4] مسند امام احمد اور صحیح مسلم میں ابوزید انصاری کی روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز صبح کی نماز کے بعد سے منبر پر چڑھ کر پیدائش دنیا کا حال ظہر کی نماز تک بیان فرمایا اور ظہر کی نماز سے عصر اور عصر سے شام تک ایک دن میں تمام دنیا کا حال بیان

[1] صحیح بخاری ص ۶۰۴ ج ۱ [2] الترغیب والترہیب ص ۱۵۲ ج ۲ باب الترغیب فی الرفق والاناۃ [3] متاخرین صوفیوں کی مخصوص اصطلاح کے طور پر یہ الفاظ لائے گئے ہیں۔ ورنہ۔ غوث۔ قطب کی شریعت میں کوئی اصل نہیں خصوصاً اول الذکر کہ اس میں شائبہ شرک کا بھی خطرہ ہے ۱۲ ع ا [4] جامع ترمذی ص ۱۴۸ ج ۲ تفسیر سورہ ہود و تفسیر ابن کثیر ص ۴۳۷ ج ۲۔

اِلَیۡهِ مَرۡجِعُكُمۡ جَمِیۡعًا ؕ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ یَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُهٗ

اسی کی طرف پھر جانا تم سب کو وعدہ ہے اللہ کا سچا وہی بناتا ہے پہلے اس کو پھر اس کو دوہرائے گا

لِیَجۡزِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالۡقِسۡطِ ؕ وَالَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا لَهُمۡ

تا بدلا دے ان کو یقین لائے تھے اور کئے تھے کام نیک انصاف سے اور جو منکر ہوئے ان کو

شَرَابٌ مِّنۡ حَمِیۡمٍ وَّعَذَابٌ اَلِیۡمٌۢ بِمَا كَانُوۡا یَكۡفُرُوۡنَ ④

پینا ہے کھولتا پانی اور دکھ کی مار اس پر کہ منکر ہوتے تھے

کر دینا یہ اللہ کے رسول کا ایک معجزہ تھا اس لئے خاص کسی صحابی کی روایت میں تو یہ پورا حال سلسلہ وار نہیں ہے لیکن متفرق طور پر اکثر صحابہ کی روایتیں اس باب میں ہیں جن کا ذکر حسب موقع ہر ایک آیت کی تفسیر میں کیا گیا ہے۔ استواء علی العرش اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے جس پر ایمان لانا اور اس کی تفصیلی کیفیت کو علم الٰہی پر منحصر رکھنا سلف کا طریقہ ہے چنانچہ سورہ آل عمران میں گذر چکا ہے کہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ تک اس طرح کی متشابہ آیتوں کی کیفیت کو علم الٰہی پر منحصر رکھا جاتا تھا اور یہ بھی گذر چکا ہے کہ صفات الٰہی اور قیامت کے حال کی آیتیں اور حروف مقطعات یہ سب متشابہات[2] ہیں یدبر الامر اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں کو پیدا کر کے پھر ان کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا ہے مثلاً یوں تو سورج مشرق سے نکلتا ہے لیکن اس کا مغرب سے نکلنا انتظام الٰہی میں دنیا کے ختم ہونے کی ایک نشانی قرار پائی ہے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم کی ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کا ذکر تفصیل سے[3] ہے

۴۔ منکرین حشر کی تنبیہ کے لئے فرمایا کہ یہ بھی یاد رکھو ایک ایک روز تم سب کے سب خدا ہی کی طرف اکٹھے ہو کر آؤ گے پھر جیسے جس کے عمل ہوں گے ویسا اس کو اس کا بدلہ ملے گا ایمان والوں اور نیک عمل والوں کو ان کے عمل جیسا اور کافروں کو ان کے عمل جیسا ایمان والوں کو جنت کی نعمتیں نصیب ہوں گی اور منکر شریعت لوگوں کو کھولتا ہوا پانی پینے کو دیا جائے گا۔ اور طرح طرح کے عذاب ہوں گے بعضے کافر یہ اعتراض کرتے تھے کہ جب ہم سب کے سب مر کر خاک ہو جائیں گے ہڈیاں تک گھل کر خاک ہو جائیں گی تو پھر کیوں کر ویسے کا ویسا کوئی اٹھ کھڑا ہو گا اس کے جواب میں فرمایا اِنَّهٗ یَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُهٗ جس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے پہلے پیدا کیا ہے وہی پھر دوبارہ بنا دے گا جب کسی چیز کی کوئی بنیاد بھی نہ تھی تو اس نے بنا دیا پھر دوبارہ بنا دینا اس کے نزدیک کیا بڑی بات ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اوپر کی آیت میں دنیا کی پیدائش کا ذکر فرما کر اس آیت میں حشر کا ذکر فرمایا تاکہ عقلی تجربہ کے موافق ان منکرین حشر کی سمجھ میں یہ بات اچھی طرح سے آ جائے کہ جو کام ایک دفعہ کیا جا چکے تو پھر دوبارہ اس کا کیا جانا کچھ مشکل نہیں رہتا اسی طرح پیدا ہونے سے پہلے جیسے یہ لوگ نیست نابود تھے مرنے کے بعد ویسے ہی ہو جاویں گے اور جس نے پہلی دفعہ ان کو نیست سے ہست کیا ہے وہی ان کو دوبارہ نیست سے ہست کرے گا۔ پھر یہ بھی سمجھایا کہ دوبارہ پیدا کرنا اس انصاف کی بنا پر ہے کہ اس دنیا جہان میں نیک و بد کی جزا و سزا ہو جائے کیونکہ نیک و بد کو ایک حالت پر رکھنا بڑی ناانصافی ہے۔ صحیح بخاری کے حوالہ سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

[1] صحیح مسلم ص ۳۹۰ ج ۲ کتاب الفتن [2] یعنی آیات صفات الٰہیہ باعتبار کیفیت متشابہات ہیں [3] صحیح بخاری ص ۴۵۴ ج ۱ باب صفۃ الشمس الخ و مشکوٰۃ ص ۴۷۲ ج ۲۔

هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا

وہی ہے جس نے بنایا سورج کو چمک اور چاند کو اُجالا اور ٹھہرائیں اُس کو منزلیں تو پہچانو

عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ

گنتی برسوں کی اور حساب یوں نہیں بنایا اللہ نے یہ سب مگر تدبیر سے کھولتا ہے پتے

کی حدیث قدسی ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس طرح میں نے انسان کو پہلی دفعہ پیدا کیا اُسی طرح پھر اُس کے دوبارہ پیدا کرنے کا ذکر میں نے اپنے کلام پاک میں کیا لیکن انسان نے حشر کا انکار کر کے میرے کلام پاک کو جھٹلایا[1] صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے نعمانؓ بن بشیر کی حدیث بھی ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس دوزخی پر سب سے کم عذاب ہوگا وہ یہ ہے کہ اُس کے پاؤں میں آگ کی جوتیاں پہنادی جاویں گی جس سے اُس کا بھیجا پگل کر نکل پڑے گا[2] صحیح مسلم میں مغیرہؓ بن شعبہ کی روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عقبیٰ میں ادنی درجہ کے اہل جنت کو اس قدر ساز و سامان دیا جاوے گا جو دنیا کی پانچ بادشاہتوں کے برابر ہوگا[3] ان حدیثوں کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان منکرین حشر کے ذمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے جھٹلانے کا الزام ہے اور اس طرح کے ادنی درجہ کے ملزموں کو بھی قیامت کے دن جو عذاب بھگتنا پڑے گا وہ انسان کی برداشت سے باہر ہے پھر اعلے درجہ کے ملزموں کے عذاب کا کیا ٹھکانا ہے اسی طرح جن لوگوں نے قرآن کی نصیحت پر عمل کر کے حشر کا کچھ سامان کر لیا ہے اُن میں کے کم درجہ کے جنتیوں کو وہ ساز و سامان دیا جاوے گا جو دنیا کی پانچ بادشاہتوں کے برابر ہوگا جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اعلے درجہ کے جنتیوں کا ساز و سامان آدمی کی سمجھ سے باہر ہے۔

۵۔۶۔ اللہ پاک نے زمین و آسمان اور جو جو چیزیں دنیا میں ہیں ان سب کو اپنے بندوں کے فائدے کے لئے پیدا کیا ہے اس لئے فرمایا کہ آفتاب کو الگ چمک بخشی ہے جس کے سبب سے دن ہوا کرتا ہے اور چاند کو الگ روشنی دی ہے اور وہ راتوں کو نکلا کرتا ہے چاند کے لئے منزلیں مقرر کیں جس میں وہ برابر آتا جاتا رہتا ہے کبھی گھٹ جاتا ہے کبھی بڑھ جاتا ہے اور پورا ہو کر پھر گھٹنے لگتا ہے یہاں تک کہ بالکل نہیں دکھائی دیتا پھر ایک یا دو روز میں ہلال بن کر نکلتا ہے اسی کے سبب سے لوگ مہینوں اور سال کا حساب کرتے ہیں تو جو لوگ عقل و شعور رکھتے ہیں ان سب باتوں پر غور کر کے خدا پر ایمان لاتے ہیں اور جانتے ہیں کہ بیشک وہ وحدہٗ لاشریک ہے جس نے ایسی ایسی نشانیاں بنائی ہیں ابن عباسؓ فرماتے ہیں چاند اور سورج کے منہ آسمان کی طرف ہیں اور پشت زمین کی طرف ہے[4] شرع میں اسی چاند کے دورہ کے حساب سے مہینہ شروع ہوتا ہے اور ختم ہوتا ہے سورج کے حساب سے نہیں پھر فرمایا کہ دن اور رات کا اُلٹ پھیر بھی خدا سے ڈرنے والوں کے واسطے ایک نشانی ہے کہ جب دن ہوتا ہے تو رات نہیں ہوتی اور جب رات ہے تو دن نہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ رات سے دن بڑا ہوتا ہے اور کبھی دن سے رات بڑی ہوتی ہے کبھی دونوں برابر ہو جاتے ہیں تو سمجھدار کے لئے یہ بھی ایک نشانی ہے کہ بیشک کوئی اس کا بنانے والا ہے۔ سورہ بقر میں گذر چکا[5] ہے کہ چاند کی

[1] صحیح بخاری ص ۷۴۳ ج ۲ کتاب بدء الخلق [2] صحیح مسلم ص ۱۱۵ ج ۱ باب شفاعۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم الخ و مشکوٰۃ ص ۵۰۲ باب صفۃ النار و اہلہا [3] صحیح مسلم ص ۱۰۶ ج ۱ باب اثبات الشفاعۃ و اخراج الموحدین من النار [4] تفسیر فتح البیان ص ۳۱ ج ۲ [5] تفسیر ہذا جلد اول ص ۱۵۴۔

لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ⑤ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ

ایک لوگوں پر جن کو سمجھ ہے البتہ بدلتے میں رات اور دن کے اور جو بنایا اللہ نے آسمان

وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ⑥ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا

اور زمین میں نشانیاں ہیں ایک لوگوں کو جو ڈر رکھتے ہیں جو امید نہیں رکھتے ہمارے ملنے کی اور راضی ہوئے

اٹھائیس منزلیں اور بارہ برج ہیں ان منزلوں میں سے جب ایک منزل کو چاند طے کرتا ہے تو ایک رات ہوتی ہے اور پوری منزلیں اور برج جب طے ہو جاتے ہیں۔ تو ایک مہینہ ہوتا ہے چاند اور سورج سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بڑے معجزوں کا بھی تعلق ہے۔ چاند کا معجزہ تو شق القمر کا معجزہ ہے جس کا پورا ذکر تو سورہ القمر میں آوے گا مگر حاصل اس کا یہ ہے کہ صحیح بخاری و مسلم میں انسؓ بن مالک کی روایت ہے جس میں یہ ہے کہ مشرکین مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شق القمر کا معجزہ چاہا[1] اور اس معجزہ کا ظہور اس وقت کے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ہوا جنہوں نے چاند کے دو ٹکڑے اپنی آنکھوں سے دیکھے سورج کے متعلق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ معجزہ ہے جس کا ذکر قیامت کی علامات کی صحیح حدیثوں میں ہے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں ابوذرؓ کی[2] اور صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ کی روایتیں ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ اب تو سورج ہر روز غروب کے وقت عرش معلی کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے اور اس کو حسب دستور دوسرے روز مشرق سے نکلنے کا حکم ہو جاتا ہے لیکن قیامت کے قریب ایک روز اللہ کے حکم سے وہ مغرب سے نکلے گا اس کے بعد کسی کی توبہ اور کسی کا نیک عمل پھر قبول نہ ہوگا جس طرح چاند کی گردش سے مہینہ اور سال کا حساب معلوم ہوتا ہے اسی طرح سورج کی گردش سے جاڑے گرمی اور برسات کا موسم پیدا ہوتا ہے جس کو دنیا کے کاموں میں بڑا دخل ہے غروب کے وقت سورج کے عرش معلے کے نیچے جانے اور سجدہ کرنے کا ذکر جو اوپر کی روایتوں میں ہے اس سے ان اہل ہیئت کا قول ضعیف ٹھہرتا ہے جو سورج کی حرکت کے قائل نہیں ہیں چنانچہ زیادہ تفصیل اس کی سورہ یٰسین میں آوے گی غرض جس اللہ نے سورج چاند کو اس حالت پر پیدا کیا یہ سورج چاند اسی کے تابع ہیں ان میں اصلی کوئی تاثیر نہیں ہے شیطان کے بہکانے سے جو لوگ سورج چاند میں کسی طرح کی مستقل تاثیر کا اعتقاد رکھ کر سورج چاند کی پوجا کرتے ہیں وہ بڑی غلطی پر ہیں۔ اسی واسطے حٰم السجدہ میں فرمایا لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (۴۱: ۳۷) مطلب اس کا وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا کہ جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا ہے اصل تعظیم کے قابل وہی ہے اس کی عبادت میں جو لوگ دوسروں کو شریک کرتے ہیں وہ بڑی غلطی پر ہیں کیونکہ ان کی عبادت کی سب محنت رائگاں ہے اس لئے فرمایا کہ جو سمجھ دار متقی لوگ ہیں ان کے حق میں تو سورج چاند دن رات اور سب مخلوقات اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں اور جو لوگ ناسمجھی سے شیطان کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں وہ اللہ کی قدرت کو بھول کر ان چیزوں سے اس طرح کے کام لیتے ہیں جن کاموں کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو پیدا نہیں کیا مثلاً نہ سورج چاند پوجا کے لئے پیدا کئے گئے ہیں نہ رات دن ایسے خلاف شریعت کاموں میں صرف کرنے کے لئے۔

۷۔۱۰۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ خواہشات دنیا سے اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو اور تکلیفات شرعیہ سے

[1] صحیح مسلم ص ۳۷۳ ج ۲ باب انشقاق القمر [2] صحیح بخاری ص ۴۵۴ ج ۱ باب صفۃ الشمس الخ و صحیح مسلم ص ۸۸ ج ۱۔ باب بیان الزمن الذی لا یقبل فیہ الایمان۔

بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝٧

دنیا کی زندگی پر اور اسی پر چین پکڑا اور جو ہماری قدرتوں سے بے خبر ہو رہے ہیں

اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝٨ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

ایسوں کا ٹھکانا ہے آگ بدلا اُس کا جو کماتے تھے البتہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے

الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ

نیک کام راہ دے گا ان کو رب ان کا اُن کے ایمان سے بہتی ہیں اُن کے نیچے نہریں باغوں

جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝٩ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ

آرام کے ان کی دعا اس جگہ یہ کہ پاک ذات ہے تیری یا اللہ اور ملاقات ان کی سلام

وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١٠ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ

اور تمام ان کی دعا اس پر کہ سب خوبی اللہ کو جو صاحب سارے جہان کا اور اگر شتاب پہنچا دے اللہ لوگوں کو

جنت کو ڈھانک رکھا ہے[1] جس کے حاصل معنے یہ ہیں کہ جس طرح پردہ کے اندر کوئی چیز ڈھکی اور چھپی ہوتی ہے اسی طرح جنت تکلیفات شرعیہ کے پردہ کے اندر اور دوزخ خواہشات دنیا کے پردہ کے اندر چھپی ہوئی ہیں اس لئے جس کسی کی تمام ہمت اور کوشش اور عمر خواہشات دنیا کے پورا کرنے اور آخرت سے غافل رہنے میں گذری اُس نے گویا دوزخ کے دروازہ کا پردہ اٹھایا اور دوزخ میں جانے کا قصد کیا اور جس کسی کی عمر تا بمقدور تکلیفات شرعیہ کی برداشت میں بسر ہوئی اُس نے جنت کے دروازہ کا پردہ اٹھایا اور جنت میں جانے کا قصد کیا غرض جیسے اس حدیث کے یہی معنے ان آیتوں کے ہیں اس واسطے اس حدیث کو ان آیتوں کی تفسیر کہنا چاہیئے اور خواہشات دنیا رحمت الٰہی اور جنت سے روکنے والی چیزیں ہیں اسی واسطے معتبر سند سے طبرانی اور مستدرک حاکم میں ابوسعید خدری وغیرہ سے روایت ہے[2] جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اپنے جس بندے کی اخروی بھلائی چاہتا ہے اُس کو دنیا اور خواہشات دنیا سے ایسا بچاتا ہے جس طرح کوئی آدمی اپنے بیمار کو بد پرہیزی کی چیزوں سے بچاتا ہے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اپنی محبت اور دین کے کاموں کا شوق اور دنیا کی دلدل میں پھنسنے سے نفرت نصیب کرے جنتی لوگ جنت کی نعمتیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کریں گے اور جب آپس میں ملیں گے تو السلام علیکم کہیں گے اسی کا ذکر ان آیتوں میں ہے جو لوگ رات دن خواہشات دنیا میں گرفتار ہیں وہ عقبے سے غافل ہو رہے ایک دن اللہ کو منہ دکھانے کا خیال کبھی ان کے دل میں نہیں گذرتا اور جو لوگ عقبیٰ کی بہبودی چاہتے ہیں وہ اعتقاد اور نیک عملوں کی درستی میں ہر وقت لگے رہتے ہیں انہی دونوں گروہوں کا ذکر ان آیتوں میں فرما کر اول گروہ کا انجام دوزخ اور دوسرے گروہ کا انجام جنت کو فرمایا ابوہریرہؓ کی حدیث جو اوپر گذری وہ ان دونوں انجاموں کی پوری تفسیر ہے

۱۱۔ نضر بن حارث اور ابوجہل نے جب یہ دعا مانگی کہ اگر یہ قرآن اور آنحضرت کا رسول ہونا سچا ہے تو یا اللہ ہم پر آسمان سے پتھر برسا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ جس طرح سستی کے فارغ البالی اور دنیا کی بھلائیاں جس طرح ہر وقت آدمی کو اللہ دیتا رہتا ہے اسی طرح غصہ کے وقت کی بددعا پر فوراً اللہ آدمی کو پکڑ کرتا ہے تو بہت جلد دنیا اور اہل دنیا کا خاتمہ

[1] صحیح بخاری ص ۹۶۰ باب حجبت النار بالشہوات [2] الترغیب و الترہیب ص ۲۲۲ ج ۲ باب الترغیب فی الفقر الخ۔

الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُم بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ فَنَذَرُ الَّذِينَ لَا

برائی جیسے مانگتے ہیں بھلائی تو پوری کر چکے ان کی عمر سو ہم چھوڑ رکھتے ہیں جن کو امید نہیں

يَرْجُونَ لِقَاءَنَا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١١﴾ وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ الضُّرُّ

ہماری ملاقات کی ان کی شرارت میں بھٹکتے اور جب پہنچے انسان کو تکلیف

دَعَانَا لِجَنبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ كَأَن لَّمْ

ہم کو پکارے پڑا ہوا یا بیٹھا یا کھڑا اور پھر جب ہم نے کھول دی اس سے وہ تکلیف چلا گیا گویا

ہوجاوے صحیح مسلم اور ابوداؤد میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ اے لوگو! اپنے اور اپنے مال و اولاد کے حق میں غصہ کے وقت بد دعا نہ کیا کرو ایسا نہ ہو کبھی قبولیت کے وقت وہ بد دعا منہ سے نکل جاوے اور قبول ہو جاوے[1] اور اگرچہ اللہ اپنی رحمت سے انسان کو ہر وقت کی برائی پہنچانے سے درگزر فرماتا ہے لیکن یہ رحمت بھی نافرمان لوگوں کے حق میں ایک عذاب اور وبال ہے کس لئے کہ یہ نافرمان لوگ جس قدر دنیا میں صحت اور فارغ البالی سے رہیں گے بُرے کام زیادہ کریں گے جس کا خمیازہ اسی قدر اُن کو آخرت میں بھگتنا پڑے گا ترمذی مسند امام احمد بن حنبل دارمی میں ابی بکرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرتؐ سے پوچھا کہ حضرت اچھا آدمی دنیا میں کون ہے آپ نے فرمایا جس کی عمر بڑی ہو اور وہ اپنی عمر میں نیک کام کرے اُس شخص نے پوچھا کہ بُرا آدمی دنیا میں کون ہے آپ نے فرمایا جس کی عمر بڑی ہو اور وہ اپنی عمر میں بد کام کرے ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[2] دنیا میں بد لوگوں کا چند روز صحت و آسائش سے رہنا آخرت کی تکلیف دائمی کے مقابلہ میں اسی طرح نیک لوگوں کی دنیا کی چند روزہ سختی اُن کی آخرت کی راحت کے مقابلہ میں کسی گنتی میں نہیں ہے اس لئے بد لوگوں کی آسائش اور نیک لوگوں کو کسی دنیا کی سختی میں دیکھ کر کچھ پچھتاوا انہیں کرنا چاہئے اس پچھتاوے کو رفع کرنے کے لئے صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا قیامت کے دن بڑے بڑے راحت سے رہنے والے بد لوگوں سے دوزخ میں جاتے ہی فرشتے پوچھیں گے تم کو دنیا کا آرام و چین کچھ یاد ہے وہ قسمیں کھا کر کہیں گے کہ اس تکلیف کے سامنے ہم کو کوئی راحت دنیا کی یاد نہیں اسی طرح دنیا کے بڑے مصیبت زدہ نیک لوگوں سے جنت میں جاتے ہی فرشتے پوچھیں گے تم کو دنیا کی کوئی مصیبت یاد ہے وہ کہیں گے اس راحت کے آگے ہم کو کوئی مصیبت یاد نہیں[3]۔

۱۲-۱۴ اوپر کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نافرمان لوگوں کی یہ عادت بتلائی تھی کہ جس قدر اُن کو دنیا میں تندرستی اور فارغ البالی دی جاتی ہے اُسی قدر اُن کی نافرمانی اور سرکشی بڑھتی جاتی ہے اس آیت میں دوسری عادت اُن لوگوں کی فرمائی کہ تنگی کے وقت لوگ سب سرکشی بھول کر اٹھتے بیٹھتے اللہ کو پکارنے لگتے ہیں اور جب اللہ اُن کی وہ تنگی رفع کر دیتا ہے تو پھر بالکل خدا سے بیگانے بن جاتے ہیں صحیح مسلم میں صہیب رومیؓ کی روایت ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی علامت یہ بیان فرمائی ہے کہ تنگی کے وقت وہ صبر کرتے ہیں اور راحت کے وقت اللہ کا شکر بجا لاتے ہیں[4] اور اس سے بڑھ کر ایک مقام ہے جو خاص لوگوں کو میسر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ تنگی کے وقت ظاہر میں صبر کرنا اور باطن میں اُس تنگی کو اللہ کا حکم سمجھ کر اُس تنگی سے دل پہ میل نہ آنے

[1] مشکوٰۃ ص ۱۹۴ ج ۱- کتاب الدعوات و تفسیر ابن کثیر ص ۴۰۸ ج ۲ [2] جامع ترمذی ص ۵۶ ج ۲ باب ماجاء فی طول العمر للمومن [3] مشکوٰۃ ص ۵۰۲ ج ۲ باب صفۃ النار و اہلہا [4] مشکوٰۃ ص ۴۵۲ باب التوکل والصبر۔

يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرٍّ مَّسَّهُ ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۲﴾

کبھی پکارا نہ تھا ہم کو کسی تکلیف پہنچنے پر اسی طرح بن آیا ہے بے لحاظ لوگوں کو جو کچھ کر رہے ہیں

وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ مِن قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوا ۙ وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم

اور ہم کھپا چکے وہ سنگتیں تم سے پہلے جب ظالم ہو گئے اور لائے تھے اُن پاس رسول

بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ﴿۱۳﴾

اُن کے کھلی نشانیاں اور ہرگز نہ تھے ایمان لانے والے یوں ہی سزا دیتے ہیں ہم قوم گنہگاروں کو

ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِن بَعْدِهِمْ لِنَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿۱۴﴾

پھر تم کو ہم نے نائب کیا زمین میں ان کے بعد کہ دیکھیں تم کیا کرتے ہو

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ ۙ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ

اور جب پڑھے اُن پاس آیتیں ہماری صاف کہتے ہیں جن کو امید نہیں ہم سے ملاقات کی لے آ کوئی

دیناً اور رضا بالقضا کا معاملہ رکھنا خدا اپنے بندوں میں جس کو چاہتا ہے یہ مقام عنایت فرماتا ہے جس طرح یہ مقام مشکل ہے اس کا اجر بھی بہت ہی بڑا ہے۔ اس خاص گروہ کے خاص مقام کا ذکر ابو درداؓ کی روایت سے مستدرک حاکم میں ہے اور حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[1] آخر کو فرمایا پہلے لوگ اس سرکشی اور ناشکری کے وبال میں طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک ہو گئے اور وہاں کے لوگ اُن پچھلے لوگوں کی قائم مقامی کے طور پر زمین میں آباد ہوئے ہیں جن کا ہر ایک کام اللہ کی نظر میں ہے کہ جیسا کوئی کرے گا ویسا ہی بدلہ پاوے گا صحیح بخاری و مسلم میں عمروؓ بن عوف کی روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ کو اپنی امت کے فقر و فاقہ کی حالت کا کچھ خوف نہیں ہے بلکہ خوف ہے تو یہ ہے کہ پچھلے لوگوں کی طرح ان میں مال متاع کی کثرت ہو جاوے گی جس کی شکر گذاری ان سے نہ ہو سکے گی تو اس وقت پچھلے لوگوں کی طرح ان پر بھی آفت آجاوے گی[2] یہ حدیث آخری آیت کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں کے مالدار ہو جانے کے بعد جب تک اُن کے کام اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق رہے بادشاہت حکومت سب کچھ اُن کے قبضہ میں رہا جب یہ بات جاتی رہی ہر طرح کی ذلت اور خواری اُن کے پلے پڑی۔

۱۵-۱۶۔ مفسرین سلف مثل قتادہ اور مقاتل بن حیان نے جو شان نزول ان آیتوں کی بیان کی ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ جب آنحضرتؐ مشرکین مکہ کو قرآن شریف کی وہ آیتیں سناتے جن میں اُن کے بتوں اور بت پرستی کی مذمت ہوتی تو ولید بن مغیرہ، ابن امیہ اور سرکش مشرک کہتے تھے کہ اگر تم کو ہمیں اس قرآن کو تسلیم کرانا منظور ہے تو اس میں سے اس طرح کی آیتیں جن میں ہمارے بتوں کی مذمت ہے بدل ڈالو امام فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ اس مقولہ سے ان مشرکین کی دو غرضیں خیال میں آتی ہیں یا تو مسخرے پن سے وہ ایسی بات کہتے تھے یا ان کو اس بات کا امتحان مقصود تھا کہ اگر خود آنحضرتؐ کا بنایا ہوا یہ قرآن ہوگا تو وہ ہماری خاطر سے کچھ حکم اُس کے بدل ڈالیں گے اور خدا کی طرف سے یہ قرآن اترتا ہوگا تو آنحضرت کوئی حکم اُس کا ہماری

[1] الترغیب والترہیب ص ۲۷۴ ج ۲ باب الترغیب فی الصبر الخ [2] صحیح بخاری ص ۹۵۰ ج ۲ باب مایحذر من زہرۃ الدنیا والتنافس فیہا۔

بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ۭ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَاۗئِ

اور قرآن اس کے سوائے یا اُس کو بدل ڈال تو کہہ میرا کام نہیں کہ اس کو بدلوں اپنی طرف

نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ

سے میں تابع ہوں اسی کا جو حکم آوے میری طرف میں ڈرتا ہوں اگر بے حکمی کروں اپنے رب کی بڑے

يَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑮ قُلْ لَّوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ڮ

دن کی مار سے تو کہہ اگر اللہ چاہتا تو میں نہ پڑھتا یہ تمہارے پاس اور نہ وہ تم کو خبر کرتا اس کی

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ⑯

کیوں کہ میں رہ چکا ہوں تم میں ایک عمر اس سے پہلے کیا پھر تم نہیں بوجھتے

خاطر سے کچھ بدل سکیں گے اللہ تعالیٰ غیب دان نے اُن کی دلی مقصود کو جان کر یہ جواب نازل فرمایا کہ ان منکر قرآن لوگوں سے کہہ دو کہ تمہاری عقلوں میں اتنی بات سمجھنے کی کیا قدرت نہیں ہے کہ قرآن شریف کے نازل ہونے سے چالیس برس پیشتر میں تمہی لوگوں میں رہتا تھا اور تم لوگ مجھ کو سچا اور امین جانتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ میں پڑھا لکھا نہیں ہوں پھر یہ گمان تمہیں کیوں کر ہے کہ یہ قرآن میں نے اپنی طرف سے بنا لیا ہے نہیں ہرگز نہیں یہ گمان تمہارا بالکل غلط ہے صحیح بات یہی ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے اور اس میں کسی کی خاطر سے کچھ بدل سدل میرے اختیار میں ہرگز نہیں ہے میں فقط اللہ کے کلام کو اُس کے حکم کے موافق تم لوگوں کو سنا دیتا ہوں ورنہ چالیس برس جس طرح چپ چاپ میں نے تم لوگوں میں کاٹ دیئے کبھی تمہارے بتوں کو تمہاری بت پرستی کو برا نہیں کہا اب بھی بلا حکم خدا کے مجھ کو تم سے اس عداوت کے پیدا کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انس بن مالک کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر صحابہ سے فرمایا کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا خوف اپنے دل میں رکھتا ہوں[1] ترمذی نسائی ابوداؤد وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت[2] جس کا حاصل یہ ہے کہ جب کوئی آیت یا سورت نازل ہوتی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوراً کسی کاتب کو بلا کر اس آیت یا سورت کو لکھو لیا کرتے تھے ابن حبان اور حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ان حدیثوں کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کی آیتوں میں کچھ بدل سدل ہو جانے پر ان آیتوں میں عذاب کا خوف دلایا گیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں سب سے زیادہ خوف الٰہی تھا اس لئے جو وحی آتی تھی اُس کو آپ فوراً لکھوا لیتے تھے تاکہ لکھوانے میں تاخیر ہو کر کسی آیت یا سورت کے لفظوں میں کچھ ردوبدل نہ ہو جاوے۔ قرآن کی صحت کا یہ انتظام تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تھا خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کی صحت کا یہ انتظام تھا کہ ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک جس قدر حصہ قرآن کا نازل ہوتا تھا اللہ کے حکم سے ہر رمضان میں حضرت جبرئیل علیہ السلام اُس حصہ کا دور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کیا کرتے تھے جس سے ناسخ منسوخ وغیرہ کی صحت پورے طور پر ہو جاتی تھی چنانچہ صحیح[3] بخاری وغیرہ میں جو روایتیں ہیں اُن میں اس کا ذکر تفصیل سے ہے اگرچہ رمضان کے

[1] مشکوٰۃ ص ۲۷ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ [2] جامع ترمذی ص ۱۳۴ ج ۲ تفسیر سورۃ التوبہ [3] تنقیح الرواۃ ص ۶۰۵ ج ۲ مشکوٰۃ ص ۱۸۳ باب الاعتکاف فصل اول

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ

پھر کون ظالم اس سے جو بناوے اللہ پر جھوٹ یا جھٹلاوے اس کی آیتیں بیشک بھلا نہیں ہوتا

الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾

گنہگاروں کا

روزے ہجرت کے بعد فرض ہوئے ہیں لیکن یہ دور کا طریقہ روزوں کے فرض ہونے سے پہلے مکہ میں بھی تھا۔

۷ اس سے پہلے کی آیت میں بیان ہو چکا ہے کہ کافروں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اور قرآن آپ لائیں یا اس کو بدل ڈالیں جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ کہہ دو مجھے زیبا نہیں ہے کہ میں اپنے جی سے اللہ کے کلام کو بدل ڈالوں کیونکہ یہ تو بڑا ظلم ہے اور خدا پر بہتان باندھنا ہے کہ جو بات خدا نے نہ بتلائی ہو اس کو میں اپنے جی سے کہوں آیت کا ایک مطلب یہی بیان کیا گیا ہے کہ مشرک اور کافر خدا کو اور اس کی آیتوں کو اور اس کے رسول کو جھٹلانے میں بہت ظلم کرتے ہیں کبھی اُن کو فلاحیت نہ ہو گی اور یہ مطلب بھی ہے کہ مسیلمہ کذاب ایک شخص حضرت کے زمانہ میں عرب میں تھا اس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا اور جی سے آیتیں گھڑ کر کہتا تھا کہ خدا نے یہ آیتیں مجھ پر اتاری ہیں اس واسطے فرمایا کہ جو شخص خدا پر بہتان باندھے اور یہ کہے کہ خدا نے مجھ پر اپنا کلام بھیجا ہے اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں خدا کی مخلوق کو دھوکا دیتا ہے کبھی فلاحیت نہ پائے گا کیونکہ یہ ایک ایسی بات ہے جو ہرگز کبھی چھپ نہیں سکتی بیوقوف سے بیوقوف آدمی اس کو سمجھ لے گا چنانچہ جن لوگوں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیلمہ کذاب کو دیکھا ہے انہوں نے فوراً پہچان لیا ہے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے صحیح بخاری وغیرہ میں انس بن مالک کی روایت میں عبداللہ بن سلام کا جو قصہ ہے اس میں عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے تو لوگ آپ کے دیکھنے کو ٹوٹ پڑے اُن میں میں بھی تھا میں نے صورت دیکھتے ہی پہچان لیا کہ آپ جھوٹوں میں نہیں ہیں پھر جب بنی سعد بن بکر کی طرف سے ضمام بن ثعلبہ آپ کے پاس آئے تو باتیں کرتے کرتے یہ بھی پوچھا کہ آسمان کو کس نے بنایا ہے آپ نے فرمایا اللہ نے پھر کہا پہاڑوں کو کس نے پیدا کیا فرمایا اللہ نے پھر پوچھا زمین کس نے بنائی فرمایا اللہ نے کہنے لگے آسمان اور زمین اور پہاڑ پیدا کرنے والے کی قسم کیا خدا نے تمہیں کل لوگوں کی ہدایت کو بھیجا ہے آپ نے فرمایا ہاں پھر ضمام بن ثعلبہ نے نماز روزہ حج زکوٰۃ ہر ایک بات میں قسمیں دے دے کر دریافت کیا آپ بھی قسمیں کھا کھا کر بیان فرماتے گئے جب ضمام بن ثعلبہ نے سب سچی باتیں سن لیں کہا جس نے تمہیں رسول بنا کر بھیجا ہے اسی کی قسم کھا کر کہتا ہوں بیشک آپ سچے ہیں اور میں ان باتوں میں جو آپ نے بتلائی ہیں کچھ کمی بیشی نہ کروں گا یہ ضمام بن ثعلبہ رض کا قصہ صحیح بخاری وغیرہ میں تفصیل سے ہے اسی طرح جن لوگوں نے مسیلمہ کو دیکھا اس کے بنائے ہوئے قرآن کی آیتیں سنیں انھوں نے خود جان لیا کہ یہ خدا کی طرف سے نہیں ہے محض جھوٹ ہے اسی واسطے خدا تعالیٰ نے فرمایا جھوٹے اور دغا بازوں کو کبھی فلاحیت نہیں ہے آخر جب مسیلمہ مارا گیا تو اس کے سب دوست علیحدہ علیحدہ ہو گئے یہاں تک کہ خود اس کے گھر کے لوگوں نے اس پر لعنت بھیجی اور پھر اُس کے کل رشتہ داروں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر توبہ کی اور اسلام میں داخل ہوئے حضرت ابوبکر صدیق

۱؎ اصابہ فی معرفۃ الصحابہ ص ۲۰۰ ج ۴ طبع شرفیہ مصر و تفسیر الدر المنثور ص ۱۰۰ ج ۴ بروایت جامع ترمذی وغیرہ ۲؎ صحیح بخاری ص ۱۵ ج ۱ باب القراۃ والعرض علی المحدث۔

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ

اور پوجتے ہیں اللہ سے نیچے جو چیز نہ برا کرے ان کا اور نہ بھلا اور کہتے ہیں

هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ ۚ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ

یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے پاس تو کہہ تم اللہ کو جتاتے ہو جو اس کو معلوم نہیں آسمانوں میں

وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿١٨﴾ وَمَا كَانَ النَّاسُ

اور نہ زمین میں وہ پاک ہے اور بہت دور ہے اس سے جو شریک کرتے ہیں اور لوگ جو ہیں

نے ان لوگوں سے اُس کے قرآن کی آیتیں پڑھوا کر سنیں تاکہ جن لوگوں نے اُس کا کلام نہیں سنا ہے وہ بھی سن لیں اور جھوٹ اور سچ میں تمیز کر لیں یہ مسیلمہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت میں وحشی بن حرب حضرت امیر حمزہؓ کے قاتل کے ہاتھ سے مارا گیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ یہ قصہ صحیح بخاری[1] کے حوالہ سے گذر چکا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت میں یمامہ کی بڑی لڑائی مشہور ہے جس میں مسیلمہ مارا گیا خالد بن ولیدؓ اس یمامہ کی لڑائی میں لشکر اسلام کے سردار تھے اس لڑائی میں جب بہت سے حافظ قرآن صحابہ کے شہید ہونے کی خبر آئی تو حضرت عمرؓ کے مشورہ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سارا قرآن ایک جگہ جمع کر کے لکھوایا تاکہ حافظ صحابہ کے شہید ہو جانے سے قرآن کی حفاظت میں کچھ فرق نہ پڑ جاوے چنانچہ زید بن ثابتؓ کی روایت سے یہ قصہ صحیح بخاری[2] میں ہے۔ صحیح مسلم[3] کے حوالہ سے ابوسعید خدریؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا نزول قرآن کے زمانہ میں سوا قرآن کے میری حدیثیں نہ لکھا کرو اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی صحیح حدیث بھی اوپر گذر چکی[4] ہے کہ جب کوئی آیت یا سورت نازل ہوتی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوراً اُس کو لکھوا لیا کرتے تھے غرض ان حدیثوں سے اور اس قسم کی اور حدیثوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سارا قرآن متفرق طور پر لکھا ہوا موجود تھا اُسی کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک جگہ جمع کرا دیا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں جو قرآن جمع ہوا اس میں ساتوں قرأتیں تھیں جس کے سبب سے صحابہؓ میں ایک اختلاف رہتا تھا کسی لفظ کو کوئی ایک طرح پڑھتا تھا اور کوئی دوسری طرح اس اختلاف کے رفع کرا دینے کی غرض سے پھر حضرت عثمانؓ نے ایک قرأت کا قرآن لکھوایا چنانچہ انس بن مالکؓ کی روایت سے یہ قصہ صحیح بخاری[5] میں تفصیل سے ہے اور اس تفسیر کے مقدمہ میں بھی اس قصہ کی تفصیل بیان کر دی گئی ہے احسن الفوائد کے مقدمہ میں بھی اس قصہ کا ذکر ہے۔

۱۸-۱۹۔ مطلب یہ ہے کہ خدائے وحدہ لاشریک کو چھوڑ کر یہ لوگ بتوں کو پوجتے ہیں اور یہ امید رکھتے ہیں کہ قیامت کے دن یہ بت خدا سے ان کی شفاعت کریں گے یہ ان کی انتہا درجہ کی گمراہی ہے کہ جو دنیا میں ذرہ برابر بھی نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا وہ آخرت میں کیا شفاعت کرے گا پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ اُن سے کہو کہ تم لوگ الیسی بات خدا کو جتلاتے ہو جس کا سر نہ پاؤں بغیر حکم خدا کے کس کی مجال ہے جو کسی کی کوئی شفاعت کرے پھر خدا نے اپنی پاکی بیان فرمائی کہ وہ شرک سے بالکل پاک صاف ہے اور اگر مشرک شاید یہ کہیں تمہارے دین میں یہ منع ہوگا ہمارے دین میں تو یہ منع نہیں ہے تو فرمایا کہ یہ عقیدہ تم لوگوں نے گھڑ لیا ہے پہلے تو اس کا نام و نشان بھی

[1] صحیح بخاری ص ۵۸۳ ج ۲ باب قتل حمزہ [2] صحیح بخاری ص ۷۴۵ ج ۲ باب جمع القرآن [3] صحیح مسلم ص ۴۱۴ ج ۲ باب التثبت فی الحدیث و حکم کتابۃ العلم [4] تفسیر ہذا ص ۱۹ [5] صحیح بخاری ص ۷۴۶ ج ۲ باب جمع القرآن۔

إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ

سو ایک ہی امت ہیں پیچھے جدا جدا ہوئے اور اگر نہ ایک بات آگے ہو چکتی تیرے رب کی البتہ فیصلہ ہو جاتا

بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١٩﴾ وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ

ان میں جس بات میں پھوٹ رہے ہیں اور کہتے ہیں کیوں نہ اترے اُس پر ایک نشانی اس کے رب سے

نہ تھا سب کے سب ایک دین پر تھے جس کا نام اسلام ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں حضرت آدمؑ سے حضرت نوحؑ تک دس قرن گذرے ہیں اس وقت تک سارے لوگوں کا مذہب دین اسلام تھا اُس کے بعد لوگوں کے عقیدوں میں خلل واقع ہونے لگا اور اختلاف پڑا کوئی بتوں کو پوجنے لگا اور کوئی سورج چاند اور ستاروں کو اور بہتیرے خدا کے سچے دین اسلام پر بھی قائم رہے پھر خدا نے اپنی حجت تمام کرنی چاہی کیوں کہ وہ کسی کو بے حجت نہیں پکڑتا اس نے رسولوں کو بھیجنا شروع کیا تاکہ وہ مخلوق کی ہدایت کریں حق و ناحق ان پر کھول دیں اگر حجت تمام کرنی نہ ہوتی تو اب تک کب کا فیصلہ کر چکا ہوتا یا قیامت قائم کر دیتا یا ان مشرکوں کو ایک دم ہلاک کر دیتا سورۃ ابراہیم اور سورۃ سبا میں آوے گا کہ مشرکین مکہ جن بتوں کی پوجا کرتے اور اُن کی شفاعت کی امید رکھتے تھے قیامت کے دن بجائے شفاعت کے ان مشرکوں کے وہ جھوٹے معبود اور سب جھوٹے معبودوں کا سردار شیطان ان مشرکوں سے بڑی بیزاری ظاہر کریں گے جن سے اس غلط شفاعت کی امید پر ان مشرکوں کو بڑا پچھتاوا ہو گا لیکن اُس دن کا پچھتاوا ان کے کچھ کام نہ آوے گا سورۃ ابراہیم اور سورۃ سبا کی وہ آیتیں اس غلط شفاعت کی بے ٹھکانے امید کی گویا تفسیر ہیں صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے مغیرہؓ بن شعبہ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کی انجانی کے عذر کو رفع کر دینا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اسی واسطے آسمانی کتابیں دے کر اس نے رسول بھیجے[1] اس حدیث کو ان آیتوں کے آخری ٹکڑے کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ علم الٰہی میں اگر یہ بات نہ ٹھہر چکی ہوتی کہ بغیر انجانی کے عذر کو رفع ہو جانے کے کسی قوم کو ہلاک کیا جاوے گا تو ان مشرکوں نے جس سرکشی پر کمر باندھ رکھی ہے اس کے وبال میں یہ لوگ اب تک ہلاک ہو چکے ہوتے۔

مشرکین مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے تھے ہم کس طرح جانیں کہ آپ خدا کے بھیجے ہوئے رسول ہیں کوئی نشانی دکھلائیے حالانکہ وہ لوگ بڑے بڑے معجزے آپ کے دیکھ چکے تھے شق القمر کا معجزہ ایسا عجیب و غریب تھا جس کا جواب نہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک روز چودھویں رات کو جب چاند پورا گول ہو جاتا ہے تو آپ نے انگلی سے اشارہ کیا چاند دو ٹکڑے ہو کر آدھا پہاڑ کے اس طرف اور آدھا پہاڑ کے اُس طرف ہو گیا اور بہت دیر تک اسی حالت پر رہا چنانچہ اس باب میں صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی روایت اوپر گذر چکی ہے[2] اس کے علاوہ اور بہت سے معجزے آپ کے سوا دیکھے اور یہ قرآن کیا کم معجزہ تھا کہ عرب کے بڑے بڑے عالم اور زبان جاننے والے ایک آیت بھی اس کے مثل نہ بنا سکے وہ تو یہ کہتے تھے کہ جس طرح عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کر دیتے تھے صالح علیہ السلام کو اونٹنی کا معجزہ ملا تھا موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور ید بیضا حاصل تھا اسی طرح آپ بھی اس پہاڑ کو جو مکہ میں ہے جس کا نام کوہ صفا ہے سونا بنا دیجئے یا کل پہاڑ مکہ کے اپنی جگہ سے اکھڑ کر علیحدہ ہو جائیں اور یہاں ایک خوشنما باغ لگ جائے اس پر فرمایا کہ تم کہہ دو غیب کا علم نہ مجھ کو ہے نہ تم کو

[1] تفسیر ہذا جلد دوم ص ۲۳۱ طبع المکتبۃ السلفیہ۔ [2] یعنی ص ۱۵ اپر بحوالہ صحیح مسلم ص ۳۷۳ ج ۲ باب انشقاق القمر نیز مشکوٰۃ ص ۵۲۴ باب علامات النبوۃ۔

فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِذَآ اَذَقْنَا

سو تو کہہ کہ چھپی بات اللہ ہی جانے سو راہ دیکھو میں تمہارے ساتھ ہوں راہ دیکھتا اور جب چکھا دیں

النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِىْٓ اٰيَاتِنَا قُلِ اللّٰهُ

ہم لوگوں کو مزا اپنی مہر کا بعد ایک تکلیف کے جو ان کو لگی تھی اُسی وقت بنانے لگیں حیلے ہماری قدرتوں میں تو کہہ اللہ

اَسْرَعُ مَكْرًا اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾ هُوَ الَّذِىْ يُسَيِّرُكُمْ

سب سے جلد بنا سکتا ہے حیلے تحقیق ہمارے فرشتے لکھتے ہیں حیلے بنانے تمہارے وہی تم کو پھراتا ہے

فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتّٰىٓ اِذَا كُنْتُمْ فِى الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ

جنگل میں اور دریا میں یہاں تک کہ جب ہوئے کشتی میں اور لے کر چلیاں لوگوں کو اچھی باد سے

بلکہ کسی مخلوق کو نہیں ہے خدا ہی جانتا ہے تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں کیونکہ اللہ پاک تو بڑا علیم اور حکیم ہے اُس کی ہمیشہ یہی عادت رہی ہے کہ جب کسی قوم نے اپنے رسول سے کسی بات کو کہا اور رسول نے خدا سے سوال کیا اور خدا نے اُس کو پورا کر دیا اور اس پر بھی پھر وہ قوم ایمان نہیں لائی تو اللہ پاک نے بہت جلد اُس پر عذاب بھیج دیا حضرت سے بھی اللہ پاک کا یہی ارشاد ہوا تھا کہ آپ پہلے سمجھ لیں سوال پورا ہو تے پر اگر یہ لوگ ایمان نہ لائے تو فوراً ان پر عذاب نازل ہوگا آپ نے مہلت چاہی تھی اس لئے حکم ہوا کہ غیب کی خبر خدا ہی کو ہے وہی ہر ایک کام کا انجام خوب جانتا ہے آپ صرف یہ کہہ دیں کہ بغیر سوال پورا ہوئے اگر تم ایمان نہیں لاتے تو اپنے اور میرے حق میں خدا کے حکم کے منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے حضرت عمرؓ کی حدیث بدر کی لڑائی کے قصہ میں گذر چکی ہے کہ بدر کی لڑائی میں مشرکین مکہ کے جو بڑے بڑے سردار مارے گئے اُن کے نام پہلے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بتلا دئے تھے[1] صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو طلحہ و انسؓ بن مالک کی یہ روایتیں بھی گذر چکی ہیں کہ ان مشرکین کی لاشوں پر کھڑے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اب تو تم لوگوں نے اللہ کے وعدہ کو سچا جان لیا[2] ان حدیثوں کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس عذاب کی راہ دیکھنے کا وعدہ آیت میں تھا اُس کے موافق دنیا اور آخرت کا عذاب ان مشرکوں کے سامنے آیا دنیا میں تو ان میں کے بڑے بڑے سرکش ذلت سے مارے گئے اور دم نکلتے ہی آخرت کے عذاب نے اُن کو آن گھیرا اسی واسطے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی لاشوں پر کھڑے ہو کر انہیں یہ جتلایا کہ اب تو تم لوگوں نے اللہ کے وعدہ کو سچا جان لیا۔

۲۱۔ ۲۳۔ انسان پر جب کوئی سختی ہوتی ہے اور کوئی تدبیر بن نہیں آتی تو خدا کو پکارنے لگتا ہے پھر جب اُس سے نجات پا لیتا ہے تو اسے خیال بھی نہیں رہتا کہ مجھ پر کوئی سختی گذری تھی صحیح بخاری و مسلم میں زیدؓ بن خالد جہنی سے روایت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک روز رات کو مینہ برسا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس روز صبح کی نماز کے بعد لوگوں سے کہا کہ تم جانتے ہو آج رات کو خدا نے کیا کہا لوگ کہنے لگے خدا اور خدا کا رسول جانتا ہے ہم لوگوں کو کیا خبر فرمایا یہ کہا ہے کہ صبح کو جب میرے بندے اٹھیں گے تو اکثر مومن ہوں گے اور بہتیرے کافر کیونکہ رات کو جو بارش ہوئی ہے جو اس کو یوں کہے گا کہ خدا نے اپنے فضل سے مینہ برسایا ہے وہ تو مومن ہوگا اور جو یہ کہے گا کہ ستاروں کی گردش

[1] صحیح مسلم ص ۳۸۷ ج ۲ باب عرض مقعد المیت من الجنۃ والنار الخ۔ [2] صحیح بخاری ص ۵۶۶ ج ۲ باب قتل ابی جہل و صحیح مسلم ص ۱۰۲ ج ۲ باب غزوۃ بدر۔

وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَ

اور خوش ہوئے اُس سے آئی اُن پر آندھی جھونکے کی اور آئی ان پر لہر ہر جگہ سے اور

ظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لَئِنْ أَنْجَيْتَنَا

اٹکلا انہوں نے کہ وہ گھر گئے پکارنے لگے اللہ کو نرے ہو کر اُس کی بندگی میں اگر تو بچا دے ہم کو

مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿٢٢﴾ فَلَمَّا أَنْجَاهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ

اِس سے تو بیشک رہیں ہم شکر گذار پس جب بچا دیا ان کو اللہ نے اُسی وقت شرارت کرنے لگے

فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ مَتَاعَ

زمین میں ناحق کی سو لوگو تمہاری شرارت ہے تم ہی پر برت

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٣﴾ إِنَّمَا

لو دنیا کے جیتے پھر ہمارے پاس ہے تم کو پھر آنا پھر ہم جتا دیں گے جو کچھ تم کرتے تھے دنیا

مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ

کا جینا وہی کہاوت ہے جیسے ہم نے پانی اتارا آسمان سے پھر ایک میل نکلا اس سے سبزہ زمین کا

کہ اثر سے یہ مینہ برسا ہے وہ کافر ہوگا اس حدیث میں ایمان سے مقصود شکر گذاری اور کفر سے مراد ناشکری ہے پھر فرمایا کہ یہ ان لوگوں کے حیلے ہیں تم اُن سے کہہ دو کہ اللہ کی تدبیر کے سامنے تمہارے مکر و حیلہ کی کوئی حقیقت نہیں ہے اُس کی پکڑ بہت سخت ہے پھر فرمایا کہ اللہ کے فرشتے ذرہ ذرہ اُن کے اعمال لکھ رہے ہیں جب تک ڈھیل ہی ہے جب پکڑے گا تو ایک ذرا بھی مہلت نہ دے گا مجرم یہ گمان کر رہے ہیں کہ خدا اب عذاب نہ کرے گا یہ اُسی کی شان ہے کہ تم کو خشکی میں اور دریا میں چلاتا پھراتا ہے تمہاری کشتیاں موافق ہوا پا کر منزل کی طرف جلدی جلدی جاتی دکھائی دیتی ہیں اور تم خوش ہونے لگتے ہو پھر یک بیک ایسی تیز ہوا چلتی ہے اور دریا میں جوش آنے لگتا ہے کہ کشتی ڈگمگانے لگتی ہے پھر تو تمہاری جانوں پر آن بنتی ہے خیال کرتے ہو کہ اب پھنس گئے اُس وقت خالص خدا ہی کو یاد کرنے ہو کسی بت سے مدد نہیں چاہتے جب خدا بیڑا پار لگا دیتا ہے اور خشکی پر صحیح و سلامت آجاتے ہو تو پھر وہی شرک جو تمہارے دلوں میں پہلے تھا کرنے لگتے ہو پھر فرمایا یہ بغاوت تمہارے ہی واسطے وبال جان ہے ہمارے پاس ایک روز تمہیں پلٹ کر آنا ہے اس وقت تمہارے اعمال تمہیں بتلائے جائیں گے اس لئے انسان کو چاہیئے کہ جب کوئی بہتری ہو تو خدا کا شکر کرے صحیح مسلم کے حوالہ سے صہیب رومی کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ راحت کے وقت شکر اور تکلیف کے وقت صبر کرنا ایمان کی نشانی ہے اس حدیث کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ پکے ایماندار نہیں ہیں اُن کی حالت تو یہ ہے کہ وہ سختی کے وقت اللہ کو یاد کرتے ہیں اور راحت کے وقت بالکل اس کو بھول جاتے ہیں اور جو لوگ پکے ایماندار ہیں وہ راحت میں شکر گذاری سے اور تکلیف کے وقت صبر کے اجر کی امید سے غرض کسی حال میں اللہ کو نہیں بھولتے

۲۴، ۲۵ اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے سرکش اور نافرمان لوگوں کا ذکر فرمایا تھا اس آیت میں انسان کی زندگی کی مثال اس لئے فرمائی کہ

سلہ صحیح بخاری ص ۱۴۰ ج ۱ باب قول اللہ عزوجل وتجعلون رزقکم انکم تکذبون سلہ جلد ہذا ص ۱۷۔

مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ حَتّٰٓى إِذَآ أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَ

جو کھاویں آدمی اور جانور یہاں تک کہ جب پکڑی زمین نے چمک اور

ازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَآ أَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ أَتٰهَآ أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا

سنگار پر آئی اور اٹکلا زمین والوں نے کہ یہ ہمارے ہاتھ لگے گی پہنچا اس پر ہمارا حکم رات کو یا دن کو

فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَأَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ

پھر کر ڈالا اس کو کاٹ کر ڈھیر گویا کل یہاں نہ تھی بستی اسی طرح ہم کھولتے ہیں پتے ان لوگوں

يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا إِلٰى دَارِ السَّلٰمِ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ

پاس جن کو دھیان ہے اور اللہ بلاتا ہے سلامتی کے گھر کی طرف اور دکھاتا ہے جس کو چاہے راہ

سرکش لوگوں کو عبرت ہو کہ جس زندگی کے بھروسہ پر وہ سرکشی اور نافرمانی کرتے ہیں وہ زندگی ہی خود ایک ناپائیدار چیز ہے جس طرح جنگل کی کھیتی ہے کہ کاشتکاری کی موسم میں کچھ سرسبز نظر آتی ہے پھر خاک اڑتی دکھائی دیتی ہے اسی طرح انسان کی زیست کا ایک موسم شادابی کا جوانی میں آیا کہ ساتھ ہی اس کے گھٹاؤ کے آثار شروع ہو جاتے ہیں دانت ادھر جواب دیتے ہیں آنکھیں ادھر کمزوری جتانے لگتی ہیں ہاتھ پاؤں کو دیکھو تو نہ وہ بل باقی ہے نہ وہ زور ہے تھوڑے دنوں میں گویا درخت تھا کہ سوکھتے سوکھتے جڑ سے اکھڑ گیا کھیتی کی مثال اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیتوں میں دنیا کی زندگی کی بیان فرمائی ہے کس لئے کہ کھیتی اور انسان کی حالت کو خاص طرح کی ایک مشابہت ہے پہلے پہل جس طرح کاشتکار زمین میں بیج ڈال کر بے اختیار ہو جاتا ہے کہ خدا کی قدرت سے وہ بیج بیٹھ ہو کر زمین سے نکلے یا اندر ہی اندر جل جاوے اسی طرح رحم میں نطفہ کا حال ہے پھر ہر پیڑ کے لئے پودے اور انسان کے بچے کے نشوونما اور کمزوری کی ایک سی کیفیت ہے پھر کھیتی کا چند روزہ لہلہانا اور انسان کی جوانی دونوں ایک ہیں اسی طرح کھیتی کا پکاؤ انسان کا بڑھاپا پھر پکاؤ کے بعد اس کا کٹنا اس کا مرنا یہ بھی دونوں یکساں ہیں اور اس مثال میں اللہ تعالیٰ نے حشر کا حال بھی جتلایا ہے اور منکرین حشر کو قائل کیا ہے کہ وہ قادر جس کی قدرت سے ہر سال چٹیل میدان کا سرسبز ہو جانا ظاہر ہے وہ اسی طرح دنیا کی ویرانی کے بعد ایک دفعہ پھر دنیا کو پیدا کرنے والا ہے اور پہلی دفعہ کا پیدا ہونا آنکھوں سے دیکھ کر پھر کسی عقل کو اس قدرت کے نہ ماننے کی گنجائش باقی نہیں ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ریڑھ کی ہڈی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا مردہ کے جسم میں ایسا ہے جس کو مٹی نہیں کھا دے گی پھر دوسرے صور سے پہلے آسمان سے ایک مینہ برسے گا جس سے اس ریڑھ کی ہڈی کے ٹکڑے سے سب مرے ہوئے لوگوں کے جسم بن کر تیار ہو جاویں گے[1] آیت میں کھیتی کی مثال دے کر اس آگے کی آیت میں حشر کا حال جو جتلایا گیا ہے اس کا مطلب حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آ جاتا ہے کہ حشر کے دن وہ ریڑھ کی ہڈی کا ٹکڑا بیج کا کام دیوے گا اور اس دن کے مینہ کی تاثیر سے اس ہڈی کے ٹکڑے سے جسم اسی طرح بن جاوے گا جس طرح اب سب کی آنکھوں کے سامنے ہر طرح کے بیج سے درخت بن کر تیار ہو جاتے ہیں اس صحیح حدیث سے ان فلسفیوں کا قول ضعیف قرار پاتا ہے جو جسمانی حشر کے قائل نہیں ہیں۔ صحیح بخاری میں جابرؓ سے روایت ہے جس میں فرشتوں نے مثال کے طور پر سمجھایا ہے کہ اللہ کا گھر جنت

[1] مشکوٰۃ ص ۴۸۱ باب النفخ فی الصور۔

مُّسْتَقِيمٍ ﴿٢٥﴾ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ ۖ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوهَهُمْ قَتَرٌ

سیدھی جنہوں نے کی بھلائی ان کو ہے بھلائی اور زیادتی اور نہ چڑھے گی اُن کے منہ پر سیاہی

وَلَا ذِلَّةٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٦﴾ وَالَّذِينَ كَسَبُوا

اور نہ رسوائی وہ ہیں جنت والے وہ اُس میں رہا کریں گے اور جنہوں نے کمائیں

السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ مَّا لَهُم مِّنَ اللَّهِ مِنْ

برائیاں بدلا برائی کا اس کے برابر اور اُن پر چڑھے گی رسوائی کوئی نہیں ان کو اللہ سے

عَاصِمٍ ۖ كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ اللَّيْلِ مُظْلِمًا ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ

بچانے والا جیسے ڈھانک دیا ہے اُن کے منہ پر ایک اندھیرا ٹکڑا رات کا وہ ہیں آگ

اور لوگوں کو بلا بلا کر اس گھر تک پہنچانے والے اللہ کے رسول ہیں[1] اس حدیث کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا ایک ناپائیدار چیز ہے اس لئے اللہ تعالیٰ لوگوں کو اپنے رسول کی معرفت جنت کی طرف بلاتا ہے کہ وہاں کی ہر طرح کی راحت پائدار ہے دنیا کی راحت کی طرح ناپائدار نہیں ہے لیکن علم الٰہی میں جو لوگ جنت کے قابل ٹھہر چکے ہیں وہی اللہ کے رسول کی نصیحت کو سن کر راہ راست پر آتے ہیں اور جنت میں داخل ہونے کے کام کرتے ہیں اور اللہ بھی راہ راست پر آنے کی انہیں توفیق دیتا ہے اور جو لوگ علم الٰہی میں جنت کے قابل نہیں ہیں اُن کو مجبور کر کے راہ راست پر لانا انتظام الٰہی کے برخلاف ہے اس واسطے اللہ تعالیٰ نے انہیں اُن کے حال پر چھوڑ دیا ہے سلام اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور دار کے معنے گھر کے ہیں اس لئے دار السلام سے مطلب جنت ہے۔

۲۶۔۲۷۔ مطلب یہ ہے کہ نیکی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ سوائے جزائے مقرریہ کے اپنی طرف سے اور زیادہ انعام بھی عنایت فرماوے گا اگرچہ بعضے مفسروں نے اس زیادہ انعام کی تفسیر یہ کی ہے کہ نیکی کا بدلہ ایک درجہ تک تو جزا ہے دس درجہ سے سات سو درجہ تک ثواب ملنے کا ذکر جو صحیح بخاری و مسلم کی چند روایتوں میں آیا ہے وہی انعام ہے لیکن صحیح تفسیر اس انعام کی وہی ہے جس کا ذکر خاص طور پر صحیح حدیث میں آچکا ہے چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت صہیبؓ سے روایت ہے[2] جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اہل جنت جنت میں داخل ہو جاویں گے تو اللہ تعالیٰ اُن سے ارشاد فرماوے گا کہ کیا تمہارے دل میں کچھ اور زیادہ انعام کی ہوس ہے اہل جنت عرض کریں گے یا اللہ تو نے ہم کو جنت میں داخل کیا ہے یہی ہم کو بڑا انعام ہے اللہ تعالیٰ فرماوے گا ابھی تمہارا انعام باقی ہے یہ فرما کر پھر اُن کو اپنے دیدار سے مشرف فرماوے گا جو سب نعمتوں سے بڑھ کر اہل جنت کو ایک نعمت نظر آوے گی صحیح بخاری و مسلم میں جریر بن عبد اللہ وغیرہ سے روایتیں[3] ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیدار الٰہی کا ذکر تفصیل سے فرمایا ہے۔ دیدار الٰہی کے ممکن نہ ہونے پر فرقہ معتزلہ نے جو عقلی اعتراض کئے ہیں اُن کا جواب اہل سنت نے تفصیل سے دیا ہے جس کی صراحت حدیث کی شرح کی کتابوں اور تفسیروں میں ہے ان آیتوں میں مسلمانوں کے منہ پر سیاہی نہ چھانے اور نافرماں بردار لوگوں کے چہروں پر سیاہی اور خواری چھا جانے کا جو تذکرہ ہے یہ اس وقت کا ذکر ہے جب حساب وکتاب ہوگا اور لوگوں کے سیدھے ہاتھ میں اور الٹے ہاتھ میں نامہ اعمال دیئے جاویں گے چنانچہ معتبر سند سے ترمذی صحیح ابن حبان اور

[1] صحیح بخاری ص ۱۰۸۱ ج ۲ باب الاقتداء بسنن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم [2] مشکوٰۃ ص ۵۰۰ باب رؤیۃ اللہ تعالے [3] مشکوٰۃ ص ۵۰۰ باب رؤیۃ اللہ تعالیٰ

النَّارِ هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ

والے ہیں اُس میں ہمیشہ رہا کریں گے اور جس دن جمع کریں گے ہم ان سب کو پھر کہیں گے شریک والوں کو

أَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ

کھڑے ہو اپنی اپنی جگہ تم اور شریک تمہارے پھر توڑ دیں گے آپس میں ان کو اور کہیں گے ان کے شریک تم ہماری تو

بیہقی میں حضرت انس رضؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حساب کے وقت ہر ایک شخص اللہ تعالیٰ کے روبرو بلوایا جاوے گا جس کے سیدھے ہاتھ میں نامہ اعمال دیا جاوے گا اُس کے منہ پر رونق آجاوے گی اور جس کے اُلٹے ہاتھ میں نامہ اعمال دیا جاوے گا اُس کے منہ پر سیاہی اور خواری چھا جاوے گی اس حدیث سے چہروں پر رونق کے آجانے اور سیاہی کے چھا جانے کا وقت اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔

۲۸ پہلے صور کے ساتھ سب دنیا فنا ہو کر دوسرے صور کے ساتھ سب قبروں سے ننگے پنڈے ننگے پاؤں جو اٹھیں گے اور شام کے ملک کے ایک صاف میدان میں حساب کے لئے جمع ہوں گے یہ اُس وقت کا حال ہے اسی وقت آفتاب نیچا ہوگا اور شدت کی گرمی ہو کر لوگوں کو اپنے اپنے اعمال کے موافق پسینا آوے گا کسی کو ٹخنوں تک اور کسی کو گھٹنوں تک اور کوئی اپنے پسینے میں غوطے کھاوے گا اور چالیس برس تک لوگ اسی حال میں حساب کے منتظر کھڑے رہیں گے اس حال سے لوگ یہاں تک اکتاویں گے کہ کہیں گے خیر ہمارا حساب ہو کر ہم دوزخ میں ہی بھیج دیئے جاویں آفتاب جو نیچا ہوگا اُس کی مقدار کی بابت مقداد رضؓ کی روایت سے مسلم کی حدیث میں ہے کہ لوگوں کے سروں سے صرف ایک میل اونچا رہ جاوے گا آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ جس روز سے آدمی پیدا ہوتا ہے موت کا دن اس پر بڑا سخت ہے مگر موت کے بعد کی گھاٹیاں موت سے بھی زیادہ سخت ہیں اور اس حشر کے دن کو بھی آپ نے اُن سخت گھاٹیوں میں سے گنا ہے۔ یہ روایت انس رضؓ بن مالک سے مسند امام احمد میں ہے اور اس کی سند معتبر ہے اسی دن کی سختی سے لوگ گھبرا کر سب انبیاء کے پاس اس سفارش کے لئے جاویں گے کہ اُن کا حساب و کتاب جلدی شروع ہو آخر آنحضرتؐ کی شفاعت سے حساب شروع ہوگا جس کسی نے کسی پر کچھ ظلم زیادتی کی ہے اس کا بدلہ اسی میدان میں ہوگا معتبر سند سے مسند امام احمد میں ابوہریرہؓ کی روایت سے اس کا ذکر ہے اسی انصاف کے وقت اللہ تعالیٰ بتوں کو مجرموں کی طرح کھڑے رہنے کا حکم دیوے گا اور وہ اپنی پرستش کئے جانے کا انکار کریں گے جس کا ذکر اس آیت میں ہے حساب و کتاب شروع ہوتے ہی پہلے فقیر اور مسکین دینداروں کو آواز دی جاوے گی اور مالدار لوگوں سے پہلے پانسو برس اُن کو جنت میں داخل ہونے کا حکم ہو جاوے گا مالدار لوگ اپنے مال کے حساب میں لگے رہیں گے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا میدان حشر میں لوگوں کا پسینا اس قدر جمع ہوگا کہ اُس میں کشتیاں چلاؤ تو چل سکیں گی معتبر سند سے مسند امام احمد میں انس رضؓ بن مالک کی روایت سے اس کا ذکر ہے حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ نے آنحضرتؐ سے پوچھا کہ حشر کے دن مرد و عورت سب اٹھیں گے تو ایک دوسرے کو ننگا دیکھیں گے آپ نے فرمایا اس دن کی سختی سے ایسی بد حواسی ہوگی کہ کوئی کسی طرف نہ دیکھے گا حضرت عائشہ رضؓ کی یہ حدیث صحیح بخاری و مسلم میں اور ام سلمہؓ کی یہ حدیث

۱؎ الترغیب ص ۲۰۳ ج ۲ فصل فی الحساب وغیرہ عن ابی ہریرۃ رضؓ ۲؎ مشکوٰۃ ص ۴۸۳ باب الحشر ۳؎ الترغیب ص ۲۹۴ ج ۲- فصل فی الحشر و مجمع الزوائد ص ۳۳۴ ج ۱۰- ۴؎ ۵؎ الترغیب والترہیب ص ۲۹۵ ج ۲ فصل فی الحشر وغیرہ ۶؎ صحیح بخاری ص ۹۶۶ ج ۲ باب کیف الحشر۔

اَیَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اِنْ کُنَّا عَنْ عِبَادَتِکُمْ

بندگی نہ کرتے تھے تو اللہ ہی بس ہے شاہد ہمارے تمہارے بیچ میں ہم تمہاری بندگی کی خبر

لَغٰفِلِیْنَ ﴿۲۹﴾ ہُنَالِکَ تَبْلُوْا کُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ مَوْلٰہُمُ

نہیں رکھتے وہاں جانچ لے گا ہر کوئی جو آگے بھیجا اور رجوع ہوں گے اللہ کی طرف جو سچا

معتبر سند سے اوسط طبرانی میں[1] ہے نمرود نے آگ میں ڈالتے وقت حضرت ابراہیم کو ننگا کیا تھا اس لئے سب سے پہلے ان کو اس دن کپڑے پہنائے جاویں گے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم کی حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت میں اس کا ذکر ہے[2] دیندار مسلمانوں کو یہ دن ایسا معلوم ہوگا جیسا ایک فرض نماز کے ادا کرنے میں وقت لگتا ہے یا قریب غروب آفتاب اور مغرب کے وقت شروع ہونے میں جتنی دیر لگتی ہے صحیح ابن حبان مسند ابی یعلی اور مسند امام احمد میں معتبر سند سے ابوہریرہ اور ابوسعید خدری کی روایتیں[3] ہیں ان میں اس کا ذکر تفصیل سے ہے اگرچہ بعض روایتوں میں یہ ہے کہ تنگدست دیندار مالداروں سے چالیس برس پہلے جنت میں جاویں گے لیکن پانسو برس کی ابوہریرہ[4] کی روایت ترمذی میں ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے سورہ بقرہ میں گذر چکا ہے کہ مشرکوں اور ان کے جھوٹے معبودوں سے جب یہ سوال و جواب ہوں گے اور یہ جھوٹے معبود اپنی پرستش کرنے والوں سے بیزاری ظاہر کریں گے تو ان مشرکوں کا دل یہاں تک جلے گا کہ یہ لوگ دوبارہ دنیا میں آنے اور اپنے جھوٹے معبودوں سے بیزاری کا برتاؤ کرنے کی تمنا ظاہر کریں گے لیکن بے وقت کی تمنا ان کو کچھ مفید نہ ہوگی حاصل یہ ہے کہ سورہ بقرہ کی آیت اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا (۲: ۱۶۶) گویا اس آیت کی تفسیر ہے حاصل کلام یہ ہے کہ اب دنیا میں مشرک لوگ جن جھوٹے معبودوں کی بڑی رغبت سے پوجا کرتے ہیں حشر کے دن یہ ایک دوسرے کے دشمن ہو جاویں گے اور اس دن تمام خلق اللہ کے روبرو انہیں اس غلط پوجا سے پچھتانا پڑے گا لیکن وہ بے وقت کا پچھتانا ان کے کچھ کام نہ آوے گا فزیلنا بینہم کی تفسیر سلف نے[5] فرقنا بینہم کی ہے جس کا مطلب یہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا کہ ان مشرکوں اور ان کے جھوٹے معبودوں میں ایسی پھوٹ پڑ جاوے گی کہ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو جاویں گے۔

۲۹-۳۰- اس سے پہلے کی آیت میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ حشر کے میدان میں مشرک اور ان کے معبود ایک جگہ کھڑے کئے جائیں گے اور اللہ پاک ارشاد فرمائے گا کہ تم یہیں کھڑے رہو تم سے سوال کیا جائے گا۔ اور مشرک دنیا میں جن جن کی عبادت کرتے تھے وہ معبود ان سے بیزار ہو کر کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے اپنی خواہش کو پوجتے تھے اور انکار کریں گے کہ ہم نے کبھی تمہیں اپنی مورتوں کی پوجا کرنے کو نہیں کہا تھا اور ہمیں اس کی خبر بھی نہیں کہ تم ہم کو پوجتے تھے اگر ہم تمہاری عبادت سے رضامند تھے یا خدا ہمیں اس کی خبر تھی تو خدا ہی جانتا ہوگا تفسیر ابن مردویہ میں عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جتنے معبود ہیں ان سب کی ایک ایک شبیہ بن کر مشرکوں کے سامنے آئے گی اور یہ اس شبیہ کے پیچھے ہوں گے یہاں تک کہ وہ انہیں دوزخ تک پہنچاوے گی پھر یہ آیت پڑھی ھنالك تبلو معتبر سند سے

[1] الترغیب والترہیب ص ۲۹۴ ج ۲ فصل فی الحشر و مجمع الزوائد ص ۳۳۲ ج ۱۰ باب کیف یحشر الناس [2] صحیح بخاری ص ۹۶۶ ج ۲ باب کیف الحشر [3] مجمع الزوائد ص ۳۳۷ ج ۱۰ باب خفۃ یوم القیامۃ علی المومنین [4] جامع ترمذی ص ۵۰ ج ۲ باب ما جاء ان فقراء المہاجرین یدخلون الجنۃ قبل اغنیائہم

[5] تفسیر فتح البیان ص ۳۵۱ ج ۲۔

الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٣٠﴾ قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ

صاحب ہے ان کا اور گم ہو جاوے گا ان کے پاس سے جو جھوٹ باندھتے تھے تو پوچھ کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے

وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ

اور زمین سے یا کون مالک ہے کان اور آنکھوں کا اور کون نکالتا ہے جیتا مردے سے

وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ

اور نکالتا ہے مردہ جیتے سے اور کون تدبیر کرتا ہے کام کی سو کہیں گے اللہ تو تو کہہ پھر

عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ روایت طبرانی اور مستدرک حاکم میں بھی ہے[1]۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین مکہ جن بتوں کی پوجا کرتے تھے قوم نوح میں سے کے یہ نیک لوگ تھے ان نیک لوگوں کے مرجانے کے بعد قوم نوح میں جو لوگ ان نیکوں کے معتقد تھے شیطان کے بہکانے سے انہوں نے ان نیک لوگوں کی مورتیں بنا لیں اور رفتہ رفتہ ان مورتوں کی پوجا ہونے لگی اور آخر کو عمرو بن لحی ان ہی مورتوں کو جدہ سے مکہ میں لے آیا[2] اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ نیک ان مشرکوں کی پوجا سے بالکل بے خبر تھے اسی لئے حشر کے دن وہ اپنی بے خبری پر اللہ کو گواہ قرار دیویں گے اسی واسطے آخر کو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی گواہی کے بعد اس دن ان مشرکوں کو سب حال کھل جاوے گا کہ ان کی پوجا اور جھوٹے معبودوں سے شفاعت کی توقع یہ سب باتیں غلط تھیں۔

۳۱۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرب و عجم سب کی عام ہدایت کے لئے اللہ کی طرف سے نبی ہو کر آئے تھے لیکن اس عام ہدایت میں اہل عرب کی خاص ہدایت اللہ تعالیٰ کو مقصود تھی تاکہ ملت ابراہیمی میں عمرو بن لحی کے زمانہ سے بت پرستی جانوروں اور کھیتی اور باغات کی پیداوار میں سے بتوں کا حصہ ٹھہرانا اور طرح طرح کی خرابیاں جو رواج پکڑ گئی تھیں ان کی پوری اصلاح ہو جاوے اس لئے اہل عرب میں جو خرابیاں تھیں ان کا رد قرآن شریف میں بہت جگہ ہے چنانچہ ان آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے حکیمانہ طریقہ سے توحید و رسالت رد شرک کی بحث کی ہے حاصل اس بحث کا یہ ہے کہ آنحضرت کو ارشاد ہوا ہے کہ عالم کے چند کارخانے مثلاً دنیا کا پیدا کرنا خلق کو رزق کا پہنچانا آدمی میں آنکھ کان کا پیدا کرنا آدمی سے نطفہ اور اس نطفہ سے پھر آدمی کا پیدا کرنا ان بت پرستوں سے پوچھا جاوے کہ آخر یہ کارخانے کس کے قبضہ قدرت میں ہیں ان بتوں نے کبھی کچھ کیا ہوگا تو بت پرست اس کی سند نہ لا سکیں گے ورنہ مجبوری سے یہی جواب ان کو بن پڑے گا کہ ان سب کارخانوں کا مالک اللہ ہے اس جواب کے بعد ان بت پرستوں کو دھمکایا جاوے کہ پھر بتلا کسی طرح کے استحقاق کے اس صاحب قدرت کی عبادت میں ان بتوں کو تم کیوں شریک کرتے ہو اس اللہ سے نہیں ڈرتے جس کے ہاتھ میں تمہارا ہر طرح کا بھلا برا ہے یہ تقریر تو توحید و رد شرک کی ہوئی ثبوت رسالت کی تقریر یہ ہے کہ یہ لوگ جو کہتے ہیں کہ قرآن کلام الٰہی نہیں ہے بلکہ محمد نے اپنی طرف سے بنا لیا ہے تو ان سے کہا جاوے کہ تم بھی تو بڑا فصیح و بلیغ عربی کا اپنے آپ کو گنتے ہو کچھ تھوڑا سا تم بھی اس طرح کا کلام جس میں پہلی آسمانی کتابوں میں جو تحریف ہو گئی ہے اس کی اصلاح ہو آئندہ کی غیب کی باتیں ہوں اور غیب کی باتیں بھی تمہارے نجومیوں کی سی نہیں کہ ہزار میں کبھی ایک سچی ہو گئی ہو

[1] الترغیب والترہیب ص ۲۹۶ ج ۲ فصل فی الحشر و مجمع الزوائد ص ۳۴۰ ج ۱۰ باب جامع فی البعث [2] صحیح بخاری ص ۷۳۲ ج ۲ تفسیر سورہ نوح

أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٣١﴾ فَذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۖ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا

تم ڈرتے نہیں سو یہ اللہ ہے رب تمہارا سچا پھر کیا رہ گیا سچ کے پیچھے مگر

الضَّلَالُ ۖ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ ﴿٣٢﴾ كَذَٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ

بھٹکنا سو کہاں سے پھرے جاتے ہو اسی طرح ٹھیک آتی ہے بات تیرے رب کی ان بے حکموں

فَسَقُوا أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٣﴾

پر کہ یہ یقینی نہ لاویں گے

بلکہ جو کہا سو ہو افصاحت بلاغت اسی درجہ کی ہو جس طرح اس کلام میں ہے جس کے سننے سے تمہارے ہوش جاتے ہیں اگر تم سب مل کر تھوڑا لسان اوصاف کا کلام بنا سکتے ہو یا تمہاری عقل اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ کوئی ان پڑھ آدمی اس طرح کا اوصاف کا کلام بنا سکتا ہے تو اس کو سچا کر کے دکھاؤ ورنہ قائل ہو جاؤ کہ یہ کلام الٰہی ہے اور جس پر کلام الٰہی بطور پیغام کے اترے اس کے پیغمبر ہونے میں پھر شک کرنا کس عقل سے ممکن ہے غرض جو بات کو کسی سند اور دلیل سے کر دو بلاسند اپنی وہمی اور ظنی باتوں کے بندے جو تم بن رہے ہو یہ طریقہ صحیح ہے یا جو یقینی طریقہ تم کو بتلایا جاتا ہے وہ صحیح ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعری کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی نصیحت کی مثال مینہ کی اور اچھے برے لوگوں کی مثال اچھی بری زمین کی فرمائی ہے[1] اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ قرآن کی نصیحت سب کے کانوں میں یکساں پہنچتی ہے لیکن علم الٰہی میں جو لوگ نیک قرار پا چکے ہیں ان کے دل پر اس نصیحت کا اسی طرح اثر ہوتا ہے جس طرح اچھی زمین میں مینہ کے پانی کا اثر ہوتا ہے اور جو لوگ علم الٰہی میں بد قرار پا چکے ہیں ان کے حق میں قرآن کی نصیحت کا اثر ایسا ہی رائگاں ہے جس طرح بری زمین میں مینہ کے پانی کا اثر رائگاں جاتا ہے۔

۳۲-۳۳۔ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا یہ حکم ہوا کہ ان مشرکوں سے پوچھنا چاہیے کہ یہ کارخانہ دنیا کا کس نے بنایا کان آنکھ نطفہ اور نطفہ سے آدمی کس نے پیدا کیا جس کے جواب میں مشرکین یہی کہیں گے کہ اللہ نے تو فرمایا اب ان کے جواب کے جواب میں کہنا چاہیے کہ جب تم یہ بات مان چکے کہ سوائے خدا کے اور کسی میں بھی کسی بات کی قدرت نہیں تو پھر کیوں نہیں خدا سے ڈرتے ہو اور خالص اسی کی بندگی کرتے تو ول سے کیوں غرض رکھتے ہو یہ حق کے بعد کیسی گمراہی ہے اپنی زبان سے آپ اقرار کرتے ہو کہ خدا کی ذات ایک ہے اسی میں ہر ایک بات کی قدرت ہے پھر بھی خدا کی طرف رجوع نہیں ہوتے تو ول کو اس کا شریک ٹھہراتے ہو پھر فرمایا کہ خدا کی بات ان فاسقوں پر پوری اتری یہ کبھی ایمان نہیں لائیں گے ان کے دلوں میں تو گمراہی بھری ہوئی ہے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے دنیا کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار برس پہلے اپنے علم ازلی کے نتیجہ کے طور پر وہ سب اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے[2] اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو اپنے علم کے موافق بے حکم لکھا تھا دنیا میں پیدا ہونے کے بعد جب وہ لوگ بے حکم رہے تو اس پر فرمایا کہ ان بے حکم لوگوں کے حق میں اللہ کی لکھی ہوئی بات ٹھیک آئی۔

[1] صحیح بخاری ص ۱۸ ج ۱ باب فضل من علم و علم۔ [2] صحیح مسلم ص ۳۳۵ ج ۲ باب حجاج آدم و موسیٰ علیہما السلام

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا

پوچھ کوئی ہے تمہارے شریکوں میں جو پہلے بناوے پھر اس کو دوہرادے تو کہہ اللہ پہلے

الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ

بناتا ہے پھر اس کو دوہرادے گا سو کہاں سے اُلٹے جاتے ہو پوچھ کوئی ہے تمہارے شریکوں میں جو

يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ

راہ بتاوے سچی تو کہہ اللہ راہ بتاتا ہے سچی اب جو کوئی راہ بتاوے سچی

اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ

اُسی کو چاہیے ماننا یا جو آپ نہ پاوے راہ مگر جب کوئی بتاوے سو کیا ہوا ہے تم کو کیا انصاف

تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ

کرتے ہو اور وہ اکثر چلتے ہیں اٹکل پر سو اٹکل کام نہیں کرتی سچی بات میں

۳۴-۳۶- ان آیتوں میں اللہ جل شانہ نے مشرکوں کے جھوٹے دعوے کو دلیل سے بے بنیاد ٹھہرا کر مشرکوں کو خطاب کیا اور فرمایا کہ تم جنہیں معبود سمجھ کر اُن کی عبادت کرتے ہو کیا ان میں یہ قدرت ہے کہ طرح طرح کی مخلوق پیدا کریں جن چیزوں کا وجود نہیں کانوں نے سنا نہ آنکھوں نے دیکھا کیا یہ چیزیں وہ بنا سکتے ہیں ان میں کسی شے کی ایجاد کی طاقت ہے اور پھر مخلوق کے فنا ہونے کے بعد دوبارہ ویسے کا ویسا بنا سکتے ہیں پھر فرمایا کہ یہ کام اللہ ہی کا ہے تم نے جن کو اپنے گمان میں معبود سمجھ رکھا ہے وہ ہرگز ایسا نہیں کرسکتے کیونکر جس نے پہلے سب کچھ پیدا کیا وہ دوبارہ بھی سب کچھ کرسکتا ہے اس کا انکار کسی عقلمند کا کام نہیں ہے پھر فرمایا کیا تمہارے ان معبودوں میں یہ قدرت ہے کہ وہ راہ حق کی ہدایت کرسکیں گے نہیں ہرگز نہیں یہ بھی خدا ہی کا کام ہے کہ سب کی آنکھوں کے سامنے اس نے انسان کو پیدا کیا ان مشرکوں کے جھوٹے معبودوں میں سے کوئی اس کام میں اس کا شریک نہیں تو جو طریقہ انسان کی بھلائی کا ہے اُس کو بھی وہی خوب جانتا ہے یہ پتھر کی مورتیں جو بغیر دوسرے کی مدد کے جگہ سے نہیں ہل سکتیں کسی کے بھلائی کے طریقہ کو کیا جان سکتے ہیں یہ خبط شیطان کا بہکاوا ہے جو یہ مشرک لوگ اپنے بنانے والے کو چھوڑ کر ان پتھر کی مورتوں کی تعظیم کرتے اور انہیں اپنا راہ بر جانتے ہیں پھر فرمایا یہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں وہ اللہ کو سب معلوم ہے ایک دن ان کا کیا ان کے روبرو آوے گا صحیح بخاری کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث قدسی ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے اپنے کلام پاک میں انسان کے دوبارہ پیدا کرنے کی خبر دی اور انسان نے اس کو جھٹلایا[1] حالانکہ جو کام ایک دفعہ کیا جا چکے انسان کے عقلی تجربہ کے موافق بھی پھر دوبارہ اُس کا کیا جانا آسان ہو جاتا ہے اسی طرح صحیح بخاری کے حوالہ سے مغیرہؓ بن شعبہ کی حدیث بھی گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کا انجانی کا عذر رفع ہو جانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آسمانی کتابیں دے کر رسولوں کو بھیجا تاکہ لوگوں کو عقبیٰ کی سزا و جزا کا حال اچھی طرح معلوم ہو جاوے[2] ان حدیثوں کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اپنی اور اپنی اولاد اور عزیز قریبوں کی پیدائش آنکھوں کے سامنے دیکھ کر جو لوگ حشر کے دن کی دوبارہ پیدائش کے بے سند منکر ہیں یہ ان لوگوں کی بڑی نادانی ہے جس نادانی کے سبب سے یہ لوگ اُس

[1] صحیح بخاری ص ۴۵۳ ج ۱ کتاب بدء الخلق [2] تفسیر ہذا جلد دوم ص ۲۳۱ و جلد ہذا ص ۱۲۔

شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾ وَمَا كَانَ هَٰذَا الْقُرْآنُ أَنْ

کچھ اللہ کو معلوم ہے جو کام کرتے ہیں اور وہ نہیں ہے یہ قرآن کہ گھڑ لی

يُفْتَرَىٰ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ

بنا لے اللہ کے سوائے اور لیکن سچا کرتا ہے اگلے کلام کو اور بیان

الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٣٧﴾ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ

کتاب کا جس میں شبہ نہیں جہان کے صاحب سے کیا لوگ کہتے ہیں یہ بنا لایا تو کہہ

فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ

تم لے آؤ ایک سورۃ ایسی اور پکارو جس کو پکار سکو اللہ کے سوائے اگر تم

صَادِقِينَ ﴿٣٨﴾ بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ

سچے ہو کوئی نہیں یہ جھٹلانے لگے ہیں جس کے سمجھنے پر قابو نہ پایا اور ابھی آئی نہیں اس کی حقیقت

تیاری اور آمادگی سے بالکل غافل ہیں جو عقبیٰ کی سزا و جزا کی بابت آسمانی کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ سے ان کو سمجھائی جاتی ہے لیکن ان کے حشر کے انکار سے اللہ تعالیٰ کا حشر کا وعدہ نہیں ٹل سکتا اس لئے ناگہانی طور پر ایک دن اُس وعدہ کا ظہور ضرور ہوگا اور اُس وقت یہ لوگ اپنے کئے کی ایسی سزا پاویں گے جو انسان کی برداشت سے باہر ہے۔

۳۷-۳۹۔ اوپر کی آیتوں میں ثبوت توحید کا ذکر فرما کر ان آیتوں میں ثبوت رسالت کے لئے قرآن مجید کے معجزہ ہونے کی دلیلیں بیان کی گئی ہیں اور فرمایا کہ یہ قرآن بشر کا بنایا ہوا نہیں ہے تم سمجھتے ہو کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے جی سے بنایا ہوگا لیکن تم یہ نہیں دیکھتے کہ پہلے انبیا اور رسولوں کے قصے اور وہی باتیں جو پہلی قوموں کو بتلائی گئیں تھیں اس میں بھی ہیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ کسی عالم کی صحبت میں بیٹھے اور نہ کسی سے لکھنا پڑھنا سیکھا نہ کسی نے ان کو پہلی امتوں کے قصے بتلائے پھر کیوں کر وہ گذری ہوئی باتیں اور ایسی صاف ستھری زبان میں بیان کرتے یہ قرآن تو توریت و انجیل کل آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور جو جو باتیں ان میں رد و بدل کر دی گئی ہیں ان کو بیان کرتا ہے کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ یہ قرآن خدا کا کلام ہے خدا نے اپنے رسول پر اس کو اتارا ہے اگر تم اس کو کسی اور کا بنایا ہوا سمجھتے ہو اور خیال کرتے ہو کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو بنایا ہے تو وہ بھی بشر ہیں تم بھی بشر ہو چلو تم بھی ایسا کلام کہہ کر لاؤ اگر سارا نہیں تو دس سورتیں ہی سہی۔ جانے دو دس بھی نہیں ایک ہی سورت ایسی کہہ ڈالو اگر ایک بھی ممکن نہ ہو تو ایک پورا جملہ ہی اس کے مانند بنا لاؤ آخر تم بھی تو عربی دان ہو فصاحت و بلاغت کا تمہیں بھی تو دعویٰ ہے اگر اکیلے نہ ہو سکے تو لو عام اجازت ہے کہ اس کام میں چاہے جس سے مدد لو سارے جہان کی مخلوق اکٹھی ہو جاؤ اپنے معبودوں کو بھی شریک کر لو جن پر تم کو بہت بھروسہ ہے مگر مشرک اس کو بھی سن کر دم بخود ہو گئے اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا بے ٹھکانے انکار ہی کرتے رہے پھر فرمایا کہ قرآن میں جس عذاب کا وعدہ ایسے لوگوں کے حق میں ہے اُس عذاب کا حال ان کی سمجھ سے باہر ہے کیوں کہ ابھی وہ عذاب ان کی آنکھوں کے سامنے نہیں آیا عذاب سے پہلے اسی طرح پہلی امتوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تھا اور آخر اپنی سزا کو پہنچے پھر فرمایا ان میں بعضے ایسے بھی ہیں کہ ایمان لائے ہیں قرآن کو مانتے ہیں رسول کی پیروی کرتے ہیں اور بعضے ایمان نہیں لاتے کفر کی حالت

كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾

یوں ہی جھٹلاتے رہے اُن سے اگلے سو دیکھ لے کیسا ہوا آخر گنہگاروں کا

وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴۰﴾

اور کوئی ان میں یقین کرے گا اس کو اور کوئی یقین نہ کرے گا اور تیرے رب کو خوب معلوم ہیں شرارت والے

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ

اور اگر تجھ کو جھٹلاویں تو تو کہہ مجھ کو میرا کام کرنا اور تم کو تمہارا کام تم پر ذمہ نہیں میرے کام کا

میں ہی مرجانے ہیں خدا ان مفسدوں کے حال سے خوب واقف ہے وقت مقررہ پر ایسے لوگ اپنی شرارتوں کی پوری سزا پاویں گے صحیح بخاری اور مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور معجزوں کے علاوہ مجھ کو قرآن ہی ایک ایسا معجزہ دیا گیا ہے جس کے اثر سے مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میری امت کے اہل ایمان لوگوں کی تعداد اور امتوں سے بڑھ کر ہوگی[1] اس حدیث کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دین کی لڑائی کا حکم ہجرت کے بعد نازل ہوا اس حکم کے نازل ہونے سے پہلے صدہا منکر قرآن اس قرآن کے اثر سے راہ راست پر آگئے اور اس ضعف اسلام کے زمانہ میں قرآن کا اثر اب بھی وہی باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گا اور قیامت کے دن اس حدیث کی پیشین گوئی کا ظہور سب کی آنکھوں کے سامنے آجاوے گا غرض خاتم الانبیاء کی نبوت کے ثبوت کے لئے یہ قرآن ایسا ہی پورا معجزہ ہے جس کا ذکر آیتوں اور اس حدیث میں ہے

۴۱۔ اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ثبوت توحید ثبوت رسالت و شرک کی مذمت کی پوری فہمائش مشرک بت پرستوں کو فرما کر ان آیتوں میں فرمایا ہے کہ اگر بعد اس فہمائش کے بھی یہ لوگ جھٹلانے سے باز نہ آویں تو ان سے کہہ دیا جاوے کہ جیسا تم کرو گے وہ تمہارے آگے آوے گا بعضے مفسروں نے اس آیت کو جہاد کی آیت سے منسوخ کہا ہے مگر یہ صحیح قول نہیں ہے اس لئے کہ منسوخ وہ حکم ہوتا ہے جو کسی دوسرے حکم کے آنے سے اٹھ جاوے اس آیت کا حکم جہاد سے پہلے بھی تھا اور اب بھی باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گا بلکہ خود قیامت کے دن کو اللہ تعالیٰ نے اس حکم کے جاری کرنے کے لئے بنایا ہے کہ جو نیک کام کرے اس کو جزا اور جو بد کام کرے اس کو سزا دی جاوے پھر ایسے دائمی حکم کو منسوخ کیوں کر کہا جا سکتا ہے اور یہ تو اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ جہاد کے حکم سے کوئی درگذر کی آیت منسوخ نہیں ہے اگرچہ ہر ایسی آیت کے نیچے جس کو بعضے مفسروں نے منسوخ کہا ہے اور اکثر مفسرین کے نزدیک وہ آیت منسوخ نہیں ہے اس تفسیر میں ناسخ منسوخ کی بحث کر دی جاتی ہے لیکن متفرق بحث لوگوں کو یاد نہ رہے گی اس لئے یاد رہنے کی غرض سے ایک عام بات لکھ دی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ صرف پانچ آیتیں جو آگے بیان کر دی جاتی ہیں اُن کے سوا قرآن شریف میں کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کو بالاتفاق سب مفسروں نے منسوخ کہا ہو اس لئے ان پانچ آیتوں کو خیال میں رکھ لیا جاوے پھر جس تفسیر میں سوا ان پانچ آیتوں کے کسی اور آیت کے منسوخ ہونے کا ذکر نظر پڑے تو اس کو یوں خیال کر لینا چاہیے کہ باقی کی اور تفسیروں میں ضرور یہ بھی لکھا ہوگا کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے وہ پانچ آیتیں یہ ہیں آیت كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ (۲: ۱۸۰) آیت يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ (۴: ۱۱) سے منسوخ ہے وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ (۲: ۲۴۰) میں برس روز کی عدت کا حکم چار مہینے دس روز کی عدت کے حکم سے منسوخ ہے

[1] صحیح بخاری ص ۷۴۴ ج ۲ باب کیف نزل الوحی۔

وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٤١﴾ وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ ۚ أَفَأَنتَ

اور مجھ پر ذمہ نہیں جو تم کرتے ہو اور بعضے اُن میں کان رکھتے ہیں تیری طرف کیا تو

تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوا لَا يَعْقِلُونَ ﴿٤٢﴾ وَمِنْهُم مَّن يَنظُرُ إِلَيْكَ ۚ أَفَأَنتَ

سناوے گا بہروں کو اگرچہ وہ بوجھ نہ رکھتے ہوں اور بعضے ان میں نگاہ کرتے ہیں تیری طرف کیا تو

تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوا لَا يُبْصِرُونَ ﴿٤٣﴾ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا

راہ دکھاوے گا اندھوں کو اگرچہ وہ سوجھ نہ رکھتے ہوں اللہ ظلم نہیں کرتا لوگوں پر کچھ

وَلَٰكِنَّ النَّاسَ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٤٤﴾

لیکن لوگ اپنے پر آپ ظلم کرتے ہیں

آیت اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ (۸ : ۶۵) میں ایک مسلمان کا دس مخالفوں سے لڑنے کا حکم ایک مسلمان کو دو مخالفوں سے لڑنے کے حکم سے منسوخ ہے۔ آیت اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ (۵۸ : ۱۲) کا صدقہ کا حکم، ذٰلِکَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَاَطْهَرُ (۵۸ : ۱۲) سے منسوخ ہے۔ یَا اَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّیْلَ (۷۳ : ۲۱) کا حکم اس سورۃ کی آخری ٹکڑے سے منسوخ ہے۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث صحیح مسلم کے حوالہ سے ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے دنیا کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار برس پہلے اپنے علم کے موافق وہ سب اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے[1] اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ توحید اور رسالت کی پوری فہمائش کے بعد بھی شرک اور رسالت جھٹلانے سے باز نہ آویں تو اے رسول اللہ کے ان کو اُن کے حال پر چھوڑ دیا جاوے کیونکہ علم الٰہی میں جو لوگ نافرمان قرار پا چکے ہیں وہ کسی فہمائش سے راہِ راست پر نہ آویں گے لیکن ان نافرمان لوگوں سے یہ کہہ دیا جاوے کہ نیک و بد کی جزا و سزا کا ظہور وقت مقررہ پر ہونے والا ہے اُس وقت یہ لوگ اپنے کئے کی پوری سزا بھگت لیں گے۔

۴۲-۴۴۔ ان آیتوں میں مشرکین مکہ کا ایک اور حال بیان فرمایا کہ جب قرآن مجید پڑھا جاتا ہے تو یہ لوگ سنتے ہیں مگر اس سننے سے ان کا یہ مقصود نہیں ہوتا کہ اس پر ایمان بھی لاویں فقط سننا ہی سننا ہے اسی طرح اے رسول اللہ کے ان لوگوں میں سے بعضے تمہاری طرف دیکھتے ہیں یہ کھلا ظاہر معجزے اللہ تعالیٰ نے تم کو دیئے ہیں مگر یہ دیکھنا ان کو کچھ بھی فائدہ نہ دے گا اس دیکھنے سے وہ ایمان لانے کا ارادہ نہیں کرتے ہیں اگر آپ چاہیں کہ یہ سب راہِ راست پر آجائیں تو یہ غیر ممکن ہے کیونکہ جس طرح بہروں اور اندھوں کو نہ تم کچھ سنا سکتے نہ دکھا سکتے ہو اسی طرح ان کے دلوں کو قابو میں کر کے ان کو ہدایت بھی نہیں کر سکتے کیوں کہ ان لوگوں میں ایمان لانے کی اور حق ناحق سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے یہ بعینہ جانور ہیں دیکھتے بھی ہیں سنتے بھی ہیں مگر ان میں سمجھنے کا مادہ نہیں ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث گذر چکی ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے وہ سب اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے اسی طرح ابوذرؓ سے صحیح مسلم ترمذی اور ابن ماجہ میں ایک روایت ہے[2] جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک ظلم نہیں پسند کرتا اُس نے اپنی ذات پر بھی ظلم کو حرام کیا ہے اور اپنے بندوں پر بھی ظلم کو حرام کر دیا ہے کہ آپس میں کوئی کسی پر ظلم نہ کرے اور اللہ پاک نے ہر شخص کے عمل گن گن کر رکھے ہیں جس کی جزا و سزا قیامت کے دن بھرپور دی جائے گی۔ آیتوں اور حدیثوں کو ملا کر یہ تفسیر قرار پاتی ہے کہ جو لوگ علم الٰہی

[1] صحیح مسلم ص ۳۳۵ ج ۲ باب حجاج آدم و موسیٰ علیہما السلام

[2] صحیح مسلم ص ۳۱۹ ج ۲ باب تحریم الظلم۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَن لَّمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ قَدْ

اور جس دن جمع کرے گا گویا نہ رہے تھے مگر کوئی گھڑی دن آپس میں پہچانیں گے بیشک

خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿٤٥﴾

خراب ہوئے جنہوں نے جھٹلایا اللہ کا ملنا اور نہ آئے راہ پر

میں بد ٹھہر چکے ہیں وہ مانند بہروں اور اندھوں کے ہیں قرآن کا سننا یا معجزوں کا دیکھنا اُن کو کچھ نفع نہیں پہنچا سکتا لیکن ساتھ اس کے یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ظلم پسند نہیں ہے اس لئے اس نے زبردستی کسی کے ذمہ کوئی بُرائی نہیں لگائی بلکہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد ہر شخص جو کچھ کرنے والا تھا وہ اُس کے علم ازلی سے باہر نہیں تھا اس واسطے اُس نے وہ سب اپنے علم کے نتیجہ کے طور پر لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے اور جزا و سزا کا مدار اُس نتیجہ پر نہیں رکھا ہے بلکہ ہر ایک نیک و بد کے دنیوی ظہور پر جزا و سزا کا مدار رکھا ہے مگر اللہ کا علم تغیر و تبدل سے پاک ہے اس لئے دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ آخر کو لوح محفوظ کے نوشتہ کے موافق آن ٹھہرتا ہے اُس کے برخلاف دنیا میں کوئی کام نہیں ہو سکتا۔

۴۵۔ حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ نافرمان لوگ اب تو دنیا میں اپنا قیام دنیاوی ہمیشہ کا خیال کر کے غفلت میں عمر گزار رہے ہیں اور جانتے ہیں کہ دنیا کے رہنے میں انہوں نے بہت کچھ پھل پایا لیکن قیامت کے دن یہ لوگ جب اپنی کمائی اور اپنا دنیا کا رہنا آخرت کے نفع سے بالکل خالی پاویں گے اور فرمانبرداروں کو دیکھیں گے کہ اُن کے دنیا کے نیک کاموں نے اُن کو بہت کچھ نفع دیا اور انہوں نے اپنی نافرمانی کی سزا میں بہت کچھ نقصان اٹھایا تو یہ لوگ اپنے دنیا کے رہنے کو بالکل حقیر اور گھڑی دو گھڑی کا ٹھکانا خیال کریں گے۔ معتبر سند سے طبرانی کبیر میں عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورج کی گرمی اور پسینے کے سبب سے بڑے بڑے گناہ گاروں کو اس قدر تکلیف ہو گی کہ وہ اُس تکلیف سے نجات پا کر دوزخ میں جانا پسند کریں گے۔[1] اس مضمون کی روایت جابرؓ سے مستدرک حاکم میں بھی ہیں اور حاکم نے اُس کو صحیح کہا ہے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے انس بن مالکؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے[2] جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن گنہگاروں نے دنیا میں بڑی راحت سے عمر بسر کی ہے دوزخ میں جاتے ہی اُن کو وہ دنیا کی راحت یاد نہ ہوگی صحیح مسلم کے حوالہ سے مستورد بن شدادؓ کی حدیث بھی ایک جگہ گذر چکی ہے[2] جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عقبے کی راحتوں کی مثال ایک دریا کی سی ہے جس کے مقابلہ میں تمام دنیا کی راحتیں ایسی ہیں جیسے پانی کی تھوڑی سی نمی ان حدیثوں کو آیت کے ساتھ ملانے سے آیت کی یہ تفسیر قرار پاتی ہے کہ میدان حشر کی تکلیفوں کے مقابلہ میں تو یہ لوگ دنیا کی راحت کی زندگی کو گھڑی دو گھڑی کی زندگی خیال کریں گے اور پھر دوزخ میں جاتے ہی دنیا کی راحت کو بالکل بھول جاویں گے اور جس طرح پانی کی تھوڑی سی نمی کے لالچ میں کوئی دریا کو ہاتھ سے کھو بیٹھے ان بے راہ قیامت کے جھٹلانے والوں کا ایسا ہی نقصان اس دن ہوگا کہ دنیا کی چند روزہ راحت کی غفلت کے سبب سے عقبیٰ کی بے حساب ہمیشہ کی راحتوں کو یہ لوگ ہاتھ سے کھو بیٹھیں گے جھوٹے معبودوں اور ان کے پوجنے والوں کی آپس کی بیزاری کا ذکر جو اوپر گذرا اس بیزاری کے جھگڑے تک تو ان میں آپس کی جان پہچان رہے گی اور پھر یہ بات جاتی رہے گی اس تھوڑی سی جان پہچان کا ذکر آیت میں ہے۔

[1] مجمع الزوائد ص ۳۳۶ ج ۱۰ باب ماجاء فی حصول العطش وشدۃ یوم القیمۃ ۔ [2] الترغیب ص ۲۹۵ ج ۲ فصل فی الحشر ۔ [3] مشکوۃ ص ۵۰۲ باب صفۃ النار واہلہا
[2] تفسیر ہذا جلد دوم ص ۳۰۷ و ۳۳۹ ۔

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ

اور اگر ہم دکھا دیں گے تجھ کو کوئی ان وعدوں میں جو دیتے ہیں ان کو یا پورا کر دیں گے تیری عمر سو ہماری طرف ہے ان کو پھر آنا

اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ

اللہ شاہد ہے ان کاموں پر جو کرتے ہیں اور ہر فرقے کا ایک رسول ہے پھر جب پہنچا ان پر رسول اُن کا

قُضِىَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾

فیصلہ ہوا اُن میں انصاف سے اور اُن پر ظلم نہیں ہوتا

۴۶-۴۷ مشرک لوگ عذاب کا وعدہ سن کر اس وعدہ کے ظہور کی جلدی کرتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی تسلی کے طور پر فرمایا کہ اے رسول اللہ کے ہم تمہارے سامنے ان کافروں کو غارت کر دیں اور ان کے کردار کی سزا اسی دنیا میں تمہاری حیات ہی میں ان کو دیں یا ان کو اسی حال پر چھوڑ کر تمہیں اپنے پاس بلا لیں بہر حال میں یہ لوگ ایک دن ہمارے روبرو حاضر ہونے والے اور اپنی بد اعمالی کی سزا بھگتنے والے ہیں کیونکہ جو کچھ یہ لوگ کرتے ہیں وہ سب اللہ کو معلوم ہے ذرہ ذرہ کا ایک دن مواخذہ ہوگا۔ معتبر سند سے طبرانی میں ابو امامہ[1] اور حذیفہ ابن اسید سے روایت ہے کہ ایک روز حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج رات کو میری کل امت اول سے آخر تک مجھے دکھلا دی گئی ایک شخص نے کہا کہ حضرت آپ کی امت میں پیدا ہو چکے ہیں وہ تو خیر اور جو نہیں پیدا ہوئے ہیں انہیں کیسے آپ نے پہچانا فرمایا کہ جس طرح تم اپنے دوست احباب ہر ایک ملنے جلنے والے کو پہچانتے ہو اسی طرح میں اُن کو پہچانتا ہوں۔ صحیح مسلم[2] میں ابو ہریرہ سے جو روایت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعضائے وضو کے نور سے امت میں کے بن دیکھے لوگوں کی پہچان اللہ کے رسول کو ہو گی۔ اسی طرح ابو امامہ کی طبرانی کی حدیث[3] میں اس کی صراحت ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ہر ایک رسول کی امت کا قیامت کے دن اس کے رسول کے سامنے فیصلہ کیا جائے گا اور اللہ پاک نہایت ہی عدل اور انصاف کے ساتھ حکم نافذ فرمائے گا نامہ اعمال سامنے رکھا ہوگا وہ بتلائے گا کہ کس کے اعمال کیسے ہیں اور نامہ اعمال کے لکھنے والے فرشتے بھی گواہی دیں گے ہر ایک امت ایک کے بعد ایک آتی جائے گی اور اس کا حساب و کتاب ہوتا جائے گا حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی امت اگرچہ سب امتوں سے پیچھے پیدا ہوئی ہے مگر اس کا حساب و کتاب سب سے پہلے ہوگا اور اس کے حساب و کتاب میں اتنا عرصہ بھی نہ ہوگا جتنا اوروں کے حساب میں ہوگا۔ صحیح بخاری و مسلم میں جو روایتیں ہیں ان میں یہ ذکر صراحت سے ہے کہ امت محمدیہ کا حساب اور امتوں سے پہلے ہوگا بلکہ صحیح بخاری وغیرہ میں ابو ہریرہ کی روایت سے یہ بھی ہے کہ امت محمدیہ کا گذر پل صراط پر بھی اور امتوں سے پہلے ہوگا معتبر سند سے طبرانی کبیر اور اوسط میں حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے جس میں امت محمدیہ کے حساب کے جلدی طے ہو جانے کا ذکر تفصیل سے ہے اوپر یہ جو گذرا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سب امت کو دیکھا یہ قصہ معراج کی رات کا ہے چنانچہ ترمذی اور نسائی میں حضرت عبد اللہ بن عباس کی جو روایتیں ہیں ان میں معراج کی رات کا ذکر ہے اگرچہ یہ کل امت کے دیکھنے کی حضرت عبد اللہ بن عباس کی روایت صحیح بخاری میں بھی ہے لیکن وہ مختصر ہے اس میں معراج کی رات کا ذکر نہیں ہے۔ صحیح بخاری کے حوالہ سے ابو ہریرہ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں

[1] مجمع الزوائد ص ۹۰ ج ۱۰ باب ما جاء فی فضل الامۃ میں حضرت حذیفہ کی روایت ہے لیکن اس میں ایک راوی کذاب ہے۔ [2] صحیح مسلم ص ۱۲۶ ج ۱ باب استحباب اطالۃ الغرۃ والتحجیل۔ [3] مجمع الزوائد ص ۲۰۰-۴۰۹ ج ۱۰ باب فیمن یدخل الجنۃ بغیر حساب۔ تفسیر ابن کثیر ص ۴۱۹ ج ۲۔ مشکوٰۃ ص ۴۹۰ باب الحوض والشفاعۃ۔ مجمع الزوائد ص ۶۹ ج ۱۰ باب ما جاء فی فضل الامۃ۔ فتح الباری ص ۱۸۱ ج ۶ باب یدخل الجنۃ سبعون الفا بغیر حساب۔ صحیح بخاری ص ۹۶۷ ج ۲ باب یدخل الجنۃ سبعون الفا بغیر حساب۔

وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٨﴾ قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ

اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ اگر تم سچے ہو تو کہہ میں مالک نہیں

لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۭ اِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ

اپنے واسطے بُرے کا نہ بھلے کا مگر جو چاہے اللہ ہر ایک فرقے کا ایک وعدہ ہے جب پہنچا ان کا وعدہ

فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٤٩﴾

پھر نہ ڈھیل کریں ایک گھڑی نہ جلدی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری سب امت جنت میں جاوے گی مگر جو مجھ کو نہ مانے گا وہ دوزخ میں جاوے گا صحابہ نے عرض کیا حضرت وہ کون لوگ ہیں آپ نے فرمایا جو میری اطاعت نہیں کرتے[1] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اور امتوں سے پہلے حساب کے ہونے اور پل صراط پر سے پہلے گزرنے کی عزت امت محمدیہ کے ان ہی لوگوں کو دی جاوے گی جو اللہ کے رسول کے پورے فرمانبردار اور ہر طرح کی بدعت سے بیزار ہیں صحیح بخاری وغیرہ کے حوالہ سے روایتیں جو سورۃ النساء میں گذر چکی ہیں[2] ان میں ذکر تفصیل سے ہے کہ ہر اُمت کا فیصلہ اُن کے رسول کے سامنے اور مقابلہ میں ہوگا ان روایتوں سے مجاہد کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے۔

۴۸-۴۹ مشرک لوگ حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ آپ جو بار بار قیامت کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس روز تمہیں تمہارے بد اعمالی کی سزا ملے گی یہ عذاب ہوگا وہ عذاب ہوگا تو بتلائیے وہ دن کب ہے اور کب ہوگا جلدی سے وہ ایک دن آن کر ہمیں کچھ نقصان کیوں نہیں پہونچ جاتا اس واسطے اللہ نے اس کا جواب اپنے رسول کو بتلایا کہ اُن سے کہہ دو کہ میں آپ اپنی جان کا مالک نہیں ہوں نہ کوئی نفع اپنے کو پہنچا سکتا ہوں اور نہ نقصان پھر میں دوسروں کو کیا نفع نقصان پہونچا سکتا ہوں اور اللہ کے علم غیب میں جو میرا نفع یا نقصان ہے جب اُس کا حال مجھ کو معلوم نہیں تو قیامت کے آنے کا خاص وقت میں تم لوگوں کو کیوں کر بتلا سکتا ہوں جو ایک خاص غیب کی بات ہے مجھے تو صرف اتنا ہی اختیار ہے کہ جو بات خدا مجھے بتلاتا ہے میں وہ لوگوں کو پہنچا دیتا ہوں جس بات کی وہ مجھے خبر دیتا ہے اُس کو بیان کر دیتا ہوں ہاں اتنی بات البتہ کہہ سکتا ہوں کہ ایک نہ ایک روز ضرور قیامت ہوگی مگر کب ہوگی اس کا علم مجھے نہیں ہے خدا ہی جانتا ہے اور یہ بھی کہے دیتا ہوں کہ ہر جاندار کے لئے موت ہے اور موت کا ایک دن مقرر ہے جب آجاتی ہے تو گھڑی بھر بھی دیر نہیں لگتی اجل کسی چیز کے وقت مقررہ کو کہتے ہیں صحیح مسلم میں جابرؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام دنیا کے ختم ہونے کا وقت مقررہ تو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے مگر یہ بات قسم کھا کر میں کہتا ہوں کہ موجودہ لوگوں میں سے سو برس کے اندر کوئی شخص زندہ نہ رہے گا[3] معتبر سند سے ترمذی میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس امت کے اکثر لوگوں کی عمر ساٹھ سے ستر برس تک کی ہوگی[4] معتبر سند سے مسند امام احمد میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منکر نکیر کے سوال جواب کے بعد ہر نیک آدمی کو جنت کا ٹھکانا اور بد شخص کو دوزخ کا ٹھکانا دکھلا کر اللہ کے فرشتے یہ کہہ دیتے ہیں کہ اس ٹھکانے میں رہنے بسنے کے لئے قیامت کے دن تم لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا جاوے گا[5] ان حدیثوں کو آیتوں کے ساتھ ملانے سے

[1] صحیح بخاری ص ۱۰۸۱ ج ۲ باب الاقتداء بسنن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم [2] تفسیر ہذا ص ۱۲۱ ج ۱ [3] مشکوٰۃ ص ۴۸۰ باب قرب الساعۃ وان من مات فقد قامت قیامتہ [4] مشکوٰۃ ص ۴۵۰ باب الامل والحرص [5] الترغیب والترہیب ص ۸۲۰ ج ۲ ما جاء فی عذاب القبر ونعیمہ وسوال منکر ونکیر علیہما السلام۔

قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُهُ بَيَاتًا أَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ

تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر پہنچے تم پر عذاب اس کا راتوں رات یا دن کو کیا کر لیں گے اس سے

الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٠﴾ أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ آمَنتُم بِهِ ۚ آلْآنَ وَقَدْ كُنتُم بِهِ

پہلے گنہگار کیا جب پڑ چکے گا تب یقین کرو گے اس کو اب قائل ہوئے اور تم تھے اسی کی

تَسْتَعْجِلُونَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ هَلْ

جلدی کرتے پھر کہیں گے گنہگاروں کو چکھو عذاب ہمیشگی کا وہی

تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٥٢﴾

بدلا پاتے ہو جو کچھ کماتے تھے

آیتوں کی یہ تفسیر قرار پاتی ہے کہ دنیا کے ختم ہونے کا وقت مقررہ تو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے گھڑی گھڑی اُس کا حال جو یہ لوگ پوچھتے ہیں اُس کی انہیں کچھ ضرورت نہیں اُن کو تو اپنی عمر کے وقت مقررہ کا حال پوچھنا چاہیے جو سو برس کے اندر ہے اس کے بعد یہ سب مر جاویں گے اور قیامت کے دن جو انجام ان کا ہونے والا ہے مرنے کے ساتھ ہی وہ ان کو دکھا دیا جاوے گا۔

۵۰۔۵۲۔ جس طرح یہ مشرک قیامت کے دن کے عذاب کی جلدی مسخراپن کے طور پر کرتے تھے اسی طرح دنیا کے عذاب کی بھی جلدی کرتے تھے اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ تم عذاب عذاب کہا کرتے ہو تو اپنے خدا سے کہہ کر ہم پر عذاب بھجوا دو اس لئے فرمایا اے رسول اللہ کے ان لوگوں سے کہہ دیا جاوے کہ تم اب تو عذاب کی جلدی کر رہے ہو اور جب عذاب راتوں رات جس وقت تم غافل پڑے سوتے ہو یا دن کو جب تم اپنے کام دھندے میں لگے ہوں گے اچانک آ جاوے گا تو پھر کس بات کی جلدی کرو گے عذاب تو ایک ایسی بری چیز ہے جس کے نام سے لوگ ڈرتے ہیں تو کیا عذاب آ جانے سے تم ایمان لاؤ گے تو بتلاؤ ایسے وقت میں کہ تم عذاب میں گرفتار ہو اگر ایمان بھی لائے تو اُس ایمان سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے پھر فرمایا کہ قیامت کے دن جب مجرم دوزخ میں ڈالے جائیں گے اور طرح طرح کے عذاب کو برداشت نہ کر سکیں گے اور فریاد مچانے لگیں گے اُس وقت اُن سے یہ بات کہی جاوے گی کہ تم دنیا میں عذاب کے آنے کی جلدی کرتے تھے اب کیا ہوا جو منہ مانگی چیز سے پناہ مانگتے ہو جو کچھ تم نے وہاں کیا ہے اُس کا مزہ چکھو اور ہمیشہ چکھو۔ سورۃ النساء میں گذر چکا ہے کہ توبہ کے قبول ہونے کے لئے آئندہ گناہوں سے باز رہنے اور نیک کام کرنے کا ارادہ ضرور ہے عذاب کے سر پر آ جانے اور ہلاکت کا یقین ہو جانے کے بعد انسان کی یہ حالت باقی نہیں رہتی بلکہ ایک بے بسی کی حالت ہو جاتی ہے اسی بے بسی کی حالت کا اسلام اور ایسی حالت کی توبہ کچھ مقبول نہیں ہے چنانچہ اس باب میں عبد اللہ بن عمرؓ کی حدیث بھی ترمذی کے حوالہ سے اُس سورۃ میں گذر چکی ہے جس کی سند کو ترمذی نے معتبر قرار دیا ہے[1] بیہقی تفسیر ابن ابی حاتم تفسیر ابن مردویہ کے حوالہ سے حضرت عمرؓ اور عبد اللہ بن عمر اور معاذ بن جبلؓ کی روایتیں بھی سورۃ النساء میں گذر چکی ہیں[2] کہ عذاب کی تکلیف ہمیشہ قائم رہنے کے لئے دوزخیوں کی جلی ہوئی کھال گھڑی گھڑی بدلی جاوے گی حاصل کلام یہ ہے کہ سورۃ النساء میں جو روایتیں گذر چکی ہیں وہی روایتیں ان آیتوں کی گویا تفسیر ہیں جس سے بے وقت کے اسلام کے مقبول نہ ہونے اور دوزخ کے عذاب کی ہمیشگی کی تفصیل معلوم ہوتی ہے جلی ہوئی

[1] جامع ترمذی ص ۱۹۲ ج ۲ ابواب الدعوات۔ [2] تفسیر ہذا جلد اول ص ۳۳۲۔

وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ۭ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ړ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ (۵۳)

اور تجھ سے خبر لیتے ہیں کیا سچ ہے یہ بات تو کہہ البتہ قسم میرے رب کی یہ سچ ہے اور تم نہ تھکا سکو گے

وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ

اور اگر ہو ہر شخص گنہگار پاس جتنا کچھ ہے زمین میں البتہ دے ڈالے اپنی چھڑوائی میں اور چھپے چھپے پچتاویں گے

کھال کے بدلے جانے کی معاذ بن جبل کی روایت طبرانی میں بھی ہے اور اُس کی سند معتبر ہے[1] جس سے حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کی روایتوں کو بھی تقویت ہو جاتی ہے۔

۵۳۔ مشرک لوگ یہ بھی پوچھتے تھے کہ کیا سچ مچ قیامت ہوگی اور اُس کے انکار کرنے والوں کو عذاب ہوگا حالانکہ وہ لوگ یہ سوال پہلے بھی کر چکے تھے اور اس کا جواب بھی ان کو دے دیا گیا تھا پھر بار بار پوچھنا اور بھی نادانی کی نشانی ہے نہ اپنی بات سمجھتے ہیں کہ ہم کہہ کیا رہے ہیں نہ دوسرے کی بات سمجھتے ہیں کہ وہ کیا جواب دے رہا ہے اس لئے فرمایا اے رسول اللہ کے تم ان لوگوں سے کہہ دو قسم خدا کی قیامت ضرور ہونے والی ہے تم یہ نہ خیال کرو کہ ہم مٹی کے ڈھیر ہو کر پھر قبر سے کیوں کر نکل آئیں گے وہ دوبارہ پیدا کر سکتا ہے جس طرح اس نے پہلے پیدا کیا ہے اُس کا ایک لفظ کن کا حکم کافی ہے پھر اگر تم بھاگنا بھی چاہو گے تو رستہ نہ ملے گا نہ کوئی حیلہ حوالہ پیش ہو سکے گا بلکہ عذاب ہو کر رہے گا ترمذی اور صحیح ابن حبان میں ابو سعیدؓ خدری سے اور مسند امام احمد وغیرہ میں زید بنؓ ارقم اور حضرت عبداللہؓ بن عباس سے جو روایتیں ہیں ان میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسرافیل علیہ السلام صور منہ میں لے کر پھونکنے کو تیار اور ہر وقت حکم الٰہی کے منتظر ہیں ترمذی نے اس روایت کو معتبر قرار دیا ہے[2] یہ حدیث آیت کی گویا تفسیر ہے کیوں کہ آیت اور حدیث کو ملانے سے یہ مطلب ٹھہرتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے تاکید کے طور پر اپنے رسول کو قسم کھا کر قیامت کے ضرور ہونے کا ارشاد فرمایا ہے اسی طرح قیامت کے ظہور کا انتظام بھی ایسا تاکیدی ہے کہ اسرافیل علیہ السلام صور منہ میں لے کر پھونکنے کو تیار اور ہر وقت حکم الٰہی کے منتظر ہیں۔

۵۴۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ کی روایت سے اس آیت کی تفسیر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمائی ہے کہ قیامت کے دن ہلکے سے ہلکے عذاب والے دوزخی سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے شخص تیرے پاس دنیا بھر کا مال و متاع اور اولاد ہو تو اپنی نجات کے بدلے میں اس مال اور اولاد کے دینے پر راضی ہے وہ کہے گا کہ ہاں میں راضی ہوں اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جب تو دنیا میں پیدا نہیں ہوا تھا اور آدم کی پشت میں تیرا نطفہ تھا اس وقت میں نے تجھ سے ایک چھوٹی سی بات کا یوم المیثاق میں عہد لیا تھا کہ تم دنیا میں جا کر نافرمانی نہ کیجیو مگر تو نے نہ مانا اب بدلہ اور تاوان دینے سے کیا ہوتا ہے[3] حاصل معنے آیت اور حدیث کے یہ ہیں کہ وہ نجات آخرت جو دنیا بھر کے مقابلہ میں گراں ہے تھوڑی سی فرمانبرداری خدا اور رسول میں مل سکتی ہے اور جو اس سودا گری سے غافل رہا اُس نے بڑا ٹوٹا پایا کیوں کہ اب دنیا میں تو لوگوں کے قبضہ میں عارضی طور پر کچھ مال و متاع اللہ تعالیٰ نے دے رکھا ہے جس کے صدقہ خیرات سے عقبیٰ کی بہبودی چاہنے والے کچھ عقبیٰ کی بہبودی کر سکتے ہیں دنیا کے فنا ہو جانے کے بعد دنیا کا سب مال و متاع

---

[1] مجمع الزوائد ص ۹۷ ج ۷ کتاب التفسیر [2] فتح الباری ص ۲۱۱ ج ۶ باب نفخ الصور و تفسیر ابن کثیر ص ۱۴۱ ج ۴۔ نیز دیکھئے مشکوٰۃ ص ۴۸۲ [3] مشکوٰۃ ص ۵۰۲ باب صفۃ النار و اہلہا تفسیر ابن کثیر ص ۵۲ ج ۲۔

لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ

جب دیکھیں گے عذاب اور اُن میں فیصلہ ہوگا انصاف سے اور اُن پر ظلم نہ ہوگا سن رکھو جو کچھ اللہ

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾

کا ہے آسمان اور زمین میں سن رکھو وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے پر بہت لوگ نہیں جانتے

هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾

وہی جِلاتا ہے اور مارے گا اور اُسی کی طرف پھر جاؤ گے

اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں چلا جاوے گا پھر اگر اس دن بدلہ اور تاوان قبول ہوتا بھی تو یہ لوگ مال و متاع کہاں سے لا سکتے تھے چنانچہ اس مطلب کو اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے ادا فرمایا گیا ہے۔ سورہ عنکبوت میں آوے گا کہ مشرکین مکہ میں کے سردار لوگ عام لوگوں کو بہکایا کرتے اور کہا کرتے تھے کہ اول تو قیامت اور اس دن کی سزا کا ہم کو یقین نہیں ہے اور اگر یہ سزا ہوتی بھی تو تمہاری سزا ہم اپنے ذمے لیویں گے اس لئے اس سزا کے خوف سے تم اپنا قدیمی دین نہ چھوڑو اسی سورۃ میں یہ بھی آوے گا کہ ایسے لوگوں کو دوہری سزا دی جاوے گی ایک ان کی ذاتی بداعمالی کی اور دوسری لوگوں کو بہکانے کی قیامت کے دن یہ بہکانے والے لوگ تو یوں پچھتاویں گے کہ اُنھوں نے لوگوں کو ناحق بہکایا جس کے سبب سے وہ دوہری سزا کے مستحق ٹھہرے اور بہکنے والے یوں پچھتاویں گے کہ ہم ان گمراہ سرداروں کے بہکانے میں کیوں آگئے۔ ان لوگوں کو یہ معلوم ہو جاوے گا کہ اس وقت کے پچھتاوے کو زبان پر لانے سے کچھ فائدہ نہیں اس لئے وہ لوگ اس پچھتاوے کو اپنے اپنے دل ہی میں رکھیں گے حاصل کلام یہ ہے کہ اس چھپے ہوئے پچھتاوے کا ذکر اس آیت میں ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے حدیث قدسی جس کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے دن ہر نیکی کی جزا دس سے لے کر سات سو تک اور بعضی نیکیوں کی جزا اس سے بھی زیادہ عطا ہوگی اور بدی کی سزا میں کچھ زیادتی نہ ہوگی بلکہ جرم کے موافق سزا دی جاوے گی اور بعضے جرم بغیر سزا کے معاف بھی ہو جاویں گے[1] آخر آیت میں اُس دن کے جس منصفانہ فیصلہ کا ذکر ہے یہ حدیث گویا اُس کی تفسیر ہے۔

۵۵-۵۶۔ اوپر کی آیت میں تاوان کا ذکر فرما کر اس آیت میں فرمایا یاد رکھو کہ آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان میں مغرب سے مشرق تک جنوب سے شمال تک دریا پہاڑ غرض کہ آن کل چھوٹی بڑی چیزیں ہیں اس دن وہ سب اللہ کے قبضہ میں ہوں گی اس دن تمہارا عارضی قبضہ باقی نہ رہے گا جو تم تاوان دے کر اپنا پیچھا چھڑا لو گے اور عذاب سے بچو گے خوب یاد رکھو کہ خدا کا وعدہ سچا ہے ابھی تو تمہاری سمجھ میں نہیں آتا لیکن جب وعدہ کا وقت مقررہ آوے گا تو سمجھو گے کیوں کہ خدا کے نزدیک کوئی بڑی بات نہیں ہے کہ تم کو مرے سے زندہ کر دے پیدا بھی وہی کرتا ہے مردہ بھی وہی کرتا ہے مرے سے دوبارہ زندہ بھی وہی کر دے گا۔ صحیح بخاری مسلم نسائی ابن ماجہ وغیرہ میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوسرے صور سے پہلے اللہ تعالیٰ آسمان و زمین اور سب چیزیں اپنے ہاتھ میں لے کر فرماوے گا آج عارضی طور پر بادشاہت اور مال و متاع کا دعویٰ کرنے والے کہاں ہیں[2] صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے کہ دوسرے صور سے پہلے ایک مینہ برسے

[1] صحیح بخاری ص ۹۶۰ ج ۲ باب من ہم بحسنۃ او سیئۃ تفسیر ابن کثیر ۶۹ ج ۲ [2] مشکوٰۃ ص ۴۸۱ باب النفخ فی الصور۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ

اے لوگو تم کو آئی ہے نصیحت تمہارے رب سے اور چنگے کرنے کو جیون کے روگ

وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾

اور راہ سوجھاتی اور مہربانی یقین لانے والوں کو

گا جس کے اثر سے سب جسم بن کر تیار ہو جاویں گے اور پھر ان جسموں میں روحیں پھونک دی جاویں گی[1] آیت میں قیامت کے دن آسمان و زمین کی سب چیزوں کے اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہونے کا اور حشر کے وعدہ کے ظہور کا جو ذکر ہے یہ حدیثیں گویا اس کی تفسیر ہیں۔

۵۷۔ جس طرح آدمی کے بدن کے لئے بخار کھانسی وغیرہ طرح طرح کے مرض ہیں اسی طرح عقیدہ کے بگڑنے سے آدمی کے دل میں کفر و نفاق حسد ریاکاری یہ طرح طرح کے مرض پیدا ہو جاتے ہیں اور جس طرح طب کی کتابوں میں جسمانی مرض کے ہر طرح کے علاج لکھے ہیں قرآن شریف اور حدیث میں اسی طرح ان دلی مرضوں کے ہر طرح کے علاج ہیں اس واسطے قرآن شریف اور آنحضرت[2] کے دنیا میں آنے کو دل کی تندرستی کا سبب فرمایا اور اوپر کی آیت میں فرمایا تھا کہ تمام دنیا کے مال و متاع کے بدلا دینے پر بھی قیامت کے دن نجات میسر نہ آوے گی اس لئے اس آیت میں فرمایا کہ تمام دنیا کی جمع پونجی سے اللہ تعالیٰ کی یہ رسول اور کتاب آسمانی کے بھیجنے کی رحمت بہتر ہے دنیا کا رہنا چند روزہ ہے اور یہ چند روز کی کمائی یہیں رہ جاوے گی رسول اور کتاب آسمانی کی فرمانبرداری اگر تم کرو گے تو یہ کمائی تمہارے ساتھ جاوے گی اور وہ نجات آخرت تم کو نصیب ہو گی جو دنیا بھر کا مال خرچ کرنے سے اس دن نہیں مل سکتی اس لئے اس رحمت الٰہی کی خوشی کرو اور دنیا بھر کے مال و متاع سے اس رحمت الٰہی کو بہتر جانو۔ صحیح بخاری میں نعمان بن بشیر سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کے بدن میں دل ایک ایسا ٹکڑا ہے جس کی درست حالت میں ہو جانے سے آدمی کا تمام جسم درست حالت میں ہو جاتا ہے اور اگر آدمی کا دل درست حالت میں نہ ہو تو آدمی کا ہاتھ پیر کا کوئی کام اعتبار کے قابل نہیں حاصل مطلب یہ ہے کہ نیت دلی ارادہ کا نام ہے اور ہاتھ پیر کا ہر ایک کام دلی ارادہ کی بنیاد پر ہوتا ہے اس لئے ہاتھ پیر کا جو نیک کام عقبیٰ کے ثواب کی خالص نیت سے نہ کیا جاوے وہ بالکل رائگاں ہے چنانچہ ابوداؤد اور نسائی کے حوالہ سے ابو امامہ کی صحیح حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے[3] جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بغیر خالص نیت کے کوئی نیک کام بارگاہ الٰہی میں مقبول نہیں ہو سکتا یہ تو دل کے ارادہ کا دخل شریعت کی ان باتوں میں ہوا جن میں دلی ارادہ اور ہاتھ پیروں کے عمل دونوں کا دخل ہے جس طرح مثلاً نماز کا رکوع سجدہ تو سب پورا ہو مگر اس میں دلی ارادہ دنیا کے دکھاوے کا ہو تو اس طرح کی نماز نامقبول ہے شریعت میں بعضی باتیں ایسی بھی ہیں جن میں ہاتھ پیروں کے عمل کا کچھ دخل نہیں ہے بلکہ ان باتوں کا فقط دل میں یقین اور عقیدہ رکھنے کا حکم ہے مثلاً ہر ایمان دار شخص کو دل میں یہ یقین اور عقیدہ رکھنا چاہئے کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے اس کی ذات و صفات میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے اس کے سب رسول اور سب آسمانی کتابیں برحق ہیں ان باتوں میں دل کی حالت میں نادرستی یہی ہے کہ یہ دلی یقین یا تو سرے سے ہو ہی نہیں جیسے مشرکوں کے دل کا حال ہے یا یقین ہو تو سہی مگر پورا نہ ہو جیسے کچے مسلمانوں کے دل کا حال ہے غرض اللہ تعالیٰ نے دل کی ہر طرح کی نادرست حالت کو دلی مرض قرار دے کر قرآن شریف کی نصیحت

[1] مشکوٰۃ ص ۴۸۱ باب النفخ فی الصور [2] دیکھئے تفسیر ہذا جلد دوم ص ۵۰۶ [3] تفسیر ہذا جلد دوم ص ۳۶۴۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾

کہہ اللہ کے فضل سے اور اس کی مہر سے سو اسی پر چاہئے خوشی کریں یہ بہتر ہے ان چیزوں سے سو سمیٹتے ہیں

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ۭ

تو کہہ بھلا دیکھو تو اللہ نے اتاری تمہارے واسطے جو روزی پھر تم نے ٹھہرائی اس میں سے کوئی حرام اور کوئی حلال

کو اُس مرض کی شفا کا سبب قرار دیا ہے اس لئے ہر ایمان دار شخص کو چاہئے کہ ہمیشہ اپنے دل کی حالت کو قرآن شریف کی نصیحت کا پابند رکھے اور جس طرح جسمانی مرض کا علاج فوراً کیا جاتا ہے اسی طرح دلی ہر مرض کا علاج یہی نصیحت الٰہی کے موافق وقت پر کرتا رہے تاکہ کوئی دلی مرض بڑھنے نہ پاوے۔

۵۸۔ اس آیت میں رسالت کا ثبوت دیا گیا ہے جس طرح اس سے پہلے کی آیتوں میں خدا کی توحید کی دلیلیں بیان کی گئی تھیں اس لئے فرمایا کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور جن پر یہ قرآن نازل ہوا ہے وہ اللہ کے رسول ہیں اور جو شخص اس اللہ کے کلام کی تلاوت کرتا ہے اور اُس کے معنے میں غور کرتا ہے وہ سچے عقیدوں کی جھوٹے عقیدوں سے تمیز کر لیتا ہے اُس کے دل میں جو کچھ شک و شبہ کی بیماری ہوتی ہے وہ رفع ہو جاتی ہے معتبر سند سے تفسیر ابن مردویہ میں ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ میرے دل میں طرح طرح کے وہم و خیال آتے رہتے ہیں آپ نے فرمایا قرآن پڑھا کرو دل کی بیماریوں کے لئے قرآن شفا ہے[1] معتبر سند سے مستدرک حاکم میں عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے اس میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو شفا فرمایا ہے[2] اس سے ابو سعیدؓ کی روایت کی پوری تائید ہو جاتی ہے حاصل کلام یہ ہے کہ جو لوگ قرآن کے پیرو ہیں اُن کے لئے قرآن سراپا ہدایت ہے رحمت ہے پھر اللہ جل شانہ نے اپنے رسول کو مخاطب کر کے فرمایا اے رسول اللہ کے ان لوگوں سے کہہ دو کہ فقط خدا کا فضل اور رحمت ہی اس قابل ہے جس پر خوشی کی جائے دنیا کے چند روزہ مال و دولت کو جمع کرنے سے کیا نتیجہ ہے خدا کی مہربانیوں کو جمع کرنے کی کوشش کی جائے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ خدا نے فضل جو اس آیت میں فرمایا ہے اس سے مراد قرآن مجید ہے اور رحمت سے مراد دین اسلام ہے۔ صحیح مسلم میں ابی امامہؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن قرآن ان گنہگار لوگوں کی شفاعت کرے گا جو قرآن کی تلاوت کرتے تھے[3]۔ صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی نے اپنے کھانے پینے اور صدقہ خیرات دینے کے بعد جو مال مرتے وقت دنیا میں چھوڑا وہ دوسروں کا ہے مال کے جمع کرنے والے شخص کی ذات کو اس مال سے کچھ فائدہ نہیں[4]۔ آیت میں قرآن شریف کے نازل ہونے کی نعمت کو مال کے جمع کرنے سے بہتر جو فرمایا یہ حدیثیں گویا اس کی تفسیر ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ مرتے وقت دنیا میں آدمی نے جو مال جمع کر کے چھوڑا وہ جمع کرنے والے شخص کے حق میں بیکار ہے برخلاف قرآن شریف کے نازل ہونے کی نعمت کے کہ وہ قیامت کے دن گنہگار قرآن پڑھنے والوں کے حق میں ایک شفاعت کا آسرا ہے۔

۵۹۔۶۰۔ اوپر قرآن شریف کی نعمت کا ذکر فرما کر ان آیتوں میں فرمایا کہ ان مشرکوں نے فقط اسی نعمت کا انکار نہیں کیا بلکہ یہ لوگ

[1] تفسیر فتح البیان ص ۱۷۰ ج ۲ [2] الترغیب ص ۲۵۹ ج ۱ کتاب قراءة القرآن [3] صحیح مسلم ص ۲۷۰ ج ۱ باب فضل قراءة القرآن الخ [4] مشکوٰة ص ۴۴۰ کتاب الرقاق۔

قُلْ آللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى

کہہ اللہ نے حکم دیا تم کو یا اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو اور کیا اٹکلتے ہیں جھوٹ باندھنے والے

اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ

اللہ پر قیامت کے دن کو اللہ تو فضل رکھتا ہے لوگوں پر لیکن بہت

اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۰﴾

لوگ حق نہیں مانتے

تو اللہ کی اور نعمتوں کے بھی حکر اور ناشکر گزار ہیں کیوں کہ ان لوگوں نے بعض چیزیں اپنے اوپر حرام کرلی ہیں اور بعض حلال تو یہ حلال و حرام کس طرح کا ہے کیا اپنی ہی خواہش اور ہوا و ہوس سے انھوں نے یہ حکم لگایا ہے یا یہ اعتقاد کر کے کہ یہ حکم خدا کا ہے اگر اپنے نفس کی خواہش سے یہ حلال و حرام کر لیا ہے تو یہ کوئی عقلمند نہیں پسند کرے گا کہ جس چیز کو جی چاہا حلال کر لیا اور جس کو جی چاہا حرام سمجھ لیا اب باقی رہی یہ بات کہ خدا کے حکم سے انھوں نے کسی چیز کو حلال اور کسی چیز کو حرام سمجھا ہے تو بتلاؤ یہ کس ذریعہ سے ان کو معلوم ہوا کس رسول نے انہیں بتلایا کیوں کہ خدا کا پیغام کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا ہے مگر رسول کے وسیلہ سے اور اگر رسول نے انہیں نہیں بتلایا ہے تو خدا پر گویا جھوٹا الزام رکھتے ہیں قیامت کے دن اس کے عوض میں ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا اس سے انہیں ڈرنا چاہیئے۔ مسند امام احمد میں ایک حدیث ہے کہ مالکؓ بن نضلہ ایک روز حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بالکل ہی میلے کچیلے حال میں آئے آپ نے فرمایا کہ کیا تیرے پاس کچھ مال نہیں ہے مالک نے کہا ہاں ہے آپ نے فرمایا کیا ہے انہوں نے کہا بہت مال ہے اونٹ ہیں بکریاں ہیں گھوڑے ہیں غلام ہیں غرض کہ ہر طرح کا سامان ہے آپ نے فرمایا کہ جب اللہ نے ایسا مالا مال تجھے کیا ہے تو اس کا اثر بھی تجھ پر کچھ ہونا چاہیئے تھا پھر فرمایا کہ تیرے اونٹ جب بچے دیتے ہیں تو تو ان کے اچھے بھلے کانوں کو استرے سے کاٹ ڈالتا ہے اور اس کا بحیرہ نام رکھتا ہے جاہلیت کے زمانہ میں یہ رواج تھا کہ گھر کا جانور جب کوئی بچہ دیتا تھا تو اس کے کان کاٹ ڈالتے تھے یا کھال میں ایک شگاف دیتے تھے جب کان کاٹتے تھے تو اس جانور کو بحیرہ کہتے تھے اور کھال میں جس کے شگاف لگاتے تھے اس کا نام حامر رکھا کرتے تھے بہرحال اس بحیرہ اور حامر کو حرام سمجھتے تھے اس کا ذبح کرنا اور گوشت کھانا بالکل ناجائز خیال کرتے تھے چنانچہ ہندوستان میں بھی ہندوؤں کے ہاں ایک دستور ہے۔ بیل چھوڑ دیتے ہیں اس کو مارنا بھی گناہ سمجھتے ہیں۔ غرض پھر آپ نے مالکؓ بن نضلہ سے فرمایا کہ یاد رکھ خدا کا استرہ تیرے استرہ سے کہیں زیادہ تیز ہے اس کے دست قدرت میں تیرے ہاتھوں سے کہیں بڑھ کر قوت ہے[1] حاصل یہ ہے کہ اللہ نے جتنی نعمتیں اپنے بندوں پر اتاری ہیں سب حلال ہیں اپنے جی اور خواہش سے ان کو حرام کرنا صریحا جرم ہے اور جو چیزیں اس نے حرام کر دی ہیں ان کو حلال سمجھنا بہت ہی بڑا گناہ ہے خدا نے اپنے فضل سے جو چیزیں حلال کی ہیں یہ اس کا بڑا احسان ہے اور اس کے اس احسان کو نہ ماننا بڑی ناشکری ہے۔ مالکؓ بن نضلہ کی اس حدیث کی سند کو حافظ ابن کثیرؒ نے معتبر قرار دیا ہے[2] یہ حدیث آیتوں کی گویا تفسیر ہے کیوں کہ اس میں نعمت کی ناشکری اور زبردستی بعض چیزوں کے حرام ٹھہرانے کی مذمت ہے اور یہی مضمون آیتوں کا ہے مالکؓ بن نضلہ

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۴۲۱ ج ۲ [2] ایضاً

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُو مِنْهُ مِن قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا

اور نہیں ہوتا تو کسی حال میں اور نہ پڑھتا ہے اس میں سے کچھ قرآن اور نہیں کرتے ہو تم لوگ کچھ کام کر

كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ وَمَا يَعْزُبُ عَن رَّبِّكَ مِن مِّثْقَالِ

ہم نہیں ہوتے حاضر تمہارے پاس جب تم لگتے ہو اس میں اور غائب نہیں رہتا تیرے رب سے ایک

ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي

ذرہ بھر زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ چھوٹا اس سے اور نہ بڑا جو نہیں ہے

كِتَابٍ مُّبِينٍ ﴿٦١﴾ أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾

کھلی کتاب میں سن رکھو جو لوگ اللہ کی طرف کے ہیں نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غم کھاویں

پھر اسلام لانے صحابہ میں ان کا شمار ہے اور حدیث کی صحاح کی کتابوں میں ان سے روایتیں ہیں مشرکین کہنے جو چیزیں اپنی طرف سے حرام ٹھہرائی تھیں ان کی تفصیل سورہ مائدہ اور سورہ انعام میں گذر چکی ہے اور اس باب میں جو حدیثیں ہیں وہ بھی انہی سورتوں میں ذکر کر دی گئی ہیں۔

۶۱۔ اللہ پاک نے اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو اس آیت میں یہ جتلایا ہے کہ آپ یا آپ کی امت کے لوگ جو کام کرتے ہیں خدا اس کو دیکھتا ہے ہر شخص کا چلنا پھرنا جس سے اچھے عمل قرآن مجید کی تلاوت کا کرنا سب اس پر ظاہر ہے کیوں کہ زمین و آسمان میں جتنی چھوٹی بڑی چیزیں ہیں علم الٰہی کے نتیجہ کے طور پر وہ سب ذرہ ذرہ لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں اس سے کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی اس لئے جب جبرئیل علیہ السلام ایک آدمی کی صورت بن کر آئے اور آپ سے سوال کیا کہ احسان کیا شے ہے آپ نے فرمایا کہ خدا کی عبادت کرنے کی حالت میں یہ سمجھنا کہ ہم خدا کو دیکھ رہے ہیں اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو یہ خیال کرنا کہ خدا ہم کو دیکھ رہا ہے یہ حدیث کنا علیکم شہودا کی گویا تفسیر ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے حضرت عمرؓ کی یہ حدیث[1] ایک جگہ گذر چکی ہے اسی طرح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث گذر چکی ہے جس میں علم الٰہی کے نتیجہ کے طور پر لوح محفوظ میں سب چیزوں کے لکھے جانے کا ذکر[2] ہے غرض یہ حدیثیں آیت کی گویا تفسیر ہیں جو فلسفی اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم جزئیات کو شامل نہیں ہے اُن کے قول کا ضعف اس آیت سے نکلتا ہے کیوں کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان و زمین میں ایک ذرہ بھی اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں ہے۔

۶۲ تا ۶۴۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اولیاء اللہ کا حال بیان فرمایا ہے کہ اور لوگوں کو دنیا کے چھوٹ جانے کا اور دنیا میں بےفائدہ عمر بسر کرنے کا آخرت میں غم اور رنج ہوگا اللہ کے ولی لوگ جو کامل ایمان داری اور تقویٰ سے اپنی دنیا اس طرح بسر کرتے ہیں کہ اُن کا حال دیکھنے سے دیکھنے والوں کو خدا یاد آتا ہے ان کو آخرت میں کچھ غم اور رنج نہیں ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مسند بزار و تفسیر ابن جریر میں ابو مالک اشعریؓ سے مسند امام احمد بن حنبل میں اور سنن ابو داؤد میں حضرت عمرؓ سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جن کے دیکھنے سے خدا یاد آتا ہے[3] صحیح بخاری میں ابوہریرہؓ کی روایت سے حدیث

[1] مشکوٰۃ ص ۱۱ کتاب الایمان [2] صحیح مسلم ص ۳۳۵ ج ۲ باب حجاج آدم و موسیٰ علیہما السلام [3] تفسیر ابن کثیر ص ۴۲۲-۴۲۳ ج ۲۔ و تفسیر الدر المنثور ص ۳۰۹-۳۱۰ ج ۳۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾

جو لوگ یقین لائے اور رہے پرہیز کرتے

قدسی ہے جس میں اولیاء اللہ کی یہ نشانی ہے کہ علاوہ فرضی عبادت کے وہ لوگ اکثر نفلی عبادت میں اور اُن کے کان آنکھیں ہاتھ پیر سب اعضاء مرضی الٰہی کے کاموں میں لگے رہتے ہیں[1] اس صحیح روایت سے اوپر کی روایتوں کی پوری تائید ہوتی ہے کیوں کہ جو لوگ ہر وقت عبادت الٰہی میں لگے رہیں گے اُن کے دیکھنے سے ضرور خدا یاد آوے گا مستدرک حاکم کی ابن عمرؓ کی صحیح روایت میں یہ بھی ہے کہ بغیر روپے کے لالچ اور بغیر رشتہ داری کے وہ آپس میں اللہ کے واسطے بڑی گہری محبت رکھتے ہیں قیامت کے دن جب اور لوگوں کو خوف ہوگا تو یہ لوگ بے خوف اور خوش حال ہوں گے اللہ تعالیٰ ان کی بڑی عزت فرماوے گا اُن کو نور کے ممبر بیٹھنے کو ملیں گے اگرچہ عام لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ جس شخص میں کوئی بات خلاف عادت ہو مثلاً بے موسم کی چیز کا پیدا کر دینا یا آیندہ کی کوئی خبر بتلا دینا یا تھوڑی دیر میں دنوں کا راستہ طے کر لینا تو وہ شخص ولی ہے اور وہ خلاف عادت بات کرامت ہے لیکن علماء اہل سنت کا مذہب ایسا نہیں ہے بلکہ اُن کا مذہب یہ ہے کہ جس شخص میں خلاف عادت کوئی بات نظر پڑی اگر وہ شخص متقی اور شریعت کا پابند ہے تو وہ خلاف عادت بات کرامت ہے اور وہ شخص ولی ہے ورنہ وہ خلاف عادت بات استدراج ہے اور وہ شخص ولی نہیں ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ولی کی نشانی یہ فرمائی ہے الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ پھر غیر پابند شریعت شخص کو پورا ایماندار اور متقی کیوں کر کہہ سکتے ہیں اور بغیر اس ولایت کی نشانی کے جس کو خود خدا نے ولی کی علامت ٹھہرایا ہے کسی کو ولی خلاف مرضی خدا کے زبردستی کیوں کر کہا جا سکتا ہے اسی طرح خدا کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے ولی کی علامت یہ بتلائی ہے کہ ولی کے دیکھنے سے خدا یاد آتا ہے کیوں کہ ولی اکثر یاد الٰہی میں لگا رہتا ہے اور یہ ظاہر بات ہے کہ بے شرع آدمی کے دیکھنے سے اور اس کی صحبت سے جو کچھ شراب پانی یا اور کوئی خلاف شریعت بات مثلاً راگ رنگ جو کچھ وہ بے شریعت کرتا ہے وہ یاد آتا ہے خدا ایسے آدمی کے دیکھنے سے کب یاد آتا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ عام لوگوں کے نزدیک کرامت سے ولی پہچانا جاتا ہے اور علماء اسلام کے نزدیک پیروی شریعت سے ولی پہچانا جاتا ہے اور پھر ولی سے کرامت پہچانی جاتی ہے ابن عساکر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا میں اولیاء اللہ کے چند گروہ ہیں تین سو آدمیوں کا ایک گروہ ایسا ہے جن کا ولایت میں وہ مقام ہے جو نبوت میں حضرت آدمؑ کا تھا اور چالیس آدمیوں کا ایک گروہ ایسا ہے جن کا مقام حضرت موسیٰ کا سا ہے اور سات آدمیوں کا ایک گروہ ایسا ہے جن کا مقام حضرت ابراہیمؑ کا سا ہے اور پانچ آدمیوں کا ایک گروہ ایسا ہے جن کا مقام ولایت وہ ہے جو ملائکہ میں حضرت جبرئیل کا مقام ہے اور تین آدمیوں کا ایک گروہ ایسا ہے جن کا مقام حضرت میکائیل کا ہے اور فقط ایک شخص ایسا ہے جس کا مقام حضرت اسرافیل کا ہے ان اولیاء اللہ کی دعا کی برکت کے سبب سے طرح طرح کی بلائیں دفع ہوتی رہتی ہیں قحط کے وقت ان کی دعا سے مینہ برستا ہے لڑائی کے وقت ان کی دعا سے دشمن پر فتح ہوتی ہے ان لوگوں سے کبھی دنیا خالی نہیں رہتی نیچے کے گروہ والوں کو خدا ترقی دیتا رہتا ہے مثلاً چالیس آدمیوں کے گروہ میں سے کسی شخص کے فوت ہو جانے سے ایک آدمی کی جگہ خالی ہو جاتی ہے تو تین سو آدمیوں کے گروہ میں سے ایک شخص اس کے قائم مقام ہو جاتا ہے اور عام مسلمانوں میں سے ایک شخص تین سو کے گروہ میں طور ہو جاتا ہے

[1] صحیح بخاری ص ۹۶۳ ج ۲ باب التواضع [2] تفسیر الدر المنثور ص ۳۱۱ ج ۳۔

اسی طرح ہر گروہ کا حال[1] ہے اور مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت علیؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب حضرت علیؓ اور معاویہؓ کی لڑائی تھی تو ایک روز معاویہؓ اور اہل شام کا کچھ ذکر حضرت علیؓ کے روبرو آیا حضرت علیؓ وہ ذکر سن کر خاموش ہو رہے لوگوں نے حضرت علیؓ سے کہا آپ اپنے دشمن اور دشمن کے لشکر کا ذکر سن کر خاموش رہ جاتے ہیں کچھ اُن کو برا نہیں کہتے آپ نے فرمایا اہل شام کو میں کیوں کر برا کہوں میں نے حضرت سے سنا ہے کہ ملک شام میں چالیس آدمیوں ابدال کا گروہ ایسا ہے کہ جن کے سبب سے اہل شام کی ہر طرح کی بلا دفع ہوتی ہے جن کی دعا سے قحط کے وقت مینہ برستا ہے لڑائی کے وقت دشمن پر فتح ہوتی ہے[2] اسی طرح حلیہ ابی نعیم میں روایت ہے کہ اہل صفہ میں مغیرۃ بن شعبہ کا ایک غلام تھا اُس کو آنحضرت نے فرمایا یہ سات میں کا ایک[3] ہے سوا اس کے جن حدیثوں میں اولیاء اوتاد اقطاب نقباء نجباء کی گنتی کا ذکر ہے ان حدیثوں کو اہل حدیث نے ضعیف کہا ہے[4] اہل خاص نام رکھ کر ولایت کی شان سے بعض صحابہ اور تابعین کا ذکر صحیح حدیثوں میں آیا ہے چنانچہ صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ پہلی امتوں میں ایسے لوگ تھے جن کو خدا کی طرف سے الہام ہوتا تھا اس امت میں اُسی طرح کے لوگ ہیں تو وہ عمر فاروقؓ ہیں[5] اور صحیح مسلم میں حضرت عمرؓ سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ یمن سے ایک شخص تمہارے پاس آئے گا جس کا نام اویس ہے اس سے دعا کرانا[6] اور کرامت کے قبیل سے صحابہ اور تابعین کے حالات حدیث کی کتابوں میں نظر ڈالی جاوے تو ہزار کرامتوں سے کم نہیں نکلتی ہیں مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ کے تین مہمانوں کا قصہ صحیحین میں ہے جس میں کھانا بڑھ گیا تھا[7] اور حضرت عمرؓ کا مدینہ میں خطبہ کے وقت اپنے لشکر کو پہاڑ پر چڑھ کر لڑنے کی ہدایت کا دینا اور منزلوں کے فاصلہ پر اس کا عمل ہو جانا[8] اور حسن بصریؒ کا حجاج کی نگاہ سے غائب ہو جانا اور سعید بن مسیبؒ کو یزید کے جھگڑے کے زمانہ میں اذان کی آواز کا مسجد نبوی میں آنا[9] وغیرہ لیکن شریعت میں کہیں ایسے اولیاء اللہ کا ذکر نہیں ہے جن کو شریعت کا حکم معاف ہو یا ظاہر میں وہ شریعت کے پابند ہوں اور باطنی احکام الہامی میں ان کو شریعت کی پابندی ضرور نہ ہو یا ولایت کو وہ نبوت سے بڑھ کر گنتے ہوں یا کسی کو خاتم الاولیاء کہتے ہوں یا احکام شریعت کے وہ ایسے معنے بتلاتے ہوں جن کی روایت صاحب شریعت سے صحیح سند کتابوں میں کہیں نہیں پائی جاتی اس قسم کی جس قدر باتیں فتوحات وفصوص الحکم وغیرہ میں لکھی ہیں وہ سب شریعت کے مخالف ہیں کیونکہ یہ تو ظاہر بات ہے کہ وحی شرعی میں جب ان باتوں کا پتہ نہیں ہے تو امت میں سے جس کسی کو یہ باتیں معلوم ہوئی ہوں گی خواہ مخواہ الہام کے ذریعہ سے معلوم ہوئی ہوں گی کس لئے کہ وحی تو خاتم الانبیاء پر ختم ہو چکی اور الہام ایسی ایک چیز ہے کہ بدوں شہادت شریعت کے صرف الہام کے ذریعہ سے کوئی بات ثابت کی جا سکتی ہے نہ خالی الہام حجت ہو سکتا ہے چنانچہ مشائخ اسلام مثلاً فضیل بن عیاضؒ و ابراہیم ادہمؒ و ابوسلیمان دارانیؒ و معروف کرخیؒ

[1] حافظ سیوطیؒ اللآلی المصنوعہ ص ۱۷۲ طبع لکھنؤ میں بحوالہ الطبرانی یہ روایت لا کر کہتے ہیں کہ اس کی سند میں بہت سے مجہول راوی ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ روایت کسی کام کی نہیں چنانچہ حافظ ذہبیؒ نے اسکو موضوع قرار دیا ہے میزان ص ۸۷ ج ۲ [2] مشکوٰۃ باب ذکر الیمن والشام بحوالہ مسند احمد ص ۱۱۲ ج ۱ طبع احمد شاکر یہ روایت منقطع ہے لہٰذا ضعیف الاسناد قابل حجت نہیں (ع، ر)
[3] [illegible]
[4] صوفیوں کے ان اصطلاحی القاب کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ابدال کے متعلق بعض روایات ہیں ان کو اگرچہ حافظ سیوطی نے ناحق بار بار بنانے کی کوشش کی ہے لیکن حافظ سخاویؒ کے نزدیک وہ سب ضعیف ہیں (المقاصد الحسنہ ص ۸ طبع جدید) اور یہی رائے حافظ شوکانی کی ہے (الفوائد المجموعہ ص ۲۴۶ تا ۲۴۹ طبع مصر) ع ر [5] مشکوٰۃ ص ۵۵۶ باب مناقب عمرؓ [6] صحیح مسلم ص ۳۱۱ ج ۲ باب من فضائل اویس القرنیؓ
[7] مشکوٰۃ ص ۵۳۳ باب الکرامات [8] مشکوٰۃ ص ۵۴۶ باب الکرامات۔
[9] ایضاً ۵۴۴ باب الکرامات

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ

ان کو خوش خبری ہے دنیا کے جینے اور آخرت میں بدلتی نہیں اللہ کی باتیں

وجنید بغدادیؒ وغیرہ نے اس کی صراحت کر دی ہے کہ سوائے انبیاء کے اور کسی کا الہام اس وقت تک صحیح نہیں قرار پا سکتا جب تک وہ الہام ظاہر شریعت کے موافق نہ ہو اور یہی مذہب حق ہے ورنہ سلف صالحین کے رحمانی الہام اور اسود عنسی اور میلمہ کذاب اور حارث دمشقی کے القاء شیطانی میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا الہام رحمانی اور القاء شیطانی میں فرق ہے تو اتنا ہی ہے کہ الہام رحمانی کی تائید شریعت سے ہوا کرتی ہے چنانچہ چند باتوں میں حضرت عمرؓ کو الہام ہوا اُسی طرح پھر وحی نازل ہوئی اور اسود عنسی آنحضرت کے زمانہ میں اور مسیلمہ کذاب حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں اور حارث دمشقی عبدالملک بن مروان کی خلافت میں اسی وجہ سے قتل کئے گئے کہ اُن کے القاء شیطانی کی تصدیق شریعت سے نہیں ہوتی تھی۔

۴۶۔ مسند امام احمد بن حنبل میں عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اس آیت میں نیک مسلمانوں کو دنیا میں خوشخبری کا جو ذکر ہے اس سے کیا مراد ہے آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد اچھے خواب ہیں اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ امت میں سے کسی شخص نے تم سے پہلے مجھ سے نہیں پوچھا[1] اس بات کے قرار دینے میں کہ خواب کیا چیز ہے لوگوں نے بڑا اختلاف ڈال رکھا ہے طبیب لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ جس خلط کا غلبہ آدمی کی طبیعت پر ہوتا ہے اُسی طرح کی چیزیں اُس کو سوتے میں نظر آتی ہیں مثلاً بلغمی مزاج کا آدمی خواب میں دریا دیکھتا ہے اور صفراوی مزاج کا آدمی آگ فلسفی لوگ کہتے ہیں کہ عالم علوی میں موجودات دنیا کی مثالی صورتیں ہیں وہ آدمی کے ذہن میں نقش پذیر ہو جاتی ہیں لیکن یہ دونوں فرقوں کی باتیں محض خیالی باتیں ہیں کیونکہ اگر خواب کا وجود ایسا ہی خیالی ہوتا جیسا یہ لوگ کہتے ہیں تو خواب کے موافق دنیا میں تعبیر کیوں پیش آیا کرتی کیا خلط اور ذہن میں یہ بھی قدرت ہے کہ خیالی چیز کو دنیا میں پیدا بھی کر دے خواب کی اصل حقیقت وہی ہے جو وحی کے ذریعہ سے صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے چنانچہ صحیح بخاری ابن ماجہ وغیرہ میں جو روایتیں ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت نے فرمایا خواب کی تین قسمیں ہیں ایک تو وہ ہے کہ آئندہ کوئی بات خواب دیکھنے والے کے حق میں ہونے والی ہے پھر جس طرح جاگتے میں الہام ہوتا ہے اسی طرح سوتے میں اللہ تعالیٰ اُس بات کو اُس شخص کے دل میں ڈال دیتا ہے اور اسی قسم کو آنحضرت نے نبوت کا جز فرمایا ہے دوسری قسم وہ ہے کہ جس کام میں سونے سے پہلے آدمی لگا ہوا تھا وہی خیال کے طور پر سوتے میں آدمی کو نظر آتا ہے تیسری قسم وہ ہے کہ شیطان ڈرانے کے طور پر خوفناک چیزیں یا خوفناک حالت خواب میں دکھاتا ہے[2] دوسری قسم تو محض خیال ہی خیال ہے اس لئے اُس کا کوئی حکم حدیث شریف میں نہیں ہے تیسری قسم کی نسبت آپ نے فرمایا ہے کہ آدمی کو چاہئے کہ ایسے خواب کا کسی سے ذکر نہ کرے بلکہ جس کروٹ کے بل یہ خواب دیکھا ہے اُس کروٹ کو بدل کر لاحول پڑھے اور بائیں طرف تھو کے اور سو جاوے پھر کوئی نقصان اُس خواب سے نہ ہوگا[3] پہلی قسم کی نسبت آپ نے فرمایا ہے کہ کسی عالم سے جو اپنا دوست ہو تعبیر پوچھے تاکہ جاہل جہل کے سبب سے اور دشمن حسد اور دشمنی کے سبب سے الٹی تعبیر

---

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۴۲۴ ج ۲ [2] صحیح بخاری ص ۱۰۳۹ ج ۲ باب القید فی المنام و مشکوٰۃ ص ۳۹۴ کتاب الرؤیا [3] مشکوٰۃ ایضاً۔

ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۶۴﴾

یہ ہے بڑی مراد ملنی

کہ کر پریشانی میں نہ ڈالے یہ جو مشہور ہے کہ پہلی تعبیر جو کوئی کہنے والا کہہ دیتا ہے خواہ وہ اچھی ہو یا بُری وہی پیش آتی ہے یہ روایت ترمذی ابوداؤد[1] ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں ہے اور حاکم نے اس روایت کو صحیح[2] بھی کہا ہے لیکن امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اس روایت کے یہ معنے کئے ہیں کہ اگر پہلے کی تعبیر دینے والے نے خدا کے ارادہ کے موافق تعبیر دی ہے تو پہلی تعبیر پیش آوے گی[3] کیوں کہ خواب ایک ایسی چیز ہے کہ خدا نے اُس کو اپنے بندہ کے دل میں ڈالا ہے اور اسی کے موافق وہ خواب کا معاملہ دنیا میں واقع ہونے والا ہے پھر کسی غلط تعبیر دینے سے وہ معاملہ پلٹ نہیں سکتا طلوع غروب زوال کے وقت یا رات کو یا عورت کے روبرو خواب بیان کرنے کی ممانعت کی حدیثیں تو صحیح نہیں ہیں لیکن مستحب یہ ہے کہ صبح کی نماز کے بعد خواب بیان کرے کس لئے کہ آنحضرت صلعم صبح کی نماز کے بعد اکثر صحابہ کے خواب سن کر اُن کی تعبیرات بیان فرمایا کرتے تھے[4] اور یہ بھی بیان فرمایا کرتے تھے کہ اب نبوت تو گئی مسلمانوں کے لئے خوشخبری کی چیز بھی ایک دنیا میں رہ گئی ہے[5] اور خواب کو آپ نے نبوت کا جز جو فرمایا ہے اُس کی چند روایتیں ہیں کم سے کم چھیالیسویں[46] جز کی روایت ہے اور زیادہ سے زیادہ چھہترویں[76] جز کی روایت ہے چالیسویں جز اور اس سے کم کی روایتیں تو صحیح ہیں چالیسویں جز سے زیادہ کی روایتیں ضعیف[6] ہیں اور چند روایتوں کا سبب یہ ہے کہ تاریخ نزول وحی سے آپ کی وفات تک ۲۳ برس کا زمانہ ہے اور وحی کے نزول سے پہلے جب آپ تنہا غارِ حرا میں عبادت کے لئے بیٹھا کرتے تھے اور اُس زمانہ میں اکثر آپ کو خواب ہوا کرتے تھے وہ زمانہ چھ مہینے کا ہے تو تئیس برس کے اندر تیرہویں برس جب خواب کا ذکر آیا تو آپ نے خواب کو نبوت کا چھیالیسواں[46] جز فرمایا کیوں کہ وہ آپ کا چھ مہینے کا خواب کا زمانہ تیرہ برس کا چھیالیسواں جز ہے اسی طرح اور روایتوں کو خیال کر لینا چاہئے سوا اس کے اور باتیں جو علما نے اس بابت میں لکھی ہیں[7] وہ تکلف سے خالی نہیں ہیں آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جب زمانہ قریب ہوگا تو مسلمان آدمی کے خواب اکثر سچے ہوں گے[8] اس حدیث کے بعضے لوگوں نے یہ معنے بیان کئے ہیں کہ قریب زمانہ سے بہار کا موسم مراد ہے کیوں کہ اُس زمانہ میں رات و دن قریب برابر کے ہوتے ہیں اور موسم کے درست ہونے کے سبب سے لوگوں کے مزاج ان دنوں میں اعتدال پہ ہوتے ہیں اس لئے اُس موسم کا خواب اکثر سچا ہوتا ہے لیکن یہ معنے صحیح نہیں ہیں کیوں کہ موسم مسلمان و فاسق و کافر سب کے لئے درست ہوتا ہے مسلمان کا خواب اس موسم میں سچا ہوگا اس کے پھر کیا معنے ہیں علاوہ اس کے صحیح حدیثوں میں یہ صراحت بھی آچکی ہے کہ جب زمانہ قریب ہوگا اور علم اٹھ جائیگا[9] اس سے بالیقین معلوم ہو گیا کہ قریب زمانہ سے قرب قیامت کا زمانہ مراد ہے نبوت کا زمانہ دور ہو جانے کے سبب سے لوگوں میں طرح طرح کی باتیں اس زمانہ میں پھیل جاویں گی اور نبوت کے ختم ہو جانے اور وحی کے بند ہو جانے کے سبب سے اچھے لوگوں کو بشارت اور بد لوگوں کو تنبیہ کا ذریعہ اور کوئی نہ ہوگا اس لئے خواب کے ذریعہ سے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اُس زمانہ میں بشارت و تنبیہ فرماوے گا غرض

[1] مشکوٰۃ ایضاً بحوالہ ترمذی، ابوداؤد وغیرہ [2] مستدرک حاکم ص ۳۹۱ ج ۴ [3] ان الرؤیا تقع علی ما تعبر [4] صحیح بخاری شرح فتح الباری ص ۱۱۵ ج ۶ [5] تفصیل کیلئے دیکھئے فتح الباری ص ۵۱۵ ج ۶ باب تعبیر الرؤیا بعد صلوٰۃ الصبح [6] صحیح بخاری ص ۱۰۳۵ ج ۲ باب المبشرات [7] دیکھئے فتح الباری ص ۲۷۶ ج ۶ باب رؤیا الصالحین الخ [8] تفصیل فتح الباری ص ۲۷۷ ج ۶ میں دیکھا جائے [9] صحیح بخاری ص ۱۰۳۵ ج ۲ باب القید فی المنام [10] مشکوٰۃ کتاب الفتن فصل اول بروایت صحیحین از ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦٥﴾ أَلَا إِنَّ

اور نہ غم کھا | ان کی بات سے | اصل سب زور | اللہ کو ہے | وہی ہے | سنتا | جانتا | سنتا ہے

لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ

اللہ کا ہے جو کوئی ہے | آسمانوں میں | اور جو کوئی ہے | زمین میں | اور جو | پیچھے پڑے ہیں | شریک | پکارنے والے

وہی آج کل کا زمانہ ہے جس کی خبر تیرہ سو برس پہلے مخبر صادق[۴] نے دی ہے اس لئے آج کل جس مسلمان کو کسی طرح کا بشارت کا خواب ہو تو اُس کو خوش ہونا اور اُس خواب کو سچا جان کر اس کی تعبیر کا منتظر رہنا چاہیے اور جس کو کسی طرح کی تنبیہ کا خواب ہو تو اس کو اُس تنبیہ کی تعبیر دریافت کر کے آئندہ اُس تنبیہ طلب کام کو چھوڑ دینا چاہیے حدیث میں اگرچہ نیک مردوں کے خواب کا اکثر ذکر ہے مگر نیک عورتوں کے خواب کا بھی وہی حکم ہے جو مردوں کے خواب کا حکم ہے چنانچہ صحیح حدیثوں میں عورتوں کے خواب کا ذکر بھی آچکا[۱] انبیاء کے خواب سب سچے ہوتے ہیں لیکن بعضے تاویل طلب ہوتے ہیں جیسے آپ نے خواب میں تلوار کے پھل کا ٹوٹ جانا اور گائے کا ذبح ہونا دیکھا اور مراد اُس سے ستر آدمیوں مسلمانوں کا جنگ احد میں شہید ہونا تھا[۲] نیک مسلمانوں کے خواب سچے ہوتے ہیں لیکن اکثر تعبیر کے محتاج ہوتے ہیں فاسق مسلمانوں کے خواب سچے اور خیال شیطانی دونوں طرح کے ہوتے ہیں کافروں کا خواب ہزار میں ایک سچا کبھی ہوتا ہے حدیث میں بعضی چیزوں کے خواب میں دیکھنے کی تعبیر کا ذکر آگیا ہے مثلاً دودھ سے مراد علم دین[۳] اور فطرت اسلام ہے تعبیر دینے والے کو چاہیے کہ جس قدر چیزوں کا ذکر حدیث میں آچکا ہے ان کو یاد رکھے تا علم وحی کے مخالف تعبیر نہ دیوے صحیح حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دن رات کے خواب میں کچھ فرق نہیں ہے[۴] تابعیوں میں سے حسن بصری[رح] کے ہم عصر محمد بن سیرین[رح] کے قول کا تعبیر میں بڑا اعتبار ہے علماء اُن کو اس فن میں امام گنتے ہیں اور روایت حدیث میں بھی محمد بن سیرین ثقہ ہیں۔ مسند امام احمد اور ابو داؤد کے حوالہ سے براء[رض] بن عازب کی صحیح حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک لوگوں کی قبض روح کے وقت اللہ تعالیٰ کے فرشتے ان نیک لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور مغفرت کی خوشخبری دیتے ہیں[۵] قتادہ اور بعضے اور سلف نے اس خوشخبری کو دنیا کی خوشخبری قرار دے کر اسی حدیث کو آیت کی تفسیر ٹھہرایا ہے حافظ ابو جعفر ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اس اختلاف کا یہ فیصلہ کیا ہے کہ اچھے خواب اور آخری وقت کی خوشخبری دونوں کو آیت کی تفسیر قرار دیا جاوے تو مناسب[۶] ہے لا تبدیل لکلمات اللہ کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس خوشخبری کا وعدہ اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے وہ وعدہ بدلنے والا نہیں اور یہ وعدہ انسان کے حق میں ایک بڑی کامیابی ہے۔

۶۵۔۶۷۔ مشرکین مکہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتے تھے اور طرح طرح سے آپ کے رسول اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر طعن کرتے تھے اس سے حضرت کو ایک قسم کا ملال ہوا کرتا تھا اس واسطے اللہ پاک نے یہ آیت اتاری اور آپ کو تسکین دی کہ ان مشرکوں کی باتوں کا آپ خیال نہ فرمائیں کیوں کہ ہر طرح کی عزت خدا ہی کو حاصل ہے اور وہ ہر شخص کے قول و فعل کو سنتا اور دیکھتا ہے یہ تمہارا کچھ بگاڑ نہیں

[۱] صحیح بخاری ص ۱۰۳۷ ج ۲ باب رؤیۃ النساء [۲] صحیح بخاری ص ۱۰۴۱ ج ۲ باب اذا رأی بقر تنحر [۳] صحیح بخاری ص ۱۰۳۷ ج ۲ باب اللبن [۴] صحیح بخاری ص ۱۰۳۶ ج ۲ کتاب التعبیر [۵] تفسیر ابن کثیر ص ۴۲۲ ج ۲ [۶] تفسیر ابن جریر ص ۱۳۸ ج ۱۱ ۔

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۶۶﴾

اللہ کے سوائے کچھ نہیں مگر پیچھے پڑے ہیں خیال کے اور کچھ نہیں مگر اٹکلیں دوڑاتے

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ

وہی ہے جس نے بنادی تم کو رات کہ چین پکڑو اس میں اور دن دیا دکھانے والا اُس میں

لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِیُّ ؕ لَهٗ

نشانیاں ہیں ان لوگوں کو جو سنتے ہیں کہتے ہیں اللہ نے کوئی بیٹا ٹھہرالیا ہے وہ پاک ہے بے نیاز ہے اُسی کا

مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا ؕ

ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں نہیں تم پاس کچھ سند اُس کی

سکتے پھر تسلی کے بعد اس بات کی بشارت دی کہ خدا تمہاری مدد کرے گا کیونکہ زمین و آسمان میں جتنی چیزیں بے جان یا جاندار ہیں اُن سب کا مالک اکیلا خدا ہی ہے اُس میں کسی کی شراکت ذرہ برابر بھی نہیں ہے یہ مشرکین اپنے جن معبودوں کو پوجتے ہیں اُن پر بھی خدا کا پورا پورا قبضہ ہے اور مشرکین محض اپنے وہم کے پیرو ہیں کہاں کی شفاعت اور کیسے جھوٹے معبود اس کے بعد فرمایا کہ خدا نے رات بنائی اور دن پیدا کیا دن کی روشنی میں لوگ اپنی اپنی روزی کی تلاش میں نکلتے ہیں آدمی اپنی ضروریات دن کے وقت رفع کرتے چلتے پھرتے رہتے ہیں رات کو تھکے ماندے آکر آرام کرتے ہیں جو لوگ غور کرنے والے ہیں اُن کے واسطے یہ بہت بڑی نشانیاں ہیں ایک یہ نشانی ہے کہ جس نے انسان کو اور انسان کی ان سب ضرورت کی چیزوں کو پیدا کیا تعظیم کے قابل وہی ہے ان بتوں کو اُس کی تعظیم میں شریک ٹھہرانے کا کسی کو کوئی حق نہیں ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسٰے اشعریؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر بردبار کون ہوسکتا ہے کہ لوگ اُس کی تعظیم اور عبادت میں اوروں کو شریک کرتے ہیں اور وہ اُن کی راحت اُن کے رزق کے انتظام میں کچھ خلل نہیں ڈالتا[1] یہ حدیث آیتوں کی گویا تفسیر ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی بردباری اُس کی قدرت اور مشرکوں کی ناشکری سرکشی اور وہم و خیال کی پیروی کی تفصیل اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے۔

۶۸۔۷۰۔ان آیتوں میں اُن مشرکوں اور اہل کتاب کے عقیدہ کو اللہ پاک نے غلط ٹھہرایا ہے جو کہتے ہیں کہ خدا کا بیٹا یا بیٹی ہے جیسے مثلاً مشرکین عرب کہتے تھے کہ فرشتے خدا کی لڑکیاں ہیں اسی طرح نصاریٰ کہتے ہیں کہ عیسٰے علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں اور یہود بھی حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اسی لئے فرمایا کہ خدا کی ذات باپ یا بیٹے ہونے کی تہمت سے بری ہے وہ بے نیاز اور بے پرواہ ہے دنیا میں اولاد کی خواہش اس غرض سے ہوتی ہے کہ بیٹا باپ کے بعد اُس کی جگہ جانشین ہو اور سلسلہ نسل کا قائم رہے اور اللہ پاک ازل سے ابد تک قائم ہے پھر اس کو اولاد کی کیا پرواہ ہے دوسری دلیل یہ بیان فرمائی کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب کا وہی مالک ہے کیوں کہ اسی نے سب کچھ پیدا کیا ہے مطلب یہ ہے کہ سارے جہان کی ساری چیزیں اُس کی مخلوق ہیں پھر مخلوق کس طرح اولاد ہوسکتی ہے پھر یہ دلیلیں بیان کرکے فرمایا کہ تم بھی اپنے دعوٰی کی کوئی دلیل پیش کرو کہ تم کس سند سے یہ بات کہتے ہو کہ خدا صاحب اولاد ہے یا اس نے کسی کو بیٹا بنالیا ہے کیوں کہ دعوٰی بلا دلیل صحیح نہیں ہوتا اور جب کوئی دلیل اور سند مشرکوں نے نہیں پیش کی تو فرمایا کہ کیا

[1] مشکوٰۃ ص ۱۲ کتاب الایمان۔

أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٨﴾ قُلْ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ

کیوں جھوٹ کہتے ہو اللہ پر جو بات نہیں جانتے کہہ جو لوگ باندھتے ہیں اللہ پر

الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿٦٩﴾ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيقُهُمُ

جھوٹ بھلائی نہیں پاتے تھوڑا سا برت لینا دنیا میں پھر ہماری طرف ہی ان کو ہے پھر آنا پھر چکھادیں گے

الْعَذَابَ الشَّدِيدَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٧٠﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ إِذْ

ہم اُن کو سخت عذاب اس پر کہ وہ منکر ہوتے تھے اور سنا اُن کو احوال نوح کا جب

قَالَ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي وَتَذْكِيرِي بِآيَاتِ اللَّهِ

کہا اپنی قوم کو اے قوم اگر بھاری ہوا تم پر میرا کھڑا ہونا اور سمجھانا اللہ کی باتوں سے

تم خدا پر ایسی بات کا بہتان باندھتے ہو جس کا تمہیں علم ہی نہیں گویا تم جھوٹ بولتے ہو پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم اُن سے کہہ دو کہ جو لوگ خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں اُن کو فلاحیت نہیں ہوگی اور اگر وہ یہ سمجھیں کہ اب دنیا میں آرام سے گذرتی ہے تو یہ دنیا کی زندگی اور مال متاع بہت ہی حقیر شئے ہے جس کی کچھ ہستی نہیں آخر ایک دن اِن سب کو اللہ کے پاس آنا ہے اُس وقت سخت سے سخت عذاب کا مزہ ان کو چکھنا پڑے گا دنیا میں خدا کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر یہ نہیں ادا کرتے الٹا بہتان اور الزام لگاتے ہیں سزا کے بعد ان سب باتوں سے یہ لوگ پچھتاویں گے مگر بے وقت کا پچھتانا اِن کے کچھ کام نہ آوے گا شداد بن اوس کی معتبر سند کی حدیث ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالہ سے ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عقلمند وہ آدمی ہے جو موت سے پہلے موت کے بعد کا کچھ سامان کر لیوے اور بالکل عقل سے عاجز وہ شخص ہے جو عمر بھر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں لگا رہے اور پھر عقبیٰ میں اللہ تعالیٰ سے نجات کی توقع رکھے[1] صحیح مسلم کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے کہ دنیا میں بڑی راحت سے گزران کرنے والے نافرمان لوگ دوزخ کے پہلے ہی جھونکے میں دنیا کی تمام راحت کو بالکل بھول جاویں گے[2] ان حدیثوں کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ نافرمان لوگ دنیا کی جس راحت کی زندگی کے نشہ میں عقبیٰ کو بھولے ہوئے ہیں دوزخ کے پہلے ہی جھونکے میں دنیا کی یہ راحت تو اُن کو یاد بھی نہ رہے گی اور اللہ اُس کے رسول اور اس کے کلام کی شان میں یہ لوگ بے ٹھکانے باتیں جو منہ سے نکالتے تھے اور اپنی نادانی سے یہ نہیں جانتے تھے کہ ایسے لوگ انتظام الٰہی میں فلاح کو نہیں پہنچنے والے اس نقصان کی بد اعمالی کی سزا میں وہ سخت عذاب اِن کو بھگتنا پڑے گا جو انسان کی طاقت سے باہر ہے۔

۷۱۔ شروع سورہ سے کئی رکوع میں اللہ تعالیٰ نے قریش کی سرکشیوں اور نافرمانیوں کا ذکر فرما کر یہاں ختم سورت پر پہلے انبیاء اور اُن کی امتوں کا ذکر اس لئے فرمایا ہے کہ قریش کو اس ذکر سے ایک طرح کی تنبیہ ہو جاوے کہ اگر یہ بھی باوجود نصیحت اور سمجھانے کے اپنی نافرمانی سے باز نہ آویں گے تو زمین پر سب سے پہلے غارت ہونے والی قوم امت نوح اور سب سے آخر غارت ہونے والی فرعون کی قوم کا جو انجام ہوا وہی انجام ان کا ہوگا اور آنحضرت کو اس ذکر سے دو طرح کی تسکین فرمائی ایک یہ کہ باوجود سمجھانے کے قریش لوگ اگر ایمان لانے میں دیر کرتے ہیں تو اس کا کچھ غم و اندیشہ نہ کرنا چاہیئے پہلے انبیاء کو بھی بڑی بڑی مدت دراز تک اپنی اپنی امتوں کو سمجھانا پڑا ہے دوسرے

[1] تفسیر ہذا جلد دوم ص ۱۲۹ و ۱۲۳ و ۲۷۸ [2] مشکوٰۃ ص ۵۰۲ باب صفۃ النار واہلہا۔

فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ

تو میں نے اللہ پر بھروسا کیا اب تم سب مل کر مقرر کرو اپنا کام اور جمع کرو اپنے شریک پھر نہ رہے تم کو اپنے کام

عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ۴ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ

میں شبہ پھر کر چکو میری طرف اور مجھ کو فرصت نہ دو پھر اگر ہٹ جاؤ گے تو میں نے نہیں چاہی تم

تسکین یہ کہ اگر قریش لوگ زیادہ سرکشی کریں گے تو آخر نبی کا پلہ بھاری رہے گا اور سرکش لوگ تباہ اور غارت ہو جائیں گے قرآن شریف میں اکثر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور فرعون کا قصہ جگہ جگہ ذکر فرمایا ہے یہ قصہ حقیقت میں ایک عجیب قدرت کا نمونہ ہے اور قضاو قدر کا لکھا پیش آنے کا اس طرح کا ایک معاملہ ہے کہ بڑے بڑے عقلمندوں کی عقل اُس کے آگے ہیچ ہے ذرا غور کرنے کی جگہ ہے کہ جس لڑکے کے پیدا ہونے اور پرورش پانے کے خوف سے فرعون نے ہزارہا بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کروا ڈالا تقدیر الٰہی نے وہی لڑکا اس فرعون کے ہاتھوں پلوایا اور اسی لڑکے کے ہاتھوں سے فرعون جیسے جابر بادشاہ کو غارت کرایا باوجود اتنی بڑی باعظمت بادشاہت کے خلاف تقدیر ایک لڑکے کا وہ کچھ نہ کر سکا اور آخر اپنے ہاتھوں خود غارت ہو گیا قرآن شریف میں پہلے ایک ذکر شروع ہو کر پھر اس ذکر کے ضمن میں پہلے انبیاء اور پہلی امتوں کا جو ذکر آتا ہے تو اس میں بہت بڑا ایک تاریخی فائدہ ہوتا ہے جو غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے جس طرح یہاں کا فائدہ بتلایا گیا ہے اسی طرح قرآن شریف کی تلاوت کرنے والے مسلمان اور جگہ کے فائدوں پر غور کریں تو ہر جگہ کا فائدہ اُن کی سمجھ میں آسکتا ہے۔ تفسیر کلبی وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ قابیل بن آدم کی اولاد میں سے کئی نیک آدمی مر گئے جن کی وفات کا صدمہ اُن کے رشتہ داروں اور معتقدوں کو بہت کچھ ہوا شیطان کے بہکانے سے پہلے پہل تو بنی قابیل کے لوگوں نے ان نیک شخصوں کی پتھر کی مورتیں اس خیال سے بنائیں تھیں کہ ان لوگوں کی صورتوں کے آنکھوں کے سامنے رہنے سے اُن کی وفات کا صدمہ کم ہو جاوے پھر رفتہ رفتہ ان صورتوں کی پوجا ہونے لگی اس بت پرستی کو رفع دفع کرنے کے لئے پہلے حضرت ادریس علیہ السلام اور اُن کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نبی ہو کر آئے اور مدت تک اس بت پرست قوم کو نصیحت کرتے رہے لیکن اس قوم نے دونوں نبیوں کی نصیحت کو نہ مانا آخر یہ قوم طوفان سے ہلاک ہو گئی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ روایت صحیح بخاری[1] میں بھی مختصر طور پر ہے جس سے تفسیر کلبی وغیرہ کی روایتوں کی پوری تائید ہوتی ہے سورۃ الشعراء میں آوے گا کہ حضرت نوح علیہ السلام جب قوم کے لوگوں کو بت پرستی کے چھوڑنے کی نصیحت کرتے تھے تو وہ حضرت نوحؑ کو پتھروں سے کچل ڈالنے کی دھمکی دیا کرتے تھے اس پر حضرت نوح علیہ السلام نے قوم کے لوگوں سے کہا کہ تم اور تمہارے بت مل کر کچھ بدسلوکی میرے ساتھ کر سکتے ہو تو اُس کے پورا کرنے میں تم لوگ کمی نہ کرو جو کچھ کرنا ہے وہ بلاشک و شبہ کر گزرو مجھے اس کا کچھ خوف نہیں میں تو اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسہ پر نصیحت کے فرض کو ضرور ادا کروں گا۔

۷۲، ۷۳۔ اس سے اوپر کی آیت میں بیان ہو چکا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ ان کفار عرب کو سنا دو کہ نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ میرا یہاں ٹھہرنا اور بت پرستی کی مذمت کا کرنا اگر تمہیں گراں گزرتا ہے تو تم اور تمہارے جھوٹے معبود سب اکٹھے ہو کر جو کچھ میرے ساتھ کرنا چاہو اس کے کر بیٹھنے میں تامل نہ کرو اس آیت میں فرمایا کہ نوحؑ نے اپنی قوم سے یہ بھی کہا کہ تم لوگ اگر کسی حج کے بارے میں ذرہ کر میری

[1] صحیح بخاری مع فتح الباری ص ۷۳۷ ج ۴ تفسیر سورہ نوح۔

مِّنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٧٢﴾

سے مزدوری میری مزدوری ہے اللہ پر اور مجھ کو حکم ہے کہ رہوں حکم بردار

فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا

پھر اس کو جھٹلایا پھر ہم نے بچا دیا اس کو اور جو اُس کے ساتھ تھے کشتی میں اور ان کو قائم کیا جگہ پر اور ڈبا دیئے

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿٧٣﴾ ثُمَّ

جو جھٹلاتے تھے ہماری باتیں سو دیکھ کیسی ہوئی عاقبت ان کی جن کو ڈرایا تھا پھر

بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا

بھیجے ہم نے اس کے پیچھے کتنے رسول اپنی اپنی قوم کی طرف پھر لائے ان پاس کھلی نشانیاں سو ہرگز نہ ہوئے

نصیحت سے منہ موڑتے ہو تو میں اس کی مزدوری تم سے کچھ نہیں چاہتا اس کا اجر تو خدا ہی دے گا اور مجھے تو یہی حکم ہے کہ میں مسلمان ہوں[1] اور تم کو بھی اسی طرح کی نصیحت کرتا رہوں مگر اس قوم کو ایمان نہ لانا تھا نہ لائی حضرت نوح علیہ السلام کو جھٹلائے گئی پھر تو وہ طوفان آیا کہ پہاڑوں سے بھی کہیں اونچا پانی ہو گیا حضرت نوحؑ معہ اسی آدمی چالیس مرد اور چالیس عورتوں کے کشتی میں بیٹھے رہے اُن کو خدا نے پناہ میں رکھا باقی سب ڈوب کر ہلاک ہو گئے خدا نے ان کی جگہ ان چالیس آدمیوں کو بسایا جن کی نسل سے اب تک دنیا آباد ہے تفسیر مقاتل میں ہے کہ کشتی سے اترنے کے بعد ان چالیس[2] مرد اور چالیس عورتوں کا موصل کی سرزمین میں ایک گاؤں ہے جس کا نام ثمانین ہے جس کے معنی اسی آدمیوں[1] کے گاؤں کے ہیں اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے فرمایا دیکھو کیا نتیجہ ہوا اُن کا جن کو خدا کا خوف تھا وہی بچے اور جھٹلانے والے جان سلامت نہ بچا سکے مصنف ابن ابی شیبہ مستدرک حاکم تفسیر ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ چالیس[3] برس کی عمر میں نوح علیہ السلام کو نبوت ہوئی اور پھر ساڑھے نو سو برس تک قوم کے لوگوں کو وہ وعظ نصیحت کرتے رہے جب قوم کے لوگ راہ راست پر نہ آئے تو طوفان آیا[4] حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے اس صحت کو مان لیا ہے[5] صحیح بخاری مسلم ترمذی نسائی اور ابن ماجہ میں ابوموسے اشعریؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلے اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو راہ راست پر آنے کے لئے مہلت دیتا ہے اور جب لوگ اس مہلت میں راہ راست پر نہیں آتے تو پھر اُن لوگوں پر ایسا عذاب نازل فرماتا ہے جس سے وہ کسی طرح نجات نہیں پا سکتے[6] ان حدیثوں اور آیتوں کو ملا کر ان آیتوں کی تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کو کافی مہلت دی اور جب وہ لوگ اس مہلت میں راہ راست پر نہ آئے تو اُن پر طوفان کا عذاب نازل فرمایا اس طرح اُس زمانہ کی عمر کے موافق پہلے مشرکین مکہ کو مہلت دی گئی اور پھر بدر کی لڑائی میں ان کی گرفت فرمائی۔

۷۴۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق حضرت نوحؑ حضرت آدم علیہ السلام کے دس قرن کے بعد ہوئے ہیں اس دس قرن تک سب کے سب مسلمان تھے پھر آہستہ آہستہ بت پرستی پھیلنے لگی تو اللہ پاک نے نوح علیہ السلام کو رسول بنا کر لوگوں کی ہدایت کو بھیجا پھر ان کے بعد لگاتار انبیا اور رسول آتے گئے پھر حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو گئی اس لئے اللہ پاک نے پہلے حضرت

لے دیکھئے تفسیر فتح البیان ص ۴۸۹ ج ۳ و تفسیر ابن کثیر ص ۴۰۷ ج ۳ تفسیر سورۃ عنکبوت ۲ مستدرک ص ۵۴۶ ج ۲ ۳ صحیح بخاری (مع فتح الباری ص ۲۱۴ ج ۴) باب قولہ وکذلک اخذ ربک الآیۃ۔

لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ ۚ كَذَٰلِكَ نَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْمُعْتَدِينَ (۷۴)

کہ یقین لاویں جو بات جھٹلا چکے پہلے سے اسی طرح ہم مہر کرتے ہیں دلوں پر زیادتی والوں کے

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسَىٰ وَهَارُونَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ بِآيَاتِنَا

پھر بھیجا ہم نے ان کے پیچھے موسے اور ہارون کو فرعون اور اس کے سرداروں پاس اپنی نشانیاں دیکر

نوحؑ کے قصہ کو بیان کر کے فرمایا کہ نوح علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے اور رسولوں کو بھیجا اور وہ طرح طرح کے معجزے خدا کی طرف سے لے کر آتے گئے مگر قوم کے لوگ بدستور اپنے خیال پر جمے رہے اور رسولوں کو جھٹلاتے رہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کے موافق ان کے دلوں پر مہر لگادی کہ یہ جانیں اور ان کا کام یہ اپنی زیادتی اور گمراہی سے باز نہیں آنے والے اور آخر علم الٰہی کے موافق طرح طرح کے عذاب سے ہلاک ہوجانا ان کی سزا ہے مسند بزار اور مستدرک حاکم میں ابوسعیدؓ خدری سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی قوم عام عذاب سے ہلاک نہیں ہوئی حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[1] اس آیت میں ان رسولوں کے نام نہیں بتلائے گئے جو حضرت نوحؑ کے بعد آئے مگر اور آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نوح علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے مابین انبیاء حضرت ہودؑ و صالحؑ و ابراہیمؑ و لوطؑ و شعیب علیہ السلام ہیں۔ صحیح ابن حبان میں ابوامامہؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدم علیہ السلام سے نوح علیہ السلام تک دس قرن گذرے ہیں ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[2] حضرت عبداللہؓ بن عباس کا قول دس قرن کا جو اوپر گزرا اس حدیث سے اس کی پوری تائید ہوتی ہے تفسیر ابن جریر میں ان دس قرن کی مدت ایک سو چھبیس[126] برس کی بتلائی گئی ہے قرن کے معنے ایک زمانہ کے سمجھے گئے ہیں مسند امام احمد کے حوالہ سے ابوذرؓ کی معتبر حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار اور ان میں صاحب کتاب رسول تین سو پندرہ ہیں[3] معتبر سند سے ترمذی میں ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کچھ فخر کے طور پر نہیں کہتا ہوں لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ میں سب اولادِ آدم کا سردار ہوں[4] اگرچہ اس حدیث سے اور اس قسم کی اور حدیثوں سے سلف کا یہ اعتقاد ہے کہ نبی آخرالزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الانبیاء ہیں لیکن صحیح بخاری مسلم وغیرہ کی صحیح روایتوں میں آپ نے امت کو اس بحث سے روکا ہے تاکہ نفتہ رفتہ اور انبیاء کی کسر شان نہ ہو[5] ترمذی وغیرہ کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے کہ کثرت گناہوں سے آدمی کے دل پر زنگ چھا جاتا ہے جس کے سبب سے نیک بات اُس کے دل پر اثر نہیں کرتی[6] نافرمان لوگوں کے دل پر مہر لگ جانے کا ذکر جو آیت میں ہے یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے۔

۷۵۔ پھر اُن رسولوں کے پیچھے جو حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت شعیبؑ تک آئے تھے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھ ہارون علیہ السلام کو ان کا وزیر بنا کر بھیجا موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بہت سی جگہ قرآن پاک میں ذکر کیا گیا ہے یہ بڑا عجیب قصہ ہے اللہ تعالیٰ نے موسےٰ کو فرعون کی گود میں پرورش کیا اور جب جوان ہوگئے تو ایک فرعونی شخص کا خون ان کے ہاتھ سے ہو جانے سے وہ وہاں سے باہر نکلے پھر خدا نے اُن سے باتیں کیں اور رسول بنا کر فرعون اور اُس کے گروہ کی طرف بھیجا اُس وقت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سوائے

[1] تفسیر فتح البیان ص۔ ۲۸۴ ج ۲ تفسیر سورۃ القصص ومجمع الزوائد ص ۸۸ ج ۷۔ [2] فتح الباری ص ۲۴۳ ج ۳ کتاب الانبیاء [3] مشکوٰۃ ص ۵۱۱ باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء علیہم السلام [4] مشکوٰۃ ص ۵۱۳ باب فضائل سید المرسلین [5] مشکوٰۃ ص ۵۰۷ باب بدء الخلق الخ [6] جامع ترمذی ص ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ج ۲ تفسیر سورۃ ویل للمطففین۔

فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا

پھر تکبر کرنے لگے اور وہ لوگ تھے گنہگار پھر جب آئی ان کو سچی بات ہمارے پاس سے

قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ

کہنے لگے یہ تو جادو ہے صریح کہا موسےٰ نے تم یہ کہتے ہو تحقیق بات کو جب وہ پہنچے تم پاس

اَسِحْرٌ هٰذَا ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ

کیا جادو ہے یہ اور چھٹکارا نہیں پاتے جادو کرنے والے بولے کیا تو آیا ہے کہ ہم کو پھیر دے اس راہ سے جس پر پایا ہم نے

اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ۭ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ وَقَالَ

اپنے باپ دادوں کو اور تم دونوں کی سرداری ہو جائے اس ملک میں اور ہم نہیں تم کو ماننے والے اور بولا

ہارون علیہ السلام کے جن کو خدا نے موسےٰ علیہ السلام کا وزیر بنا دیا تھا اور کوئی نہ تھا موسےٰ علیہ السلام کے پاس اگرچہ نو معجزے ایسے تھے جن سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ بغیر مدد خدا کے ایسی نشانی کوئی لا نہیں سکتا مگر فرعون اور اس کے ہمراہیوں نے سرکشی کو نہیں چھوڑا یہ قصہ سورہ طٰہٰ اور سورہ قصص میں تفصیل سے آوے گا۔ صحیح بخاری مسلم وغیرہ میں چند صحابہ سے معراج کی جو روایتیں ہیں ان میں یہ ہے کہ پہلے پہل امت محمدیہ پر پچاس نمازیں فرض ہوئی تھیں پھر حضرت موسےٰ علیہ السلام کے مشورہ کے موافق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے ان پچاس نمازوں میں تخفیف ہو جانے کی التجا کی اور آخر کو یہ پانچ نمازیں باقی رہیں[1] حضرت موسےٰ علیہ السلام کا یہ ایک بڑا احسان امت محمدیہ پر حضرت موسےٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے جس کا ذکر اس صحیح حدیث میں آیا ہے۔

۷۶۔۸۲۔ جس طرح اکثر منکر لوگوں نے پیغمبروں کے معجزوں کو جادو اور پیغمبروں کو جادوگر بتلایا ہے فرعون اور اس کے ساتھیوں نے بھی حضرت موسےٰ کے عصا اور ید بیضا کو دیکھ کر جادو کہا فرعون کے زمانہ میں جادو کا بڑا چرچا اور زور تھا فرعون کی طرف سے بہت سے جادوگر جاگیریں پاتے تھے اور مصر کے اطراف میں اپنی جاگیرات میں رہتے تھے حضرت موسےٰ نے فرعون کو اس لئے یہی جواب دیا کہ تائید آسمانی اور معجزہ نبوی کو اگر تو سمجھتا ہے تو اپنے بڑے بڑے جادوگروں کو بلا کر مجھ سے مقابلہ کرا لے اور دیکھ لے کہ تائید آسمانی کے مقابلہ میں جادو کبھی سرسبز نہ ہوگا آخر فرعون نے اپنے جادوگر بلوائے اور فرعون کی سالگرہ کا دن جو بڑے اس کے دربار کا دن تھا مقابلہ کا دن قرار پایا اور جنگل میں ہزارہا آدمی جمع ہوئے اور فرعون کے جادوگر آخر مقابلہ کی تاب نہ لا سکے حضرت موسےٰ کی نبوت پر ایمان لے آئے فرعون کے ایمان لانے کے لئے اگرچہ یہ معجزہ کافی تھا مگر اس کے سر پر ازلی کم بختی سوار تھی آخر ایمان نہ لایا اور پھر بھی معجزہ کو جادو بتلاتا رہا اور خواری اور ذلت سے ہلاک ہوا یہ قصہ تفصیل سے سورہ اعراف میں گذر چکا ہے اور سورہ طٰہٰ اور سورہ شعراء اور سورہ قصص میں پھر آوے گا اس قصہ میں بھی آنحضرت کی یہ تسکین اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے اگرچہ قریش معجزہ اور قرآن کو جادو اور اے نبی تم کو جادوگر بتلاتے ہیں لیکن بالآخر فرعون کے جادوگروں کی طرح اکثر ان میں کے قائل ہو کر اسلام لا دیں گے اور فرعون کی طرح جو سرکشی پر اڑے رہیں گے ہلاک کر دیئے جاویں گے اللہ کا وعدہ سچا ہے تیرہ برس کی آنحضرت کی کوشش میں جس مکہ میں سو کے اندر مسلمانوں کی تعداد تھی دس برس کے بعد حسب اللہ تعالےٰ کا مقررہ وقت آ گیا تو سارا مکہ مسلمانوں سے بھر گیا اور آج تک یہ ہدایت کا

[1] صحیح بخاری ص ۵۰۔۵۱ ج ۱ باب کیف فرضت الصلوٰۃ۔

فِرْعَوْنُ ائْتُونِي بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيمٍ ﴿٧٩﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوسٰى

فرعون کو لاؤ میرے پاس جو جادوگر ہو پڑھا پھر جب آئے جادوگر کہا ان کو موسےٰ نے

أَلْقُوا مَا أَنْتُمْ مُّلْقُونَ ﴿٨٠﴾ فَلَمَّا أَلْقَوْا قَالَ مُوسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ

ڈالو جو تم ڈالتے ہو پھر جب انہوں نے ڈالا موسیٰ بولا کہ جو تم لائے ہو سو جادو ہے

إِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهُ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ ﴿٨١﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ

اب اللہ اس کو بگاڑتا ہے اللہ نہیں سنوارتا شریروں کے کام اور اللہ سچ کرتا ہے

الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ﴿٨٢﴾

سچ کو اپنے حکم سے اور پڑے برا مانیں گنہگار

اثر باقی ہے کہ سوا مسلمان کلمہ گو کے اور کوئی مکہ میں نظر نہیں آتا اور مشرکین مکہ میں سے جو لوگ مرتے دم تک راہ راست پر نہیں آئے ان کا انجام بدر کی لڑائی میں جو ہوا وہ کچھ تو بدر کی لڑائی کے قصہ میں گزر چکا اور کچھ آگے آتا ہے غرض ہر کام کا اللہ کی طرف سے وقت مقرر ہے وقت کا منتظر رہنا چاہیئے گھبرانا نہیں چاہیئے تفسیر ابو الشیخ اور تفسیر ابن ابی حاتم میں لیث بن ابی سلیم سے روایت ہے کہ آیت إِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهُ اور آیت فَوَقَعَ الْحَقُّ اور آیت وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتٰى (۲۰: ۶۹) پانی پر پڑھ کر وہ پانی جادو کے اثر والے شخص کے سر پر ڈالا جاوے تو فوراً فائدہ ہوتا ہے۔[1] صحیح بخاری میں ابو طلحہ کے واسطے سے اور صحیح مسلم میں بغیر واسطہ کے انس بن مالکؓ کی روایتیں ایک جگہ گذر چکی ہیں جس میں یہ ہے کہ بدر کی لڑائی میں مشرکین مکہ کے بڑے بڑے سردار جو مارے گئے تھے ان کی لاشوں پر کھڑے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اب تو تم لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو سچا پا لیا[2] مطلب ہے کہ قرآن شریف میں جس عذاب آخرت کا وعدہ تھا اور اس کو تم لوگ جادوگروں کی باتوں کی طرح جانتے تھے اب تو تم لوگوں نے اس وعدہ کا ظہور آنکھوں سے دیکھ لیا یا اب بھی تمہاری آنکھوں پر وہی پردہ پڑا ہے جو دنیا میں تھا سورہ والطور کی آیت أَفَسِحْرٌ هٰذَا أَمْ أَنْتُمْ لَا تُبْصِرُونَ (۵۲: ۱۵) کا مطلب بھی یہی ہے جو انسؓ بن مالک کی حدیث کا ہے فرق اتنا ہے کہ حدیث میں قرآن کو جادو کہنے والے مشرکین مکہ کو اللہ کے رسول نے عذاب قبر جتلایا اور قائل کیا ہے سورہ والطور کی آیت میں اللہ کے فرشتے آسمانی کتابوں کو جادو بتلانے والے مشرکوں کو دوزخ کا عذاب گھڑی گھڑی جتلا دیں گے اور قائل کریں گے حاصل کلام یہ ہے کہ والطور کی آیت اور انسؓ بن مالک کی حدیث کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس سے آسمانی کتابوں معجزوں کو جادو اور اللہ کے رسولوں کو جادوگر کہنے والوں کا انجام اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے معجزہ اور جادو میں یہ فرق ہے کہ معجزہ سے جو چیز ظہور میں آتی ہے وہ اصلی ہوتی ہے اور جادو سے جو چیز ظہور میں آتی ہے وہ اصلی نہیں ہوتی اسی واسطے جادو کے اثر کے ہزارہا سانپ حضرت موسےٰ علیہ السلام کے ایک معجزہ کے سانپ کا مقابلہ نہ کر سکے جن لیث بن ابی سلیم تابعی کا ذکر اوپر گذرا یہ ابن جریج کے مرتبہ کے صدوق تابعی ہیں اگرچہ آخر عمر میں ان کا حافظہ بگڑ گیا تھا لیکن ابن معین نے ان کو قابل اعتبار ٹھہرایا ہے۔[3]

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۴۲۷ ج ۲ [2] صحیح بخاری ص ۵۶۶ ج ۲ باب قتل ابی جہل [3] تہذیب ص ۴۶۷ ج ۸۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ

پھر کسی نے نہ مانا موسیٰ کو مگر کچھ لڑکوں نے اس کی قوم سے ڈرتے ہوئے فرعون سے

وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ۭ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ

اور اُن کے سرداروں سے کہ ان کو بچلا نہ دیں اور فرعون چڑھ رہا ہے ملک میں اور اس نے

الْمُسْرِفِيْنَ ۝۸۳

چھوڑ رکھا ہے

۸۳؎ آنحضرت کو اس بات کا بھی رنج رہتا تھا کہ نبی ہونے کے بعد تیرہ برس آپ مکہ میں رہے اور صرف کچھ کم سو آدمی مسلمان ہوئے آپ چاہتے تھے کہ اسلام جلدی جلدی زور پکڑے اور جھٹ پٹ مسلمانوں کی ایک بڑی سی جماعت قائم ہو جاوے اللہ تعالیٰ نے اس قصہ سے آپ کی تسکین فرمائی کہ یہ کچھ رنج کرنے کی بات نہیں ہے منکروں کے دل بڑی مشکل سے پھرتے ہیں موسیٰ علیہ السلام کا ایسا بڑا معجزہ قبطیوں نے دیکھا کہ جادوگر سب ہار گئے مگر قبطیوں میں سے چند ہی آدمی مسلمان ہوئے اگرچہ بعضے مفسروں نے آیت کے یہ معنے کئے ہیں کہ بنی اسرائیل میں سے تھوڑے لوگ مسلمان ہوئے اور حافظ ابو جعفر ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں ان ہی معنوں کو ترجیح دی ہے لیکن حافظ ابن کثیر کے نزدیک صحیح معنے یہی ہیں کہ آیت میں اُس کی قوم سے فرعون کی قوم قبطی لوگ مراد ہیں قوم موسیٰ مراد نہیں ہے کیونکہ بنی اسرائیل تو سوا قارون اور چند لڑکوں کے اور سب مسلمان ہو گئے تھے پھر یہ بات کیوں کر صحیح ہو سکتی ہے کہ بنی اسرائیل میں سے چند ہی شخص ایمان لائے جس طرح اس آیت سے آگے کی آیت میں توکل کا ذکر ہے اسی طرح قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عبادت کے ساتھ توکل کا اکثر ذکر فرمایا ہے جیسے اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا (۱۰: ۸۴) اور هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا (۶۷: ۲۹) اور فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ (۱۱: ۱۲۳) اور اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ ابن ماجہ میں عمرو بن العاصؓ کی روایت سے جو حدیث ہے اُس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر یوں فرمائی ہے کہ آدمی کے دل میں طرح طرح کے خیال سمائے رہتے ہیں جو اللہ پر توکل کرے وہ سب خیال پر غالب آسکتا ہے اور جو توکل نہ کرے گا معلوم نہیں کون سا خیال اُس کو ڈبو دے گا اگرچہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن آیت وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (۶۵: ۳) سے اس حدیث کی پوری تائید ہوتی ہے حاصل معنے حدیث کے یہ ہیں کہ جب تک دل میں اللہ پر بھروسہ نہیں دل گویا ڈانواں ڈول ہے اور ڈانواں ڈول حالت کے ایمان اور عبادت کا کیا ٹھکانا ہے کیونکہ ڈانواں ڈول حالت کے ایمان والا شخص اعتقادی منافق ہے ڈانواں ڈول حالت کی عبادت والا شخص عملی منافق ہے اعتقادی منافق وہ ہے جس کا اعتقاد احکام شرع پر پورا نہ ہو اور عملی منافق وہ ہے جس کے عمل احکام شرع کے موافق نہ ہوں غرض اس ڈانواں ڈول حالت کو رفع فرمانے کی غرض سے نصیحت کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عبادت کے ساتھ جگہ جگہ توکل کا ذکر فرمایا ہے کہ ایمان اور عبادت خالص ہو اسی واسطے اہل توکل کا درجہ بھی بڑا ہے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن صاحب توکل لوگ ستر ہزار میری امت میں سے بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے یہ درجہ جس کو اللہ دیوے اس کو ملتا ہے چنانچہ جس روز آپ نے یہ حدیث بلا حساب جنت میں داخل ہونے کی فرمائی اس روز ایک صحابی عکاشہ بن محصنؓ نے کہا کہ حضرت میرے واسطے دعا کیجئے

۱؎ دیکھئے تفسیر ابن کثیر ص ۴۲۷ ج ۲ و ۲؎ مشکوٰۃ ص ۴۵۲ باب التوکل والصبر۔

وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ

اور کہا موسےٰ نے اے قوم اگر تم یقین لائے ہو اللہ پر تو اسی پر بھروسا کرو اگر ہو تم

مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾

حکم بردار تب بولے ہم نے اللہ پر بھروسا کیا اے رب ہمارے نہ آزما ہم پر زور اس ظالم قوم کا

وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾

اور چھڑا ہم کو اپنے مہر کرکے اس منکر قوم سے

کہ اللہ مجھ کو ان میں سے کر دیوے آپ نے دعا فرمائی پھر ایک صحابی سعد بن عمارہؓ نے کہا حضرت میرے لئے بھی دعا کیجئے آپ نے فرمایا اب تو عکاشہ بازی لے جا چکا۔ توکل کے معنے کسی پر بھروسہ رکھنے کے ہیں عبادت کے وقت اللہ پر بھروسہ رکھنے کا یہ مطلب ہے کہ آدمی عبادت کے وقت اللہ کو حاضر ناظر جان کر اور اس عبادت کے ثواب کا بھروسہ اللہ کی ذات پر رکھ کر عبادت کرے عقبیٰ کے ثواب اور دنیا کے دکھاوے دونوں کو دل میں رکھ کر ڈانواں ڈول نہ ہو کہ ایسی عبادت رائگاں ہے چنانچہ صحیح مسلم کے حوالہ سے حضرت عمرؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی کہ آدمی عبادت کرتے وقت یہ خیال کرے کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے اگر یہ مرتبہ میسر نہ آوے تو یہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے تکلیف کے وقت اللہ پر بھروسہ رکھنے کا یہ مطلب ہے کہ اس دنیا عالم اسباب میں اگر کوئی تدبیر رفع تکلیف کی کرے بھی تو رفع تکلیف کا اصل بھروسہ اللہ کی ذات پر رکھے جیسا کہ صحیح مسلم میں جابرؓ کی حدیث میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مرض کی دوا ہے مگر دوا میں شفا کی تاثیر کا دینا اللہ تعالےٰ کے اختیار میں ہے لمن المسرفین کے ترجمہ میں شاہ صاحب نے یہ جو لکھا ہے کہ اس نے ہاتھ چھوڑ رکھا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ فرعون لوگوں پر طرح طرح کی دست درازی کرتا تھا چنانچہ اس کو جب اپنی بی بی آسیہ کے اسلام کا حال معلوم ہو گیا تو اس نے چار میخیں زمین میں گاڑ کر آسیہ کے ہاتھ پاؤں ان میخوں سے باندھ دئے اور طرح طرح سے مار پیٹ کی جس کا ذکر معتبر سند سے بیہقی اور مسند ابو یعلیٰ میں ابوہریرہؓ کی روایت سے ہے۔

۸۴-۸۶۔ موسےٰ علیہ السلام نے ان لوگوں سے جو ایمان لا چکے تھے یہ کہا کہ جب تم ایمان لا چکے اور مسلمان ہو گئے تو اب خدا ہی پر بھروسہ کرو اور فرعون اور اس کے گروہ کا کوئی خوف نہ کرو ان لوگوں نے کہا کہ ہاں ہم نے خدا پر بھروسہ کر لیا اور پھر خدا سے دعا کی کہ اے خدا ہم کو اس ظالم قوم کے فتنہ سے بچائیو اور ان کو ہم پر فتحیاب نہ کیجیو نہیں تو فرعون اور اس کی ساری قوم یہی کہیں گے کہ ہم ہی حق پر تھے اور ایسی باتیں دل میں سوچ کر اور زبان سے کہہ کر یہ لوگ فتنہ میں پڑیں گے مجاہد رحمہ اللہ کا یہی قول ہے کہ ان لوگوں نے یہی دعا کی تھی کہ یا اللہ تو ان کو ہم پر غلبہ نہ دے اور اپنی رحمت سے اس ظالم قوم کے ظلم سے بچا کیوں کہ ہم تجھ پر ایمان لا چکے ہیں اور تجھی پر بھروسہ کئے ہوئے بیٹھے ہیں۔ جس طرح حکم برداری کے لئے توکل ضرور ہے اسی طرح توکل کے لئے صبر لازم ہے کیونکہ بے صبر آدمی حکم برداری کی تکلیفوں پر قائم نہیں رہ سکتا اور نہ ان تکلیفوں کے اجر کا پورا بھروسہ اللہ تعالےٰ کی ذات پر رکھ سکتا ہے اسی واسطے حضرت موسےٰ علیہ السلام نے ایمان و اسلام کے ساتھ صبر و توکل دونوں کا ذکر فرمایا اور یہی تربیت قرآن شریف کی ہے چنانچہ اس کا ذکر اوپر

۱؎ صحیح مسلم ص ۱۱۷ ج ۱ باب الدلیل علی دخول طوائف من المسلمین الجنۃ الخ ۲؎ صحیح مسلم ص ۲۵ ج ۱ کتاب الایمان ۳؎ مشکوۃ ص ۳۸۷ کتاب الطب ۴؎ تفسیر فتح البیان ص ۲۰۸ ج ۴ تفسیر سورۃ تحریم۔

وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَن تَبَوَّءَا لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوتًا وَٱجْعَلُوا۟

اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو اور اس کے بھائی کو کہ ٹھیراؤ اپنی قوم کے واسطے مصر میں گھر اور بناؤ اپنے

بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَأَقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ ۗ وَبَشِّرِ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿۸۷﴾

گھر قبلہ کی طرف اور قائم کرو نماز اور خوشخبری دے ایمان والوں کو

گذر چکا ہے ایمان اور اسلام کی تفسیر میں صحیح مسلم کی حضرت عمرؓ کی حدیث مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اُس کے فرشتوں رسولوں اور آسمانی کتابوں کے موجود ہونے کا دل میں یقین رکھنا اس کو ایمان کہتے ہیں اس دلی یقین کو ظاہر کرنے کے لئے زبان سے ان باتوں کا اقرار کرنا اور ہاتھ پیروں سے نماز روزہ حج زکوٰۃ ان ارکان اسلام کو بجالانا اس کو اسلام کہتے ہیں[1]۔ نماز کے بجالانے میں مثلاً جاڑے کے موسم کا وضو روزہ میں مثلاً بھوک پیاس یہ تکلیف کی چیزیں ہیں ان تکلیفوں پر صبر کرنا اور اس صبر کے اجر کا بھروسہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر رکھنا یہی صبر و توکل ہے جس کا ذکر اسلام کے ذکر کے ساتھ آتا ہے اور اسی سبب سے صحیح روایتوں میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کو نصف ایمان فرمایا[2] ہے ایمان و اسلام کی آیتوں اور حدیثوں میں قیامت کے یقین کا اس لئے ذکر آتا ہے کہ آدمی کو قیامت کے دن کی سزا و جزا کا جب تک پورا یقین نہ ہو تو وہ عقبیٰ کی جزا کی امید پر کوئی نیک کام کر سکتا ہے نہ اُس دن کی سزا کے خوف سے بُرے کام کو چھوڑ سکتا ہے۔

۸۷ جب فرعون اور اُس کے ہمراہیوں پر عذاب آنے کا زمانہ قریب آیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ اور اُن کے بھائی حضرت ہارون کو بذریعہ وحی کے یہ حکم دیا کہ تم اپنی قوم سمیت ان کفار سے علیحدہ ہو جاؤ اور الگ اپنا ایک محلہ بسا لو اور گھروں کا رخ قبلہ کی طرف رکھو اس میں نماز پڑھا کرو تاکہ فرعون کے ظلم سے امن میں رہو نماز کا حکم اس واسطے ہوا تھا کہ کثرت سے نماز پڑھنے سے بلائیں دفع ہوا کرتی ہیں چنانچہ مسند امام احمد اور ابو داؤد میں حذیفہؓ کی ایک معتبر حدیث ہے کہ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی امر ایسا درپیش ہوتا جس سے آپ غمگین ہوا کرتے تو آپ نماز پڑھنے لگتے تھے[3] اس آیت کے متعلق اس بات کا مفسرین میں اختلاف ہے کہ خدا نے موسیٰ علیہ السلام کو گھر بنانے کا حکم دیا یا مسجد بنانے کا حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ مسجد کو فرمایا ہے اور مجاہدؒ و قتادہؒ وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ گھر بنانے کا حکم ہوا کیوں کہ لوگ پہلے عبادت خانہ میں جا کر عبادت کیا کرتے تھے جب ان کو خوف ہوا کہ فرعون کے زمرہ کے آدمی ہمیں ایذا پہنچا ئیں گے اور قتل کر ڈالیں گے تو خدا کا یہ حکم ہوا کہ اپنا گھر قبلہ رخ بنا لو وہیں نماز پڑھا کرو اس معنے کو حافظ ابو جعفر ابن جریر نے ترجیح دی ہے[4] قبلہ کے تعین میں بھی مفسروں کا اختلاف ہے بعضوں کا قول ہے کہ قبلہ بیت المقدس کو فرمایا جو یہود کا قبلہ ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ کعبہ مراد ہے کیونکہ حضرت آدمؑ کے بعد جتنے لوگ ہوئے سب کا قبلہ یہی کعبہ رہا ہے علاوہ اس کے سورہ بقرہ میں گذر چکا ہے کہ یہود کے قبلہ کا توراۃ میں اور نصاریٰ کے قبلہ کا انجیل میں ذکر نہیں ہے بلکہ دونوں گروہ کا قبلہ ان کے علماء کا ٹھہرایا ہوا ہے اس لئے آسمانی حکم کا قبلہ بیت المقدس کو نہیں کہا جا سکتا پھر موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ مومنوں کو اس کی خوشی سنا دو کہ آخرت میں تمہیں اس کا اچھا اجر ملے گا کہ تم نے اللہ کے رسول کی نصیحت کو مان کر ہر طرح کی تکلیف پر صبر و توکل کا اقرار کیا

[1] صحیح مسلم ص ۲۷ ج اکتاب الایمان و مشکوٰۃ ص ۱۱ کتاب الایمان [2] الترغیب ص ۲۷۳ ج ۲ باب الترغیب فی الصبر الخ [3] تفسیر ابن کثیر ص ۴۲۸ ج ۲ [4] تمام اقوال کے لئے دیکھئے تفسیر ابن کثیر ص ۴۲۹ ج ۲ [5] تفسیر ابن جریر ص ۱۵۲-۱۵۵ ج ۱۱۔

وَقَالَ مُوسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ

اور کہا موسیٰ نے اے رب ہمارے تونے دی ہے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو رونق اور مال دنیا کی زندگی

الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ

میں اے رب اس واسطے کہ بہکادیں تیری راہ سے اے رب مٹا دے اُن کے مال اور سخت کر

اور ایمان و اسلام کے پابند ہو گئے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے معاذؓ بن جبل کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ کا حق بندوں پر شرک سے بچنے کا ہے اور اس حق کے پورا ہو جانے کے بعد اللہ کا وعدہ مغفرت کا ہے[1] یہ حدیث وبشر المؤمنین کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کی نصیحت کے موافق بنی اسرائیل نے توحید کا اور شریعت موسوی کے احکام کی تعمیل کا اقرار جب کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے موافق اُن کو نجات کی خوشخبری دی تورات کے نازل ہونے سے پہلے متفرق طور پر جو احکام نازل ہوئے تھے یہ اُن احکام کا ذکر ہے کیوں کہ تورات فرعون کے غرق ہو جانے کے بعد نازل ہوئی ہے۔

۸۸۔ فرعون کے ہلاک ہونے سے پہلے اُس کی اور اُس کے ساتھیوں کی سرکشی پر حضرت موسیٰ کو غصہ آیا اور حضرت موسیٰ نے خیال کیا کہ ان لوگوں کی سرکشی کا بڑا سبب ان کا مال و متاع ہے کہ مالداری اور عیش و آرام کے غرور میں یہ لوگ خود بھی نصیحت نہیں سنتے اور اوروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں اس وقت حضرت موسیٰ نے اس غصہ کے خیال میں دعا مانگی اور حضرت ہارون آمین کہتے گئے دعا کا حاصل یہ ہے کہ یا اللہ ان لوگوں کو تونے مال و متاع جو دیا ہے وہ ان سے چھین لے کس لئے کہ ان کا یہ مال ان کے خود گمراہ ہونے اور اوروں کو گمراہ کرنے کا سبب ہے اور اس مال کے چھین لینے کے بعد ان کو ایسا فاقہ مست بنا دے کہ بغیر مال کے بھی اُن کا وہی غرور اور سرکشی باقی رہے اور اُس غرور اور سرکشی کے سبب جھٹ پٹ اُن پر تیرا عذاب نازل ہو خدا کی پناہ نبی کی بد دعا تھی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی تمام خزانے اور کھیت پتھر ہو گئے چنانچہ عمر بن عبد العزیزؒ نے اُس زمانہ کا کچھ روپیہ اور غلہ بہم پہنچایا تھا بالکل پتھر کا تھا اِس بد دعا کے ایک چلہ کے بعد پھر فرعون ہلاک ہو گیا اس بد دعا کے اثر میں اس طرح کی سخت وبا مصر میں پھیلی کہ قبطی بدحواس ہو گئے مصلحت الٰہی سے بنی اسرائیل کا محلہ جو الگ بس گیا تھا اس محلہ کو اللہ تعالیٰ نے اُس وبا سے محفوظ رکھا پہلے سے بنی اسرائیل کو تنہا رہنے کا حکم تھا اس لئے سفر کا حکم ہوتے ہی رات کو مصر سے نکلے قلزم دریا تک پہنچے تھے کہ فرعون نے کئی لاکھ فوج سے پیچھا کیا آخر بنی اسرائیل کو تو قلزم نے اللہ کے حکم سے راستہ دیا اور فرعون مع اپنی فوج کے غرق ہو گیا زیادہ تفصیل اِس قصہ کی سورہ شعراء میں آوے گی عین عذاب کے وقت کا ایمان اور ایسے وقت کی توبہ قبول نہیں اس واسطے غوطہ کھانے کے بعد فرعون نے جو ایمان کا اقرار کیا وہ نامقبول ہوا بنی اسرائیل کے جی میں فرعون کی ہیبت بہت تھی کیوں کہ مدت تک فرعون کے ہاتھ سے وہ طرح طرح کے عذاب پاتے رہے تھے اس واسطے ایکا ایک فرعون کے اس طرح کی بے کسی سے مرنے کا یقین بنی اسرائیل کو نہ آتا تھا اُن کے یقین دلانے کے لئے اللہ کے حکم سے پانی نے فرعون کی لاش کو ایک کنارہ پر پھینک دیا پھر سب کو فرعون کی لاش دیکھ کر اُس کے مرنے کا یقین ہو گیا چنانچہ یہ ذکر آگے آتا ہے معتبر سند سے مسند امام احمد اور ترمذی میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے جو روایت ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ غوطے کھاتے کھاتے فرعون نے جو ایمان لانے کا اقرار کیا

[1] مشکوٰۃ ص ۱۲۔ ۱۴ کتاب الایمان۔

عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ قَدْ

ان کے دل کہ نہ ایمان لاویں جب تک دیکھیں دکھ کی مار فرمایا قبول ہو

اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

چکی دعا تمہاری سو تم دونوں ثابت رہو اور مت چلو راہ اُن کی جو انجان ہیں

توحضرت جبرئیل نے فرعون کے منہ میں قلزم سے مٹی لے کر بھر دی جس سے فرعون فوراً مر گیا[1] اس حدیث پر امام فخرالدین رازی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ نیک کام سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرعون کو روکا اس کا سبب کیا ہے مفسرین نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ حکم فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا (۸۵۔ مومن) سے اُس وقت کا ایمان فرعون کا مقبول نہیں تھا اس لئے فرعون کا اُس وقت کا ایمان کا اقرار ایک فعل عبث تھا اور فعل عبث سے روکنا ہر حکیم کا کام ہے کوئی اعتراض کا محل نہیں ہے رہی یہ بات کہ شریعت موسوی میں بھی فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا کا حکم تھا یا نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ خود حضرت موسیٰ کی اس بددعا فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ سے ثابت ہے کہ شریعت موسوی میں بھی یہ حکم تھا کیونکہ شریعت موسوی میں اگر یہ حکم نہ ہوتا تو حضرت موسیٰ یہ بددعا کیوں کرتے کہ فرعون اور اُس کے سرکش ساتھیوں کو ایمان نصیب بھی ہو تو عذاب کے آجانے کے وقت ہو تاکہ ان کا ایمان ان کو کچھ فائدہ نہ بخشے صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عام لوگوں کو عام عذاب سے پہلے اور خاص خاص ہر ایک شخص کو خاص اپنی موت سے پہلے جو نیک عمل کرنا ہو وہ کر لیوے[2] صحیح بخاری و مسلم میں عبادہؓ بن الصامت سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موت کے وقت اللہ کے فرشتے اچھے لوگوں کو مغفرت کی اور بد لوگوں کو عذاب کی خبر سنا دیتے ہیں[3] یہ حدیثیں فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ کی گویا تفسیر ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ نافرمان لوگوں کا ایمان اُس وقت تک کا مقبول ہے کہ عام عذاب اور عام موت کے سبب سے عام نافرمانوں کو یا خاص موت کے سبب سے کسی خاص نافرمان شخص کو موت کے فرشتے نظر نہ آنے لگیں کیوں کہ جب فرشتے نظر آنے لگے اور نافرمان لوگوں کو ان فرشتوں نے عذاب آخرت کی خبر سنا دی تو اُس عذاب سے مجبور ہو کر ایسے تنگ وقت پر کسی نافرمان شخص کا فرمانبرداری کا اقرار داخل فرمانبرداری ہے نہ یہ اقرار اُن لوگوں کو کچھ مفید ہو سکتا ہے اسی واسطے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اُس کے ساتھیوں کے حق میں یہ بددعا کی کہ مجبوری کے وقت سے پہلے ان لوگوں کو ایمان لانا نصیب نہ ہو۔

۸۹۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے دعا کی کہ اے رب ہمارے تو نے فرعون کو دنیا میں مال و دولت وجاہ و عزت دے رکھی ہے کیا یہ سب کچھ اس واسطے ہے کہ یہ خود بھی گمراہ رہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے تو اُن کے مال و دولت کو خاک میں ملا دے اور ان کے دلوں کو اور بھی سخت کر دے تاکہ جب تک یہ عذاب کو آنکھوں سے نہ دیکھ لیویں اس وقت تک ان کے دل نرم نہ ہوں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ تمہارے اور تمہارے بھائی ہارونؑ دونوں کی دعا قبول کی گئی کہ تم جلدی نہ کرو خاطر جمع رکھو اور اپنے کام پر جمے رہو عکرمہ کا قول ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے دعا کی تھی اور ہارونؑ نے آمین کہی تھی اس لئے صدائے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کی گئی اس سے

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۴۳۰ ج ۲ [2] مشکوٰۃ ص ۴۶۰ باب الانذار والتحذیر فصل اول [3] صحیح بخاری ص ۹۶۳ ج ۲ باب من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءہ۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّ

اور پار کیا ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پھر پیچھے پڑا اُن کے فرعون اور اس کا لشکر شرارت سے

عَدْوًا ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ

اور زیادتی سے جب تک کہ پہنچا اس پر ڈوبنا کہا یقین جانا میں نے کہ کوئی معبود نہیں مگر جس پر

معلوم ہوا کہ آمین کہنے والے کو بھی دعا کرنے والا ٹھہرایا جا سکتا ہے بعضے مفسروں کا قول ہے کہ اس دعا کے بعد فرعون چالیس دن تک دنیا میں رہا لیکن ابن جریج کہتے ہیں کہ چالیس برس تک رہا پھر دریائے قلزم میں ڈوب کر مع اپنے لشکر کے ہلاک ہوا اس کا حال آگے کی آیت میں آتا ہے قتادہ کا قول ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی بددعا کا یہ اثر ہوا کہ فرعون کا سارا مال و دولت کھانے کی چیزیں تک پتھر ہو گئیں تھیں چنانچہ عمر بن عبدالعزیز کے پاس ایک تھیلی فرعون کے وقت کی تھی انہوں نے جب آیت کو سنا تو تھیلی منگا کر دیکھی تو اُس میں سے کچھ انڈے اور چنے نکلے توڑ کر دیکھا گیا تو واقعی پتھر ہو گئے تھے صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہؓ بن عمرو بن العاص کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہونے والا تھا اپنے علم ازلی کے نتیجہ کے طور پر دنیا کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار برس پہلے وہ سب اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے۔[1] صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے اثر میں جلدی کرنے سے منع فرمایا ہے[2] آیت کے ٹکڑے فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ کی یہ حدیثیں گویا تفسیر ہیں کیوں کہ آیت اور حدیثوں کے ملانے سے یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ انتظام الٰہی میں ہر کام کا وقت دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے مقرر ہو چکا ہے اس لئے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو یہ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ وقت مقررہ کے آ جانے سے تمہاری دعا قبول تو ہو گئی لیکن اُس کا ظہور اپنے وقت مقررہ پر ہوگا ناسمجھ آدمی کی طرح وقت مقررہ سے پہلے اس ظہور کی جلدی کر کے ظہور میں دیر ہونے کے سبب سے نبوت کے فرض منصب وعظ نصیحت میں کچھ خلل جائز رکھو کیوں کہ دعا کے اثر میں جلدی کا کرنا انتظام الٰہی کے برخلاف اور مرضی الٰہی میں ایک طرح کی بیجا مداخلت ہے اللہ سچا ہے اللہ کا وعدہ سچا ہے چنانچہ وقت مقررہ پر اس وعدہ اور دعا کے اثر کا جو ظہور ہوا اس کا ذکر آگے آتا ہے۔

۹۰۔۹۲۔ ان آیتوں میں فرعون اور اُس کے رفیقوں کی دریا میں ڈوبنے کی کیفیت بیان کی گئی ہے جب بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مصر سے نکلے جن کی تعداد چھ لاکھ تھی تو فرعون کو یہ خبر معلوم ہوئی اور اس نے شہروں میں آدمی بھیج کر اور لشکر اکٹھا کر کے بنی اسرائیل کا پیچھا کیا بنی اسرائیل بحر قلزم کے کنارہ پر پہنچ چکے تھے فرعون کو لشکر سمیت آتے ہوئے دیکھ کر بہت ہی خوف کرنے لگے جب فرعون بالکل قریب آ گیا تو بنی اسرائیل نے موسیٰؑ سے کہا کہ ان لوگوں کے ہاتھ سے کیوں کر رہائی ہو گی موسیٰؑ نے فرمایا مجھے اسی راہ سے جانے کی ہدایت ہوئی ہے خدا خود رستہ بتلا دے گا جب وقت بالکل تنگ ہو گیا اور فرعون اور اُس کے لشکر نے آ گھیرا تو خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ عصا اٹھا کر دریا پر مارو عصا مارنا تھا کہ بارہ راستے دریا میں نمودار ہو گئے ہوا نے خدا کے حکم سے زمین کو خشک کر دیا رستوں کے درمیان میں پانی پہاڑ کی طرح سخت ہو گیا اور بڑے بڑے سوراخ

[1] صحیح مسلم ص ۳۳۵ ج ۲ باب حجاج آدم و موسیٰ علیہما السلام [2] صحیح بخاری ص ۹۳۸ ج ۲ باب یستجاب للعبد مالم یستعجل۔

اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٩٠﴾ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ

یقین لائے بنی اسرائیل اور میں ہوں حکم برداروں میں اب یہ کہنے لگا اور تو بے حکم رہا

قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٩١﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ

پہلے اور رہا بگاڑ والوں میں سو آج بچادیں گے ہم تجھ کو تیرے بدن سے تو ہو دے تو اپنے

خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿٩٢﴾

پچھلوں کو نشانی اور البتہ بہت لوگ ہماری قدرتوں پر دھیان نہیں کرتے

ع ۹ ۱۴

اس میں پڑ گئے تاکہ اِدھر کے آدمی اُدھر کے آدمی کو دیکھ کر اطمینان رکھیں اور یہ گمان نہ کریں کہ کوئی ہلاک ہوا غرض کہ موسیٰ اور اُن کے سب ساتھ کا لشکر دریا سے پار ہو گئے فرعون جب دریا کے کنارے آیا تو ہول کھانے لگا فوراً جبرئیل علیہ السلام کو حکم ہوا وہ گھوڑی پر سوار ہو کر فرعون کے سامنے سے نکلے فرعون کا گھوڑا بھی گھوڑی دیکھ کر پیچھے ہو لیا اور دونوں دریا میں گھس گئے جب فرعون کا کچھ قابو نہ چلا تو کہنے لگا کہ بنی اسرائیل ہم سے زیادہ دریا پر حق نہیں رکھتے ہیں کیا میں دریا سے پار نہیں ہو سکتا پھر تو سب کے سب اس کے پیچھے دریا میں اتر گئے اس وقت خدا کا حکم ہوا کہ دریا کا پانی جوں کا توں ہو جائے دریا کا پانی برابر ہو گیا اور سب کے سب تہ و بالا ہو کر ہلاک ہو گئے جب فرعون ڈوبنے لگا تو کہا کہ میں بنی اسرائیل کے خدا پر ایمان لایا اور میں بھی مسلمان ہوں خدا نے فرمایا اب ایمان لایا پہلے سے نہیں اب بھلا کیا فائدہ ہو سکتا ہے حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جب فرعون ڈوب گیا تو بعض لوگوں کو فرعون کی موت میں شک ہوا کہ وہ نہیں ڈوبا بچ گیا اس لئے اللہ پاک نے دریا کو حکم دیا کہ اس کی لاش دریا کے باہر ٹیلہ پر پھینک[1] دے جب لوگوں نے اس کی لاش دیکھی تو یقین ہوا جیسا کہ خود اللہ جل شانہ نے فرمایا اَلْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ کہ آج اگر ہم نجات دیں گے تو بغیر روح کے تیرے بدن کو نجات دیں گے تاکہ جو دیکھے وہ عبرت پکڑے اور غفلت میں نہ پڑا رہے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت اور صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبادہؓ بن الصامت کی روایت اوپر گذر چکی[2] ہے کہ جب موت کے فرشتے نظر آنے لگتے ہیں تو ایسے مجبوری کے وقت کی فرمانبرداری داخل فرمانبرداری نہیں ہے یہ حدیثیں اَلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ کی گویا تفسیر ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ انتظام الٰہی کے موافق دنیا نیک و بد کے امتحان کے لئے پیدا ہوئی ہے مجبوری کی حالت میں یہ امتحان کا موقع باقی نہیں رہتا اس واسطے اللہ تعالیٰ نے فرعون کی بے وقت کی فرمانبرداری کا یہ جواب دیا کہ ایسے وقت کی فرمانبرداری نامقبول ہے اس آخری وقت پر فرعون جیسے عمر بھر کے نافرمان شخص نے جو فرمانبرداری کا اقرار کیا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اُس کے اس اقرار کو برخلاف انتظام الٰہی سمجھ کر فرعون کے منہ میں قلزم کی کیچڑ ٹھونس دی مسند امام احمد اور ترمذی کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباس کی معتبر روایت اس باب میں اوپر گذر چکی[3] ہے اور اس روایت پر امام فخرالدین رازی نے جو اعتراض کیا ہے اُس کا جواب بھی اوپر گذر چکا ہے اس آیت سے بھی امام فخرالدین رازی کے اعتراض کا یہ جواب نکل سکتا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جو کچھ کیا وہ حکم الٰہی اور انتظام کے موافق تھا اس لئے اس پر کوئی اعتراض کا محل نہیں ہے حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت پر یہ جو اعتراض ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی علی بن زید کو یحییٰ بن معین وغیرہ نے ضعیف کہا ہے اس کا جواب بھی علما نے دیا ہے کہ ترمذی کی

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۴۳۱ ج ۲ [2] یعنی سابقہ صفحہ ۶۱ پر [3] یعنی صفحہ ۶۱ پر

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ وَرَزَقْنَٰهُم مِّنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ فَمَا

اور جگہ دی ہم نے بنی اسرائیل کو پوری جگہ دینی اور کھانے کو دیں ستھری چیزیں سو وہ

ٱخْتَلَفُوا۟ حَتَّىٰ جَآءَهُمُ ٱلْعِلْمُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِى بَيْنَهُمْ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ فِيمَا

پھوٹے نہیں جب تک آچکی اُن کو خبر اب تیرا رب ان میں فیصلہ کرے گا قیامت کے دن جس بات میں

دوسری سند میں علی بن زید نہیں ہے بلکہ شعبہ کی عدی بن ثابت والی سند شرط بخاری کے موافق صحیح ہے[1]۔

۹۳۔ فرعون کے غرق ہونے کے بعد تمام ملک مصر بنی اسرائیل کے قبضہ میں آگیا مگر بنی اسرائیل کو مصر میں رہنے کا اتفاق اس سبب سے کم ہوا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی رہنے کی جگہ ملک شام عمالقہ قوم کے قبضہ میں چلا گیا تھا بنی اسرائیل کو فرعون سے جب نجات مل چکی تو حضرت موسیٰ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر ملک شام فتح کریں لیکن شام کے ملک کے قریب آن کر بنی اسرائیل نے عمالقہ کی قوت جو سنی تو عمالقہ کی لڑائی سے انکار کیا چالیس برس تک اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ایک جنگل میں اس جرم کی سزا میں قید رکھا جس کا ذکر سورۂ مائدہ میں آچکا پہلے حضرت ہارونؑ کا پھر حضرت موسیٰؑ کا اس جنگل میں انتقال ہوا جتنے بنی اسرائیل نے لڑائی سے انکار کیا تھا جب وہ اسی جنگل میں مر کھپ گئے اور اُن کی اولاد لڑنے کے قابل ہوئی اور قید کی میعاد جو اللہ تعالیٰ نے ٹھہرائی تھی وہ گذر چکی تو حضرت یوشع کے ہاتھ پر ملک شام فتح ہوا اور تمام ملک شام بنی اسرائیل کے قبضہ میں مدت تک رہا جب بنی اسرائیل نے طرح طرح کی سرکشی شروع کی تو بخت نصر بابلی نے آن کر اُن کو خوب مارا اور ملک شام اُن سے چھین لیا اس کے بعد پھر دوبارہ ملک اُن کے ہاتھ آگیا پھر بادشاہانِ یونان نے جو بت پرست تھے ملک شام پر قبضہ کر لیا اسی زمانہ میں حضرت عیسٰے پیدا اور نبی ہوئے یہود نے شاہانِ یونان کو حضرت عیسٰی کی طرف سے بہکایا کہ یہ شخص شاہی رعیت کا مذہب خراب کرتا ہے اُس وقت کے یونان کے بادشاہ نے کچھ فوج حضرت عیسٰی کے پکڑنے اور شہید کرنے پر مامور کی اور یہود بھی ان حضرت عیسٰی کے مخالف لوگوں کی مدد کے لئے اُن کے ساتھ ہوئے حضرت عیسٰیؑ کو تو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھا لیا اور حواریوں میں سے ایک شخص پر حضرت عیسٰیؑ کی شباہت ڈال دی اُن مخالف لوگوں نے اُس کو حضرت عیسٰی تصور کر کے سولی پر چڑھا دیا اس کے بعد سو برس کے قریب تک حضرت عیسٰیؑ کا دین کسی قدر زمین پر قائم رہا مگر اس زمانہ کا دین اصلی دین عیسوی تھا نہ اُس زمانہ کے عیسائی گرجاؤں میں تصویریں بناتے تھے نہ صلیب کی پرستش کرتے تھے نہ حضرت عیسٰے کو خدا کا بیٹا کہتے تھے نہ تثلیث کے قائل تھے نہ مشرق کی طرف نماز پڑھتے تھے نہ شراب اور سور کو حلال گنتے تھے اب یونان کا ایک بادشاہ جس کا نام قسطنطین تھا جس نے اپنے نام پر شہر قسطنطنیہ بسایا ہے عیسائی ہوا یہ شخص عیسائی ہونے سے پہلے بڑا دہریہ تھا مورخوں نے لکھا ہے کہ یہ شخص حیلہ کے طور پر دین عیسائی بگاڑنے کی نیت سے ظاہر میں عیسائی ہوا تھا غرض اس نے عیسائی ہوتے ہی آسمانی کتابوں کے عمل کا رواج کم کر دیا عقلی قانون کی کتابیں بنوا کر اُن کو رواج دیا آج کی تاریخ تک جو جو خرابیاں عیسائی مذہب میں نظر آتی ہیں وہ اسی کی ہیں دنیا میں اس تاریخ سے دین عیسائی کا زور تو ہوا مگر اس غیر اصلی دین کا اصلی دین پر جو چند پادری اُس زمانہ میں تھے اُن کو بستیاں چھوڑ کر جنگل میں رہنا پڑا ملک شام و روم رفتہ رفتہ سب عیسائیوں کے قبضہ میں ہو گیا چنانچہ حضرت عمرؓ کی خلافت تک بیت المقدس اور تمام ملک شام عیسائیوں کے قبضہ میں تھا حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لڑائی ہو کر ملک شام مسلمانوں کے

[1] دیکھئے تفسیر ابن کثیر ص ۴۳۰ ج ۲۔

كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿٩٣﴾ فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْـَٔلِ

پھوٹ رہے تھے سو اگر تو ہے شک میں اس چیز سے جو اتاری ہم نے تیری طرف تو پوچھ

الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا

ان سے جو پڑھتے ہیں کتاب تجھ سے آگے بیشک آیا ہے تجھ کو حق تیرے رب سے سو

قبضہ میں آیا غرض ایک مدت تک ملک شام بنی اسرائیل کے قبضہ میں جو رہا اُس کا ذکر اللہ تعالےٰ نے یہ فرمایا ہے سورۃ البقرہ میں گذر چکا ہے کہ تورات میں نبی آخر الزمان کے اوصاف تفصیل سے موجود تھے اس لئے آپ کے پیدا ہونے اور نبی ہونے سے پہلے یہود آپ کو اس طرح پہچانتے تھے جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے تھے لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں آئے اور یہود نے قرآن کی وہ آیتیں بھی سنیں جن میں تورات کی تصدیق موجود تھی تو یہ لوگ فقط اس دشمنی سے آپ کی نبوت کے منکر ہو گئے کہ یہ نبی آخر الزمان بنی اسمٰعیل میں کیوں پیدا ہوئے ہماری قوم بنی اسرائیل میں کیوں نہیں پیدا ہوئے اور اسی سبب سے ان میں پھوٹ پڑ کر عبد اللہ بن سلامؓ اور اُن کے ساتھی تو راہِ راست پر آگئے اور باقی کے لوگ اپنے حال پر رہے اسی کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ سے اس آیت میں فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بخت نصر اور یونانی بادشاہوں کے زمانہ کی شرارتوں کے علاوہ ان لوگوں نے یہ بھی ایک شرارت کی کہ جان بوجھ کر نبی آخر الزمان کی نبوت میں اختلاف ڈال دیا طبرانی کبیر اور اوسط میں حضرت عبد اللہؓ بن عباس کی صحیح حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص علم دین کی کوئی بات لوگوں سے چھپائے گا تو قیامت کے دن اُس کے منہ میں آگ کی لگام دی جاوے گی[1] یہ حدیث آیت کے ٹکڑے اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جن تورات کے علماء نے جان بوجھ کر نبی آخر الزمان کے اوصاف کو چھپایا ہے قیامت کے دن اور عذاب کے علاوہ اُن کو یوں بھی رسوا کیا جاوے گا کہ اُن کے منہ میں آگ کی لگام دی جاوے گی صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل کتاب میں سے جو شخص شریعت موسوی اور عیسوی کا پورا پیرو رہا اور اب شریعت محمدی کی پیروی بھی اس نے کی اس کو قیامت کے دن دوہرا اجر ملے گا۔[2] آیت میں جس پھوٹ اور قیامت کے دن اس پھوٹ کے فیصلہ کا جو ذکر ہے اس حدیث سے اہل کتاب کے اُس گروہ کے اُس دن کے فیصلہ کا حال اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے جنھوں نے پچھلی اور حال دونوں شریعتوں کی پیروی اختیار کی ہے عربی زبان میں کسی چیز کی جب تعریف کرنی منظور ہوتی ہے تو اُس چیز کے ساتھ صدق کا لفظ لگا دیتے ہیں جیسے قَدَمَ صِدْقٍ مُبَوَّاَ صِدْقٍ اس سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ صدق دل سے یہ چیز اچھی شمار کی جاتی ہے سرزمین ملک شام ایک شاداب جگہ ہے اس لئے اُس کو مُبَوَّاَ صِدْقٍ اور وہاں کے عمدہ میووں کو ستھری چیزیں فرمایا۔

۹۴۔۹۷۔ اوپر یہود کی پھوٹ کا حال تھا کہ اس پھوٹ میں بعضے ان میں سے راہ راست پر آگئے اور جان گئے کہ تورات میں جن نبی آخر الزمان کے اوصاف ہیں بلاشک یہ وہی نبی ہیں اُس ذکر کو پورا کرنے کے لئے ان آیتوں میں فرمایا اے رسول اللہ کے اگر تمہیں اس میں کچھ شک ہو کہ آیا تمہارے اوصاف تفصیل سے تورات میں ہیں یا نہیں تو تم ان لوگوں سے دریافت کر لو جو اگلے رسولوں کی کتابیں دیکھے ہوئے ہیں کیوں کہ جو اہل کتاب تم پر ایمان لا چکے ہیں جیسے عبد اللہ بن سلامؓ وہ اب کوئی بات چھپانے کے نہیں حضرت عبد اللہؓ بن عباس

[1] الترغیب ص ۴۶ ج ۱ الترهیب من کتم العلم [2] صحیح مسلم ص ۸۶ ج ۱ باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم الخ۔

تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٩٤﴾ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَتَكُونَ

مت ہو شبہ لانے والا اور مت ہو اُن میں جنہوں نے جھٹلائیں باتیں اللہ کی پھر تو

مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٩٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٩٦﴾ وَ

بھی ہووے خراب جن پر ٹھیک آئی بات تیرے رب کی وہ نہ مانیں گے اگرچہ

لَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٩٧﴾

پہنچیں اُن کو ساری نشانیاں جب تک نہ دیکھیں دکھ کی مار

نے فرمایا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ نہ میں شک کرتا ہوں اور نہ مجھے پوچھنے کی ضرورت ہے[1] پھر اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ اے رسول اللہ کے جو لوگ خدا کی نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں تم ان سے الگ تھلگ رہو یہ لوگ کبھی ایمان نہیں لائیں گے ان پر خدا کی بات پوری اتری جو خدا نے ابلیس سے کہی تھی کہ تجھ سے اور تیرے ساتھیوں سے دوزخ کو بھر دوں گا یہ اُس وقت زبان سے ایمان کا لفظ نکالیں گے جب عذاب آتے ہوئے دیکھیں گے مگر اس وقت کے ایمان سے ان کو کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تین طرح کے لوگ تھے کچھ تو پکے مسلمان تھے اور کچھ پکے منکر اسلام اور کچھ لوگ شک کی حالت میں تھے اور عرب کے بت پرست لوگوں کو علمائے یہود کے قول کا بڑا اعتبار تھا اس لئے اہل عرب میں جو بت پرست لوگ اسلام کی جانب سے شک کی حالت میں تھے اللہ تعالیٰ نے اُن کے راہِ راست پر لانے کا یہ راستہ نکالا کہ بطور فرض اپنے رسول کو مخاطب ٹھہرا کر یہ فرمایا اے رسول اللہ کے اگر تمہیں اس میں کچھ شک ہو کہ آیا تمہارے اوصاف تفصیل سے تورات میں ہیں یا نہیں تو تم اہل کتاب میں سے ان لوگوں سے اس حال کو دریافت کر لو جو راہِ راست پر آچکے ہیں مطلب اس فرضی خطاب سے یہی ہے کہ جس صاحب شک گروہ کا ذکر اوپر گذرا اگر وہ چاہیں تو اہل کتاب سے پوچھ کر اپنا شک رفع کریں پھر فرمایا کہ علم الٰہی میں جو لوگ گمراہ ٹھہر چکے ہیں وہ اس راستہ سے بھی بے بہرہ رہیں گے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ راستہ امت کے خاص گروہ کے لئے نکالا گیا ہے اور یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جو ازلی گمراہ نہیں ہیں فقط ان ہی لوگوں کو یہ راستہ مفید ہوگا الغرض یہ فرضی خطاب ایسا ہی ہے جیسا سورۃ الزمر میں لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (٦٥) میں ہے کہ ظاہر میں خطاب تو نبی کو ہے اور حقیقت میں مشرک لوگوں کو شرک کی یہ مذمت جتلائی گئی ہے کہ اگر کوئی نبی بھی شرک کرے تو اُس کے سب عمل اکارت ہو جاویں پھر کسی دوسرے کی کیا اصل ہے صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت[2] ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعضے لوگوں کے دل میں شیطان یہ شک ڈالتا ہے کہ سب چیزیں تو اللہ نے پیدا کیں پھر اللہ کو کس نے پیدا کیا ایسے شک کے وقت آدمی کو یہ کہہ دینا چاہئے کہ میں اللہ کے خالق ہونے اور اُس کے رسولوں کے سچے ہونے پر ایمان لایا[3] صحیح مسلم میں عثمانؓ بن ابی العاص سے روایت ہے جس میں عثمانؓ کہتے ہیں شیطان اکثر طرح طرح کے شک میری نماز میں ڈال دیا کرتا تھا میں نے اس کی شکایت جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کی تو آپ نے فرمایا ایسے وقت پر تم أَعُوذُ بِاللَّهِ پڑھ کر اور بائیں طرف تین دفعہ تھوک دیا کرو عثمانؓ کہتے ہیں جب سے میں نے اللہ کے رسول کی نصیحت پر عمل کیا اس وقت سے میری وہ شکایت جاتی رہی[4] صحیح مسلم میں عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شخص کے ساتھ ایک فرشتہ اور ایک شیطان

[1] تفسیر ابن کثیر ص ٢٢٢ ج ٢ [2] مشکوٰۃ ص ١٨ باب فی الوسوسہ [3] مشکوٰۃ ص ١٩ باب فی الوسوسہ۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا

سو کیوں نہ ہوئی کوئی بستی کہ یقین لاتی پھر کام آتا اُن کو یقین لانا مگر یونس کی قوم جب وہ یقین لائے کھول دیا

عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٩٨﴾

ہم نے ان پر سے ذلت کا عذاب دنیا کے جیتے اور کام چلایا ان کا ایک وقت تک

تعینات ہے فرشتہ نیک خیال آدمی کے دل میں ڈالتا رہتا ہے اور شیطان طرح طرح کے شک و شبہ آدمی کے دل میں ڈالتا رہتا ہے صحابہ نے پوچھا کہ حضرت کیا آپ کے ساتھ بھی شیطان تعینات ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں تعینات تو ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ مدد میرے حق میں ہے کہ میں اُس کے بد خیال اور شک و شبہ سے محفوظ ہوں[1] اوپر یہ جو گزرا کہ آیت میں شک کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو کی گئی ہے وہ فرضی طور پر ہے حقیقی طور پر نہیں ہے اُس کی تائید ان صحیح حدیثوں سے ہوتی ہے کیوں کہ ان حدیثوں کے موافق ہر طرح کا اعتقادی و عملی شک شیطان آدمی کے دل میں ڈالتا ہے جس سے اللہ کے رسول محفوظ ہیں پھر آپ کے دل میں کسی طرح کے شک کے پیدا ہونے کا کوئی موقع دنیا میں باقی نہیں رہا سورہ اعراف میں گزر چکا[2] ہے کہ جب شیطان ملعون ٹھہرایا جا کر آسمان سے اتارا جانے لگا تو اس نے بنی آدم کے بہکانے کی قسم کھائی اُس کے جواب میں فرمایا کہ جو کوئی تیرے بہکاوے میں آوے گا وہ بھی تیرے ساتھ دوزخ میں جاوے گا اسی کو یہاں فرمایا کہ علم الٰہی میں جو لوگ شیطان کے پیرو ٹھہر چکے ہیں وہ کسی نصیحت سے راہ راست پر نہ آویں گے اور آخر کو وعدہ الٰہی کے موافق وہ دوزخ میں شیطان کے ساتھی ٹھہریں گے۔

۹۸- اوپر ذکر تھا کہ نافرمان لوگ جب تک آنکھوں سے عذاب کو دیکھ نہ لیویں گے اُس وقت تک ایمان نہ لاویں گے اس آیت میں فرمایا کہ عذاب آتے ہوئے دیکھ کر ایمان لانے سے کسی قوم کو کسی بستی میں عذاب سے رہائی نہیں ہوئی مگر یونس علیہ السلام کی قوم کو ان کا پورا قصہ سورہ صافات میں آئے گا لیکن صحیح طور پر عبداللہ بن مسعود کی روایت سے جو قصہ مسند امام احمد مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے[3] اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ یونسؑ نے اپنی قوم کو ایمان لانے کو کہا انھوں نے انکار کیا اس لئے یونس علیہ السلام نے اُن سے کہا فلاں روز تم پر عذاب آئے گا اور خود وہاں سے نکل کر چلے گئے ان کی قوم بغداد کی سرزمین شہر موصل کی ایک بستی نینوی میں رہتی تھی جب اُن لوگوں نے دیکھا کہ کالے ابر دھوئیں کی طرح شہر کے چاروں طرف چھلکے رہے ہیں تو یہ قوم تو بے نبی کے ہو ہی چکی تھی یونس علیہ السلام چلے ہی گئے تھے یہ سب اکٹھے ہو کر میدان میں جمع ہو گئے بچوں کو عورتوں سے جدا کر دیا اور اسی طرح چارپاؤں کے بچوں سے چارپاؤں کو الگ الگ کر دیا اور خدا سے عاجزی کرنے لگے اور خوب گڑگڑائے جس سے اللہ تعالیٰ کو رحم آگیا اور اس نے عذاب کو پھیر دیا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ اس قوم کے اور عذاب کے درمیان میں دو تہائی میل کا فاصلہ باقی رہ گیا تھا[4] بعضے مفسروں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ عاشورے کے دن جمعہ کے روز یہ عذاب آیا تھا عبداللہ بن مسعود کی روایت میں یہ بھی ہے کہ یونس علیہ السلام کے مذہب میں جھوٹے شخص کی سزا قتل ٹھہری ہوئی تھی اس لئے جب وقت مقررہ پر عذاب نہ آیا تو یونس علیہ السلام نے قتل کے اندیشہ سے بڑا سفر اختیار کیا اور ایک کشتی میں بیٹھے وہ کشتی نہ چلی حضرت یونس علیہ السلام نے ان کشتی والوں سے کہا کہ اس کشتی میں اپنے آقا سے بھاگا

---

[1] مشکوٰۃ ص ۱۸ باب فی الوسوسۃ [2] تفسیر ہذا جلد دوم ص ۲۳۶ - ۲۳۷ [3] نیز دیکھئے تفسیر الدر المنثور ص ۳۱۷ - ۳۱۸ ج ۳ و فتح البیان ص ۳۹۷ ج ۲ [4] تفسیر فتح البیان ص ۳۹۷ ج ۲ -

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا ۚ أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ

اور اگر تیرا رب چاہتا یقین ہی لاتے جتنے لوگ زمین میں ہیں سارے تمام اب کیا تو زور کرے گا لوگوں پر کہ

حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٩٩﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَ

ہو جاویں باایمان اور کسی جی کو نہیں ملتا کہ یقین لاوے مگر اللہ کے حکم سے اور

يَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٠٠﴾

وہ ڈالتا ہے گندگی ان پہ جو نہیں بوجھتے

ہوا ایک غلام ہے عیب تک اُس کو تم لوگ دریا میں ڈالو گے اس وقت تک یہ کشتی نہیں چلے گی اس پر ان لوگوں نے قرعہ ڈالا اور تین دفعہ قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام پر نکلا آخر یونس علیہ السلام نے اپنے آپ کو دریا میں ڈال دیا اور ان کو ایک مچھلی نگل گئی باقی قصہ کی روایتیں سورہ والصافات میں اصل قصہ کی تفسیر میں آویں گی سورہ والصافات میں یہ بھی آوے گا کہ مچھلی کے پیٹ سے نکلنے کے بعد اُس قوم کی ہدایت کے لئے حضرت یونس علیہ السلام پھر مامور ہوئے سورہ انبیاء میں آوے گا کہ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِينَ (۲۱: ۸۷) کی برکت سے یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ سے نجات پائی مسند امام احمد ترمذی نسائی مستدرک حاکم میں سعدؓ بن ابی وقاص سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یونس علیہ السلام کی اس دعا میں اسم اعظم[1] ہے اس لئے اس کو پڑھ کر جو دعا مانگی جاوے گی وہ قبول ہوگی حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[1]۔

۹۹۔۱۰۰۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی حرص تھی کہ سارے لوگ مسلمان ہو جاویں اس پر اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ کیا تم زبردستی لوگوں کو مومن بنانا چاہتے ہو تمہیں یہ نہیں معلوم کہ بغیر حکم خدا کے کوئی ایمان نہیں لا سکتا یہ بات غیر ممکن ہے کہ سب کے سب مومن ہو جائیں یہ خدا کی مشیت کے خلاف ہے اگر خدا چاہتا تو سارے جہان کو مومن بنا دیتا مگر اُس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے جن لوگوں میں عقبیٰ کی بہبودی کے سمجھنے کا مادہ نہیں ہے خدا کی دلیلوں میں حجت نکالتے ہیں وہ کیوں کر ایمان لا سکتے ہیں۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی یہ حدیث اوپر گذر چکی ہے کہ دنیا کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار برس پہلے جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ نے وہ سب لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے[2] یہ حدیث ان دونوں آیتوں کی گویا تفسیر ہے کیوں کہ آیتوں اور حدیث کو ملا کر یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ اللہ اگر چاہتا تو مکہ کے یہ سارے مشرک بت پرست راہ راست پر آجاتے لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ اس لئے منظور نہیں ہے کہ دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے علم الٰہی کے موافق جہان اور سب کچھ لوح محفوظ میں لکھا گیا ہے وہاں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد ان مشرکوں میں سے کچھ لوگ قرآن کی نصیحت پر نہ دھیان کریں گے نہ راہ راست پہ آویں گے بلکہ شرک کی حالت میں دنیا سے اٹھ جاویں گے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ٹھہرے گا اس واسطے کسی کو مجبور کر کے راہ راست پر لانے کا اللہ حکم نہیں ہے اور بغیر اللہ کے حکم کے نہ کوئی مجبور ہو سکتا ہے نہ راہ راست پہ آ سکتا ہے رجس کے معنے اکثر مفسروں نے عذاب کے لئے ہیں اور بعضوں نے شرک کی گندگی کے ترجمہ میں پچھلا قول لیا گیا ہے۔

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۱۹۲ - ۱۹۳ ج ۲ و الترغیب ص ۳۰۰ ج ۱ [1] الترغیب ص ۳۰۰ ج ۱ ما جاء فی اسم اللہ الاعظم [2] صحیح مسلم ص ۳۳۵ ج ۲ باب حجاج آدم و موسیٰ علیہما السلام

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ
تو کہہ دیکھو تو کیا کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور کچھ کام نہیں آتیں نشانیاں اور ڈرانے والے ان

قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ
لوگوں کو جو نہیں مانتے سو اب کچھ راہ دیکھتے ہیں مگر ان ہی کے سے دن جو ہو چکے ہیں ان سے پہلے

قُلْ فَانْتَظِرُوْا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ
تو کہہ اب راہ دیکھو میں بھی تمہارے ساتھ راہ دیکھتا ہوں پھر ہم بچا دیتے ہیں اپنے رسولوں کو اور جو

اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾
ایمان لائے اسی طرح ذمہ ہے ہمارا بچا دیں گے ایمان والوں کو

ع ۱۰ / ۱۵

۱۰۱-۱۰۳- اوپر منکرین قیامت کی کم عقلی کا ذکر تھا ان آیتوں میں ان کو عقل سے کام لینے پر آمادہ کیا اور فرمایا کہ اے رسول اللہ کے تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ زمین و آسمان میں کیا کچھ نہیں ہے اگر تم لوگ غور اور فکر کرو تو بات بات سے سمجھ لو کہ خدا کی خدائی میں تمہارے بتوں کو کچھ دخل نہیں ہے چاند سورج دن کا ہونا رات کا ہونا اندھیری راتوں میں ستاروں کا نکلنا راتوں کو سفر کرنے والوں کو کیسا مفید ہے کہ وہ ستاروں کو دیکھ کر سمت دریافت کر لیا کرتے ہیں پھر بارش کا ہونا کھیتوں کا سرسبز کرنا کیسا فائدہ مند ہے غرض کہ ہوشیار آدمی درختوں کے پتہ تک سے خدا کی وحدانیت کا پتہ لگا لیتا ہے پھر فرمایا کہ یہ قدرت کی سب نشانیاں اسی کو بکار آمد ہیں جو ایمان بھی لاوے اور جو ایمان لانے والے نہیں ہیں یہ نشانیاں انہیں کیا فائدہ پہنچائیں گی کیوں کہ ان لوگوں کو بھی اسی روز بد کا انتظار ہے جیسے اگلے رسولوں کی قوم کو تھا کہ اپنے رسول کو جھٹلاتے رہے اور آخر ایک روز ان پر عذاب آیا اور وہ اس سے بچ نہ سکے اگر یہ بھی اسی کے منتظر ہیں تو کہہ دو کہ کان اور آنکھیں اسی کی راہ اور آواز پر رکھو ہم بھی تمہارے ساتھ بیٹھے انتظار کر رہے ہیں اور یہ یاد رکھو کہ خدا کا عذاب جب آتا ہے تو وہ اپنے رسول اور مومنوں کو بچا لیتا ہے اور رسول کے جھٹلانے والوں کو ہلاک کر دیتا ہے خدا نے اپنے ذمہ یہ بات ضروری ٹھہرائی ہے کہ وہ مومنوں کو نجات دے گا اور پناہ میں رکھے گا اور نافرمان لوگوں کو ایک دن عذاب میں گرفتار کرے گا۔ صحیح بخاری وغیرہ کے حوالہ سے انس رضی اللہ عنہ بن مالک کی یہ روایت سورہ انفال میں گذر چکی ہے[1] کہ ابوجہل وغیرہ نے اپنی سرداری کے غرور میں یہ دعا مانگی تھی کہ یا اللہ اگر یہ قرآن اور دین اسلام صحیح ہو اور ہم اس کو نہ مانتے ہوں تو ہم پر پتھروں کا مینہ برسے یا اور کوئی عذاب ہم پر آ جاوے اسی طرح صحیح بخاری میں انس رضی اللہ عنہ بن مالک کی حدیث ہے[2] کہ بدر کی لڑائی میں جب ابوجہل سخت زخمی ہو کر زمین پر گر پڑا تھا تو عبد اللہ بن مسعود نے غصہ سے اس کی ڈاڑھی پکڑ لی ان حدیثوں کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عذاب کے آنے سے پہلے جب مشرکین مکہ کو عذاب سے ڈرایا جاتا تھا تو سرکشی کر کے عذاب کے آنے کی خود دعا مانگتے تھے اور جب ان آیتوں کے وعدہ کے موافق ہجرت کے بعد عذاب آ گیا تو ان کے بڑے بڑے سرداروں کی ساری عزت اور سرکشی خاک میں مل گئی ابوجہل جیسے سرکش سردار کی ڈاڑھی پکڑی جاوے اور کوئی حمایت کو نہ کھڑا ہو اس سے زیادہ عزت اور سرکشی اور کیا خاک میں مل سکتی ہے ان حدیثوں سے یہ تفسیر بھی ہو سکتی ہے کہ جس طرح آیتوں میں ذکر تھا آخر وہی ہوا کہ مکہ کے سرکش ازلی گمراہ لوگ اپنی سرکشی

[1] تفسیر ہذا جلد دوم ص ۲۷۲ [2] صحیح بخاری ص ۵۶۵ ج ۲ باب قتل ابی جہل

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ

تو کہہ اے لوگو اگر تم شک میں ہو میرے دین سے تو میں نہیں پوجتا جن کو تم پوجتے ہو

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۖ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ

اللہ کے سوائے لیکن میں پوجتا ہوں اللہ کو جو تم کو کھینچ لیتا ہے اور مجھ کو حکم ہے کہ رہوں

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ

ایمان والوں میں اور یہ کہ سیدھا کر منہ اپنا دین پر حنیف ہو کر اور مت ہو

الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾

شرک والوں میں

کے سبب سے عقل کو کچھ کام میں نہ لا سکے نہ قدرت الٰہی کی کسی نشانی سے کچھ فائدہ اٹھا سکے اور آیتوں کے وعدہ کے موافق اُن کا جو کچھ انجام ہوا وہ انھوں نے اور سب نے آنکھوں سے دیکھ لیا۔

۱۰۴-۱۰۵- ان آیتوں میں یہ حکم ہے کہ اے رسول تم اپنے دین اور ان مشرکوں کے دین میں فرق بتلا دو کہ جو دین میں لے کر آیا ہوں اگر تم اس کو صحیح نہیں جانتے اور اس میں شک کرتے ہو تو سن لو کہ تم خدا کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو ہم اُن کی ہرگز عبادت نہیں کریں گے ہم تو اس خدا کی عبادت کرتے ہیں جو بالکل اکیلا ہے اُس کا کوئی شریک نہیں ہے اسی کے قبضہ میں تمہاری جان ہے اس نے پیدا کیا ہے اور وہی تمہیں موت کا مزا چکھائے گا اور پھر یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ تمہاری جان پر جس کا پورا پورا اختیار ہے وہ آسانی سے تم پر عذاب کر سکتا ہے اور یہ تمہارے معبود جن کی تم عبادت کرتے ہو یہ کسی کو کوئی نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتے اور مجھے اللہ نے یہ حکم دیا ہے کہ میں ہمیشہ خالص اللہ کی عبادت کروں اور مشرکوں کے زمرے سے الگ رہوں صحیح بخاری وغیرہ کے حوالہ سے عبداللہؓ بن مسعود کی حدیث[1] ایک جگہ گذر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سبب مشرکین مکہ نے بہت سرکشی اختیار کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے حق میں یہ بددعا کی کہ ان پر ایسا قحط پڑے جیسا قحط یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں پڑا تھا اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے مکہ میں اس طرح کا قحط پڑا کہ لوگ ہڈیاں مردار جانوروں کی کھال اور مردار جانور کھا کر زندگی بسر کرتے تھے اس قحط کے زمانہ میں ان مشرکوں نے اپنے بتوں سے مینہ کے برسنے کی بہت کچھ التجا کی مگر کچھ نہ ہوا آخر ابوسفیان نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے التجا کی اور آپ کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے مینہ برسایا اس حدیث کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایسے بڑے بڑے معجزے دیکھنے کے بعد اسلام کے حق ہونے میں مشرکین مکہ کی ایک شک کی حالت تھی اس پر فرمایا اے رسول اللہ کے تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ مثلاً قحط کے وقت کے تجربہ کے بعد تم لوگوں کو بت پرستی کے حق ہونے میں یہ شک کرنا چاہیئے کہ بتوں سے جب ایک قحط کی تکلیف بھی رفع نہ ہو سکی تو پھر وہ اور کیا کر سکتے ہیں رہا اسلام اس کا حال تو تم کو معلوم ہو چکا کہ اس قحط کے وقت مذہب اسلام کے اصول نے تمہیں کیا فائدہ پہنچایا اس فہمائش کے بعد بھی یہ لوگ نہ مانیں تو اپنی توحید کا اور شرک سے بیزاری کا حال ان کو جتلا دو تاکہ قحط کے وقت کی مدد کی طرح آئندہ ان کو تم سے پھر کسی مدد کی توقع نہ رہے حنیف کے معنے شرک سے بیزار۔

[1] صحیح بخاری ص ۸۵ ج ۲ باب لیس لک من الامر شیئا عن ابی ہریرۃ و مسلم ص ۲۹۶ ج ۲ باب الدعاء علی المشرکین عن ابن مسعود تعلیقا

وَلَا تَدْعُ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۖ فَإِن فَعَلْتَ فَإِنَّكَ

اور مت پکار اللہ کے سوائے ایسے کو نہ بھلا کرے تیرا نہ برا پھر اگر تو نے یہ کیا تو تو بھی

إِذًا مِّنَ الظَّالِمِينَ ﴿١٠٦﴾ وَإِن يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۖ وَإِن

اس وقت ہے گنہگاروں میں اور اگر پہنچاوے تجھ کو اللہ کچھ تکلیف تو کوئی نہیں اس کو کھولنے والا اس کے سوائے اور اگر

يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ ۚ يُصِيبُ بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۚ وَهُوَ

چاہے تجھ پر کچھ بھلائی تو کوئی پھیرنے والا نہیں اس کے فضل کو پہنچاوے وہ جس پر چاہے اپنے بندوں میں اور وہی

الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿١٠٧﴾ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ ۖ

ہے بخشنے والا مہربان تو کہہ اے لوگو آ چکا حق تم کو تمہارے رب سے

۱۰۶۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے یہ فرمایا ہے کہ جس کے ہاتھ میں کچھ نفع و نقصان نہ ہو اس کو مدد کی غرض سے پکارنا اور اس کی پرستش کرنا بے فائدہ اور بڑے ظلم اور ستم کی بات ہے کیوں کہ جس اللہ نے پیدا کیا اور جس اللہ کی قدرت میں بندہ کا نیک و بد نفع و نقصان سب کچھ ہے اس پروردگار کو چھوڑ کر بے نفع و نقصان کی چیزوں کو اپنا معبود بنانا اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی ظلم اور ستم نہیں ہے اس آیت کے مطلب میں بظاہر یہ خطاب تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہے اور در اصل مکہ کے بت پرست لوگوں کو یہ مطلب سمجھایا ہے کہ اپنے پیدا کرنے والے معبود حقیقی کو چھوڑ کر جو لوگ بتوں کی پرستش کرتے ہیں وہ لوگ بڑے ظالم اور ستمگار ہیں آگے کی آیت میں اس مطلب کے ثابت کرنے کی دلیل یہ بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف کی غیب کی تکلیف اور راحت کا بدلنا جب کہ دنیا میں ہر ایک کے اختیار سے باہر ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ سوا اللہ تعالیٰ کے کسی کو معبود ماننے کا حق نہیں ہے اور جو لوگ بغیر کسی حق اور استحقاق کے سوا اللہ تعالیٰ کے اور چیزوں کو معبود قرار دیتے ہیں وہ بڑے ظالم اور ستمگار ہیں مسند امام احمد اور ترمذی میں حضرت عبداللہؓ بن عباس کی حدیث گویا ان آیتوں کی تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عباسؓ کو نصیحت کرنے وقت یہ فرمایا کہ ہر طرح کی مدد کی خواہش تجھ کو اللہ تعالیٰ سے ہی کرنی چاہیے کیوں کہ تمام دنیا تجھ کو ضرر پہنچانا چاہے یا نفع جب تک اللہ کی مرضی نہ ہو نہ کوئی تجھ کو نفع پہنچا سکتا ہے نہ کچھ ضرر پہنچا سکتا ہے[1] ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

۱۰۷۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مخاطب ٹھہرا کر بت پرستوں کو یہ سمجھایا ہے کہ اگر تم پر کوئی آفت آجاوے تو خدا کے سوا کوئی اس کو ٹال نہیں سکتا اور اگر خدا تمہارے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرے تو کسی کا مقدور نہیں کہ اسے روک سکے خدا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے فضل کرتا ہے وہ بڑا غفور الرحیم ہے عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث جو اوپر گذر چکی[2] اس کو اس آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مکہ کے قحط کے وقت جب تک اللہ کی مدد شامل حال نہ ہوئی ان بت پرستوں کے بتوں سے کچھ نہ ہو سکا۔

۱۰۸۔۱۰۹۔ آنحضرت کو اس آیت میں حکم ہوا کہ آپ لوگوں سے کہہ دیں کہ جو دین اور کتاب میں لے کر آیا ہوں وہ بالکل حق ہے اس میں کوئی شک اور شبہ نہیں ہے جو اس سے ہدایت پائے گا وہ اپنی ہی جان کے لئے پائے گا اور راہ آپ فائدہ اٹھائے گا دوسروں کا اس میں کچھ حصہ نہیں اور جو کوئی

[1] مشکوٰۃ ص ۴۵۳ باب التوکل والصبر [2] یعنی پچھلے صفحہ ۷۱ پر

فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ

اب جو کوئی راہ پر آوے سو وہ راہ پاتا ہے اپنے بھلے کو اور جو کوئی بھولا پھرے سو وہ بھولا پھرے گا اپنے برے کو

وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۞١٠٨ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ

اور میں تم پر نہیں ہوں مختار اور تو چل اسی پر جو حکم پہنچے تیری طرف اور ثابت رہ جب تک فیصلہ کرے اللہ

وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۞١٠٩

اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے

رکوع ۱۴

اٰیاتہا ۱۲۳ (۱۱) سُوْرَةُ هُوْدٍ مَكِّيَّةٌ (۵۲) رکوعاتہا ۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان ہے نہایت رحم کرنے والا

نہ مانے گا اور گمراہ کا گمراہ ہی رہے گا اس کا وبال اسی کی گردن پر ہوگا اوروں کو اس سے کوئی علاقہ نہیں اور میں تم لوگوں کا کوئی وکیل و مختار نہیں ہوں کہ سب ہی کو ایماندار بنا دوں مجھے تو خدا نے راستہ بتلانے کو بھیجا ہے جو خدا کا پیغام ہے وہ تمہیں پہنچا دیتا ہوں اب آگے تم جانو اور خدا جانے۔ اور پھر خاص حضرت کو خدا نے یہ حکم کیا کہ آپ تو وحی کے تابعدار بنے رہیں اور جب تک خدا ان لوگوں کا کوئی فیصلہ نہ کرے آپ صبر کئے رہیں وہ بڑے انصاف کے ساتھ انصاف کرنے والا حاکم ہے امام سیوطی کا قول ہے کہ حضرت صبر کئے رہے پھر خدا کا حکم ہوا کہ ان مشرکوں سے جنگ کرو اگر ایمان لائیں تو خیر ورنہ قتل کر ڈالو۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے مغیرہؓ بن شعبہ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ادنیٰ اہل جنت کو اس قدر سامان دیا جاوے گا جو دنیا کی پانچ بادشاہتوں کے برابر ہوگا اور اعلے درجہ کے اہل جنت کے سامان کا حال اللہ تعالیٰ کو ہی خوب معلوم ہے نہ کسی نے وہ آنکھوں سے دیکھا نہ کانوں سے سنا نہ اس کا تصور کسی کے دل میں گذر سکتا ہے[1] یہ حدیث فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ کی گویا تفسیر ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی حدیث ایک جگہ گذر چکی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن اور اسلام کے منکر لوگ دوزخ کے عذاب سے گھبرا کر تمام دنیا کے برابر سونے کو بدلے میں دینا اور اس عذاب سے نجات کا حاصل کرنا چاہیں گے تو ممکن نہیں[2] یہ حدیث وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا کی گویا تفسیر ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبداللہؓ بن مسعود کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے کہ ابوجہل اور اس کے چند ساتھیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کی حالت میں دیکھ کر آپ کی پیٹھ پر نجاست کی بھری ہوئی اوجھڑی ڈال دی[3] عبداللہؓ بن مسعود اس روایت میں یہ بھی کہتے ہیں کہ ان اوجھڑی ڈالنے والوں میں سے اکثر لوگ بدر کی لڑائی میں مشرک مارے گئے اور میں نے ان کی لاشوں کو دیکھا یہ حدیث وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ کی گویا تفسیر ہے۔

معتبر سند سے ترمذی اور مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہؓ بن عباس سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روز کہا کہ حضرت آپ تو جلدی بڈھے ہو گئے آپ نے فرمایا مجھ کو سورہ ہود اور سورہ واقعہ اور سورہ والمرسلات اور سورہ عم یتساءلون اور

[1] الترغیب ص ۲۲۶ ج ۲ فصل فیما لادنی اہل الجنۃ [2] مشکوٰۃ ص ۵۰۲ باب صفۃ النار و اہلہا [3] صحیح بخاری ص ۳۷ ج ۱ باب اذا القی علی ظہر المصلی قذرا الخ۔

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ① اَلَّا تَعْبُدُوْٓا

کتاب ہے کہ جانچ لی ہیں باتیں اس کی پھر کھولی گئی ہیں ایک حکمت والے خبردار کے پاس سے کہ نہ پوجو

اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ② وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا

مگر اللہ کو میں تم کو اسی کی طرف سے ڈر سنانے والا اور خوشخبری پہنچاتا ہوں اور یہ کہ گناہ بخشواؤ اپنے رب سے پھر رجوع لاؤ

اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ

اس کی طرف کہ برتوا دے تم کو اچھا برتوانا ایک وعدے مقرر تک اور دیوے ہر زیادتی والوں کو زیادتی اپنی

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ③ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ

اور اگر تم پھر جاؤ گے تو ڈرتا ہوں تم پر ایک بڑے دن کی مار سے اللہ کی طرف سے تم کو پھر جانا

سورہ اذا الشمس کورت نے بڑھا کر دیا حاصل یہ ہے کہ ان سورتوں میں حالات قیامت کا ذکر ہے ان حالات کے سننے سے آپ کے دل پر ایسا اثر خوف کا ہوا جس خوف اور اندیشہ کے اثر نے آپ کو ضعیف کر دیا کیوں کہ آدمی ہر وقت کے اندیشہ سے جلدی ضعیف ہو جاتا ہے امت کے اہل غفلوں کو اس حدیث کے مضمون پر ذرا غور کرنا چاہیے جو قیامت کے حساب و کتاب سے بالکل غافل ہیں اور سوچنا چاہیے کہ قیامت ایسی ایک اندیشہ کی چیز ہے جس اندیشہ نے باوجود نبی ہونے کے نبی وقت کو بڈھا کر دیا اسی مضمون کی ایک حدیث صحیح سند سے عقبہؓ بن عامر کی روایت سے تفسیر ابن مردویہ اور طبرانی میں بھی ہے[1] یہ سورۃ مکی ہے اگرچہ بعضے سلف نے اس میں کچھ آیتیں مدنی قرار دی ہیں لیکن اس تفسیر کے مقدمہ میں یہ گزر چکا ہے کہ جس سورت کی شروع کی آیتیں مکی ہوں وہ ساری سورت مکی کہلاتی ہے۔

۱-۴۔ الرٰ بھی حروف مقطعات میں سے ہے جس کے معنے سوائے خدا کے اور کسی کو نہیں معلوم جیسے الٓمٓ وغیرہ چنانچہ اس کی تفصیل سورہ بقر اور سورہ آل عمران میں گذر چکی ہے ان آیتوں میں اللہ پاک نے قرآن مجید کی تعریف بیان فرمائی ہے کہ یہ کتاب ایسی ہے کہ اس کی کل آیتیں شروع سے آخر تک بالکل مضبوط ہیں جیسے ایک دیوار کی بنیاد کہ کبھی اس میں رد و بدل ہونے والا نہیں ہے جیسے پہلی کتابیں توریت و انجیل وغیرہ کہ ایک کے بعد ایک منسوخ ہوتی گئیں پہلے یہ کتاب لوح محفوظ میں تھی پھر اللہ پاک نے اپنے سچے رسول پر تفصیل کے ساتھ اس کو نازل فرمایا اور حرام حلال کی تفصیل بتلا دی جو قیامت تک قائم رہے گی فرمایا کہ تم لوگ سوائے خدا کے اور کسی کی بندگی نہ کرو۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبد اللہؓ بن عباس اور ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک روز حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا پر جو مکہ میں ہے چڑھ گئے اور اپنے قبیلے قریش کے ہر رشتہ داروں میں سے پہلے نزدیک کے رشتہ والوں پھر دور کے رشتہ داروں کو پکارا جب سب جمع ہو گئے تو فرمایا اے قریش کے گروہ اگر میں تم کو اس بات کی خبر دوں کہ صبح کو ایک بہت بڑا لشکر جس میں بے شمار سوار اور پیادہ ہوں گے تم پر چڑھائی کرے گا تو تم مجھے سچا جانو گے ان سب نے ایک زبان ہو کر کہا ہم نے تمہاری کوئی بات جھوٹی نہیں دیکھی آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں خدا کے عذاب سے ڈراتا ہوں[2] اور اس کے جنت کی خوشی سناتا ہوں کہ جو باتیں گزر چکیں اور جو کچھ تم پہلے کر چکے اس سے استغفار کرو اور آئندہ کے لئے توبہ کرلو خدا اس کا نفع تمہیں دنیا میں بہت ہی اچھا دے گا تمہارے رزق بڑھائے گا عیش و آرام میں رکھے گا اور آخرت میں ہر شخص کے عمل کے موافق دس گونہ فضل کرے گا یہ حدیث نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ کی گویا تفسیر ہے[3] ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یُؤْتِ كُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ کی تفسیر یہ بیان کیا ہے کہ جو شخص

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۴۳۵ ج ۲ [2] مجمع الزوائد ص ۳۷ ج ۷ تفسیر سورہ ھود [3] مشکوۃ ص ۴۶۰ باب الانذار والتحذیر۔

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا

اور وہ ہر چیز پر قادر ہے سنتا ہے وہ دوہرے کرتے ہیں اپنے سینے کہ پردہ کریں

مِنْهُ ۭ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ

اس سے سنتا ہے جس وقت اوڑھتے ہیں اپنے کپڑے وہ جانتا ہے جو چھپاتے ہیں اور جو کھولتے ہیں

اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

وہ تو جاننے والا ہے جیوں کی بات

ایک برائی کرتا ہے اُس کی ایک برائی لکھی جاتی ہے اور جو ایک نیکی کرتا ہے اُس کی دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اگر اس نے کوئی برائی کی اور اسے دنیا میں کوئی سزا اس پر کی گئی تو اس کی دس کی دس نیکیاں آخرت میں ملیں گی اور اگر دنیا میں کوئی سزا نہیں ہوئی تو ایک نیکی اُن دس میں سے اُس ایک برائی کا کفارہ بن جائے گی اور نو نیکیاں باقی رہیں گی پھر فرمایا اے رسول اللہ کے ان لوگوں سے یہ بھی کہہ دو کہ اگر تم شرک سے توبہ اور استغفار نہ کرو گے تو مجھے خوف ہے کہ قیامت کے دن تم پر عذاب ہو کیوں کہ جب تم لوگ مر جاؤ گے تو پھر ایک دن خدا تمہیں زندہ کرے گا اور تمہارے اعمال کا پورا بدلہ دے گا وہ ہر شئے پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے۔ چنانچہ اپنی اسی قدرت کاملہ کے سبب سے اُس نے تم کو نیست سے ہست کیا اب مر جانے کے بعد اگر تم ویسے ہی نیست ہو جاؤ گے تو پھر دوبارہ تمہیں نیست سے ہست کرنا اور نیک و بد کی جزا و سزا کا کرنا اُس کی قدرت سے کسی طرح باہر نہیں ہے بغیر کسی سند کے تم جو اُس کے منکر ہو یہ تمہاری نادانی ہے کیوں کہ جو کام ایک دفعہ ہو چکا پھر دوبارہ اُس کے ہو جانے کا انکار کرنا کسی صاحب عقل کا کام نہیں ہے صحیح بخاری کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث قدسی[1] ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا پہلی دفعہ کی پیدائش کو آنکھوں سے دیکھ کر انسان نے دوسری دفعہ کی پیدائش کا جو انکار کیا اور اس انکار سے میرے کلام کو اُس نے جھٹلایا یہ بات انسان کو مناسب نہ تھی[2] یہ حدیث آخری آیت کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اپنی پہلی پیدائش کو آنکھوں سے دیکھ کر یہ منکرین حشر بغیر کسی سند کے حشر کا جو انکار کرتے ہیں یہ ان کی شان سے بعید ہے۔

۵۔ اس آیت کی شان نزول کئی طرح سے بیان کی گئی ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ لوگ آسمان کی طرف منہ کرنا اُس حالت میں کہ اُن کے شرمگاہ کھلے ہوں مکروہ جانتے تھے اُس پر یہ آیت اُتری ہے[3] بخاری نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یوں روایت کی ہے کہ مرد اپنی عورت سے صحبت کرتا تھا تو آسمانوں کو نہیں دیکھتا تھا اپنا منہ ڈھانک لیتا تھا اُس کے حق میں یہ آیت آئی[4] مجاہد کہتے ہیں کہ جب مشرک لوگ کوئی بُری بات کرتے یا کوئی بدعمل کرتے تو کبڑے ہو کر کرتے اور یہ گمان کرتے تھے کہ ہم اس کو خدا سے پوشیدہ رکھتے ہیں اس پر اللہ نے فرمایا کہ جب یہ رات کو اندھیرے میں سو جاتے ہیں اور کپڑوں میں لپٹے ہوئے ہوتے ہیں اس وقت بھی خدا اُن کی ہر ایک چھپی اور کھلی باتوں کو جانتا ہے[5] بعضوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ کافر جب مخالفت کی کوئی بات گھروں میں بیٹھ کر کہتے تھے اور اُس کا جواب قرآن میں اترتا تھا تو یہ گمان کرتے تھے کہ دیوار کے پیچھے کوئی آکر سن جاتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جاکر کہہ دیتا ہے اس خیال سے وہ کپڑے اوڑھ کر اور جھک کر کلام کیا کرتے تھے اس پر یہ آیت اتری اور فرمایا کہ خدا سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی وہ تو دل کے اندر کی باتوں کو جانتا ہے۔ اوپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آئینہ میں ذکر

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۴۲۲ ج ۲ [2] صحیح بخاری ص ۴۵۲ ج ۱ کتاب بدء الخلق [3] تفسیر ابن کثیر ص ۴۳۶ ج ۲ [4] صحیح بخاری ص ۶۷۷ ج ۲ کتاب التفسیر [5] تفسیر ابن کثیر ص ۴۳۶ ج ۲۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا

اور کوئی نہیں پاؤں چلنے والا زمین پر مگر اللہ پر ہے اُس کی روزی اور جانتا ہے جہاں ٹھہرتا ہے اور جہاں سونپا جاتا

كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ⑥

ہے سب موجود ہے کھلی کتاب میں

نہیں ہے اس لئے پچھلے قول کو تو حافظ ابو جعفر ابن جریر نے اپنی تفسیر میں ضعیف ٹھہرایا ہے[1] صحیح بخاری مسلم اور ترمذی میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ کعبہ میں تین مشرکوں نے آپس میں چپکے چپکے کچھ باتیں کیں پھر ایک نے دوسرے سے کہا کیا اللہ نے ہماری یہ باتیں سن لی ہوں گی اُس نے کہا جو بات ہم پکار کر کریں وہ اللہ سنتا ہے اور جو چپکے سے کریں وہ نہیں سنتا تیسرے نے کہا اگر اللہ سنتا ہے تو سب باتیں سنتا ہے اوپر کے ان سب قولوں میں مجاہد کا قول اس صحیح حدیث کے موافق ہے کہ مشرکین مکہ انسان کے دیکھنے سننے کو دیکھ کر یہ اعتقاد رکھتے کہ اللہ تعالیٰ کا سننا دیکھنا ایسا ہی ہے کہ آڑ میں کی چیز کو نہ دیکھتا ہے نہ چپکے چپکے سے باتیں کرنے کو وہ سنتا ہے اس واسطے اللہ تعالیٰ نے اوپر کی آیت میں ان لوگوں کے حشر کے انکار کی نادانی کا مبہم طور پر ذکر فرما کر اس آیت میں ان کی ایک کھلی کھلی نادانی کا ذکر فرمایا اور رد فرمایا کہ کسی کام کو آڑ میں کرنے سے پہلے ان کے دل میں اس کے کرنے کا ارادہ جو ہوتا ہے اللہ تو اُس تک کو جانتا ہے کیونکہ دل اور اس کا ارادہ یہ سب اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں ہیں حاصل کلام یہ ہے کہ غائب کا قیاس حاضر پر بالکل غلط ہے جس طرح مثلاً کوئی مینہ برستا ہوا دیکھ کر یہ قیاس کر لے کہ اس وقت مدینہ میں بھی مینہ برس رہا ہوگا سراسر ایک غلط قیاس ہے اسی طرح دنیا کی بعض بعض باتوں پر قیاس کر کے بغیر دیکھے بھالے ان لوگوں کا حشر کا انکار یا اللہ کے دیکھنے سننے کا اپنے دیکھنے سننے پر قیاس ان لوگوں کی نادانی کی باتیں ہیں مسند بزار طبرانی وغیرہ کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی ایک صحیح روایت گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن جب لوگوں کے سر بمہر اعمال نامے کھولے جاویں گے تو اللہ تعالیٰ بعضے عملوں کو قبول قرار دیوے گا اور بعضوں کو نامقبول یہ حالت دیکھ کر فرشتے عرض کریں گے یا اللہ ان نامقبول عملوں میں بظاہر تو کوئی خرابی نہیں معلوم ہوتی اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماوے گا تم کو معلوم نہیں یہ عمل خالص نیت سے نہیں کئے گئے[2] یہ حدیث انہ علیم بذات الصدور کی گویا تفسیر ہے۔

۶ - حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ کی جتنی مخلوق ہے خواہ خشکی کی رہنے والی خواہ دریا کی سب کو خدا روزی پہنچاتا ہے اور خدا ہر ایک مخلوق کے قرار کی جگہ جانتا ہے کہ کہاں اس کی بود و باش ہے اور کس چیز سے اس کی پیدائش ہے اور کہاں اور کس سرزمین میں اس کی موت ہے اور یہ سب باتیں لوح محفوظ میں دنیا کی پیدائش کے پہلے سے موجود ہیں حاصل یہ ہے کہ جب اللہ پاک کا علم اتنا بڑا وسیع ہے کہ ہر ایک شخص اور ہر ایک جاندار کے رہنے کی جگہ کو جانتا ہے وہ جہاں ہوتا ہے اس کا رزق وہیں پہنچا دیتا ہے اور اس نے تمہارے دل کا حال پہلے ہی لوح محفوظ میں اپنے علم کے موافق لکھ لیا ہے تو تمہارے دلوں کی بات کا جاننا اس کے نزدیک کونسی بڑی بات ہے یہ تمہارا ہر بات کو چھپانا کچھ بھی فائدہ مند نہیں ہے اس پر ظاہر اور پوشیدہ سب یکساں ہے جس طرح وہ کھلی ہوئی باتوں کو جانتا ہے اُسی طرح چھپی ہوئی باتوں کو بھی جانتا ہے انسؓ بن مالک کی حدیث جو اوپر گذری یہی حدیث اس آیت کی بھی تفسیر ہے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث بھی گذر چکی ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہونے والا تھا دنیا کے

[1] تفسیر ابن جریر ص ۱۸۵ ج ۱۱ [2] صحیح بخاری ص ۷۱۲ ج ۲ باب قولہ وما کنتم تستترون الخ [3] الترغیب ص ۲۱ ج ۱ الترھیب من الریاء الخ [4] صحیح مسلم ص ۳۹۰ ج ۲ کتاب الفتن [5] صحیح مسلم ص ۳۳۵ ج ۲ باب حجاج آدم و موسیٰ علیہما السلام

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ

اور وہی ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دن میں اور بنا تھا تخت اس کا

عَلَى الْمَآءِ

پانی پر کہ تم کو آزمادے

پیدا ہونے سے پچاس ہزار برس پہلے وہ سب اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے یہ حدیث کُلٌّ فِیْ کِتَابٍ مُّبِیْنٍ کی گویا تفسیر ہے مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا کی تفسیر میں اگرچہ سلف کے کئی قول ہیں مگر علی بن طلحہ کی سند سے صحیح قول حضرت عبداللہؓ بن عباس کا یہی ہے کہ مُسْتَقَرَّهَا کی تفسیر بود و باش کی جگہ ہے اور مُسْتَوْدَعَهَا کی تفسیر موت کی سرزمینؔ ۔

۷ ۔ اس آیت سے یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ پانی یا عرش یا اور کوئی شئی سوائے ذات الٰہی کے قدیم ہے چنانچہ عمران بن حصینؓ کی حدیث بخاری میں ہے اس کا اور ترمذی ۔ مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ میں جو حدیثیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ پہلے پہل سوائے ذات باری کے پانی عرش کچھ نہیں تھا پہلے سب سے اللہ تعالیٰ نے پانی کو پیدا کیا پھر عرش معلی کو پیدا کیاؔ جیسا کہ مسند امام احمد اور ترمذی میں ابو لرزین رضؓ عقیلی کی صحیح روایت ہے جس میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانی عرش سے پہلے پیدا کیا گیا ہے اور پھر عرش اس کے بعد قلم کو پیدا کیا اور لوح محفوظ کو پیدا کیا اور زمین و آسمان کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے جو کچھ زمین و آسمان میں قیامت تک ہونے والا ہے اس کو لکھا اور پھر سب کچھ پیدا کیاؔ صحیح مسلم اور مسند امام احمد بن حنبل میں ابوزیدؓ انصاری کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک روز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بڑے اہتمام سے منبر پر چڑھ کر تمام دن صحابہ کو پیدائش عالم کا حال شروع سے لے کر قیامت کے قائم ہونے تک بڑی تفصیل سے اس طرح سمجھایا کہ صبح کی نماز پڑھ کر بطور خطبہ کے عالم کی پیدائش کے حال کو ذکر فرمانا شروع کیا یہاں تک کہ ظہر کی نماز کا وقت آگیا اور آپ نے منبر سے اتر کر ظہر کی نماز پڑھی اور ظہر کی نماز کے بعد پھر منبر پر چڑھ کر بقیہ وہی حال فرمانا شروع کیا اور عصر کا وقت جب آیا تو منبر سے اتر کر عصر کی نماز پڑھی اور پھر وہی حال فرمانا شروع کیا یہاں تک کہ شام ہو گئی ابوزیدؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے تو اس روز قیامت تک کا حال فرمایا تھا مگر ہم لوگوں نے کچھ یاد رکھا اور کچھ بھول گئےؔ اس سے معلوم ہوا کہ پیدائش عالم کے باب میں جو صحابہ کے آثار ہیں وہ اسرائیلیات سے نہیں بلکہ آنحضرت سے سنی ہوئی باتیں ہیں لیکن سب سے پہلے عقل کے پیدا ہونے کے جس قدر آثار ہیں وہ سب ضعیف ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ فرما کر پہلے حشر کا ذکر فرمایا اور پھر بیچ میں اپنے علم کا اور پھر پیدائش عالم کا تاکہ منکرین حشر جان لیویں کہ جس نے اپنے علم سے بغیر نمونہ کے پہلے سب کچھ پیدا کیا ہے وہ اسی نمونہ کے موافق پھر دوبارہ سب کچھ پیدا کرے گا اور سزا و جزا کا فیصلہ ہوگا تاکہ پہلی دفعہ کا پیدا کرنا بے فائدہ نہ رہے ایسی ظاہر بات کا انکار کسی صاحب عقل کا کام نہیں ہے چنانچہ اسی تنبیہ کے لئے قرآن شریف میں جگہ جگہ پیدائش عالم پر غور کرنے کی ہدایت منکرین حشر کو فرمائی گئی ہے ۔

لہ تفسیر ابن کثیر ص ۴۲۶ ج ۲ ۔ سلہ تفسیر ابن کثیر ص ۲۴۷ ج ۲ ۔ سلہ جامع ترمذی ص ۱۴۸ ج ۲ کتاب التفسیر و تفسیر ابن کثیر ص ۴۲۷ ج ۲

لہ صحیح مسلم ص ۳۹۰ ج ۲ کتاب الفتن ۔

لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ؕ

کون تم میں اچھا کرتا ہے کام

آیت کے اوپر کے ٹکڑے میں اللہ تعالیٰ نے عالم کی پیدائش کا ذکر فرما کر اس ٹکڑے میں اس پیدائش عالم کا اصلی سبب ظاہر فرمایا ہے کہ نیک و بد عمل کی اس آزمائش کے لئے تم کو پیدا کیا گیا ہے کہ کون دنیا میں جا کر نیک عمل کرتا ہے اور آخرت میں جزا کے قابل ٹھہرتا ہے اور کون بد عمل کر کے سزا کے قابل قرار پاتا ہے اگرچہ اللہ کا علم ازلی ہے اور جو کچھ قیامت تک ہوگا اس کو پہلے سے معلوم ہے چنانچہ دنیا کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار برس پہلے ہی جو کچھ دنیا میں ہونے والا ہے وہ اس نے اپنے علم ازلی کے موافق لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے مگر نیک و بد کام جب تک کسی سے دنیا میں ظاہر ہو جاوے فقط لوح محفوظ کے لکھے پر سزا و جزا کا مدار اللہ تعالیٰ نے نہیں رکھا ہے اور جا بجا اچھے عمل کی ہے زیادتی عمل کی نہیں ہے اس واسطے کہ اچھا عمل وہ ہے جو شریعت کے قاعدہ سے صحیح ہو اور خالص ثواب کی نیت سے کیا جاوے جس عمل میں بدعت کا لگاؤ یا ریا کا لگاؤ ہے وہ عمل جزا کے قابل نہیں ہے اس لئے زیادتی عمل کا ذکر اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا کیوں کہ کسی شخص نے بغیر پابندی قاعدہ شریعت کے ایجاد طبع اور بدعت کے طور پر یا کسی شخص نے بغیر خالص ہونے نیت ثواب کے دکھاوے اور ریا کے طور پر تو دسے کے تو دے عمل کے کئے تو وہ سب جزا کے حساب سے اکارت ہیں چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ کی حدیث بدعت کے طور کے عمل کے اکارت ہونے میں مشہور[1] ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا دین میں جو شخص کوئی ایجاد نکالے وہ ایجاد مردود ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ وہ ایجاد اعتقادی ہو یا فعلی قابل جزا کے نہیں ہے بلکہ ایک مردود چیز قابل سزا ہے چنانچہ ترمذی اور ابن ماجہ میں جو روایت ہے اس کا حاصل یہی ہے کہ بدعتیوں کے اعمال کا عذاب بدعت کے ایجاد کرنے والے پر بھی[2] ہوگا اور دکھاوے کے عمل کے اکارت ہونے کے باب میں صحیح مسلم مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ میں جو حدیثیں ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت نے ریاکاری کو شرک کے مشابہ فرمایا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ قیامت کے دن خدا تعالیٰ ریاکاروں سے صاف فرماوے گا کہ میں اس شرکی عمل کے قبول کرنے سے بیزار[3] ہوں جن لوگوں کے دکھانے کو تم نے یہ عمل کئے ہیں جاؤ ان سے ہی ان شرکی عملوں کی جزا چاہو اب یہ تو ظاہر ہے کہ قیامت کے نفسا نفسی کے میدان میں کون کسی کو جزا دیتا ہے اور جزا تو درکنار بیہقی ترمذی ابن ماجہ طبرانی وغیرہ میں جو حدیثیں ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ریاکاروں کے لئے سخت سخت عذاب رکھے[4] ہیں۔ مستدرک حاکم میں روایت ہے جس میں معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجتے وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی ہے کہ دین کے کاموں کو ریاکاری اور بدعت کے میل سے پاک صاف رکھو تاکہ تھوڑا سا عمل بھی نجات کے لئے کافی ہو جاوے[5] یہ حدیث اَحْسَنُ عَمَلًا کی گویا تفسیر ہے۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی عبد اللہ بن زحر کو اگرچہ بعضے علماء نے ضعیف کہا ہے لیکن ابو زرعہ اور نسائی نے اس کو معتبر راوی قرار دیا ہے اور منفعلوں میں نہیں لکھا اسی واسطے حاکم نے اُس کی اس روایت کو صحیح اور ترمذی نے اُس کی چند روایتوں کو معتبر کہا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث آیت کی تفسیر قرار پاسکتی ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ ص ۲۷ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ [2] مشکوٰۃ ص ۳۰ باب الاعتصام بحوالہ ترمذی و ابن ماجہ [3] مشکوٰۃ ص ۴۵۴-۴۵۶ باب الریاء والسمعۃ [4] مشکوٰۃ ص ۴۵۶ باب الریا والسمعۃ [5] الترغیب ص ۱۲ ج ۱ الترغیب فی الاخلاص والصدق والنیۃ الصالحۃ۔

وَلَئِنْ قُلْتَ إِنَّكُمْ مَّبْعُوثُونَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

اور اگر تو کہے کہ تم اٹھو گے مرنے کے بعد تو البتہ کافر کہنے لگیں

إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝ وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِلَىٰ أُمَّةٍ

یہ کچھ نہیں مگر جادو ہے صریح اور اگر ہم دیر لگا دیں ان سے عذاب کو ایک مدت

مَّعْدُودَةٍ لَّيَقُولُنَّ مَا يَحْبِسُهُ ۗ أَلَا يَوْمَ يَأْتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوفًا

گنی ہوئی تک تو کہنے لگیں کیا روک رہا ہے اس کو سنتا ہے جس دن آوے گا ان پر نہ پھیرا جاوے گا

عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝ وَلَئِنْ أَذَقْنَا الْإِنسَانَ

ان سے اور الٹ پڑے گا ان پر جس پر ٹھٹھے کرتے تھے اور اگر ہم چکھا دیں آدمی کو

۷۔۸۔ اوپر حشر کا ذکر فرما کر ان آیتوں میں فرمایا اے رسول اللہ کے اگر تم ان مشرکوں سے یہ بات کہو گے کہ مرنے کے بعد اللہ تمہیں زندہ کرے گا تو یہ لوگ اس کو جادو ٹھہرائیں گے باوجود اس بات کے کہ انہیں خوب معلوم ہے کہ آسمان اور زمین چاند سورج سب کو خدا ہی نے پیدا کیا ہے لیکن یہ لوگ قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کرتے ہیں حالانکہ بغیر نمونہ کے پہلے پہل ہر چیز کا بنانا مشکل ہے دوبارہ اس کا بنانا کوئی مشکل نہیں ہے ان کا یہ کہنا کہ یہ تو جادو کی باتیں ہیں محض کفر کی راہ سے ہے پھر فرمایا کہ باوجود کلام اللہ کے جھٹلانے کے ہم جو ان لوگوں پر عذاب نہیں بھیجتے ڈھیل دے رکھی ہے اس کو تعجب اور مسخرا پن سے وہ یوں کہتے ہیں کہ عذاب میں دیر کیوں لگا رکھی ہے کیوں نہیں نازل ہو چکتا اس پر فرمایا کہ جس روز عذاب آجائے گا تو کسی کے ٹالے بھی نہیں ٹلنے کا ہے اور ان کی یہ ہنسی اور مسخرا پن سب دھرے رہ جائیں گے۔ عذاب کی جلدی جو مسخرا پن سے کرتے تھے اور حشر کو جھٹلاتے تھے یہ مشرکین مکہ میں کے وہ بڑے بڑے سردار تھے جن کا دین و دنیا کا جو کچھ انجام ہوا وہ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی روایت سے گذر چکا کہ بدر کی لڑائی میں یہ لوگ مارے گئے اور تین دن تک بے گور و کفن ان کی لاشیں پڑی رہیں اور پھر ان لاشوں کو کھینچ کر ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا[1] یہ تو ان لوگوں کی سرکشی کی سزا دنیا میں ہوئی ان کا عذاب آخرت کا حال جتلانے کے لئے اللہ کے رسول نے ان کی لاشوں پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ اب تو تم لوگوں نے عذاب الٰہی کے وعدہ کو سچا پایا حاصل کلام یہ ہے کہ ان آیتوں میں یہ جو ارشاد تھا کہ اب تو یہ لوگ مسخرا پن سے عذاب کی جلدی کرتے ہیں لیکن جب اپنے وقت پر عذاب آجاوے گا تو پھر ٹالے نہیں ٹلے گا انس بن مالکؓ کی اس روایت سے اس کی تفسیر اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے حشر کی آیتوں کو مشرکین مکہ جادو جو کہتے تھے اس سے ان کا یہ مطلب تھا کہ جس طرح جادو کی باتیں خلاف عقل ہوتی ہیں اسی طرح کی یہ حشر کی باتیں بھی ہیں۔

۹۔۱۱۔ مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کی ناشکری کچھ قرآن کی نعمت کی ناقدری پر منحصر نہیں ہے بلکہ ان کی ناشکری تو دنیا کی نعمتوں میں بھی ہے چنانچہ ان میں سے کسی کو اللہ اپنی رحمت کا اگر نمونہ دکھاتا ہے اور اس کے رزق میں ترقی کر دیتا ہے تو یہ لوگ عیش و آرام میں پڑے رہتے ہیں اور جب ان کے سر سے ذرا بھی اس رحمت کا سایہ الگ کر لیا تو پھر ان کو آیندہ کی فلاحیت کی امید نہیں رہتی اور پہلے عیش و آرام ان کے خیال سے بالکل جاتے رہتے ہیں اور اگر اللہ تکلیف کے بعد کسی کو خوش حال کر دیتا ہے تو وہ بہت ہی خوش ہوتا ہے اور

[1] صحیح بخاری ص ۵۶۶ ج ۲ باب قتل ابی جہل۔

مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ⑨ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ

اپنی طرف سے مہر پھر وہ چھین لیں اس سے تو وہ ناامید ناشکر ہو اور اگر ہم چکھا دیں اس کو

نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۭ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ

آرام بعد تکلیف کے جو پہنچی اس کو تو کہنے لگے گئیں برائیاں مجھ سے تو وہ خوشیاں کرتا

فَخُوْرٌ ⑩ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ

شیخیاں کرتا مگر جو لوگ ثابت ہیں اور کرتے ہیں نیکیاں ان کو بخشش ہے

وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑪ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَاۗىِٕقٌۢ بِهٖ

اور ثواب بڑا سو کہیں تو چھوڑ بیٹھے گا کوئی چیز جو وحی آئی تیری طرف اور خفا ہوگا اس سے

اپنے مال پر اس قدر اترانے لگتا ہے کہ جس کا کچھ ٹھکانا نہیں مگر جو لوگ سختی اور مصیبت کے وقت صبر کرتے ہیں اور نیک عمل کئے جاتے ہیں تو اُن کے لئے اس صبر کے بدلے میں مغفرت ہے اور نیک عمل کے عوض میں جنت معتبر سند سے ترمذی میں ابوسعیدؓ خدری سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کو جو مصیبت پہنچتی ہے مثلاً کوئی تکلیف یا رنج فکر غم تو وہ اس کے گناہ کا کفارہ ہوتا ہے[1] صحیح مسلم کے حوالہ سے صہیبؓ رومی کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راحت کے وقت شکر اور تکلیف کے وقت صبر یہ ایماندار آدمی کا کام[2] ہے ان حدیثوں کو آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ راحت کے وقت شکر اور تکلیف کے وقت صبر فرمانبرداروں کی نشانی ہے اور راحت کے وقت ناشکری اور تکلیف کے وقت بے صبری نافرمانوں کی نشانی ہے اور تکلیف کے وقت صبر کرنے سے آدمی کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

۱۲ اس آیت کی شان نزول اور اس آیت کے معنے بیان کرنے سے پہلے ایک تمثیل بیان کی جاتی ہے اس تمثیل کے سمجھ لینے کے بعد اس آیت کا مطلب اور اس آیت کی شان نزول دونوں خوب سمجھ میں آجاویں گے وہ تمثیل یہ ہے کہ فرض کیا جاوے کہ ایک شخص زید اہل حرفہ ہے اور اس نے بڑی محنت سے بہت دنوں میں ایک کام سیکھا اور اب اس کی عمر بھی اس قابل نہیں کہ وہ دوسرا کوئی کام سیکھ سکے اور خاندان اور برادری کے وتیرہ اور عادت سے یہ ممکن بھی نہیں کہ زید دوسرا کام کرسکے ایسی حالت میں زید اپنا کام کرتے کرتے اپنے کام میں کچھ دقتیں پاکر اپنے کسی دوست سے ان دقتوں کو بیان کرے اور زید کا دوست فہمائش کے طور پر زید سے یہ کہے کہ کیا تم ان دقتوں کے سبب سے اپنے کام کو چھوڑ دوگے اس فہمائش سے زید کے دوست کا یہ مطلب نہیں ہے کہ زید کا اپنے کام کو چھوڑ دینے کا ارادہ ہے کیونکہ زید کے دوست کو خوب معلوم ہے کہ زید یہ کام چھوڑ نہیں سکتا بلکہ زید کے دوست کی فہمائش کا مطلب ہے کہ یہ کام تو تم سے چھوٹنا ممکن نہیں ہے پھر جو دقتیں اس کام میں پیش آئی ہیں ان کو جھیلو اور کام کرو اسی طرح تسکین کے طور پر اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ آیت نازل فرمائی جب کفار مکہ آنحضرتؐ اور قرآن شریف کے متعلق طرح طرح کی باتیں بنالیتے تھے کہ اس قرآن میں سے ہمارے بتوں کی مذمت کا ذکر نکال ڈالو بھی اور کچھ اسی قسم کی باتیں کرتے تھے کہ قرآن خود محمدؐ نے بنالیا ہے اللہ کا کلام ہوتا تو ہمارے روبرو آسمان سے فرشتہ اس کی تصدیق کو آتا کبھی کہتے تھے کہ محمدؐ نبی ہوتے تو آنکھ لیتے

[1] الترغیب ص ۲۹۶ ج ۲ الترغیب فی الصبر الخ۔ [2] مشکوٰۃ ص ۲ ۴۵ باب الصبر والتوکل۔

صَدْرُكَ أَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ أُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ أَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ إِنَّمَا

تیرا جی اس پر کہ وہ کہتے ہیں کیوں نہ اُترا اُس پر خزانہ یا آیا اس کے ساتھ فرشتہ تو

أَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿١٢﴾ أَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ

تو ڈر سنانے والا ہے اور اللہ ہے ہر چیز پر ذمہ رکھنے والا کیا کہتے ہیں باندھ لیا ہے اس کو

حال کیوں رہتے اُن کے حکم میں ضرور دینا بعد کا احتمالہ ہوتا اب مطلب آیت کا یہ ہے کہ نبی اللہ کے یہ تو ممکن نہیں کہ ان کفار مکہ کی ایسی باتیں بنانے پر تم اُن کی مخالف طبیعت آیتوں کو اُن کو سنانا چھوڑ دو کیونکہ کل نبی اس بات سے معصوم پیدا کئے گئے ہیں کہ وہ اللہ کا ہر طرح کا حکم صاف صاف بغیر اپنی کسی ذاتی تصرف کے امت کو پہنچا دیں اس لئے جب تک اللہ تعالیٰ تم کو قوت دیوے اور ان کا فروں کو زیر کرے اُن کی باتوں کا کچھ خیال نہ کرو اور اپنا کام کئے جاؤ پھر آنحضرتؐ کی اس تسکین کے بعد اللہ تعالیٰ نے آگے کی آیتوں میں کافروں کی اس بات کا جواب دیا ہے کہ محمد نے یہ قرآن خود بنالیا ہے حاصل اُس جواب کا یہ ہے کہ اگر ایسا کلام انسان سے بنایا جانا ممکن ہے تو تم کو اجازت ہے کہ تم اکیلے یا اپنے جھوٹے معبودوں سے مدد لے کر اس طرح کا کچھ کلام بنا کر پیش کرو اور اگر تمہارے جھوٹے معبود تم کو اس کام میں کچھ مدد نہ دیں تو جان لو کہ یہ کلام اسی سچے معبود کا ہے جو اپنی ذات اپنی صفات اپنے کلام میں سب سے نرالا ہے سو اس کے بعضے مفسروں نے اس آیت کے معنے جو بیان کئے ہیں وہ نبی معصوم کی شان کے بالکل مخالف ہیں اس لئے صحیح معنے یہی ہیں جو بیان کئے گئے ہیں کیونکہ یہ وہ معنے ہیں جو خود اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجر کی آیت وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ (۱۵: ۹۷) میں فرمائے ہیں جب قرآن کی تفسیر قرآن میں ہے تو اس سے بڑھ کر اور کون سی تفسیر ہو سکتی ہے اس سورۃ الحجر کی آیت میں فقط اتنا ذکر ہے کہ مشرکین مکہ کی بیہودہ باتوں کے سبب سے اللہ کے رسول رنجیدہ خاطر رہتے تھے بعضے مفسروں کے قول کے موافق اس رنجیدہ خاطری کے ساتھ اگر اللہ کے رسول کا یہ ارادہ بھی ہوتا کہ بتوں کی مذمت کی آیتوں کو مشرکین کہ سے چند روز پوشیدہ رکھا جاوے تو خفگی کے طور پر اس مکی سورت میں اُس کا ذکر بھی ضرور ہوتا ترمذی ابوداؤد وغیرہ کے حوالہ سے ابوہریرہؓ حضرت عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمرو بن العاص کی روایتیں گذر چکی ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دین کی کسی بات کو جان بوجھ کر پوشیدہ رکھے گا تو قیامت کے دن اُس کے منہ میں آگ کی لگام دی جاوے گی[۱] اس معتبر حدیث سے بھی اس تفسیر کی پوری تائید ہوتی ہے جو اوپر تمثیل دے کر بیان کی گئی کیونکہ اللہ کے رسول نے جس بات سے امت کے علما کو ڈرایا ہے یہ ممکن نہیں کہ اللہ کے رسول خود اپنے لئے اُس بات کو روا رکھیں کس لئے کہ انبیا کے دل میں اللہ کا خوف بہ نسبت امت کے بہت زیادہ ہوتا ہے چنانچہ صحیح بخاری ومسلم کے حوالہ سے حضرت عائشہؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ بہ نسبت تم لوگوں کے میں اللہ سے زیادہ ڈرتا ہوں[۲] وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ کا یہ مطلب ہے کہ اے رسول اللہ کے تمہارے ذمہ فقط اللہ کے حکم کا پہنچا دینا ہے پھر اس حکم کے ماننے والوں کی جزا اور نہ ماننے والوں کی سزا یہ سب اللہ کے ذمہ ہے۔

۱۳، ۱۴۔ اوپر گذرا کہ آنحضرت کو کفار جھٹلاتے تھے اور طعن کرتے تھے کہ اگر تم سچے ہو تو تمہیں خدا نے رہیجا نے لوں سے کہ وہ آسمان سے تم کو خزانہ بھیج دے اور یہ بھی کہتے تھے کہ تمہارے ساتھ کوئی فرشتہ آسمان سے آنا چاہیے تھا جو تمہارے رسول ہونے کی تصدیق کرتا اس پر اللہ

[۱] مشکوٰۃ ص ۳۴ کتاب العلم [۲] مشکوٰۃ ص ۲۷ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔

قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن

تو کہو تم لے آؤ ایک دس سورتیں ایسی باندھ کر اور پکار لو جس کو پکار سکو

دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٣﴾ فَإِلَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا

اللہ کے سوا اگر ہو تم سچے پھر اگر نہ ادا کریں تمہارا کہنا تو جان لو کہ

أُنزِلَ بِعِلْمِ اللَّهِ وَأَن لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٤﴾ مَن

اترا ہے اللہ کی خبر سے اور کوئی حاکم نہیں سوا اس کے پھر اب تم حکم مانتے ہو جو کوئی

كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ

ہو چاہتا دنیا کا جینا اور اس کی رونق بھر دیں ہم ان کو ان کے عمل اسی میں اور ان کو

پاک نے اپنے رسول کی تسلی کی کہ تم ان مشرکوں کی باتوں پر نہ جاؤ تم سے پہلے بھی رسولوں کو لوگوں نے جھٹلایا ہے تم تو ڈرانے کے واسطے آئے ہو اس لئے تم اپنا کام کئے جاؤ خدا ہر شی کا نگہبان ہے جو کچھ یہ لوگ بکتے ہیں سب وہ سنتا ہے وقت مقررہ پر ان لوگوں کو اس جھٹلانے کی حقیقت معلوم ہو جاوے گی اب ان آیتوں میں فرمایا یہ لوگ یہی کہتے ہیں کہ محمد خود یہ قرآن بنا کر لائے ہیں تو تم ان سے کہو اس کی سی دس سورتیں تم بھی بنا کر لاؤ تمہاری شاعری اور سب زبان دانی اور فصاحت و بلاغت دیکھی جائے اور اکیلے نہ بنا سکو تو جس سے جی چاہے مدد لو پھر اگر بنا کر نہ لائیں تو تم جان لو کہ یہ عاجز ہو گئے اور ان لوگوں کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ قرآن خدا نے اپنے علم خاص سے اتارا ہے اور وہ ایسا ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور جب قرآن کلام الٰہی ٹھہر جاوے تو ان لوگوں کو اس کی پابندی میں پھر کیا عذر ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعری کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی مثال مینہ کی اور اچھے برے لوگوں کی مثال اچھی بری زمین کی فرمائی ہے[1] اس حدیث کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین مکہ میں سے جن لوگوں کی قسمت میں ہدایت لکھی تھی اُن کے دل پر قرآن نے ایسا ہی اثر کیا جیسا اثر اچھی زمین میں مینہ کے پانی کا ہوتا ہے اور جو لوگ علم الٰہی میں ہدایت سے محروم قرار پا چکے تھے قرآن کی نصیحت اُن کے حق میں ایسی ہی رائگاں گئی جس طرح بری زمین میں مینہ کا پانی رائگاں جاتا ہے اور اس طرح کے لوگ قرآن کے کلام الٰہی ہونے کے مرتے دم تک ایسے ہی منکر رہے جس طرح کے انکار کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔

۱۵۔ انس بن مالکؓ اور حسن بصری کی روایت سے اگرچہ یہ آیت کافروں کی شان میں نازل ہوئی ہے لیکن مجاہد بن جبیر نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت سے یہ کہا ہے کہ آیت کا حکم ریاکاروں کو بھی شامل ہے اس صورت میں معنے آیت کے یہ ہیں کہ کافر اور منافق یا مسلمان ریاکار جو کچھ عمل نیک دنیا میں کرتے ہیں اس کا بدلہ ان کو یہیں دنیا میں مل جاوے گا اور آخرت میں ان کو بالکل جانا اور عذاب بھگتنا پڑے گا۔ مجاہد نے تیس دفعہ سارا قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے تفسیر سیکھنے کی غرض سے پڑھا ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا جو مرتبہ تفسیر کے باب میں ہے وہ کئی جگہ اوپر بیان ہو چکا ہے اس واسطے مجاہد کا قول جو اس آیت کی تفسیر اور شان نزول میں ہے وہ زیادہ معتبر ہے بلکہ سفیان ثوری نے تو یہاں تک کہا ہے کہ تفسیر کے باب میں جب مجاہد کا قول آ جائے تو دوسرے کسی کی

[1] صحیح بخاری ص ۱۸ باب فضل من علم و علم۔

فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ﴿١٥﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ ۖ وَ

اس میں نقصان نہیں وہی ہیں جن کو کچھ نہیں پچھلے گھر میں سوائے آگ کے اور

حَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾

مٹ گیا جو کیا تھا اس جگہ اور خراب ہوا جو کماتے تھے

روایت کی پھر ضرورت نہیں اس واسطے امام بخاری نے بخاری کی کتاب التفسیر میں جس قدر مجاہد کے قول پر بھروسہ کیا ہے مجاہد کے ہم عصر اور لوگوں کی روایت پر نہیں کیا غرض بعضے مفسروں نے مجاہد کے قول کو اپنی تفسیروں میں ضعیف قول کی طرح جو نقل کیا ہے یا مجاہد کے قول کو نقل کر کے اس پر اعتراض جو کیا ہے وہ خود ایک ضعیف بات ہے معتبر سند سے مسند امام احمد میں محمود بن لبید سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان ریاکار لوگوں سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جن لوگوں کے دکھانے کے لئے تم نے دنیا میں نیک کام کئے تھے وہی تم کو ان کاموں کا بدلہ دیویں گے[1] مطلب ہے کہ بارگاہ الٰہی میں ایسے عمل بالکل بیکار ہیں۔ اس حدیث سے مجاہد کی روایت کی پوری تائید ہوتی ہے اس لئے کہ جن لوگوں کا ذکر آیت میں ہے اُن لوگوں کی شان میں آگے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ ایسے لوگوں کے نیک عمل بیکار ہیں حدیث کا یہ مطلب ہے کہ ان لوگوں میں ریاکار مسلمان بھی داخل ہیں اور یہی مطلب مجاہد کی روایت کا ہے۔ اب دونوں آیتوں اور حدیث کو ملا کر حاصل مطلب یہ ہوا کہ کافر اور منافق تو عقبیٰ کی سزا و جزا کے منکر ہیں اور مسلمان ریاکار اگرچہ عقبیٰ کی سزا و جزا کے قائل ہیں لیکن ان کے بعضے نیک عمل عقبیٰ کی جزا کے خیال سے نہیں بلکہ دنیا کے دکھاوے کے خیال سے ہوتے ہیں اس لئے کافر اور منافقوں کے سب نیک عمل اور ریاکار مسلمانوں کے فقط دنیا کے دکھاوے کے عمل عقبیٰ کی جزا کے حساب سے یہ سب بیکار ہیں منافقوں سے مقصود یہاں اعتقادی منافق ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ظاہری مسلمان اور باطنی کافر تھے عملی منافق مثلاً نماز میں سستی کرنے والے یا لڑائی جھگڑے کے وقت گالی منہ سے نکالنے والے آیتوں کے حکم میں داخل نہیں ہیں۔

۱۷۔ اس سے اوپر کی آیت میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ جو لوگ فقط دنیا کی عزت اور زینت کے لئے عمل کرتے ہیں ان کو اس کا بدلہ دنیا ہی میں مل جاتا ہے انہیں کی شان میں یہ آیت اتری ہے جس میں فرمایا ہے کہ اُن کے عمل کا بدلہ دنیا میں ہی مل جائے گا باقی رہی آخرت تو وہاں ان کا کچھ حصہ نہیں ہے اگر ہے تو دوزخ ہے اور جو کچھ انہوں نے دنیا میں کیا ہے وہ سب مٹ جائے گا اور جتنے عمل ان کے ہیں وہ سب بیکار ہیں کیوں کہ ان کا ارادہ اس عمل سے طلب دنیا کا تھا آخرت کے واسطے انہوں نے کچھ نہیں کیا تھا جو وہاں بھی جزا کے حقدار ہوں۔ اعتقادی منافقوں کے حال میں صحیح مسلم کے حوالہ سے ابن عمرؓ کی حدیث گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافقوں کا حال دو ریوڑوں میں کی تھکی ہوئی بکری کا سا ہے کہ کبھی ادہر اور کبھی ادہر[2] مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں میں یہ لوگ ظاہری مسلمان ہیں اور کافروں میں پورے کافر یہ حدیث اور محمود بن لبیدؓ کی اوپر کی حدیث اس آیت کی گویا تفسیر ہیں جس کا حاصل وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا کہ کافر اور منافقوں کے عقبیٰ کے انکار اور ریاکار مسلمانوں کے دنیا کے دکھاوے کے عمل عقبیٰ کی جزا کے حساب سے یہ سب بیکار ہیں۔

[1] مشکوٰۃ ص ۴۵۶ باب الریاء والسمعۃ [2] مشکوٰۃ ص ۱۷ باب الکبائر وعلامات النفاق۔

أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِن قَبْلِهِ

بھلا ایک شخص جو ہے نظر آئی راہ پر اپنے رب کے اور پہنچی ہے اُس کو گواہی اس سے اور پہلے اس سے

كِتَابُ مُوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً ۚ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۚ وَمَن يَكْفُرْ بِهِ

کتاب موسٰی کی راہ ڈالتی اور مہربانی وہی لوگ مانتے ہیں اس کو گواہی اس سے اور جو کوئی منکر ہو اس سے

۷ا۔ اوپر کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں اور منافقوں اور ریاکاروں کا ذکر فرمایا تھا اس آیت میں خالص مسلمانوں کا ذکر فرمایا ہے حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ جن لوگوں نے کفر و نفاق اور ریاکاری کے سبب سے دنیا کی بہبودی پر اپنا بھروسہ رکھ کر کفر و نفاق کے سبب سے آخرت کا انکار کیا ہے یا ریاکاری کے سبب سے آخرت کے اجر کو کھو دیا ہے جن لوگوں کا ذکر اس آیت میں ہے وہ لوگ ویسے نہیں جو فطرت سلیمہ پر پیدا ہو کر اس فطرت سلیمہ کے پیچھے پیچھے انبیاء اور آسمانی کتابیں اس فطرت سلیمہ کی صداقت کے طور پر جو کچھ آیا اُس کو وہ پورا پورا مانتے ہیں یہ لوگ نہ کافروں اور منافقوں کی طرح آخرت کے منکر ہیں نہ ریاکاروں کی طرح اُن کے نیک عمل دنیا کے دکھاوے کے لئے ہیں بلکہ جو کچھ کرتے ہیں ثواب آخرت کی نیت سے خالص اللہ کے لئے کرتے ہیں اس لئے اُن کے نیک عملوں کا پورا اجر عقبیٰ میں ملے گا۔ بعضے مفسروں کا قول ہے کہ اس آیت میں شاہد کا جو ذکر ہے اس سے مراد حضرت علیؓ ہیں مگر یہ قول درجہ صحت کو نہیں پہنچتا حافظ ابن کثیر نے[1] اس قول کو ضعیف قرار دیا ہے فطرت سلیمہ سے مراد وہی پیدائش کے پہلے کی توحید ہے جس پر ہر ایک بچہ پیدا ہوتا ہے جس کا اقرار میثاق کے روز سب روحوں سے لیا گیا ہے صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں صحیح مسلم اور سنن میں اور صحابہؓ کی روایتوں میں اسی فطرت سلیمہ کا ذکر ہے حاصل ان سب روایتوں کا یہ ہے کہ جب تک بچہ بولنا سیکھتا ہے اس وقت تک اسی میثاق والی توحید پر پیدا ہو کر قائم رہتا ہے پھر ہوشیار ہونے کے بعد جس طرح کے ماں باپ ہوتے ہیں ان میں مل جاتا ہے غرض بعضے لوگ ایسے ہیں کہ دنیا میں شریعت کی نصیحت نیک صحبت سے ان کی وہ میثاقی توحید اور مضبوط ہو جاتی ہے اور بعضے دنیا میں آنے کے بعد کفر و نفاق و ریاکاری کے سبب سے اس میثاقی توحید کو برباد کر دیتے ہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پہلے گروہ کی تعریف اور دوسرے گروہ کی مذمت فرمائی ہے پہلے گروہ کا ذکر اس آیت میں ہے اور دوسرے گروہ کا ذکر اوپر کی آیتوں میں گزرا کہ وہ لوگ قرآن کو اللہ کا کلام نہیں مانتے اور عقبیٰ کی سزا و جزا کا ان کے دل میں یقین نہیں ہے فقط دنیا کی زندگی پر ان کا دار و مدار ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ بَيِّنَةٍ کے معنے یہاں میثاقی اور پیدائشی توحید اور پیدائشی نور ایمان کے ہیں اور وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے دل میں میثاقی اور پیدائشی توحید اور پیدائشی نور ایمان ہے اس نے اللہ کے رسولوں اور آسمانی کتابوں کی پوری تصدیق کی اور جس شخص کے دل میں میثاقی اور پیدائشی توحید اور پیدائشی نور ایمان نہیں ہے وہ ان باتوں کا منکر ہے۔ پیدائشی توحید کی روایتوں کا ذکر تو اوپر گزر چکا ہے رہی میثاق توحید اس میثاقی توحید کے باب میں صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ایک حدیث تو انسؓ بن مالک کی گذر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کم سے کم عذاب والے دوزخی سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ اے شخص اگر تیرے پاس اس وقت تمام دنیا کی دولت ہو تو اس کو بدلہ میں دے کر اس عذاب سے نجات حاصل کرنے کی آرزو کرے گا وہ کہوے گا کہ ہاں اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جس وقت تو آدم کی پیٹھ میں

[1] اور کہا ہے کہ اس کا کوئی قائل نہیں ہے ان تمام روایتوں کے لئے دیکھئے تفسیر ابن کثیر ص ۴۴۰ ج ۲..... ص ۱۳۰ ج ۲

مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْهُ ۚ اِنَّهُ الْحَقُّ

سب فرقوں میں سو آگ ہے وعدہ اُس کا سو تو مت رہ شبہ میں اس سے یہ تحقیق ہے

مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾

تیرے رب کی طرف سے پر بہت لوگ یقین نہیں کرتے

نطفہ تھا اسی وقت میں نے تجھ سے توحید کا عہد لیا تھا لیکن دنیا میں پیدا ہونے کے بعد اس عہد پر تو قائم نہیں رہا پھر آج اس بدلہ دینے کی آرزو اور تمنا سے کیا ہو سکتا ہے[1] دوسری حدیث ابی بن کعب کی معتبر روایت سے مسند امام احمد میں ہے کہ عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ نے اپنے سب بندوں سے توحید کا عہد لیا تھا اور پھر فرمایا کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد رسول اور آسمانی کتابیں بھیج کر میں تمہیں یہ عہد یاد دلاؤں گا پیدائشی نور ایمان سے مقصود وہی عالم ارواح کا نور ہے جس کا ذکر عبد اللہ بن عمرو بن العاص کی روایت سے ترمذی مسند امام احمد اور مستدرک حاکم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب عالم ارواح میں سب مخلوق کو پیدا کیا تو ساری مخلوق جہالت اور خواہشات نفسانی کے اندھیرے میں تھی پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک نور چھڑکا اس نور کے چھڑکنے سے جو لوگ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد راہ راست پر آنے والے تھے ان کے دل میں وہ نور سما گیا اور جو لوگ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد گمراہ رہنے والے تھے وہ اس نور سے محروم رہ گئے[2] ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور حاکم نے صحیح کہا ہے[3] مسند امام احمد کے راوی بھی معتبر ہیں اوپر یہ جو بیان کیا گیا کہ بینہ کے معنے پیدائشی توحید کے اور پیدائشی نور ایمان کے ہیں اور رسولوں کا آسمانی کتابوں کا لے کر آنا اس توحید اور نور ایمان کی تائید ہے ان حدیثوں سے اس کی پوری تائید ہوتی ہے کیونکہ جو مطلب اوپر کی تفسیر کا ہے وہی مطلب ان حدیثوں کا ہے کہ عالم ارواح میں مخلوقات کو پیدا کر کے پہلے وہ نور چھڑکا اور پھر توحید کا عہد لیا اور یہ فرمایا کہ اس کی یاد دہی کے لئے اللہ کے رسول آسمانی کتابیں لے کر دنیا میں آویں گے اور پھر دنیا میں اس عہد کے موافق ہر ایک کو فطرت اسلامی پر پیدا کیا اور کتابیں دے کر رسول بھیجے توراۃ اور قرآن میں شرعی احکام بہت تفصیل سے ہیں اس واسطے ان آیتوں میں ان ہی دونوں کتابوں کا نام فرمایا اب آگے فرمایا کہ فرقہ اہل کتاب یا مشرکین میں سے جو شخص اس قرآن یا کسی اور کتاب آسمانی یا اللہ کے کسی رسول کا منکر ہوگا اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور اپنے رسولوں کو مخاطب کر کے یہ بھی فرمایا کہ اوپر کی وجوہات کے موافق اگرچہ اس قرآن کے کتاب آسمانی ہونے میں کسی کو شک و شبہ کرنے کا موقع نہیں ہے لیکن ازلی گمراہی کے سبب سے بہت لوگ اس کے منکر ہیں اب آگے ان بے انصاف لوگوں کا ذکر فرمایا جو اللہ کی عبادت میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں اور اتنا انصاف نہیں کرتے کہ جب اللہ نے ان کو ان کی ضرورت کی سب چیزوں کو پیدا کیا تو پھر دوسروں کو اللہ کی تعظیم میں شریک ٹھہرانے کا کیا حق ہے ان لوگوں کے حق میں یہ بھی فرمایا کہ انہیں قیامت کے دن اللہ کے روبرو اپنے جرم کی جواب دہی کے لئے کھڑا ہونا پڑے گا اور اللہ کے فرشتے ان کے اعمال کی گواہی ادا کر کے اللہ کی لعنت کے قابل ان کو ٹھہرا دیں گے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ کی رحمت سے دور رہنے کے لائق ہیں جس طرح لفظ صاحب کی جمع اصحاب ہے ویسے ہی شاہد کی جمع اشہاد گواہوں کے معنے میں ہے مجاہد اور اکثر

[1] مشکوۃ ص ۵۰۲ باب صفۃ النار واہلہا [2] مشکوۃ ص ۲۲ باب الایمان بالقدر [3] تنقیح الرواۃ ص ۲۶ ج ۱۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰي رَبِّهِمْ

اور کون ظالم اس سے جو باندھے اللہ پر جھوٹ وہ لوگ روبرو آویں گے اپنے رب کے

وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰي رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ

اور کہیں گے گواہی دالے یہ ہیں جنہوں نے جھوٹ کہا اپنے رب پر سن لو پھٹکار ہے اللہ کی

عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا

بے انصاف لوگوں پر جو روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور ڈھونڈتے ہیں اس میں کجی

وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ

اور وہی ہیں آخرت سے منکر وہ لوگ نہیں تھکانے والے زمین میں بھاگ کر

سلف کے قول کے موافق یہ فرشتوں کی گواہی کا ذکر ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کافر اور منافقوں کو رسوا کرنے کے لئے اللہ کے فرشتوں کی زبان پر تقسیم اعمال نامہ کے وقت آخری آیت کا یہ ٹکڑا ہوگا هٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰي رَبِّهِمْ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الظّٰلِمِيْنَ اس حدیث سے مجاہد اور سلف کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے۔

۱۸۔ صحیحین اور مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ میں جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث ہے اس میں اس آیت کی تفسیر اور شان نزول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمائی ہے کہ میدان محشر میں نامہ اعمال بٹنے سے پہلے اللہ تعالیٰ بعضے مسلمان گنہگاروں کو اپنے بہت ہی پاس بلا کر ایسے ہر ایک شخص کے گناہ اس کو یاد دلاوے گا جب وہ مسلمان گنہگار اپنے ہر ایک گناہ کا اقرار کرے گا اور دل میں جان لیوے گا کہ اب میں دوزخ کو بھیجا جاؤں گا اس وقت اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے فرماوے گا کہ دنیا میں میں نے تیرے یہ گناہ چھپائے اور لوگوں سے تیری عیب پوشی کی آج بھی میں تیرے گناہ چھپاتا ہوں یہ کہہ کر اس شخص کا نامہ اعمال سیدھے ہاتھ میں دینے کا حکم فرماوے گا اور یہ لوگ بعد حساب و کتاب کے جنت میں چلے جاویں گے اور کافروں اور منافقوں کو حساب سے پہلے ہی فرشتے اور نیک اہل محشر پکار پکار کر کہویں گے ان پر خدا کی لعنت ہے یہی لوگ ہیں جو خدا اور رسول اور خدا کے حکموں اور آج کے دن کو جھٹلاتے تھے اسی میدان محشر کے فرشتوں کی شہادت کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے چنانچہ اس کا ذکر اوپر بھی گذر چکا ہے غرض ان لوگوں کا نامہ اعمال الٹے ہاتھ میں دیا جاوے گا اور حساب و کتاب کے بعد یہ لوگ دوزخ کو چلے جاویں گے۔

۱۹۔۲۲۔ یہ آیتیں انہیں لوگوں کی شان میں ہیں جن کا ذکر اوپر کی آیت میں ہو چکا ہے کہ وہ خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں قیامت کے دن سارے جن و انس اور ملائکہ کے روبرو رسوا ہوں گے اور ہر طرف سے یہی پکار ہوگی کہ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے خدا پر جھوٹ باندھا تھا یہ بڑے ظالم ہیں لعنت ہو ان پر اب فرمایا کہ آپ تو یہ لوگ گمراہ ہیں لیکن اوروں کو بھی دین حق میں داخل ہونے سے روکتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ ہماری طرح دوسرے بھی گمراہ ہو جائیں یہ لوگ آخرت کے منکر ہیں کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد پھر کیسا جینا پھر فرمایا یہ لوگ دنیا میں خدا کو عاجز نہیں کر سکتے اگر خدا ان پر عذاب کا ارادہ کرے تو یہ لوگ کہیں بھاگ کر نہیں جا سکتے اور نہ اس کی پکڑ سے بچ سکتے ہیں کیونکہ خدا کے سوا کوئی ایسا نہیں ہے جو ان کا

۱؎ صحیح بخاری ص ۶۷۸ ج ۲ کتاب التفسیر ۲؎ تفسیر ابن کثیر ص ۴۴۱ ج ۲۔

وَمَا كَانَ لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ يُضَاعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ مَا

اور نہیں ان کو اللہ کے سوا حمایتی دونا ہے اُن کے لئے عذاب نہ

كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ ﴿٢٠﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ

سکتے تھے سننا اور وہ تھے دیکھتے وہی ہیں جو

خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢١﴾ لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ

ہار بیٹھے اپنی جان اور گم ہوگیا اُن سے جو جھوٹ باندھتے تھے آپ ہی ہوا کہ یہ لوگ

فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ ﴿٢٢﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَ

آخرت میں یہی ہیں سب سے خراب البتہ جو یقین لائے اور کیں نیکیاں اور

أَخْبَتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٣﴾ مَثَلُ

عاجزی کی اپنے رب کی طرف وہ ہیں جنت کے لوگ وہ اس میں رہا کریں گے مثال

حمایتی بن کر ان کو عذاب سے بچالے خدا اُن سے ہر حال میں بدلہ لے سکتا ہے مگر اُس نے یہ بدلہ آخرت کے دن پر اٹھا رکھا ہے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ ظالموں کو جب تک چاہتا ہے ڈھیل دیتا ہے اور جب پکڑ لیتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا[1] پھر فرمایا کہ ان لوگوں کے واسطے دگنا عذاب ہے کیونکہ کان آنکھیں ان کو اسی واسطے دئے تھے کہ دیکھ کر اور سن کر سمجھیں بوجھیں اور قدرت کی نشانیوں کو جانیں مگر یہ تو اندھے اور بہرے بن گئے حق بات کی پیروی نہیں کرتے اس پر طرہ یہ کہ دوسروں کو بھی اپنے ساتھ گمراہ کرتے ہیں راہ حق سے بھٹکاتے ہیں ان لوگوں نے اپنا بڑا نقصان کیا پھر فرمایا اس نقصان کے وقت ان کے وہ جھوٹے معبود کچھ کام نہ آئیں گے سب لاپتہ ہوں گے۔

۲۳ و ۲۴۔ اوپر کی آیتوں میں بدبختوں کا حال بیان فرما کر اب ان آیتوں میں نیک بخت اور سعادتمندوں کا حال بیان فرمایا کہ جن لوگوں نے اچھے اچھے عمل کئے اور ہر ایک حکم کو خدا کے بجالائے اور جن چیزوں سے اُن کو منع کیا تھا ان سے باز رہے اُن کے واسطے خدا نے جنت مقرر کی ہے جس میں طرح طرح کی نعمتیں اور انواع و اقسام کے کھانے اور ہر ایک طرح کے آرام و راحت کا سامان ہے وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے وہاں پھر نہ موت آئے گی نہ نیند پسینے تک سے مشک کی خوشبو آئے گی۔ وہاں نہ بوڑھے ہوں گے نہ بیمار پھر اللہ نے اُن کفار اور ان مومن بندوں کے درمیان میں فرق بیان کیا کہ وہ کفار ایسے ہیں جیسے اندھے اور بہرے کہ ان کو بھلائی کا رستہ نہیں سوجھتا اور نہ سچی باتیں سنتے ہیں اور یہ مومن بندے ایسے ہیں جیسے سُننے دیکھنے والا کہ ہر ایک بات کو سنتے اور دیکھتے ہیں اور حق و ناحق میں فرق کرتے ہیں اس لئے ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے کہ یہ فرق سمجھنے اور عبرت پکڑنے کے قابل ہے۔ ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالہ سے شداد بن اوس کی ایک معتبر روایت گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عقلمند وہ شخص ہے جو موت سے پہلے موت کے بعد کا کچھ سامان کرلیے اور عقل سے بے بہرہ وہ شخص ہے جو عمر بھر اس سے غافل رہے اور پھر عقبٰی کی بہبودی کی توقع اللہ سے رکھے[2] ان آیتوں میں فرمانبردار نافرمان بردار گروہ کی یہ مثال جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ فرمانبردار

[1] صحیح بخاری ص ۶۷۸ ج ۲ باب قولہ وکذلک اخذ ربک اذا اخذ القری [2] تفسیر ہذا جلد دوم ص ۲۲۴۔

مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا

دونوں فرقوں کی جیسے ایک اندھا اور بہرہ اور ایک دیکھتا اور سنتا کیا برابر ہے دونوں کا حال پھر

اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ

کیا تم دھیان نہیں کرتے اور ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کی طرف کہ میں تم کو ڈر سناتا ہوں

گروہ ایک ہوشیار آنکھ کان سے کام لینے والے شخص کی مانند ہے اور نافرمان گروہ ایک بے قوت آنکھ کان سے بے خبر شخص کی مانند ہے یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے۔

۲۶-۲۵ مصنف ابن ابی شیبہ مستدرک حاکم تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ چالیس برس کی عمر میں حضرت نوحؑ کو نبوت ہوئی اور طوفان سے پہلے ساڑھے نو سو برس اپنی قوم کو وہ نصیحت کرتے رہے اور ساٹھ برس طوفان کے بعد پھر زندہ رہے اس حساب سے حضرت نوحؑ کی عمر ایک ہزار پچاس برس کے قریب ہوئی حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے[1] صاحب شریعت انبیاء کی ابتدا حضرت نوحؑ سے شروع ہے حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت نوحؑ کی قوم کے پہلے تک کے لوگوں میں بت پرستی نہیں تھی شیطان کے بہکانے سے پہلے اس قوم نے بت پرستی دنیا میں شروع کی جس کی تفصیل صحیح بخاری کی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت[2] سے سورت نوح میں آوے گی غرض حضرت نوحؑ سے حضرت موسیٰؑ تک کے انبیاؑ اور ان کی قوم کا قصہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرما کر آخر کو وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى (۱۱: ۱۰۲) فرمایا ہے جس کا مطلب ہے کہ عادت الٰہی یہ ہے کہ پہلے لوگوں کے راہ پر لانے اور سمجھانے کو انبیاء بھیجے جاتے ہیں آسمان سے ہر طرح کی فہمائش کے کلام اتارے جاتے ہیں قوم کے جاہل لوگ نبی وقت کو جھٹلاتے ہیں یا کچھ تکلیف دیں تو نبی کو صبر کرنے اور تکلیف سہنے کا حکم ہوتا ہے قحط بیماری جانی و مالی نقصان پہلے دنیا کے ان چھوٹے چھوٹے خاص عذابوں سے قوم کی تنبیہ کی جاتی اور سرکشی دور کی جاتی ہے اس پر اگر لوگ نہ مانیں تو عام عذاب پھیل کر سب ہلاک ہو جاتے ہیں الغرض تاریخی پچھلے کسی حال سے آئندہ کا کوئی معاملہ ثابت کرنا یہ ایک بہت عمدہ طریقہ ہے مثلاً شاہجہان بادشاہ کے عہد میں کسی شخص کا یہ کہنا کہ جس طرح اب وزیروں میں پھوٹ پڑ گئی ہے اسی طرح کی پھوٹ اکبر بادشاہ کے عہد میں تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہوتی ہے اور یہ بھی تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کی پھوٹ سے اکبر کی بادشاہت میں بڑی خرابی پھیلی تھی اس مقولے سے اس کہنے والے کا یہ مطلب ہے کہ تاریخی تجربہ کے قرینہ سے اس زمانہ حال کی پھوٹ کا نتیجہ بھی آئندہ ملک کی خرابی کا وہی ہو گا جو اکبر کے زمانہ میں ہوا اس تاریخی ثبوت کے ڈھنگ پر جگہ جگہ قرآن شریف میں پچھلے انبیاء اور گذشتہ امتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے ظاہر میں ان قصوں کا مکرر ذکر کیا جانا خیال میں آتا ہے لیکن حقیقت میں اس سے ایک معاملہ گذشتہ کو معاملہ حال سے مطابقت کی جا کر آئندہ کا نتیجہ لوگوں کی سمجھ میں آنا مقصود ہوتا ہے یہاں آئندہ کا نتیجہ یہی مقصود ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تشفی اور تسلی دی گئی ہے کہ اے نبی برحق تم دل جمعی رکھو اگر یہ قریش باوجود فہمائش کے تمہاری نصیحت نہ مانیں گے تو جس طرح حضرت نوحؑ سے لے کر فرعون کی قوم تک انجام ہوا چند روز میں وہی انجام ان کا ہو گا چنانچہ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ (۱۱: ۱۲۰) سے اس دل جمعی کی طرف اشارہ ہے اور قریش کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر باوجود فہمائش کے تم اپنی سرکشی سے باز نہ آؤ گے تو پچھلی قوموں

[1] مستدرک حاکم ص ۵۴۶ ج ۲ ذکر نوح النبی صلی اللہ علیہ وسلم [2] صحیح بخاری ص ۷۳۲ ج ۲ تفسیر سورہ نوح

مُبِينٌ ﴿٢٥﴾ أَن لَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ أَلِيمٍ ﴿٢٦﴾

کھول کر کہ مت پوجو سوائے اللہ کے میں ڈرتا ہوں تم پر عذاب سے ایک دکھ والے دن کے

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا

پھر بولے سردار جو منکر تھے اُس کی قوم کے ہم دیکھتے نہیں تجھ کو مگر آدمی جیسے ہم

کی طرح ہلاک کر دئے جاؤ گے وَكَذَٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ (۱۱: ۱۰۲) سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو نصیحت کی کہ اگر تم لوگ بت پرستی سے باز نہ آؤ گے تو تم پر عذاب کے آجانے کا خوف ہے اس لئے تم لوگوں کو چاہیے کہ بت پرستی کو چھوڑو اور جس اللہ نے تم کو پیدا کیا ہے خالص دل سے اسی کی عبادت کرو نَذِيرٌ مُّبِينٌ کا یہ مطلب ہے کہ بت پرستی اللہ کو بہت ناپسند ہے اس لئے صاف لفظوں میں اس کے وبال سے تم لوگوں کو ڈرا دینا میرا کام ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے مغیرہؓ بن شعبہ اور عبد اللہؓ بن مسعود کی روایتیں ایک جگہ گذر چکی ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو انجانی کے عذر کا رفع کرنا بہت پسند ہے اسی واسطے اس نے آسمانی کتابیں دے کر رسول بھیجے تاکہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی مرضی اور نامرضی کی باتیں معلوم ہو جاویں اور کسی کو ان باتوں کی انجانی کا عذر باقی نہ رہے[1] صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت بھی ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز روزہ حلال و حرام کے احکام ضرورت کے موافق ہر ایک صاحب شریعت نبی کے زمانہ میں بدلتے رہتے ہیں[2] اور اسی کو ہر ایک نبی کی شریعت کہتے ہیں مگر توحید جو اصل دین ہے اس سے کوئی شریعت خالی نہیں رہی ان حدیثوں کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ احکام دین کی انجانی کے سبب سے دنیا میں جب شرک پھیلا اس کے رفع کرنے کے لئے اول صاحب شریعت نبی نوح علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اللہ تعالیٰ نے آسمانی کتابیں دے کر رسول بھیجے اور ہر ایک شریعت میں توحید کی تاکید قائم رکھی اور ہر ایک نبی نے عمر بھر اس تاکید کو ہر طرح پورا کیا لیکن علم الٰہی میں جن لوگوں کا شرک کی حالت میں مرنا ٹھہر چکا تھا اُن کے دل پر انبیا کی نصیحت کا پورا اثر نہ ہوا کیونکہ بعضے نبی ایسے بھی گذرے ہیں جن کی تمام عمر کی کوشش میں فقط ایک ہی شخص راہِ راست پر آیا چنانچہ صحیح مسلم کی انسؓ بن مالک کی روایت میں اس کا ذکر ہے کہ قیامت کے دن بعضے نبیوں کے ساتھ فقط ایک شخص فرمانبردار ہوگا اور باقی امت نافرمان ہوگی[3] صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت ایک جگہ گذر چکی ہے کہ بہ نسبت اور امتوں کے امت محمدیہ کی تعداد قیامت کے دن زیادہ ہوگی اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ یہ قرآن کا ایک ایسا معجزہ ہے کہ قیامت کے دن اُس کے پیرو اور آسمانی کتابوں کے پیروی کرنے والوں سے زیادہ ہوں گے[4]۔

۲۷۔ یہ جواب نوح علیہ السلام کی قوم نے اس وقت دیا کہ جب نوح علیہ السلام نے اُن لوگوں سے کہا کہ سوائے خدا کے اور کسی کی عبادت نہ کرو نہیں تو تم پر ایک بہت بڑا عذاب نازل ہونے کا خوف ہے پس پر ان کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ جیسے ہم انسان ہیں تم بھی انسان ہو پھر تم پر وحی آئی اور ہم پر نہ آئی یہ کیا بات ہے علاوہ اس کے جو لوگ تمہارے تابع ہوئے ہیں وہ سب کے سب رذیل ہیں کوئی بھی اُن میں شریف

[1] تفسیر ہذا جلد دوم ص ۱۶۲ [2] مشکوۃ ص ۵۰۹ باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء الخ [3] صحیح مسلم ص ۱۱۲ ج ۱ باب اثبات الشفاعۃ و اخراج الموحدین من النار و صحیح مسلم ص ۸۶ ج ۱ باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا صلے اللہ علیہ وسلم الخ [4] صحیح بخاری ص ۷۴۴ ج ۲ باب کیف نزل الوحی۔

وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِىَ الرَّاْىِۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ

اور دیکھتے نہیں کوئی تابع ہوا تیرا مگر جو ہم میں نیچ قوم ہیں اوپر کی عقل سے اور ہم نہیں دیکھتے تم کو

عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۢ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ

اوپر اپنے بڑائی بلکہ ہم کو خیال ہے کہ تم جھوٹے ہو بولا اے قوم دیکھو تو اگر میں ہوا اوپر

كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ وَاٰتٰىنِىْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ

راہ پر اپنے رب کی اور اس نے دی مجھ کو مہر اپنے پاس سے پھر وہ تمہاری آنکھ سے چھپا رکھی

نہیں اور یہ ایمان بھی لائے تو کچھ سوچ سمجھ کر نہیں لائے کیوں کہ ان کو عقل ہی کب ہے اس لئے فقط ان لوگوں کے ایمان لانے سے کوئی فضیلت تم کو نہیں ہو سکتی تیسری بات یہ کہی کہ تم کو ہم اپنے سے بڑھ کر نہیں دیکھتے ہم سے زیادہ عزت دار نہیں ہو نہ مال و دولت میں نہ جاہ و مرتبہ میں اس لئے ہم تم کو جھوٹا سمجھتے ہیں شیطان نے منکر قوموں کے دل میں یہ وسوسہ قدیم سے ڈال رکھا ہے کہ اللہ کا رسول فرشتہ ہونا چاہئے انسان تو سب ایک سے ہیں پھر یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ ایک انسان اللہ کا رسول ہو اور دوسرا نہ ہو یہی شبہ قوم عاد اور ثمود کو بھی تھا کہ اللہ کا رسول انسان کیوں کر ہو سکتا ہے چنانچہ ہود علیہ السلام اور صالح علیہ السلام کے قصہ میں اس کا ذکر گذر چکا ہے. مشرکین مکہ اس شبہ کے ساتھ یہ بھی کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کی صداقت ایک فرشتہ ہمارے روبرو بیان کرے سورہ انعام میں اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے جو دیا ہے وہ گذر چکا کہ فرشتہ کو اصلی صورت میں دیکھنا تو انسانی قوت سے باہر ہے پھر اگر انسان کی صورت میں فرشتہ آوے گا تو ان لوگوں کا یہی شبہ باقی رہے گا ان لوگوں کا ایک شبہ یہ بھی قدیمی ہے کہ اگر انسان نبی ہو تو کوئی مالدار شخص ہونا چاہیے تاکہ اس کی قدر و منزلت کے سبب سے لوگ اس کا کہنا مانیں سورہ زخرف میں اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے موافق کسی کو غریب کسی کو مالدار کیا ہے اسی طرح اپنی مصلحت کے موافق جس کو چاہا اپنا رسول بنایا اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کا حال ان لوگوں سے زیادہ معلوم ہے ان لوگوں کو اس میں کچھ دخل نہیں ہے معتبر سند سے تفسیر ابن ابی الدنیا وغیرہ میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ مالدار آدمی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیسا ہی عزیز ہو لیکن دنیا کے عیش و آرام کے معاوضہ میں کچھ نہ کچھ اس کا درجہ عقبیٰ میں ضرور گھٹ جاوے گا[1] اس حدیث سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی میں مالدار لوگوں کو اس لئے نبی نہیں ٹھہرایا کہ نبوت درجہ بڑھنے کی چیز ہے اور مالداری اس کے برعکس ہے صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت سے ہرقل بادشاہ روم کا جو قصہ ہے اس میں یہ ہے کہ ہرقل نے ابوسفیانؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حال پوچھتے پوچھتے یہ بھی پوچھا کہ ان نبی کے پیرو مالدار لوگ ہیں یا غریب ابوسفیانؓ نے جواب دیا کہ غریب اس پر ہرقل نے کہا کہ انبیاء کے پیرو قدیم سے غریب ہوتے چلے آئے ہیں ہرقل کے اس قول کا یہ مطلب ہے کہ مالدار لوگ مال و متاع کے غرور میں نبی کی نصیحت کم سنتے ہیں اس لئے انبیاء کے پیرو اکثر غریب ہوتے چلے آئے ہیں نوح علیہ السلام کے پیرو غریب لوگ تھے اس کا سبب اس حدیث[2] سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے

۲۸ ۔ یہ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے جواب کے جواب میں کہا کہ جو دین میں خدا کی طرف سے لایا ہوں اور جس بات کی تمہیں ہدایت کرتا ہوں تم پر اس کا قبول کرنا واجب ہے اور جو تم نے جواب دئے ہیں کوئی بھی ٹھیک نہیں انسان ہونے میں بے شک ہم تم برابر ہیں مگر انسان کو نبوت

[1] الترغیب ص ۲۳۵ ج ۲ باب الترغیب فی الزھد فی الدنیا الخ [2] مشکوٰۃ ص ۵۲۵۔۵۲۶ باب علامات النبوۃ۔

أَنُلْزِمُكُمُوهَا وَأَنتُمْ لَهَا كَارِهُونَ ﴿٢٨﴾ وَيَا قَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۖ إِنْ

کیا ہم لگا دیں تم کو یہ اور تم اس سے بیزار ہو اور اے قوم نہیں مانگتا میں تم سے اس پر مال میری

أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ

مزدوری نہیں مگر اللہ پر

کے مخالف نہیں اور نہ یہ ضرور ہے کہ سب کے سب جتنے انسان ہیں نبی ہو جائیں یہ تو خدا کا فضل ہے جس کو وہ پسند کرتا ہے رسول بنا کر لوگوں کی طرف بھیجتا ہے اگر تم میں اس کی قابلیت اور صلاحیت ہوتی تو ممکن تھا کہ تم بھی رسول بنائے جاتے اور رذیلوں کے ایمان لانے سے بھی میری نبوت پر کچھ الزام نہیں آتا کیونکہ تمہاری طرح یہ بھی بشر ہیں ان کو بھی تمہاری طرح عقل و فہم ہے ان کا تابع ہونا میرے لئے حجت ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ دیکھو تم ہی لوگوں میں سے یہ ہیں جو مجھ پر ایمان لائے پھر تم کیوں کر ان کے ایمان لانے سے مجھ پر الزام لگا سکتے ہو تمہاری تو بعینہ وہ مثال ہے کہ کوئی گروہ صحرا میں بھٹکتا پھرتا ہو اور راستے راہ بر کا کہنا نہ مانتا ہو وہ گروہ راستہ پر نہیں آ سکتا اسی طرح جب تم مجھے جھٹلاتے ہو اور دین حق کے قبول کرنے سے بیزار ہو تو میں زبردستی تم کو راستہ پر نہیں لا سکتا کیونکر اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں جو گمراہ ٹھہر چکا اس کو زبردستی کوئی راہ راست پر لا سکتا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی روایت ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم الٰہی کے موافق جو شخص جنت میں جانے کے قابل ٹھہرا ہے وہ ویسے ہی عمل کرتا ہے اور ویسے ہی کاموں کے کرنے میں اس کو آسانی نظر آتی ہے اور جو شخص دوزخ میں جانے کے قابل ٹھہرا ہے وہ ویسے ہی عمل کرتا ہے اور ویسے ہی کاموں کے کرنے میں اس کو آسانی نظر آتی ہے[1] نوح علیہ السلام کے جواب کا یہ مطلب اس حدیث سے خوب حل ہو جاتا ہے کہ علم الٰہی کے موافق نبوت معجزہ سب چیزوں کی صداقت جن لوگوں کی نظر سے اس طرح چھپی ہوئی ہے کہ وہ ان حق باتوں کے قبول کرنے سے بیزار ہیں اور یہی بیزاری ان کو آسانی اور حق باتوں کی صداقت مشکل نظر آتی ہے تو ایسے لوگوں کو دوزخ کے راستہ سے پھیر کر جنت کے راستہ پر زبردستی کوئی نہیں لا سکتا لگے ہاتھ نوح علیہ السلام نے ان لفظوں میں جو جواب دیا ہے وَلَا يَنفَعُكُمْ نُصْحِي إِنْ أَرَدتُّ أَنْ أَنصَحَ لَكُمْ إِن كَانَ اللَّهُ يُرِيدُ أَن يُغْوِيَكُمْ (۱۱: ۳۴) یہ دوسرا جواب گویا پہلے جواب کی تفسیر ہے اور اس دوسرے جواب اور حضرت علیؓ کی حدیث کو ملا کر پہلے جواب کا مطلب وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا۔

۲۹۔ پھر نوح علیہ السلام نے اس بات کی تفصیل بیان کی کہ میں جو لوگوں کو راہ حق بتلاتا ہوں اور خدا کا پیغام پہنچاتا ہوں اس سے میرا منشا یہ نہیں ہے کہ کوئی مجھے اس کی اجرت میں مال و دولت دے یہ نبوت کا دعویٰ ہرگز طلب دنیا کے لئے نہیں ہے جو تم کوئی تہمت مجھ پر دھر سکو گے یہ تو خالص خدا کے واسطے ہے اس کا اجر بھی خدا ہی دے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء پر یہ بات فرض ہے کہ وہ خالص دل کی نصیحت کے طور پر احکام الٰہی امت کے لوگوں کو پہنچا دیویں اب اگر اس نصیحت کے معاوضہ میں اگر امت کے لوگوں سے کچھ اجرت اور مزدوری لیویں تو وہ خالص دل کی نصیحت کا موقع باقی نہیں رہتا اس واسطے وعظ و نصیحت کے معاوضہ میں انبیاء کو کسی اجرت یا مزدوری کا لینا جائز نہیں ہے رہی یہ بات کہ امت کے علما انبیاء کے وارث بن کر لوگوں کو قرآن کے موافق کچھ وعظ نصیحت کریں یا قرآن پڑھاویں تو ان کی اجرت کا کیا حکم ہے اس میں علما کا اختلاف ہے امام ابوحنیفہ رح اور امام احمد رح کے نزدیک

[1] صحیح بخاری ص ۷۳۸ ج ۲ تفسیر سورہ واللیل اذا یغشیٰ۔

وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا

اور میں نہیں ہانکنے والا ایمان والوں کو ان کو ملنا ہے اپنے رب سے لیکن میں دیکھتا ہوں تم لوگ

تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ

جاہل ہو اور اے قوم کون چھڑا دے مجھ کو اللہ سے اگر ان کو ہانک دوں کیا تم دھیان نہیں کرتے

قرآن کی تعلیم کے معاوضہ میں کسی اجرت کا لینا جائز نہیں ہے ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ابی بن کعبؓ اور عبادہؓ بن الصامت کی جو روایتیں ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ عبادہ بن الصامتؓ اور ابی بن کعبؓ نے کچھ لوگوں کو قرآن کی سورتیں سکھائیں اُن لوگوں نے اپنے اُن اُستادوں کو کچھ تحفہ دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو جب اس تحفہ کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ تحفہ قیامت کے دن تحفہ لینے والے کے حق میں دوزخ کی آگ بن جاوے گا اس حدیث سے امام ابوحنیفہؒ کے اور امام احمدؒ کے مذہب کی پوری تائید ہوتی ہے جو علماء اس اجرت کے جائز ہونے کے قائل ہیں انہوں نے اس قسم کی آیتوں اور حدیثوں کا طرح طرح سے جواب دیا ہے جس کی تفصیل حدیث کی شرح اور فقہ کی کتابوں میں ہے۔

۲۹ - ۳۰ - جس طرح نوح علیہ السلام کے قوم کے مالدار لوگوں نے حضرت نوح علیہ السلام سے یہ جھگڑا کیا کہ اے نوحؑ اگر تم ان کم عزت اور مفلس لوگوں کو اپنی مجلس میں آنے سے روک دو گے تو ہم مالدار اور عزت دار لوگ کبھی کسی وقت تمہاری مجلس میں آکر کچھ تمہاری نصیحت سنیں گے اور حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو جواب دیا جس جواب کا ذکر اس آیت میں ہے سورہ انعام میں گذر چکا ہے کہ قریش میں کے عزت دار اور مالدار لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہی خواہش کی تھی اور یہ جھگڑا کیا تھا جس پر اللہ تعالیٰ نے سورت انعام کی چند آیتیں نازل فرما کر اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کی خواہش کو پورا کرنے سے منع فرمایا حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر قیامت تک آخر شیطان تو ایک ہی ہے جو ہر زمانہ کے لوگوں کو بہکاتا ہے اس واسطے ہر ایک زمانہ کے لوگوں کے دلوں میں اس ظالم نے ایک ہی طرح کے وسوسے ڈالے ہیں اور ہر وقت کے منکر لوگوں نے ہر زمانہ کے رسولوں سے ایک ہی طرح کے ملتے جلتے جھگڑے کئے ہیں اور ایک مدت دراز سے ان جھگڑوں کا رواج ہر زمانہ کے منکر لوگوں میں چلا آیا ہے لیکن خواہ کسی قدر مدت دراز کا رواج ہو شریعت الٰہی میں بغیر حکم الٰہی اور سند شرعی کے کوئی رواج معتبر نہیں ہے اس لئے ہر زمانہ کی شریعت نے اس رواج کو نامعتبر ٹھہرایا اور توڑا یہ رواج تو اللہ کے رسولوں سے جھگڑا کرنے کا ایک بد بات کا رواج تھا ظاہر میں اگر کوئی بات نیک معلوم ہوتی ہو اور سند شرعی سے اس بات کی تائید نہ ہوتی ہو تو اس طرح کی نیک بات کا رواج بھی شریعت میں جائز نہیں ہے صحیحین کی حضرت انسؓ کی حدیث اوپر گذر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بعضے صحابیوں نے خلاف سنت ہمیشہ روزہ رکھنے کا اور بعضوں نے ہمیشہ مجرد رہنے کا عہد کیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان صحابہ پر خفا ہوئے اور فرمایا کہ جو شخص میری سنت کے خلاف کوئی کام کرے گا وہ میری پیروی کرنے والے گروہ سے خارج ہے[1] اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ اس کا مطلب ہے کہ غریب دیندار لوگ ایک دن اللہ کے روبرو کھڑے ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں اس لئے نیک عمل کرتے ہیں تم لوگ جاہل ہو جو ایسے لوگوں سے دوری ڈھونڈتے ہو آگے جو نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے مشرک لوگوں کو جواب دیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ میں ان

[1] مشکوٰۃ ص ۵۰، ۲ باب الاجارہ وتنقیح الرواۃ ص ۱۹۲ ج ۲ [2] مشکوٰۃ ص ۲۷ باب الاعتصام بالکتاب والسنہ۔

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ

اور میں نہیں کہتا تم کو کہ میرے پاس ہیں خزانے اللہ کے اور میں خبر رکھوں غیب کی اور میں کہوں کہ میں

مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ؕ

فرشتہ ہوں اور میں کہوں گا کہ جو تمہاری آنکھ میں حقیر ہیں نہ دے گا اُن کو اللہ بھلائی

اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّيْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

اللہ بہتر جاننے والا ہے اس کا جو ان کے جی میں ہے یہ کہوں تو میں بے انصاف ہوں

غریب دیندار لوگوں کو بلاقصور اپنی مجلس کے آنے سے روک دوں گا تو یہ بڑی ناانصافی ہے پھر تم ہی لوگ دھیان کرو کہ اگر اس نا انصافی کی پرسش اللہ کی طرف سے ہوگی تو میں کیا جواب دوں گا سورۃ انعام میں اللہ تعالیٰ نے یہی ہدایت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمائی ہے کہ اگر تم ان مشرکوں کے کہنے سے غریب دیندار لوگوں کو اپنی مجلس کے آنے سے روک دو گے تو تم ناانصاف ٹھہرو گے اس سبب سے سورۃ انعام کی آیتیں نوح علیہ السلام کے اس جواب کی گویا تفسیر ہیں۔

اس سے اوپر کی آیت میں جو نوح علیہ السلام کی قوم نے یہ کہا تھا کہ اپنے اوپر ہم تمہاری کوئی فضیلت نہیں دیکھتے اور تم ہم سے زیادہ عزت دار نہیں ہو یہ اسی کا جواب نوح علیہ السلام نے ان کو دیا کہ خدا کے خزانے میرے قبضہ میں نہیں اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں نہ کوئی فرشتہ ہوں جو تم میری فضیلت سمجھو میری فضیلت تو خدا کی طرف سے یہ ہے کہ اس نے مجھے معجزے عنایت کئے ہیں اور جن لوگوں نے میری پیروی اختیار کی ہے تم اُن کو ذلیل و خوار سمجھتے ہو اگر ان کا باطن ویسا ہی ہے جیسا ظاہر ہے تو چاہے کوئی کتنا ہی ان کو برا کہے حقیر سمجھے مگر خدا کے نزدیک ان کا بڑا مرتبہ ہے خدا تو ان کے دل کی باتوں کو جانتا ہے آخرت میں اچھے سے اچھا ان کو بدلا دے گا اور جو لوگ ان کو برا سمجھتے ہیں وہ بڑا ظلم کرتے ہیں بے سمجھے بوجھے ناحق ان کی برائی اور مذمت کرتے ہیں اور تمہارے کہنے سے اگر میں بھی ان کے ساتھ برا برتاؤ کروں اور اپنے پاس سے ان کو نکال دوں تو میں بھی ظالم ٹھہروں گا۔ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ کا تعلق وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا سے ہے مطلب یہ ہے کہ احکام الٰہی پہنچانے پر تو میں تم سے کچھ مزدوری مانگتا ہوں نہ میں تم کو یہ لالچ دیتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں تم میری پیروی کرو گے تو میں تم کو بہت کچھ دے کر نہال کر دوں گا۔ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ آیندہ کا تمہارا ہر طرح کا بھلا برا میرے ہاتھ میں ہے کیونکہ آیندہ کی بھلائی برائی ایک غیب کی بات ہے جو سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی دوسرے کو معلوم نہیں اس میں قول سے بھلائی برائی کی امید کی نوح علیہ السلام نے گویا جڑ کاٹ دی ہے مَانَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا (۲۷) جو قوم نوح نے کہا تھا اس کا جواب نوح علیہ السلام نے یہ دیا کہ میں بھی اپنے آپ کو فرشتہ نہیں کہتا باقی آیت کا مطلب انہی غریب دینداروں کے حق میں یہ ہے کہ ان کے دل کا حال تو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے لیکن ظاہر میں وہ دیندار ہیں اس لئے ان کے حق میں یہ غیب کی بات نہیں کہہ سکتا ہوں کہ ان لوگوں کی دینداری اور یہ جو بارگاہ الٰہی میں ان لوگوں کو کچھ بھلائی نہیں پہنچ سکتی کس لئے کہ اگر اٹکل سے میں ایسی بات کہوں گا تو یہ میری بے انصافی ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَاِنَّمَا لِامْرِئٍ مَّا نَوٰى [1] مطلب یہ ہے کہ شرعی کاموں میں دل کا ارادہ

[1] صحیح بخاری ص ۲ ج ۱ باب کیف کان بدء الوحی الخ۔

قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ

بولے اے نوح تو ہم سے جھگڑا اور بہت جھگڑ چکا اب لے آ جو وعدہ دیتا ہے ہم کو اگر

كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَ

تو ہے سچا بولا کہ لاوے گا اس کو اللہ ہی اگر چاہے گا اور

مَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ

تم نہ تھکا دو گے بھاگ کر اور نہ کام کرے گی تم کو میری نصیحت جو میں چاہوں کہ تم کو نصیحت کروں

اور نیت اصل ہے اوپرے دل سے دنیا کے دکھاوے کو جو کام کیا جاوے گا وہ بیکار ہے اور جو خالص عقبیٰ کے ثواب کی نیت سے کیا جاوے گا وہ عقبیٰ کے اجر کے قابل ہے مگر یہ دل کے ارادے اور نیت کا حال سوا اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو معلوم نہیں چنانچہ طبرانی اور مسند بزار کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی صحیح حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن جب ہر طرح لوگوں کے اعمال نامے کھولے جاویں گے تو اللہ تعالیٰ اُن میں سے بعضے عملوں کو نامقبول فرمائے گا اس پر فرشتے عرض کریں گے یا اللہ ظاہری طور پر تو ان عملوں میں کوئی خرابی معلوم نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ فرماوے گا انسان کے دل کا حال سوائے میرے اور کسی کو معلوم نہیں مجھ کو خوب معلوم ہے کہ یہ عمل خالص نیت سے نہیں کئے گئے[1] نوح علیہ السلام کے جواب کے آخری ٹکڑے کی یہ حدیثیں گویا تفسیر ہیں۔

۳۲ — ۳۴ — جب نوح علیہ السلام کی قوم نے اپنے ہر ایک سوال کا پورا جواب پایا تو کہنے لگے کہ اے نوح ہم تم سے ہر طرح بحث کر کے تھک گئے کوئی حجت ہماری پیش نہ چلی اب تو جس عذاب کا تم ہم کو خوف دلاتے ہو اگر تم سچے ہو تو وہ عذاب نازل کراؤ اس کا جواب نوحؑ نے دیا کہ یہ میرے بس کا کام نہیں ہے خدا کے ہاتھ ہے اگر وہ عذاب جلدی بھیجنا چاہے گا تو کوئی اس کو روک نہیں سکتا اور اگر اُس کی حکمت دیر کی مقتضی ہے تو دیر میں نازل ہوگا اگر تم چاہو کہ ہم بچ جائیں سو یہ بخیر ہے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ تم یا اور کوئی اس کو عاجز کر دے یا تم کہیں بھاگ کر چلے جاؤ اور بچ جاؤ اور میری نصیحت بھی تم کو کچھ فائدہ مند نہیں ہو سکتی میں ہزار چاہوں کہ تم کسی طرح ایمان لاؤ اور اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں تمہاری گمراہی ٹھہر چکی ہو تو مجھ سے کچھ نہیں ہو سکتا وہ تمہارا رب ہے اُسی نے تم کو پیدا کیا وہی تمہیں دنیا میں زندہ رکھتا ہے وہی تمہاری پرورش کرتا ہے اسی کے ہاتھ میں ہدایت اور گمراہی ہے اُسی کی طرف تمہیں پھر جانا ہے وہاں تمہارے اعمال کا بہت اچھی طرح بدلہ ملے گا۔ سورت انفال میں گذر چکا ہے کہ مشرکین مکہ جب کسی حجت میں غالب نہ آسکے تو انہوں نے بھی عذاب کے آجانے کی خواہش کی تھی صحیح بخاری کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی یہ حدیث بھی گذر چکی ہے کہ ابو جہل نے یہ عذاب کی خواہش کی تھی[2] اور سب مشرک اُس کے ہم خیال تھے حاصل یہ ہے کہ قوم نوح اور قریش کی عذاب کی خواہش کے ملانے سے یہ نتیجہ نکلا کہ یہ آسمانی کتابوں اور اللہ کے رسولوں کے منکر لوگ عذاب الٰہی کے وعدہ کو سچا نہیں جانتے تھے اس لئے جب یہ لوگ زبانی حجتوں میں لاجواب ہو جاتے تھے تو بے دھڑک عذاب کی خواہش ان کی زبان پر آجاتی تھی صحیح بخاری مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم الٰہی میں جو شخص دوزخی ٹھہر چکا ہے

[1] تفسیر ہذا جلد سوم ص ۵۔ [2] صحیح بخاری ص ۶۷۱ ج ۲ باب قولہ تعالیٰ ان کان ہو ہذا ہو الحق الخ۔

لَكُمْ إِنْ كَانَ اللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يُغْوِيَكُمْ هُوَ رَبُّكُمْ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۳۴﴾

اگر اللہ چاہتا ہوگا کہ تم کو بے راہ چلا دے وہی ہے رب تمہارا اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَيَّ إِجْرَامِي وَأَنَا بَرِيءٌ

کیا کہتے ہیں بنا لایا قرآن کو تو کہہ اگر میں بنا لایا ہوں تو مجھ پر ہے میرا گناہ اور میرا ذمہ نہیں

مِمَّا تُجْرِمُونَ ﴿۳۵﴾

جو تم گناہ کرتے ہو

دنیا میں پیدا ہونے کے بعد وہ ویسے ہی کام کرتا ہے اور یہ بھی گذر چکا ہے کہ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِي إِنْ أَرَدْتُ أَنْ أَنْصَحَ لَكُمْ إِنْ كَانَ اللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يُغْوِيَكُمْ کی حضرت علیؓ کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے۔

۳۵۔ اس آیت میں اس بات کا اختلاف ہے کہ یہ آیت نوح علیہ السلام کی قوم کی شان میں ہے یا حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار کہا کرتے تھے۔ بعضے مفسروں نے یہ کہا ہے کہ جو کچھ نوح علیہ السلام کی قوم حضرت نوح پر اعتراض کیا کرتی تھی وہی اعتراض کفار کہ بھی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کرتے تھے مگر یہ قول صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ نوح علیہ السلام کو کوئی کتاب نہیں ملی تھی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید نازل ہوا تو کفار کہ کہنے لگے کہ یہ قرآن انہوں نے اپنے جی سے گھڑ لیا ہے خدا نے نہیں اتارا ہے اس کا جواب اللہ جل شانہ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا کہ ان سے کہو کہ یہ قرآن اگر ہم خود بنا کر کہتے ہیں تو اس کا جرم ہم پر ہے اور تم جو جھٹلاتے ہو تو اس سے بھی میں بری ہوں اور بعضے مفسروں نے یہ بیان کیا ہے کہ اس آیت کو بھی حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ سے تعلق ہے جب ان کی قوم ہر ایک بات میں ہار گئی اور کوئی حجت نہ چلی تو کہنے لگے تم پر وحی وغیرہ کچھ بھی نہیں آتی ہے تم جھوٹ کہتے ہو کیوں کہ تمہارے پاس سند تو ہے نہیں جس سے تم خدا کے رسول سمجھے جاؤ تو یہ جواب اللہ کی طرف سے نوح علیہ السلام کو بتلایا گیا کہ کہہ دو اگر میں جھوٹ کہتا ہوں گا تو اس کا گناہ مجھ پر ہے اور تم جو مجھ پر تہمت جھوٹ کی دھرتے ہو میں اس سے بالکل الگ ہوں حاصل کلام جب نوحؑ کی قوم ایمان نہیں لائی تو ان کو حکم ہوا کہ ان کے واسطے بددعا کرو حضرت نوحؑ نے بددعا کی کہ اے رب زمین پر کسی کافر کا گھر بسنے والا نہ چھوڑ تو یہ آگے کا حکم آیا تفسیر مقاتل میں اسی کو ترجیح دی ہے کہ حضرت نوح کے قصہ میں یہ آیت قریش کی شان میں ہے معتبر سند سے مستدرک حاکم میں حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ جو مشرکین مکہ میں بڑا لسان اور شاعر تھا قرآن کی آیتیں سن کر اس نے یہ کہا کہ یہ کلام آدمی اور جنات کے کلام سے انوکھا ایک کلام ہے مگر پھر ابو جہل کے بہکانے سے ولید یہ کہنے لگا کہ قرآن میں یہ انوکھی تاثیر جادو کے سبب سے ہے اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب تم میں کا ولید بن مغیرہ جیسا شخص قرآن کو آدمی کے کلام سے انوکھا بتلاتا ہے تو محمد ان پڑھ آدمی پر قرآن کے بنانے کا جھوٹا الزام جو لگاتے ہو ایک دن اس جھوٹے الزام کے وبال میں پکڑے جاؤ گے اور اس وقت تم کو کھل جاوے گا کہ میں اس جھوٹے الزام سے بری تھا۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی حدیث گذر چکی ہے کہ ان جھوٹا الزام لگانے والوں میں کے اکثر آدمی بدر کی لڑائی میں مارے گئے اور اللہ کے رسول نے ان کی لاشوں پر کھڑے ہو کر یہ فرمایا

ل صحیح بخاری ص ۷۳۰ ج ۲ تفسیر سورہ واللیل اذا یغشی ۲ مستدرک حاکم ص ۵۰۷ ج ۲ تفسیر سورہ مدثر۔

وَأُوحِيَ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَن يُؤْمِنَ مِن قَوْمِكَ إِلَّا مَن قَدْ آمَنَ فَلَا

اور حکم ہوا طرف نوح کے اب ایمان نہ لاوے گا تیری قوم میں مگر جو ایمان لا چکا سو

تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا

غمگین نہ ہو ان کاموں پر جو کر رہے ہیں اور بنا کشتی روبرو ہماری اور ہمارے حکم سے

کہ اب تو تم لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو سچا پا لیا۔ اوپر یہ جو ذکر تھا کہ ایک دن یہ لوگ جھوٹے الزام میں پکڑے جاویں گے اور اُس وقت ان لوگوں کو معلوم ہو جاوے گا کہ یہ لوگ جھوٹے تھے اور اللہ کے رسول ان کے جھوٹے الزام سے بالکل بری تھے اِس کی حقیقت اِس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے۔

۳۶-۳۷- جب قوم نوحؑ نے عذاب کی جلدی کی اور حضرت نوحؑ کو بہت ستانا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نوحؑ اب تمہاری قوم میں سے کوئی ایمان نہیں لانے کا جتنا ایمان لا چکے وہ لا چکے آیندہ اب کسی سے ایمان لانے کی امید نہیں تم ان کی کسی بات کا غم نہ کرو جو یہ کرتے ہیں کریں تم ایک کشتی طیار کرو ہم وحی کے ذریعہ سے کشتی کے بنانے کا ڈھنگ تمہیں بتاتے ہیں اور ان ظالموں کے باب میں سفارش کے طور پر بارگاہِ الٰہی میں کچھ نہ کہو یہ سب ڈوبنے والے ہیں قتادہ کا قول ہے کہ حضرت نوحؑ کی کشتی تین سو گز لمبی تھی ابن عباسؓ فرماتے ہیں بارہ سو گز لمبی اور چھ سو گز چوڑی تھی کسی نے یہ بھی کہا ہے کہ دو ہزار گز لمبی اور سو گز چوڑی تھی مگر سب کا اس بات میں اتفاق ہے کہ بلندی میں وہ کشتی تیس گز تھی اُس کشتی میں تین درجے تھے ہر درجہ دس گز کا تھا نیچے کا درجہ چار پائے گائے بیل بھینس وغیرہ کی قسم میں سے جانوروں کے واسطے اور بیچ کا درجہ آدمیوں کے لئے اور اوپر کا درجہ پرندوں کے لئے بنایا تھا کشتی کی چوڑائی میں ایک دروازہ بھی تھا اور ایک سرپوش تھا کشتی کے اوپر ڈھانپنے کو تاکہ کثرت سے مینہ جو برس رہا تھا اس کے صدمہ سے کشتی والے محفوظ رہیں حافظ ابو جعفر ابن جریر عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین میں سے ایک شخص نے حضرت عیسیٰؑ سے کہا کہ کبھی ایسے شخص کو آپ زندہ کریں جس نے حضرت نوحؑ کی کشتی اپنی آنکھوں سے دیکھی ہو وہ ہم سے اس کا حال بیان کرے حضرت عیسیٰؑ ان لوگوں کو اپنے ساتھ لئے ہوئے ایک ٹیلہ پر پہنچے اور تھوڑی سی مٹی اٹھا کر اپنے ساتھیوں سے پوچھا تم لوگ جانتے ہو یہ کون شخص ہے لوگوں نے کہا خدا اور خدا کا رسول جانتے ہمیں کیا خبر حضرت عیسیٰؑ نے کہا یہ حضرت نوحؑ کے بیٹے حام کی پنڈلی کی مٹی ہے اور عصا سے ٹیلہ کو مار کر کہا خدا کے حکم سے کھڑا ہو جا جس وقت وہ اٹھا تو اُس کے سر کے بال بالکل سفید تھے حضرت عیسیٰؑ نے پوچھا کیا تو اسی عمر میں ہلاک ہوا تھا اُس نے کہا نہیں جب میں مرا تھا تو جوان تھا اس وقت میں نے یہ گمان کیا کہ قیامت آگئی اس لئے اس خوف سے میں بوڑھا ہو گیا پھر اس سے کشتی کا حال پوچھا گیا تو بیان کیا وہ کشتی بارہ سو گز کی لمبی اور چھ سو گز کی چوڑی تھی اس میں تین طبقے تھے نیچے چار پائے بیچ میں آدمی اوپر پرندے جب چار پایوں کی لید کی کثرت ہوئی تو خدا نے وحی بھیجی کہ اے نوح ہاتھی کی دم دباؤ اُس کی دم دبانے سے ایک جوڑا سور کا پیدا ہو گیا جس نے لید وغیرہ کا صفایا کیا جب چوہے بہت ہو گئے اور کشتی کی لکڑی اور رسیاں کترنے لگے تو اللہ کا حکم ہوا کہ شیر کی دونوں آنکھوں کے درمیان میں ہاتھ مارو اس سے ایک

[1] صحیح بخاری ص ۵۶۶ باب قتل ابی جہل ۔ [2] تمام احوال کے لئے دیکھئے تفسیر ابن کثیر ص ۴۴۴ ج ۲ ۔

وَلَا تُخَاطِبْنِىْ فِى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۟ وَ

اور مت بول مجھ سے ظالموں کے واسطے یہ البتہ غرق ہوں گے اور وہ کشتی بناتا تھا اور

كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ۭ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا

جب گزرتے تھے اس پر سردار اس کی قوم کے ہنسی کرتے اس سے بولا اگر تم ہنستے ہو ہم سے تو ہم

جوڑا ہی کا پیدا ہوا جس نے چوہوں کو کھانا شروع کر دیا پھر حضرت عیسےٰ نے پوچھا نوحؑ کس طرح سمجھے کہ سارا شہر ڈوب گیا اس نے کہا کہ ایک کوّے کو بھیجا تھا کہ خبر لائے مگر وہ ایک مردار پر جھک پڑا اس کے لئے حضرت نوحؑ نے بددعا کی تھی اسی لئے وہ گھروں میں رہنا پسند نہیں کرتا خوف زدہ ہو کر آدمیوں سے بھاگتا ہے پھر کبوتر کو بھیجا وہ جا کر چونچ میں ایک پتہ زیتون کا اور تھوڑی سی مٹی پنجے میں دبا کر لایا اس سے سمجھا کہ سب ہلاک ہو گئے آپ نے کبوتر کے واسطے دعا کی تھی وہ گھروں میں رہتا ہے اور آدمیوں سے نہیں بھاگتا پھر حواریین نے کہا یا حضرت اس شخص کو ہمارے گھر لے چلئے وہاں چل کے یہ سارا اور باتی کا حال بیان کرے گا حضرت عیسےٰ نے کہا جس کا رزق اب دنیا میں نہیں ہے وہ کیوں کر تمہارے ساتھ چل سکتا ہے پھر حضرت عیسےٰؑ نے کہا خدا کے حکم سے پھر ویسا ہی ہو جا جیسا تھا وہ خاک کا ٹیلہ ہو گیا۔ حافظ ابن کثیر نے عبد اللہ بن عباس کی اس روایت کو غریب قرار دیا ہے[1] کوئی اکیلا مقبول راوی کسی حدیث کی سند میں ہو تو اس حدیث کو غریب کہتے ہیں اور اگر اس اکیلے مقبول راوی کی روایت کسی ثقہ راوی کے مخالف بھی ہو تو اس کو شاذ کہتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس کی اس حدیث کے راوی حافظ ابن کثیر کے نزدیک مقبول تو ہیں مگر اس روایت میں اکیلے ہیں اور ان کی روایت کسی ثقہ راوی کے مخالف نہیں ہے اس لئے غریب ہے شاذ نہیں ہے[2]۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے عبد اللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا میں جو کچھ ہونے والا تھا اللہ تعالےٰ نے وہ سب لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے[3] صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث بھی گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم الٰہی کے موافق جو لوگ دنیا میں پیدا ہونے اور مرنے کے بعد دوزخی ٹھہرے ہیں وہ دنیا میں کام بھی ویسے ہی کرتے ہیں[4] ان حدیثوں کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قوم نوح میں سے جس قدر آدمیوں کا راہ راست پر آنا لوح محفوظ میں لکھا گیا تھا جب ان آدمیوں کی گنتی پوری ہو گئی تو اللہ تعالےٰ نے نوح علیہ السلام کو حکم بھیج دیا کہ اب اس قوم میں سے اور کوئی نیا شخص راہ راست پر نہ آوے گا اور نوح علیہ السلام کو یہ بھی جتلا دیا کہ ان لوگوں کے بے ڈھنگے کاموں سے کچھ غمگین نہ ہونا چاہیے یہ لوگ علم الٰہی میں دنیا اور عقبیٰ کے عذاب کے قابل ٹھہر چکے ہیں اس لئے مرتے دم تک یہ ایسے بے ڈھنگے کام کریں گے۔

۳۸-۳۹- جب حضرت نوحؑ کشتی بنا رہے تھے تو لوگ آتے جاتے کشتی بناتے دیکھ کر مسخراپن کرتے تھے کبھی کہتے تھے نبی بن کر اب کیا بڑھئی بن گئے کبھی کہتے تھے کہ کہیں پانی کا تو پتہ بھی نہیں ہے یہ خشکی میں کس طرح کشتی چلاؤ گے اور اس بات کو بھی ہنسی سمجھتے تھے جو

---

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۴۴۴ ج ۲ [2] حافظ ابن کثیرؒ کی ایسے مواقع پر محدثین کی اصطلاح غریب مراد نہیں ہوتی بلکہ عجیب اور اجنبی روایت مراد ہوتی ہے مطلب یہ کہ ان کی غرض تنقید و تضعیف ہے (واللہ اعلم) (ع ، ر) [3] صحیح مسلم ص ۳۳۵ ج ۲ باب حجاج آدم و موسیٰ علیہما السلام۔ [4] صحیح بخاری ص ۷۳۸ ج ۲ تفسیر سورۃ واللیل اذا یغشیٰ۔

نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ﴿٣٨﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ

ہنستے ہیں تم سے جیسے تم ہنستے ہو اب آگے جان لوگے کہ کس پر آتا ہے عذاب

يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُقِيمٌ ﴿٣٩﴾

کہ رسوا کرے اس کو اور اترتا ہے اس پر عذاب ہمیشہ کا

حضرت نوحؑ ان سے کہتے تھے کہ عنقریب تم لوگ ڈوبنے والے ہو وہ کہتے تھے کہ یہ کیوں کر ممکن ہے کہ کوئی خشکی میں ڈوبے گا حضرت نوحؑ بھی ان پر ہنستے تھے کہ یہ لوگ مجھ پر ہنس رہے ہیں مگر عنقریب ڈوب کر ہلاک ہونے والے ہیں مفسروں نے یہاں یہ بیان کیا ہے کہ وہ کشتی سال کی لکڑی کی تھی حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں دو سو برس میں بنی تھی۔ توریت میں مذکور ہے کہ صنوبر کی لکڑی کی تھی مگر اس بات میں کوئی صحیح روایت نہیں ہے پھر نوح علیہ السلام نے کہا کہ اب قریب میں تم لوگ جان لوگے کہ کون عذاب آنے سے رسوا ہوتا ہے اور کس پر ہمیشہ ہمیشہ کا عذاب ہوگا مطلب یہ ہے کہ تم لوگ دنیا میں تو ڈوب کر ہلاک ہوگے اور آخرت میں ہمیشہ کے لئے دوزخ کا عذاب بھگتو گے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں نوح علیہ السلام اپنی قوم میں ہزار برس تک رہے اور ساڑھے نو سو برس وہ اپنی قوم کو خدا کی طرف بلاتے رہے ان کے آخر زمانہ میں ایک بہت بڑا درخت ہوا اور ہر طرف اس کی شاخیں پھیل گئیں تو نوح علیہ السلام نے اس کو کاٹ کر کشتی کا سامان شروع کیا ان کی قوم دیکھ کر ہنستی تھی کہ خشکی میں کیوں کر کشتی چلے گی وہ کہتے تھے اب معلوم ہو جائے گا جب کشتی تیار ہو چکی تو اک بارگی زمین ابل پڑی اور ہر کوچہ و بازار میں پانی ہی پانی نظر آنے لگا سب ڈوبنے لگے تو ایک عورت کو بہت خوف ہوا اس کا ایک ننھا سا بچہ تھا وہ اسے بہت چاہتی تھی وہ اسے لے کر پہاڑ پر چڑھ گئی جب وہاں بھی پانی آگیا تو بالکل اوپر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئی جب پانی اس کے گلے تک پہنچا تو اس نے اپنے دونوں ہاتھوں پر بچے کو اوپر اٹھا لیا مگر کچھ بس نہ چل سکا پانی اس کو بہا لے گیا اگر اللہ پاک کسی پر رحم کھاتا تو اس وقت اسی عورت پر رحم کھاتا یہ روایت مستدرک حاکم وغیرہ میں ہے اور ذہبی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے[1] لیکن یہ روایت تفسیر ابن ابی حاتم میں بھی ہے[2] اور ابن ابی حاتم نے صحت روایت کی پابندی ابن جریر اور حاکم سے زیادہ کی ہے اس لئے اس روایت کو بالکل ضعیف نہیں کہا جا سکتا صحیح سند سے ترمذی طبرانی اور مستدرک حاکم میں ابی بکرہؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا وہ آدمی ہے جس کی عمر بڑی ہو اور اس کے عمل نیک ہوں اور برا وہ آدمی ہے جس کی عمر بڑی ہو اور اس کے عمل بد ہوں[3] مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جزا و سزا نیک و بد عملوں کے موافق ہوگی اس لئے جس نیک عمل والے آدمی نے بڑی عمر پا کر نیک عمل بڑھائے اس کی جزا بڑھ گئی اور وہ اچھا رہا اور جس بد عمل والے آدمی نے بڑی عمر پا کر بد اعمال بڑھائے ویسے اس کی سزا ہوگی اس لئے وہ برا رہا اس حدیث سے آیتوں کی یہ تفسیر ٹھہری کہ کشتی کی تیاری کے سبب سے طوفان کے آنے میں جس قدر دیر ہوئی یہ زمانہ بھی قوم نوح کے حق میں ایک عذاب کا زمانہ تھا کیونکہ اس قدر عمر کے حصہ میں انہوں نے اللہ کے نبی نوح علیہ السلام سے مسخراپن کر کے اپنی بداعمالی اور اس کی سزا کو اور بڑھا لیا فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ سے آخر آیت

[1] مستدرک مع تلخیص حافظ ذہبی ص ۳۴۲ ج ۲ [2] تفسیر الدر المنثور ص ۳۲۷ ج ۳ [3] تفسیر فتح البیان ص ۴۲۵ ج ۲ [4] جامع ترمذی ص ۵۶ ج ۲ باب ما جاء فی طول العمر للمومن [5] تفسیر ہذا جلد دوم ص ۲۷۱۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ

یہاں تک کہ جب پہنچا حکم ہمارا اور جوش مارا تنور نے کہا ہم نے لادے اس میں ہر قسم سے جوڑا

اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ

دو ہرا اور اپنے گھر کے لوگ مگر جس پر پہلے پڑ چکی بات اور جو ایمان لایا ہو اور ایمان نہیں لائے تھے

مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۴۰﴾

ساتھ اُس کے مگر تھوڑے

تک اس مطلب کو بیان فرمایا گیا ہے کہ تم لوگ ہنستے کیا خاک ہو تمہارے رونے کے دن تو آگے آنے ہیں ابن ماجہ مستدرک حاکم اور مسند ابی یعلیٰ کے حوالہ سے انس بن مالک اور عبداللہ بن قیس کی روایتیں گذر چکی ہیں کہ دوزخی لوگ دوزخ میں یہاں تک روئیں گے کہ اُن کے آنسوں میں کشتی چلائی جاوے تو چل نکلے حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا یہی ان لوگوں کے رونے کے دن تھے جو آگے آئے۔

۔ہم جب نوح علیہ السلام کشتی بنانے سے فارغ ہو گئے اور تنور ابل پڑا تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ جو جو جانور انسان کی زندگی میں فائدہ دینے والے ہیں یا جن کا باقی رکھنا دنیا میں منظور تھا ان کا ایک ایک جوڑا لے لو اور بعضوں نے درختوں کو بھی لکھا ہے کہ اُن کے لینے کا بھی حکم ہوا تھا اور بعضوں کا قول ہے کہ جب کشتی میں گدھا چڑھنے لگا تو شیطان نے اُس کی دم پکڑ لی وہ چڑھ نہ سکا کئی دفعہ کوشش کی اٹھا بیٹھا آخر حضرت نوحؑ نے گدھے سے کہا کہ شیطان کشتی کے اندر آجا اس لئے گدھا معہ ابلیس کے کشتی میں داخل ہو گیا بعضوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ کشتی والوں نے یہ کہا کہ یہاں شیر بھی ہے چار پائے کیوں کر امن سے رہیں گے اس واسطے خدا نے شیر کو بخار میں مبتلا کر دیا اور پہلے دنیا میں تپ اسی سے شروع ہوئی اس سے پہلے بخار کا نام و نشان بھی نہ تھا پھر لوگوں نے کہا کہ یہ چوہے کھانے پینے کی چیزوں کا نقصان کر دیں گے خدا کا حکم ہوا شیر کو چھینک آئی اور ایک بلی پیدا ہوئی جس کو دیکھ کر چوہے دبک گئے تنور کی تفسیر میں بہت اختلاف ہے لیکن حافظ ابو جعفر ابن جریر نے تنور کے مشہور معنے کو ترجیح دی ہے یہ تنور نوح علیہ السلام کے گھر میں تھا اور اس میں سے پانی کا ابلنا طوفان کی نشانی ٹھہرا تھا حاصل یہ ہے کہ زمین و آسمان ہر جگہ سے پانی نکلا امام رازی کہتے ہیں کہ یہ جو روایت مشہور ہے کہ ابلیس بھی کشتی میں داخل ہو گیا تھا کچھ سمجھ میں نہیں آتی اس لئے کہ اُس کا جسم ناری یا ہوائی ہے پانی سے اُس کو بھاگنے کی ضرورت نہیں ہے اور آیت سے بھی اس کے بارہ میں کچھ معلوم نہیں ہوتا اور نہ کسی صحیح حدیث میں اس کا ذکر ہے پھر فرمایا کہ اپنے رشتہ داروں زن و فرزند کو بھی ساتھ لے لو مگران میں سے اپنی بیوی کنعان کی ماں کو اور کنعان کی بیوی کو ساتھ نہ لینا کیوں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائے تھے اپنی قوم کے دین پر تھے اس واسطے ان کے حق میں ظلم تھا کہ یہ ڈوب جاویں گے پھر فرمایا کہ جو لوگ ایمان لے آئے ہیں تمہاری قوم میں سے ان کو بھی اپنے ساتھ لے لو اور یہ لوگ جو ایمان لائے تھے بہت ہی کم لوگ تھے قتادہ کہتے ہیں کہ یہ آٹھ آدمی تھے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ اسی آدمی تھے اور یہی قول صحیح معلوم ہوتا ہے کیوں کہ جب لوگ کشتی سے اترے

لہ الترغیب ص ۲۲۴ ج ۲ فصل فی بکائہم و تہقیم ۳؎ مستدرک حاکم ص ۶۰۵ ج ۴ صفتہ بکاء اہل النار ۳؎ تفسیر ابن کثیر ص ۴۴۵ ج ۲ ۴؎ تفسیر ابن جریر ص ۴۰ ج ۱۲۔

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۱﴾

اور بولا سوار ہو اس میں اللہ کے نام سے ہے اس کا بہنا اور ٹھہرنا تحقیق میرا رب ہے بخشنے والا مہربان

وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۣ وَنَادٰي نُوْحُۨ ابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ

اور وہ لئے بہتی ہے ان کو لہروں میں جیسے پہاڑ اور پکارا نوح نے اپنے بیٹے کو اور وہ ہو رہا تھا

مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ سَاٰوِيْٓ

کنارے اے بیٹے سوار ہو ساتھ ہمارے اور مت رہ ساتھ منکروں کے کہا میں لگ رہوں گا

تھے تو ایک بستی بسائی جس کا نام قریتہ الثمانین رکھا گیا یہ بستی اب تک موصل کے اطراف میں موجود ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن مجھ کو امید ہے کہ اور انبیاءؑ سے میرے پیرو زیادہ ہوں گے۔ اس حدیث کو وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تمام امتوں میں سے تھوڑے لوگوں کا ایمان لانا کچھ نوح علیہ السلام پر منحصر نہیں ہے بلکہ قیامت کے دن خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور سب انبیاءؑ کے پیرو تھوڑے ہوں گے لیکن امت محمدیہ کو چاہیئے کہ وہ ریاکاری اور بدعت میں گرفتار ہو کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس امید میں خلل نہ ڈالیں کیوں کہ مسند امام احمد وغیرہ کے حوالہ سے محمود بن لبیدؓ کی صحیح حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے دکھاوے کے عمل کو چھوٹا شرک فرمایا[1] ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پورے مشرک لوگ ظاہر میں سوا اللہ کے بتوں کی پرستش کرتے ہیں اور ریاکار لوگ اگرچہ بظاہر اللہ کی عبادت کرتے ہیں لیکن اُن کی نیت میں دنیا کے دکھاوے کا میل ہوتا ہے اور یہی چھوٹا شرک ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت عائشہؓ کی حدیث بھی ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بغیر سند شرعی کے جو عمل دین میں نکالا جاوے گا وہ بدعت ہے اور ایسا بدعت کا عمل نامقبول[2] ہے ان حدیثوں سے معلوم ہو گیا کہ دین کے جس کام میں دنیا کے دکھاوے یا بدعت کا دخل ہو گا اس عمل سے اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں ضرور خلل پڑے گا جس خلل سے اللہ کے رسول کی اس امید میں بھی ضرور خلل پڑ جاوے گا جس امید کا ذکر اوپر گذرا۔

۴۱ – ۴۳۔ پھر نوح علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ بسم اللہ کشتی میں سوار ہو جاؤ خدا کے نام کی برکت سے یہ کشتی پانی پر چلے گی اور اس کے نام سے ٹھہرے گی میرا رب بڑا غفور الرحیم ہے ہم پر رحم کھا کر بخشش کی اور کافروں کو ہلاک کیا۔ تفسیر ضحاک میں ہے کہ نوح علیہ السلام جب چاہتے تھے کہ کشتی چلے تو بسم اللہ کہتے تھے کشتی چلنے لگتی تھی اور جب چاہتے تھے کہ تھم جاوے بسم اللہ کہہ دیتے تھے تھم جاتی تھی اسی واسطے ہر کام کے شروع میں بسم اللہ کا کہنا مستحب ہے ناقابل اعتراض سند سے مسند ابی یعلی اور طبرانی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت جب کشتی میں سوار ہونے کے وقت بِسْمِ اللّٰهِ الْمَلِكِ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (۳۹: ۶۷) اور بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

[1] صحیح مسلم ص ۹۷ ج ۱ باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم و مشکوٰۃ ص ۵۱۱ – ۵۱۲ باب فضائل سید المرسلین۔ [2] مشکوٰۃ ص ۴۵۴ باب الریا والسمعۃ [3] مشکوٰۃ ص ۲۷ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ

إِلَىٰ جَبَلٍ يَعْصِمُنِي مِنَ الْمَاءِ ۚ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَن

کسی پہاڑ کو کہ بچا لے گا مجھ کو پانی سے بولا کوئی بچانے والا نہیں آج کے دن اللہ کے حکم سے مگر جس پر وہ

رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِينَ ﴿٤٣﴾

مہر کرے اور بیچ آ گئی دونوں میں موج پھر ہو گیا ڈوبنے والوں میں

کہیں بچ گئے تو ڈوبنے سے محفوظ رہیں گے اب آگے پانی میں اس کشتی کے بہنے کی کیفیت بیان فرمائی کہ اس طرح بہتی پھرتی تھی جیسے پہاڑ بلکہ اونچے سے اونچے پہاڑ سے بھی چالیس گز بلندی پر تیرتی تھی پھر نوح علیہ السلام نے اپنے چھوٹے بیٹے یام کو جس کا دوسرا نام کنعان بھی تھا اور وہ کنارے پر کھڑا تھا آواز دی کہ بیٹا تو بھی ایمان لا کر کشتی میں میرے پاس چلا آ اور کافروں کا ساتھ نہ دے نہیں تو تو بھی ڈوب جائے گا اس نے نہ مانا اور جواب دیا کہ میں پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاؤں گا وہاں پانی سے پناہ مل جائے گی اور ڈوبنے سے بچ جاؤں گا وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ پانی کیا پہاڑ سے بھی اوپر تک آ جاوے گا اور بعضوں نے کہا ہے اس نے ایک ناؤ کانچ کی بنا رکھی تھی کہ جب سیلاب آئے گا تو میں اس پر سوار ہوں گا مگر یہ روایت درجہ صحت کو نہیں پہنچتی قرآن مجید میں تو فقط یہی مذکور ہے کہ اس نے پہاڑ پر پناہ لینے کو کہا پھر نوح علیہ السلام نے اس کو جواب دیا کہ پہاڑ کی کیا ہستی ہے آج کوئی کسی کو خدا کے عذاب سے پناہ نہیں دے سکتا ہاں جس پر خدا رحم کرے گا وہ بیشک نہیں ڈوبے گا جیسے اس کشتی والے بچ گئے پھر نوح اور ان کے بیٹے کے درمیان میں ایک ایسی موج آئی کہ اُن کے بیٹے کو بہا کر لے گئی اور وہ ڈوب گیا۔ سورہ زخرف میں اللہ تعالیٰ نے خشکی کی ہر طرح کی سواری اور کشتی کا ذکر فرما کر سواری کے وقت سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنقَلِبُونَ (۴۳: ۱۳) کے پڑھنے کی ہدایت فرمائی ہے معتبر سند سے ترمذی ابوداؤد نسائی میں حضرت علیؓ سے جو روایت ہے اس میں خشکی کی سواری کے وقت کا یہ ذکر بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سورت زخرف کی یہ آیت پڑھا کرتے تھے[1] سورت زخرف کی اس آیت کا حاصل مطلب ہے کہ یہ اللہ ہی کی قدرت ہے کہ اس نے ان سواریوں کو ہمارے قبضہ میں کر دیا ورنہ یہ بات ہماری طاقت سے باہر تھی اور جس طرح اب ہم ان سواریوں پر چڑھے پھرتے ہیں اسی طرح ایک دن چار آدمیوں کے کندھے پر ہمارا جنازہ جائے گا۔ بعضے سلف کا قول ہے کہ خشکی کی سواری اور کشتی کی سواری دونوں سواریوں کے وقت سورت زخرف کی یہ آیت پڑھنی چاہئے اور سورت زخرف کی آیتوں سے اس قول کی تائید بھی ہوتی ہے کیوں کہ ان آیتوں میں دونوں سواریوں کا ذکر ہے فقط اتنی بات ہے کہ دریائی سفر کا موقع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زیادہ پیش نہیں آیا اس لئے اس بات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی عملی روایت نہیں ہے بعضے سلف کا یہ قول ہے کہ کشتی کی سواری کے وقت سورت ہود کی آیت اور خشکی کی سواری کے وقت سورت زخرف کی آیت پڑھی جاوے لیکن بہتر یہ ہے کہ کشتی کی سواری کے وقت دونوں آیتوں کو پڑھا جاوے تاکہ سورت زخرف کی آیتوں اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث دونوں پر عمل ہو جاوے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث گذر چکی ہے کہ علم الٰہی کے موافق جو لوگ دوزخ کے قابل ٹھہر چکے ہیں وہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد ویسے ہی کام کرتے ہیں اور

---

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۴۴۶ ج ۲ و مجمع الزوائد ص ۱۳۲ ج ۱۰ لیکن یہ کہا ہے کہ اس کی سند میں نہشل راوی متروک ہے [2] مشکوٰۃ ص ۲۱۴ باب الدعوات فی الاوقات

وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ

اور حکم آیا اے زمین نگل جا اپنا پانی اور اے آسمان تھم جا اور سکھا دیا پانی اور ہو چکا کام

وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾

اور کشتی ٹھہری جودی پہاڑ پر اور حکم ہوا کہ دوری ہو ان لوگوں بے انصاف کو

وہی کام اُن کو اچھے نظر آتے ہیں اس حدیث کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب طوفان کا پانی کثرت سے پھیل چکا تھا اور موجیں آرہی تھیں اسی خوف کے وقت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کنعان کو وہ نیک صلاح دی جس کا ذکر ان آیتوں میں ہے لیکن علم الٰہی کے موافق کنعان کے حق میں جو کچھ ٹھہر چکا تھا آخر کنعان کی نظر میں وہی کفر کی حالت کا مرنا اچھا معلوم ہوا اسی طرح کا قصہ ابوطالب کا صحیح بخاری مسلم وغیرہ میں ہے کہ ابوطالب کے آخری وقت پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کو اسلام قبول کر لینے کی نیک صلاح دی مگر ابوطالب نے وہ صلاح نہیں مانی۔[2]

۴۴۔حاصل مطلب یہ ہے کہ جب سب کفار ڈوب گئے اور کوئی جاندار سوائے ان کشتی والوں کے نہ بچا تو اللہ تعالیٰ نے آسمان کو یہ حکم دیا کہ اب پانی نہ برسا تھم جا اور زمین کو یہ حکم دیا کہ تو نے جتنا پانی اُگلا ہے نگل جا خدا کا حکم پورا ہو چکا سب کفار ہلاک ہو گئے مینہ تھم گیا اور پانی سوکھ چلا تو کشتی اپنے سواریوں کو لئے ہوئے جودی پہاڑ پر آ لگی اور فرمایا کہ ساری قوم ظالموں کی خدا کی رحمت سے دور ہو گئی جس کا مطلب یہ ہے کہ سب کے سب ہلاک ہو گئے طوفان نوحؑ میں کوئی شخص ان کشتی والوں کے سوا زندہ نہ بچا ساری دنیا ہلاک ہو گئی بعض لوگوں کا گمان ہے کہ بعض بعض شہر طوفان سے بچ گئے تھے لیکن یہ غلط ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ کی حدیث میں جو اوپر گذر چکا ہے کہ اگر اللہ پاک کسی پر رحم کھاتا تو اس وقت اسی بچے کی ماں پر رحم کھاتا[3] اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ساری دنیا ہلاک ہوئی علاوہ اس کے سارے اہل کتاب کیا یہود اور کیا نصاریٰ سب کا اتفاق اس بات پر ہے کہ نوحؑ آدم ثانی ہیں اور طوفان کے بعد جتنے بنی آدم ہیں سب نوحؑ کی اولاد میں ہیں قرآن مجید کا بھی یہی فیصلہ ہے وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ جس کا مطلب یہ ہے کہ طوفان کے بعد اولادِ نوحؑ ہی سے دنیا آباد ہوئی پھر یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ طوفان کی آفت سے کچھ ایسے شہر بچ گئے جن میں اولاد نوحؑ کے علاوہ اور لوگ آباد تھے جب نوح علیہ السلام کشتی سے اترے تو تھوڑے دنوں میں اور سب کشتی والوں کا انتقال ہو گیا فقط نوحؑ کے تینوں بیٹے باقی رہے جن سے نوح علیہ السلام کی نسل بڑھی اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نوح علیہ السلام کی ذریات کو دنیا میں ہم نے باقی رکھا جودی پہاڑ کے متعلق بھی مفسرین کا اختلاف ہے کوئی کہتا ہے کہ شہر موصل میں ایک پہاڑ ہے کوئی کہتا ہے ملک شام میں ہے کسی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اسی طور کا نام جودی بھی ہے جس پر حضرت موسےٰ کو نبوت ملی ہے مجاہد کہتے ہیں یہ پہاڑ ایک جزیرہ میں ہے سارے پہاڑ ڈوب گئے تھے مگر جودی بہ سبب اپنی خاکساری کے ڈوبنے سے محفوظ رہا اس پر کشتی آکر ٹھہری قتادہ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ایک مہینہ تک اس کے اوپر رہی پھر نیچے اتار دی گئی اور بہت دنوں تک بطور نشانی کے وہ کشتی باقی رہی

[1] صحیح بخاری ص ۷۳۰ ج ۲ تفسیر سورۃ والیل اذا یغشٰی [2] صحیح مسلم ص ۴۰ ج ۱ باب الدلیل علی صحۃ اسلام من حضرہ الموت الخ [3] جلد ہذا ص ۹۷ بحوالہ مستدرک حاکم۔

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ

اور پکارا نوح نے اپنے رب کو بولا اے رب میرا بیٹا ہے میرے گھر والوں میں اور تیرا وعدہ سچ ہے

وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ

اور تو سب سے بڑا حاکم ہے فرمایا اے نوح وہ نہیں تیرے گھر والوں میں اس کے کام

غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ

ہیں ناکارے سو مت پوچھ مجھ سے جو تجھ کو معلوم نہیں میں نصیحت کرتا ہوں تجھ کو کہ نہ ہو جاوے

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے پہلے لوگوں نے دیکھی ہے تفسیر ضحاک میں اسی کو ترجیح دی گئی ہے کہ جودی پہاڑ موصل کے پاس ہے سورت لقمان میں آوے گا کہ شرک سے بڑھ کر کوئی بے انصافی اور ظلم نہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو انسان کی سب ضرورت کی چیزوں کو پیدا کیا اس لئے انسان پر فقط اللہ تعالیٰ کی تعظیم واجب ہے بر خلاف اس کے جن لوگوں نے بغیر کسی استحقاق کے اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور عبادت میں غیروں کو شریک کیا تو ان لوگوں سے بڑھ کر کوئی ظالم اور ناانصاف نہیں حاصل کلام یہ ہے کہ اسی مطلب کے ادا فرمانے کے لئے قرآن شریف میں مشرک لوگوں کو ظالم فرمایا گیا ہے صحیح بخاری ومسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعری رض کی حدیث گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک وقت مقررہ تک ظالم لوگوں کو اللہ تعالیٰ مہلت دیتا ہے پھر جب ان لوگوں کو پکڑتا ہے تو بالکل انہیں برباد کر دیتا ہے[۱] یہ حدیث وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وقت مقررہ آنے سے پہلے یہ لوگ عذاب کی جلدی کرتے رہے مگر اللہ تعالےٰ کی طرف سے ڈھیل رہی جب وقت مقررہ پر گرفت ہو گئی تو سوا ان لوگوں کے جو شرک کے ظلم سے بچے ہوئے تھے اور ساری قوم غارت ہو گئی بلکہ قوم نوح کے علاوہ قوم عاد سے لے کر فرعون تک جو قومیں طرح طرح کے عذاب سے غارت ہوئیں ان سب کی حالت کی بھی یہ حدیث گویا تفسیر ہے۔

۴۵ – ۴۷ – جب نوح علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا کہ اے رب یہ کنعان میرا بیٹا ہے میرے اہل میں سے ہے اور تو نے وعدہ کیا تھا اور حکم دیا تھا کہ کشتی میں اپنی اہل کو بھی ساتھ لے لو اور تیرا وعدہ سچا ہوا کرتا ہے پھر یہ کیوں کر ڈوب گیا تو تو بڑا انصاف والا ہے حکم ہوا کہ اللہ نے تو ان لوگوں کے لئے وعدہ کیا تھا جو ایمان لائیں یہ لڑکا تو انہیں لوگوں میں تھا جن کے حق میں کہا گیا تھا کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے اور آخر کو ڈوب جاویں گے تمہیں مناسب نہیں ہے کہ جس بات کو نہ جانتے ہو اس کا سوال کرو مطلب یہ ہے کہ اللہ کی مرضی کے خلاف تمہیں سوال نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ خلاف مرضی سوال کرنا جاہلوں کا کام ہے پھر حضرت نوح نے بہت جلد خدا سے پناہ چاہی کہ میں ایسی بات پوچھوں جس کا علم مجھے نہ ہو اگر تو اس قصور کو جو لاعلمی میں مجھ سے ہوا ہے نہ بخشے گا تو میں اپنے عمل میں بہت گھاٹے میں رہوں گا حضرت عبداللہ بن عباس نے اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ کے ایک اور معنے بیان کئے ہیں کہ یہ نوح علیہ السلام کی طرف خدا کا اشارہ تھا کہ یہ سوال کرنا تمہارا ایسا عمل ہے جو قبول کرنے کے لائق نہیں ہے

[۱] صحیح بخاری ص ۶۷۸ ج ۲ باب قولہ تعالےٰ وکذلک اخذ ربک اذا اخذ القریٰ

مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ

تو جاہلوں میں بولا اے رب میں پناہ لیتا ہوں تیری اس سے کہ پوچھوں تجھ سے جو معلوم نہ ہو مجھ

عِلْمٌ ۭ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۴۷﴾ قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ

کو اور اگر تو نہ بخشے مجھ کو اور رحم نہ کرے تو میں ہوں خرابی والوں میں حکم ہوا اے نوح اتر

بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓي اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۭ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ

سلامتی کے ساتھ ہماری طرف سے اور برکتوں کے ساتھ تجھ پر اور کتنے فرقوں پر تیرے ساتھ والوں میں اور کتنے فرقوں کو فائدہ دیں گے

خدا کے یہاں اہل سے مراد قرابت دین ہے قرابت نسب نہیں بیٹا تمہارا اگرچہ تمہارا نطفہ ہے مگر جب خدا کے دین پر نہیں ہے تو قرابت کا اس سے کیا لگاؤ باقی رہا۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو عذاب الٰہی سے بچنے کی کوشش کرنے کی نصیحت فرمائی ہے[1] اور یہ فرمایا ہے کہ خلاف مرضی الٰہی میں تم لوگوں کی قیامت کے دن کچھ مدد نہیں کر سکتا۔ مشرک قرابت داروں کے حق میں مغفرت کی دعا کی ممانعت کی روایتیں[2] سورت توبہ میں گذر چکی ہیں صحیح بخاری کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث گذر چکی ہے کہ قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کی نجات کی کوشش کریں گے مگر کارگر نہ ہوگی[3] ان روایتوں کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مشرک قرابت داروں کی نجات کی کوشش انتظام الٰہی کے برخلاف ہے نوح علیہ السلام کو اپنے بیٹے کنعان کے شرک کا تفصیلی حال معلوم نہ تھا کیوں کہ وہ نوح علیہ السلام کے روبرو کچھ منافقوں کی سی باتیں کرتا تھا اس لئے نوح علیہ السلام نے اس کی نجات کی درخواست اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں کی اور اللہ تعالیٰ نے نصیحت کے طور پر اس درخواست کا یہ جواب دیا کہ اے نوح تم کو کنعان کے عملوں کا حال معلوم نہیں ہے وہ در پردہ مشرک تھا اس واسطے نہ اس کی نجات ممکن ہے نہ تم کو نامعلوم معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے درخواست مناسب ہے اس پر نوح علیہ السلام نے اپنی حالت لاعلمی کی خطا کی معافی چاہی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی وہ خطا معاف کر دی۔

۴۸؎ حضرت عبداللہؓ بن عباس نے فرمایا ہے کہ کشتی میں اسی آدمی تھے چالیس مرد اور چالیس عورتیں وہ کشتی میں ایک سو پچاس دن رہے کشتی کا منہ مکہ کی طرف تھا چالیس روز وہ کشتی مکہ کے گرد پھرا کی پھر اس کا منہ اللہ تعالیٰ نے جودی کی طرف پھیر دیا وہاں آکر ٹھہری نوح علیہ السلام نے ایک کوے کو بھیجا کہ خبر لاؤ وہ ایک مردے پر آکر بیٹھ رہا جب دیر ہوئی تو ایک کبوتر کو بھیجا وہ آکر زیتون کا پتا لے گیا اس کے قدم کیچڑ میں بھر رہے تھے اس لئے حضرت نوحؑ نے جان لیا کہ پانی خشک ہو گیا اور پہاڑ سے نیچے اترے اور ایک گاؤں بسایا جس کا نام ثمانین رکھا ایک روز صبح کو جب لوگ سوتے ہوئے اٹھے بھول کی باتیں بدل گئیں کوئی کسی کی بات نہیں سمجھتا تھا عربی زبان ان میں بہت بھلی معلوم ہوتی تھی حضرت نوحؑ ایک کی بات کا ترجمہ کر کے دوسرے کو بتلاتے تھے قتادہ کہتے ہیں کہ دسویں تاریخ محرم کو عاشورے کے دن یہ لوگ جودی سے نیچے اترے تھے

[1] صحیح بخاری ص ۷۰۲ ج ۲ باب قولہ وانذر عشیرتک الاقربین [2] تفسیر ابن کثیر ص ۳۹۲ ج ۲ [3] مشکوٰۃ ص ۴۸۳ باب الحشر۔

ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٤٨﴾ تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ

پھر آپہنچے گی ان کو ہماری طرف سے دکھ کی مار یہ باتیں خبریں ہیں غیب کی کہ ہم بھیجتے ہیں تیری طرف

اور اس دن انہوں نے روزہ رکھا تھا معتبر سند سے مسند امام احمد میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک روز حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر یہودیوں کی طرف ہوا وہ دن عاشورہ کا تھا وہ سب روزے سے تھے آپ نے پوچھا یہ کیسا روزہ ہے اُن لوگوں نے کہا کہ آج ہی کا دن ہے کہ موسیٰ علیہ السلام مع بنی اسرائیل کے دریا سے پار ہوئے تھے اور فرعون ڈوبا تھا اور آج ہی کے دن نوح علیہ السلام کشتی سے زمین پر اُترے تھے موسیٰؑ اور نوحؑ نے اُس کے شکریہ میں روزہ رکھا تھا آپ نے فرمایا ہم زیادہ اس روزہ کے حقدار ہیں اور آپ نے روزہ کی نیت کرلی کیوں کہ اب تک کچھ کھایا پیا نہ تھا اور اصحاب سے بھی یہ فرمایا کہ جس نے کچھ کھایا پیا نہ ہو وہ روزہ رکھ لے غرض کہ جب حضرت نوحؑ پہاڑ سے نیچے اترنے لگے تو یہ گمان کیا کہ ساری دنیا تو غرق ہوگئی کوئی چیز کھانے پینے کی کیوں کر ملے گی اس پر یہ حکم ہوا کہ اے نوحؑ سلامتی اور برکتوں کے ساتھ اترو مطلب یہ ہے کہ جن چیزوں پر انسان کی سلامتی موقوف ہے وہ سب تمہارے لئے موجود ہیں اور تمہاری نسل میں بھی برکت ہوگی۔ مگر علم الٰہی کے موافق تمہاری اولاد الاولاد میں دو فرقے ہوں گے ایک تو راہ راست پر کرنے والا فرقہ ہوگا جو دنیا اور عقبیٰ کے عذاب سے محفوظ رہے گا اور دوسرا نافرمان لوگوں کا فرقہ ہوگا جو دنیا کی چند روزہ راحت اٹھا کر پھر عقبیٰ اور دنیا کے طرح طرح کے عذابوں میں پکڑا جائے گا۔ قوم عاد سے لے کر قریش تک نوح علیہ السلام کی اولاد الاولاد کی جو حالت دنیا میں پیدا ہونے کے بعد گذری ان قوموں کے پیدا ہونے سے پہلے اپنے علم ازلی کے موافق مبہم طور پر وہ سب حالت اللہ تعالیٰ نے اس حکم میں نوح علیہ السلام کو جتلادی۔ اسی قسم کی آئندہ کی سچی پیشین گوئیوں میں سے قرآن شریف کا کلام الٰہی ہونا اور حضرت محمد صلی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا برحق رسول ہونا ثابت ہوتا ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعود کی حدیث[1] ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ماں کے پیٹ میں جب بچہ کا پتلہ تیار ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے علم ازلی کے موافق رحم پر تعینات فرشتہ کو حکم دیتا ہے کہ اس بچہ کا رزق اس کی عمر اس کے اعمال اس کی نیکی بدی کا حال لکھ لیا جاوے وہ فرشتہ ایک کاغذ پر یہ سب باتیں لکھ لیتا ہے پھر اس پتلے میں روح پھونکی جاتی ہے[2] اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جودی پہاڑ سے اترتے وقت نوح علیہ السلام کے دل میں یہ خیال جو گذرا تھا کہ ساری دنیا کی چیزیں تو غرق ہوگئیں اب پہاڑ سے اُترنے کے بعد کھانے پینے کی چیزیں ان باقی کے لوگوں کو کیوں کر ملیں گیں نوح علیہ السلام کے اس خیال کا جو جواب اللہ تعالیٰ نے دیا ہے آیت اور حدیث کو ملا کر اس کا حاصل یہ ہے کہ انسان کے جسم میں روح کے پھونکے جانے سے پہلے جن باتوں کا انتظام علم الٰہی کے موافق لکھا جاچکا ہے انسان کا رزق بھی اس میں داخل ہے اس کا کچھ اندیشہ نہ کرنا چاہیے رزق کے ساتھ انتظام الٰہی میں اور باتیں جو لکھی گئی تھیں جواب کے پورے ہو جانے کے لئے ان کا تذکرہ بھی جواب میں اللہ تعالیٰ نے کر دیا تھا اس لئے اس پورے جواب کو اس آیت میں دوہرایا۔

۴۹۔ حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کا قصہ اللہ تعالیٰ نے اوپر تفصیل سے ذکر فرما کر اس آیت میں مشرکین مکہ اور اُس زمانہ کے یہود اور چین اور فارس اور مصر کے مشرکوں کے قائل کرنے کو یہ فرمایا ہے کہ یہ قصہ اور اس طرح کے زمانہ گذشتہ کے اور قصے

[1] مشکوٰۃ ص ۱۸۰ باب صیام التطوع [2] صحیح بخاری ص ۹۷۶ ج ۲ کتاب القدر و مشکوٰۃ ص ۲۰ باب الایمان بالقدر۔

مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ إِنَّ

تو جانتا نہ تھا تو اور نہ تیری قوم اس سے پہلے سو تو ٹھہرا رہ البتہ

الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٤٩﴾ وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا

آخر بھلا ہے ڈر والوں کا اور عاد کی طرف ہم نے بھیجا ان کا بھائی ہود بولا اے قوم بندگی کرو

غیب کی خبریں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے جتلایا ہے جس کو اللہ تعالیٰ جتلاتا ہے اُسی کو صحیح طور پر یہ قصے معلوم ہوتے ہیں دوسرے کو ان قصوں کا حال کیا معلوم ہو سکتا ہے مشرکین مکہ تو ان پڑھ لوگ ہیں اس طرح کی غیب کی خبروں کا ان لوگوں کا انکار کرنا تو محض سرکشی کے سبب سے ہے کچھ دنوں ان کی سرکشی پر اے اللہ کے رسول تم کو صبر کرنا چاہیے انجام کار یہی ہوگا کہ اللہ کے رسول تم کو اور تمہارے ساتھ جو اللہ سے ڈرنے والے پرہیزگار لوگ ہیں ان کو غلبہ ہوگا اور اللہ کی وحی اور غیب کی خبروں کے جھٹلانے والے یہ سرکش لوگ اخیر کو ذلیل ہوں گے رہے ہند اور فارس اور چین اور مصر اس زمانہ کے وہ مشرک لوگ جنہوں نے یا تو اپنی کتابوں میں طوفان نوح کا انکار لکھا ہے یا یہ لکھا ہے کہ شہر بابل اور اس کے اطراف میں یہ طوفان آیا تھا تمام دنیا میں نہیں آیا یہ لوگ بھی عرب کے اُس زمانہ کے ان پڑھ لوگوں کی طرح اس قصہ کے حال سے بے خبر اور جاہل ہیں کیوں کہ نہ ان کی اتنی عمر ہے کہ اُنھوں نے اس قصہ کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہو نہ اُس کے پاس اس زمانہ کی کوئی تاریخ کی صحیح کتاب ہے پھر ان لوگوں نے اپنی اٹکل کو ایک غیب کی بات میں جو لگایا ہے اُس کو کیا اعتبار جس غیب دان کے حکم سے وہ طوفان دنیا میں آیا تھا صحیح قصہ اس طوفان کا وہی ہے جو اُس غیب دان نے وحی کے ذریعہ سے اپنے رسول کو بتلایا ہے سورہ انعام میں گذر چکا ہے کہ ہجرت سے پہلے مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص مشرکین مکہ کی بتوں کی کچھ مذمت کرتا تھا تو یہ مشرک لوگ اپنے بتوں کی حمایت میں اللہ تعالیٰ کی مذمت کرنے کو مستعد ہو جاتے تھے۔ صحیح بخاری کے حوالہ سے عبد اللہ بن مسعود کی یہ حدیث بھی ایک جگہ گذر چکی ہے کہ اسلام کا غلبہ اور بت پرستوں کی ذلت جتلانے کے لئے فتح مکہ کے وقت انہی بتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کی لکڑی مار مار کر گرا دیا[1] اور کوئی مشرک ان بتوں کی کچھ حمایت ذکر سکا سورہ انعام کی آیت وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ (۱۰۸:۶) اور عبد اللہ بن مسعود کی حدیث گویا اس آیت کی تفسیر ہے جس سے مشرکوں کی حد سے زیادہ سرکشی پر صبر کا موقع اور اُس صبر کا موقع اور اُس صبر کے اجر میں آخر اسلام کا جو کچھ غلبہ ہوا وہ حالت دونوں باتیں اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہیں اور اس طرح کی سچی پیشین گوئی سے قرآن کا کلام الٰہی ہونا اور محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا رسول ہونا اچھی طرح آدمی کے ذہن نشین ہو سکتا ہے۔

۵۰ ـ ۵۲ ـ ان آیتوں میں اللہ پاک نے حضرت ہود علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا حضرت ہود کو قوم عاد کا بھائی فرمایا صرف بسبب قومیت اور قرابت کے عاد دو ہوئے ہیں ایک حضرت نوح کے بیٹے سام کی اولاد ہیں جن کی طرف یہی حضرت ہود علیہ السلام پیغمبر بنا کر بھیجے گئے دوسرے عاد شداد اور لقمان اور ان کی قوم جن کا ذکر اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ میں ہے عاد ایک شخص کا نام تھا اسی کے نام پر ایک قبیلہ مشہور ہو گیا حضرت ہود علیہ السلام نوح علیہ السلام سے آٹھ سو برس کے بعد دنیا میں آئے ان کی عمر چار

[1] صحیح بخاری ص ۶۸۶ ج ۲ باب قولہ قل جاء الحق وزھق الباطل الخ۔

الوقف علی فاصبر احسن والیق ۱۲

اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿٥٠﴾ يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔــلُكُمْ

اللہ کی کوئی تمہارا حاکم نہیں سوائے اس کے تم سب جھوٹ کہتے ہو اے قوم میں تم سے نہیں مانگتا

عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٥١﴾ وَيٰقَوْمِ

اس پر مزدوری میری مزدوری اسی پر جس نے مجھ کو پیدا کیا پھر کیا تم نہیں بوجھتے اور اے قوم

اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ

گناہ بخشواؤ اپنے رب سے پھر رجوع لاؤ اس کی طرف چھوڑدے تم پر آسمان کی دھاریں اور زیادہ

قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٥٢﴾ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ

دیوے تم کو زور پر زور اور نہ پھرے جاؤ گنہگار ہو کر بولے اے ہود تو ہم پاس کچھ سند سے نہیں آیا

سو چو نسٹھ برس کی ہوئی قوم عاد ملک شام اور ملک یمن کے بیچ میں ایک ریگستان میں رہتی تھی اور بتوں کی پرستش کرتی تھی اس قوم کی سرکشی کے سبب سے تین برس تک مینہ نہیں برسا تھا جس کے سبب سے ان کی کھیتیوں کو سخت نقصان پہنچا اور کال پڑ گیا اور تیس برس تک ان کی عورتیں بانجھ رہیں کسی کے یہاں بچہ نہ ہوا حضرت ہودؑ نے ان کو خدا کی طرف بلایا کہا اے قوم میری تم اس خدا کی عبادت کرو جس کا کوئی شریک نہیں ہے تم جن بتوں کو پوجتے ہو اور ان کو اپنا شفیع سمجھتے ہو تم اس خیال میں جھوٹے ہو کوئی سند تمہارے پاس اس کی نہیں ہے کہ سوا اللہ تعالیٰ کے اور کوئی معبود ہے یا کسی اور کے اختیار میں تمہارا نفع نقصان ہے کیا تمہیں اتنی سمجھ نہیں کہ یہ بت نہ تمہارا قحط دفع کر سکتے ہیں نہ تمہاری عورتوں کو اچھا کر سکتے ہیں میں جو نصیحت کرتا ہوں اور حق کی طرف بلاتا ہوں اس کا کوئی اجر تم سے نہیں مانگتا ہوں یہ محض اللہ کے لئے ہے وہی اجر دے گا جس نے مجھے پیدا کیا ہے تمہیں غور کرنا چاہیئے کہ ایک شخص بلا اجرت اور مفت میں تمہاری دنیا اور آخرت کو درست کرتا ہے اور تم اس کا کہنا نہیں مانتے اپنے سرکش سرداروں کے کہنے پر چلتے ہو اے قوم تم کو یہ بھی ضروری ہے کہ جو کچھ تم سے گناہ ہو چکے ہیں اس کے لئے خدا سے استغفار کرو اور آئندہ کے لئے توبہ کرلو کہ اب گناہ کے پاس بھی نہ جائیں گے اگر ایسا کروگے تو اللہ تعالیٰ آسمان سے موسلا دھار مینہ برسائے گا تمہاری ساری کھیتیاں سرسبز ہو جائیں گی تمہارے رزق میں ترقی ہو جائے گی اور تمہاری قومیں بھی بڑھ جائیں گی اور نسل بھی بڑھے گی اور اگر میری نصیحت سے منہ موڑوگے تو مجرم ٹھہروگے ابوداؤد نسائی ابن ماجہ بیہقی اور مستدرک حاکم میں عبداللہ بن عباسؓ سے[1] روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہمیشہ استغفار پڑھا کیا کرتا ہے ہر ایک غم سے آزاد ہو جاتا ہے اور ہر سختی سے اس کو نجات ملتی ہے اور جہاں سے گمان بھی نہیں ہوتا وہاں سے اس کو روزی ملتی ہے حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے یہ لوگ بت پرست تھے اس لئے یہاں استغفار سے مقصود شرک سے باز آنا ہے۔

۵۳ - یہ ہود علیہ السلام کی قوم عاد کا جواب ہے جب ہودؑ نے ان کو نصیحت کی کہ تم بتوں کا پوجنا چھوڑ دو اور خدا سے استغفار کرو اور آئندہ کے واسطے توبہ کرو خدا تمہارے رزق میں اور اولاد میں ترقی کرے گا تو ان لوگوں نے یہ جواب دیا کہ تم کوئی سند لے کر خدا کی طرف سے نہیں آئے ہو جو خواہ مخواہ ہم تم پر ایمان لے آئیں اور صرف تمہارے کہنے سے اپنے ان معبودوں کو

[1] مشکوٰۃ ص ۲۰۴ باب الاستغفار بحوالہ سنن ابن ماجہ ابوداؤد وغیرہ و الترغیب ص ۲۹۵ ج ۱ الترغیب فی الاستغفار۔

وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنْ

ہم نہیں چھوڑنے والے اپنے ٹھاکروں کو تیرے کہنے سے اور ہم نہیں تجھ کو ماننے والے ہم تو

نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَ

یہی کہتے ہیں کہ تجھ کو جھپٹ لیا ہے کسی ہمارے ٹھاکروں نے بری طرح بولا میں گواہ کرتا ہوں اللہ کو اور

اشْهَدُوْٓا اَنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ

تم گواہ رہو کہ میں بیزار ہوں ان سے جن کو تم شریک کرتے ہو اس کے سوائے سو بدی کرو میرے حق میں سب مل کر پھر

لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾ اِنِّىْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ۭ مَا مِنْ دَاۗبَّةٍ اِلَّا هُوَ

مجھ کو مہلت نہ دو میں نے بھروسا کیا اللہ پر جو رب ہے میرا اور تمہارا کوئی نہیں پاؤں دھرنے والا مگر اس کے

اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۶﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ

ہاتھ ہے چوٹی اس کی بیشک میرا رب ہے سیدھی راہ پر پھر اگر تم پھر جاؤ گے تو میں

چھوڑ دیں اور صاف انکار کر دیا کہ ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے ہود علیہ السلام کو بھی خدا کی طرف سے عجیب و غریب معجزے ملے تھے قوم عاد نے یہاں پر فقط مخالفت کی راہ سے یہ بات کہی تھی کہ تم کوئی سند لے کر نہیں آئے ہو۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث[1] گذر چکی ہے کہ علم الٰہی میں جو شخص دوزخی ٹھہر چکا ہے وہ دنیا میں آن کر ویسے ہی کام کرتا ہے قوم ہود کے اس سرکشی کے جواب کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ علم الٰہی میں دوزخی ٹھہر چکے تھے اس لئے ان کو یہ سرکشی کا جواب اچھا معلوم ہوا۔

۔ حضرت ہود کی بد دعا سے قوم عاد میں تین برس متواتر قحط رہا جب قحط سے قوم عاد کے لوگ بہت بری حالت میں ہوگئے تو حضرت ہود کو ان پر ترس آیا اس لئے حضرت ہود نے ان کو وہ نصیحت کی جس کا اس رکوع کے شروع میں ذکر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اے قوم عاد اللہ سے اپنے شرک اور بت پرستی کی توبہ استغفار کرو تاکہ اللہ تم پر رحم کرے اور مینہ برسا دے اور تمہاری یہ قحط کی حالت رفع ہو مگر شیطان کسی کے دل پر قابو پا لیتا ہے تو وہ حق بات کے ماننے کی جگہ اس بات کا الٹا جواب دیتا ہے اس لئے انہوں نے یہ الٹا جواب دیا کہ اے ہود تمہارے کہنے سے ہم اپنے معبودوں کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے اور تم جو ایسی باتیں کرتے ہو اس کا سبب یہ ہے کہ تم اکثر ہمارے معبودوں کو برا کہتے رہتے ہو اس کے برے اثر سے تم مجنون اور دیوانے ہو گئے ہو آخر لاچار ہو کر حضرت ہود نے یہ جواب دیا کہ میں تو تم کو جو نصیحت کرنی تھی وہ کر چکا تم نہیں مانتے تو اللہ تعالیٰ تم کو ہلاک کر کے تمہاری جگہ دوسری قوم زمین پر آباد کرے گا آخر وہی ہوا کہ سخت آندھی سے یہ لوگ غارت ہوئے اور قوم ثمود ان کی جگہ آباد ہوئی دوسرا جواب ہود علیہ السلام نے قوم کے لوگوں کو یہ دیا کہ اے قوم میں اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہوں اور تم لوگ بھی اس کے گواہ رہو کہ میں تمہاری ان شرک کی باتوں سے بیزار ہوں کہ تمہارے بتوں کو یہ قدرت ہے جو انہوں نے مجھ کو دیوانہ بنا دیا تمہارے بتوں کو کچھ اختیار ہوتا تو وہ تمہارا قحط دفع کر دیتے یا تمہاری عورتوں کو اچھا کرتے اگر تمہارا

[1] صحیح بخاری ص ۷۳۸، ج ۲ تفسیر سورۃ واللیل اذا یغشیٰ۔

أَبْلَغْتُكُمْ مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا

پہنچا چکا ہوں جو میرے ہاتھ بھیجا تھا تم کو اور قائم مقام کرے گا تمہارے میرا رب کوئی اور لوگ اور نہ

تَضُرُّونَهُ شَيْئًا إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿٥٧﴾ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا

بگاڑ سکو گے اس کا کچھ تحقیق میرا رب ہے ہر چیز پر نگہبان اور جب پہنچا ہمارا حکم

نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَجَّيْنَاهُم مِّنْ عَذَابٍ

بچا دیا ہم نے ہود کو اور جو لوگ ایمان لائے تھے اس کے ساتھ اپنی مہر سے اور بچا دیا ہم نے ان کو ایک گاڑھی

غَلِيظٍ ﴿٥٨﴾ وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا

مار سے اور یہ تھے عاد منکر ہوئے اپنے رب کی باتوں سے اور نہ مانا اس کے رسولوں کو اور مانا

أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٥٩﴾ وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ

حکم ان کا جو سرکش تھے مخالف اور پیچھے پائی اس دنیا میں پھٹکار اور قیامت کے دن

أَلَا إِنَّ عَادًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ أَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُودٍ ﴿٦٠﴾

سن لو عاد منکر ہوئے اپنے رب سے سن لو عاد پھٹکار رہے عاد کو جو قوم تھی ہود کی

ع ۵

یہی غلط خیال ہے کہ ان بتوں کو کچھ اختیار ہے تو تم اور تمہارے بت مل کر جھٹ پٹ مجھ کو کچھ صدمہ پہنچا دو میرا بھروسہ تو اس ذات پاک پر ہے جس کا اختیار ہر ایک پر چلتا ہے اور میں یہ خوب جانتا ہوں کہ میں سیدھے راستہ پر ہوں اور اللہ تعالیٰ کا انتظام بھی سیدھا ہے وہ کسی بے گناہ کو کسی آفت میں نہیں پھنسنے دیتا اور مجھے جو نصیحت کرنی تھی وہ میں تمہیں کر چکا تم نہیں مانتے تو اللہ تعالیٰ تمہیں غارت کر کے تمہاری جگہ دوسری قوم زمین پر آباد کرے گا اور جب اللہ تم کو ہلاک کرنا چاہے گا تو تم اس کا کچھ بگاڑ نہ سکو گے اور اللہ ایسا صاحب قدرت ہے کہ سب چیزیں اس کی نگہبانی میں ہیں تم مجھ کو کچھ نقصان پہنچانا چاہو گے تو مجھ کو اللہ کی نگہبانی کافی ہے نبی کی بددعا سے قوم عاد پر جو دنیا میں سخت آندھی کا عذاب آیا اور عقبیٰ میں وہ لوگ سخت عذاب میں گرفتار ہوئے اب آگے اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا کہ اس عذاب سے ہود اور ان کے ساتھ کے ایماندار لوگ تو بچ گئے اور ساری قوم ہلاک ہو گئی عاد کی ہلاکت کے قصہ کا حاصل یہی ہے کہ سات راتیں اور آٹھ دن سخت آندھی ان لوگوں پر مسلط رہی پہلے پہل آندھی کو دیکھ کر یہ لوگ اپنے گھروں میں گھس گئے اور گھروں کے دروازے بند کر لئے آندھی نے ان کے گھروں کے دروازے توڑ ڈالے اور ان لوگوں کو پٹخ پٹخ کر ہلاک کر دیا یہ تو دنیا کے عذاب کا حال ہوا عقبیٰ کا ان لوگوں کا یہ حال فرمایا کہ اللہ کی رحمت سے دور رہیں گے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ عذاب میں گرفتار رہیں گے اب آگے مشرکین مکہ کو تنبیہ فرمائی کہ ملک شام کے سفر میں قوم ہود کی اجڑی ہوئی بستی دیکھ کر عبرت پکڑو اور سمجھو کہ قوم کے سرکش سرداروں کا کہنا مان کر اللہ کے احکام اور اللہ کے رسولوں کو جھٹلانے والوں کا یہ انجام ہوتا ہے کہ دنیا اور عقبیٰ میں ایسے لوگ اللہ کی رحمت سے دور رہا کرتے ہیں اَخْذَنَا بِنَاصِيَتِهَا عرب کا ایک محاورہ ہے جو فرمانبرداری کے معنے میں بولا جاتا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعری کی حدیث گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ قوم ہود جیسے

وقف لازم

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَٰلِحًا ۚ قَالَ يَٰقَوْمِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ

اور ثمود کی طرف بھیجا ان کا بھائی صالح بولا اے قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی حاکم نہیں تمہارا اس کے

غَيْرُهُۥ ۖ هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ ٱلْأَرْضِ وَٱسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَٱسْتَغْفِرُوهُ

سوا اسی نے بنایا تم کو زمین سے اور بسایا تم کو اس میں سو گناہ بخشواؤ اس سے

ثُمَّ تُوبُوٓا۟ إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّى قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ﴿٦١﴾

پھر اس کی طرف آؤ تحقیق میرا رب نزدیک ہے قبول کرنے والا

ظالم بے انصاف لوگوں کو جب تک چاہتا ہے مہلت دیتا ہے اور پھر پکڑتا ہے تو بالکل ہلاک کر دیتا ہے[1] یہ حدیث قوم ہود کی مہلت اور ہلاکت کی گویا تفسیر ہے۔

٦١۔ ملک شام اور مدینہ کے مابین میں حجر نام کا جو ایک شہر ہے وہاں قوم صالح کے یہ لوگ بستے تھے حضرت ہودؑ کے اور حضرت صالحؑ کے درمیان میں سو برس کا فاصلہ ہے حضرت صالحؑ کی عمر دو سو اسی برس کی ہوئی ہے حضرت ہودؑ کی امت کو عاد اولیٰ اور حضرت صالحؑ کی امت کو عاد ثانی کہتے ہیں تین سو سے ہزار برس تک کی عمر کے لوگ اس قوم میں گذرے ہیں سورہ اعراف میں اُن کی قوم کا قصہ گذر چکا ہے صحیح بخاری مسند امام احمد اور مستدرک حاکم وغیرہ کی روایتیں اوپر گذر چکی ہیں کہ تبوک کے جاتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا گذر جب اس ثمود کی اُجڑی ہوئی بستی پر سے ہوا تو آپ نے صحابہ کو حضرت صالحؑ کے معجزے کی اونٹنی کی پیدائش اور پھر نے چلنے کی جگہ بتلائی اور فرمایا انبیاء سے معجزہ کا چاہنا اچھا نہیں قوم صالح نے حضرت صالحؑ سے معجزہ چاہا اور پھر اس معجزہ کی اونٹنی کی قدر نہ کی آخر ساری قوم ہلاک ہو گئی اور جس کنوئیں سے وہ اونٹنی پانی پیا کرتی تھی اس کنوئیں کے سوا اور کنوئیں کے پانی کے استعمال کو آپ نے منع کیا اور فرمایا کہ جب تک اس بستی سے گذر نہ ہو جاوے خدا سے ڈرنا اور رونا چاہئے خدا کا عذاب آتے ہوئے کچھ دیر نہیں لگتی اونٹنی کے کنوئیں کے سوا اور کنوئیں کے پانی سے جس قدر صحابہ نے آٹا گوندھ لیا تھا وہ گوندھا ہوا آٹا آپ نے پھینکوا دیا ابن ابی حاتم[2] ایک صحابی نے پوچھا کہ حضرت میں اپنا یہ گوندھا ہوا آٹا اپنے اونٹ کو کھلا دوں تو آپ نے اجازت دی مگر کسی آدمی کو وہ آٹا استعمال نہیں کرنے دیا تاکہ ایسے اللہ کے غصہ کی جگہ صحابہ کا ٹھیرنا اللہ تعالیٰ کو ناپسند معلوم ہو۔ هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ ٱلْأَرْضِ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو زمین کی مٹی سے پیدا کیا ان ہی آدم کی اولاد میں تم ہو حضرت صالحؑ نے اپنی قوم کو یہ اللہ تعالیٰ کی ایک قدرت جتلائی کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مٹی کے پتلے میں وہ تاثیر رکھی ہے کہ اس سے سلسلہ بہ سلسلہ سب بنی آدم پیدا ہوتے ہیں۔ پھر ایسے صاحب قدرت کی تعظیم کو چھوڑ کر تم پتھر کی مورتوں کو کیوں پوجتے ہو جن میں کسی طرح کی کوئی قدرت نہیں۔ وَٱسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا اس کا مطلب یہ ہے کہ جس زمین سے سلسلہ بہ سلسلہ اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا اسی زمین میں پھر تم کو آباد کیا کہ اس میں مکان بناتے ہو باغ لگاتے ہو کھیتی کرتے ہو غرض یہ سب انتظام اسی لئے ہے کہ تم بت پرستی

[1] صحیح بخاری ص ٦٧٨ ج ٢ باب قولہ وکذلک اخذ ربک اذا اخذ القری الخ [2] صحیح بخاری ص ٤٧٨ ج ١ باب قولہ تعالیٰ والی ثمود اخاہم صالحا الخ وتفسیر ابن کثیر ص ٢٢٧ ج ٢

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا

بولے اے صالح تجھ پر ہم کو امید تھی اس سے پہلے کیا تو ہم کو منع کرتا ہے کہ پوجیں جن کو

يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۶۲﴾ قَالَ

پوجتے رہے ہمارے باپ دادے اور ہم کو تو شبہ ہے اس میں جس طرف کہ تو بلاتا ہے کہ دل نہیں پسیجتا بولا

يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً

اے قوم بھلا دیکھو تو اگر مجھ کو سوجھ مل گئی اپنے رب سے اور اس نے مجھ کو دی مہر اپنی طرف سے

فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ۫ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿۶۳﴾

پھر کون میری مدد کرے اللہ کے سامنے اگر اس کی بے حکمی کروں سو تم کچھ نہیں بڑھاتے میرا سوا نقصان کے

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا

اور اے قوم یہ اونٹنی ہے اللہ کی تم کو نشانی سو چھوڑ دو اس کو کھاتی پھرے اللہ کی زمین میں اور نہ

چھوڑ کر خالص دل سے اپنے پیدا کرنے والے کی عبادت اور پچھلے شرک سے توبہ استغفار کرو اور یہ جان لو کہ اللہ تعالےٰ شرک سے بچنے والے بندوں کی ہر طرح کی خبر گیری سے کچھ دور نہیں ہے بلکہ ان کی ہر طرح کی التجا قبول کرنے کو موجود ہے سورۃ بقرہ کی آیت وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ (۲: ۱۸۶) کو اور استغفار کے باب میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث جو اوپر گذری کہ استغفار سے رزق بڑھ جاتا ہے اور ہر طرح کی سختی آسان ہو جاتی ہے[1] اس حدیث کو اس آیت کے آخری ٹکڑے کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی خالص دل سے عبادت کرے گا اللہ اس سے قریب اور اس کی ہر طرح کی خواہش کا جواب دینے اور اس کی توبہ استغفار کے سبب سے اس کے رنج و غم اور تنگدستی کے رفع کرنے کو موجود ہے۔

۶۲-۶۳۔ یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کا جواب ہے جب حضرت صالحؑ نے ان کو خدا کا پیغام پہنچایا کہ تم خالص خدا ہی کی عبادت کرو اور بتوں کی پوجا سے باز آؤ تو یہ جواب ان لوگوں نے دیا کہ ہم لوگوں کو تجھ سے بڑی بڑی امیدیں تھیں ہم سمجھتے تھے تو بڑا ہونہار لڑکا ہے باپ دادا کے دین کو ترقی دے گا اور تجھ سے ہر ایک بات میں ہم کو مدد ملے گی افسوس ہماری ساری امیدیں خاک میں مل گئیں تو ہم لوگوں کو باپ دادا کے قدیم راہ و رسم سے روکنے لگا ہمارے باپ دادا جن معبودوں کی عبادت کرتے تھے اُن کو کیوں کر ہم چھوڑ سکتے ہیں ہمیں تو تیری طرف سے شک ہو گیا ہے اور جس بات کی تو ہمیں نصیحت کرتا ہے اور جس کی طرف تو بلاتا ہے اس پر ہم لوگوں کا اطمینان نہیں ہے پھر صالح علیہ السلام نے ان کو جواب دیا کہ اچھا تم بتلاؤ کہ خدا نے تو مجھے طرح طرح کے معجزے اور نشانیاں دے کر اور رسول بنا کر تمہارے پاس بھیجا اگر میں تم لوگوں کا لحاظ اور پاس کر کے خدا کا پیغام پہنچانے سے کسی طرح دریغ کروں اور تمہیں اس کی طرف بلانے میں سستی کروں تو پھر کون میری مدد کرے گا اور کون خدا تعالیٰ کے عذاب سے نجات دے گا اس لئے میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا کیوں کہ تم سے گھاٹے اور نقصان کے سوا اور کچھ بھی نہیں حاصل ہوگا۔ قوم ہود کے جواب کی تفسیر میں صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث جو گذر چکی[2] وہی حدیث اس جواب کی بھی گویا تفسیر ہے۔

۶۴-۶۸۔ قوم ثمود نے حضرت صالحؑ سے معجزہ طلب کیا حضرت صالحؑ نے خدا سے دعا کی اللہ نے قبول کی اور پتھر کے اندر سے ایک

[1] یعنی ص ۱۰۶ پر [2] یعنی ص ۱۰۷ پر

تمسوھا بسوء فیاخذکم عذاب قریب ۶۴ فعقروھا فقال

چھیڑو اس کو بری طرح تو پکڑے گا تم کو عذاب قریب کا پھر اس کے پاؤں کاٹے تب کہا

تمتعوا فی دارکم ثلثۃ ایام ذلک وعد غیر مکذوب ۶۵ فلما

برت لو اپنے گھروں میں تین دن یہ وعدہ ہے جھوٹا نہ ہو گا پھر جب

جاء امرنا نجینا صلحا والذین امنوا معہ برحمۃ منا ومن خزی

پہنچا حکم ہمارا بچا دیا ہم نے صالح کو اور جو یقین لائے اس کے ساتھ اپنی مہر کر اور اس دن کی

یومئذ ان ربک ھو القوی العزیز ۶۶ واخذ الذین ظلموا الصیحۃ

رسوائی سے تحقیق تیرا رب وہی ہے زور آور زبردست اور پکڑا ان ظالموں کو چنگھاڑ نے

فاصبحوا فی دیارھم جثمین ۶۷ کان لم یغنوا فیھا الا ان ثمود کفروا

پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے جیسے کبھی رہے ہی نہ تھے ان میں سن لو ثمود منکر ہوئے

ربھم الا بعدا لثمود ۶۸ ولقد جاءت رسلنا ابرھیم بالبشری

اپنے رب سے سن لو پھٹکار ہے ثمود کو اور آ چکے ہیں ہمارے بھیجے ابراہیم پاس خوشخبری لے کر

اونٹنی پیدا کر دی اونٹنی نے اسی وقت ایک سا بچہ دیا وہ بچہ بھی اسی وقت ماں کے برابر ہو گیا صالح علیہ السلام نے قوم سے کہا کہ یہ خدا کی اونٹنی ہے اسے چھوڑ دو جہاں اس کا جی چاہے گا چرے گی تم اسے نہ ستانا اور نہ بری طرح چھیڑنا اگر ستاؤ گے تو یاد رکھو بہت جلد عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے مگر یہ قوم کب ماننے والی تھی ایک شخص قدار نامی نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں صالح علیہ السلام نے اُن سے کہا کہ تم نے میری بات نہ مانی آخر اونٹنی کو ستایا اب تم لوگ دنیا میں اور تین روز کھا پی لو اور اپنے اپنے گھروں میں عیش و آرام کر لو آج کے چوتھے دن تم پر عذاب آئے گا اور اس کو ذرا بھی جھوٹ نہ سمجھو خدا کا وعدہ جھوٹا نہیں ہوا کرتا جس روز ان لوگوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹیں وہ بدھ کا دن تھا اتوار کی رات کو وہ سب سوتے تھے کہ یک بیک آسمان سے اس زور کی آواز آئی کہ ان بدبختوں کے کلیجے پارہ پارہ ہو گئے اور جس طرح پڑے سوتے تھے ویسے کے ویسے مر کر رہ گئے اور بالکل پیوند زمین ہو گئے گویا یہ شہر ان سے بسا ہی نہ تھا اور اللہ پاک نے صالح علیہ السلام اور مومنوں کو اپنی رحمت سے اس عذاب سے بچا لیا اور ان لوگوں کی طرح رسوائی سے الگ رکھا پھر خدا نے فرمایا کہ دیکھو قوم ثمود نے توحید کا انکار کیا اور کافر کے کافر ہی رہے اس واسطے خدا کی رحمت سے دور پڑ گئے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعری کی حدیث جو گزر چکی ہے کہ ایسے نافرمان لوگوں کو اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے مہلت دیتا ہے[1] اور پھر جب پکڑ لیتا ہے تو بالکل ہلاک کر دیتا ہے ثمود کی مہلت اور ہلاکت کی بھی یہ حدیث گویا تفسیر ہے۔

۶۹۔۷۳۔ یہ ابراہیم علیہ السلام کا قصہ تمہید کے طور پر لوط علیہ السلام کے قصے سے پہلے ذکر کیا گیا ہے ابراہیم علیہ السلام کے ایک بھائی تھے جن کا نام ہاران تھا انہیں کے بیٹے حضرت لوط علیہ السلام تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یہی سب سے پہلے ایمان لائے تھے نوح علیہ السلام سے دو ہزار چھ سو چالیس برس کے بعد یہ بھیجے گئے تھے ان کی عمر ایک سو پچھتر برس کی ہوئی ہے ابراہیم علیہ السلام کے

[1] صحیح بخاری ص ۶۷۸ ج ۲ باب قولہ وکذلک اخذ ربک اذا اخذ القری۔

قَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا رَاٰ

بولے سلام وہ بولا سلام ہے پھر دیر نہ کی کہ لے آیا ایک بچھڑا تلا ہوا پھر جب دیکھا

اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً قَالُوْا لَا تَخَفْ

اُن کے ہاتھ نہیں آتے کھانے پر اوپری سمجھا اور دل میں اُن سے ڈرا وہ بولے مت ڈر

اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۰﴾ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا

ہم بھیجے آئے ہیں طرف قوم لوط کے اور اس کی عورت کھڑی تھی تب وہ ہنس پڑی پھر ہم نے خوشخبری دی اس کو

بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا

اسحٰق کی اور اسحٰق کے پیچھے یعقوب کی بولی اے خرابی کیا میں جنوں گی

بیٹے اسحٰق علیہ السلام کی عمر ایک سو اسی برس کی ہوئی اور ابراہیم کے پوتے یعقوب بن اسحٰق کی عمر ایک سو سینتالیس سال کی ہوئی ابراہیم علیہ السلام فلسطین ایک ملک ہے وہاں بستے تھے اور لوط علیہ السلام ملک شام کے ایک گاؤں میں رہتے تھے فرشتوں کو خدا نے حکم دیا کہ لوط کی قوم پر عذاب لے کر جاؤ صحیح قول کے مطابق تین فرشتے تھے۔ جبرئیل ۔ میکائیل ۔ اسرافیل ۔ یہ تینوں پہلے خوبصورت خوبصورت لڑکوں کی صورت بن کر پہلے ابراہیم علیہ السلام کے پاس اسحاق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی خوشی سنانے کو آئے اور آتے ہی سلام کیا ابراہیم علیہ السلام نے بھی سلام کا جواب دیا مگر ابراہیم علیہ السلام نے ان کو پہچانا نہیں مہمان سمجھا اور اپنی عادت کے موافق کہ جب کوئی مہمان آجاتا تو خاطر تواضع کرتے تھے ان کے کھانے پینے کا بھی انتظام کرنے لگے اور ایک جوان گائے ذبح کر کے اس کے کباب لگائے حَنِيْذٍ کے معنے مفسروں نے یہ لکھے ہیں کہ گرم پتھر پر گوشت کے کباب لگانا جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مہمانوں کے آگے کھانا رکھا تو ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھے کیونکہ فرشتوں کی غذا خدا کی تسبیح ہے دنیا کی کھانے پینے سے ان کو کچھ رغبت نہیں اور نہ دنیا کا کھانا پینا اُن کے لئے مقرر کیا گیا ہے جب ان مہمانوں کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھے تو ابراہیم علیہ السلام دل میں بہت ڈرے کہ یہ کیسے مہمان ہیں جو کھانا نہیں کھاتے اور ان کی قوم میں یہ دستور بھی تھا کہ جب کوئی مہمان آتے اور کھانا نہ کھاتے تو ڈرتے تھے کہ خدا خیر کرے یہ کسی بُرے ارادے سے آیا ہے کیوں کہ اس زمانہ کے لوگ جس کا نمک کھا لیتے تھے اس کے ساتھ پھر کچھ دغا نہیں کرتے تھے اور جس کے ساتھ دغا کا ارادہ ہوتا تھا اُس کا نمک نہیں کھاتے تھے اس لئے اس کے گھر کے کھانے سے بچتے تھے غرض جب ابراہیم علیہ السلام کے دل میں خوف ہوا تو قیاس سے یا خدا کے حکم سے ان فرشتوں نے سمجھ لیا اور کہا کہ اے ابراہیم تم ڈرو نہیں ہم خدا کے بھیجے ہوئے ہیں لوط کی قوم پر عذاب کر نے بھیجے گئے ہیں ابراہیم علیہ السلام کی ایک کنیز تھی ہاجرہ نام جن سے اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تھے اور ان کی بیوی جن کا نام سارہ تھا جو حضرت ابراہیمؑ کے چچا ہارون کی بیٹی تھیں ان کے کوئی اولاد نہیں ہوتی تھی یہ پردے کی آڑ میں کھڑی تھی کہ مہمانوں کی تواضع جو مجھ سے متعلق ہوگی وہ میں بھی کروں گی جب انہوں نے یہ سنا کہ یہ فرشتے ہیں اور لوطؑ کی قوم پر عذاب لے کر چلے ہیں تو ہنسیں اب مفسروں نے کئی سبب ان کی ہنسی کے بیان کئے ہیں قتادہ کہتے ہیں کہ اس بات پر ہنسی تھیں کہ جس قوم پر یہ عذاب لے کر جا رہے ہیں انہیں اب تک اس کی خبر بھی نہیں ہے کسی نے کہا ہے کہ ان کے اور ابراہیم علیہ السلام کی گفتگو پر ہنس پڑیں کسی نے کہا ہے کہ اپنے شوہر کے خوف پر ہنسی تھیں کہ یہ مہمان تو صرف تین ہیں

عَجُوزٌ وَهٰذَا بَعْلِي شَيْخًا إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ ﴿٧٢﴾ قَالُوٓا أَتَعْجَبِينَ

اور میں بڑھیا ہوں اور یہ خاوند میرا ہے بوڑھا یہ تو ایک عجیب چیز ہے وہ بولے کیا تعجب کرتی ہے

مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ

اللہ کے حکم سے اللہ کی مہر ہے اور برکتیں اس پر تم اے گھر والو بیشک وہ ہے سراہا

مَّجِيدٌ ﴿٧٣﴾ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرٰهِيمَ الرَّوْعُ وَجَاءَتْهُ الْبُشْرٰى

بڑائیوں والا پھر جب گیا ابراہیم سے ڈر اور آئی اس کو خوشخبری

شخص ہیں ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تو بہت سے آدمی ہیں کوئی کہتا ہے کہ بڑھاپے میں اولاد کی بشارت سن کر تعجب سے ہنس پڑیں غرض کہ ان کو بشارت دی گئی کہ تمہارے بطن سے حضرت اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوں گے اور ان کے بعد یعقوب علیہ السلام تمہارے پوتے پیدا ہوں گے یہ سن کر ان کو بہت تعجب ہوا اور کہا یہ تو بڑی خرابی کی بات ہے میں بڑھی ہوگئی میری عمر قریب نوے یا ننانوے برس کی ہوگئی اور میرے شوہر بالکل بوڑھے سو برس کی عمر کے ہیں اس عمر میں لڑکا ہونا بہت ہی اچنبھے کی بات ہے ان فرشتوں نے جواب دیا کیا تم خدا کی باتوں سے تعجب کرتی ہو خدا کے اختیار میں سب کچھ ہے اس کی قدرت تو اس سے بھی زیادہ ہے یہ تو کوئی تعجب کی بات نہیں اے گھر والو خدا کی رحمت تم پر ہے اور برکت بھی ہے کہ اسحٰق کے بعد تم اپنے پوتے اسحٰق کے بیٹے کو بھی دیکھو گے وہ خدا بڑا تعریف اور بزرگی کے قابل ہے تفسیر ابن منذر وغیرہ میں عمرو بن دینار اور عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ جب فرشتوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا تو ابراہیمؑ نے پوچھا کیا بات ہے انہوں نے جواب دیا کہ ہم کھانا بلا قیمت نہیں کھاتے ہیں جس کا جواب ابراہیمؑ نے یہ دیا کہ اس کھانے کی یہی قیمت ہے اور ان کے پوچھنے پر بتلایا کہ اس کی قیمت یہ ہے کہ کھانے سے پہلے بسم اللہ کی جانے اور کھانے کے بعد خدا کا شکر اس جواب کو سن کر جبرئیلؑ نے میکائیلؑ کی طرف دیکھ کر کہا کہ ایسے شخص کو خدا کا خلیل بنایا جاتا بالکل برحق ہے[1] یہ روایت تفسیر ابن ابی حاتم میں بھی تفسیر سدی کے حوالہ سے ہے۔ اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن سدی کو امام احمد نے ثقہ کہا ہے۔ اسمٰعیل سدی کی تفسیر اسباط بن نصر ہمدانی نے جمع کی ہے اور ان کو ابن معین نے ثقہ کہا ہے غرض یہ روایت معتبر ہے صحیح بخاری و مسلم میں ابی شریح خزاعی سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر ایماندار شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کی خاطر تواضع کرے اور یہ بھی فرمایا کہ دعوت کی حد تین دن تک ہے جس میں ایک رات دن کے کھانے میں زیادہ خاطر داری کی جاوے ابی شریح کا مشہور نام خویلد بن عمرو ہے مدنی صحابی ہیں ۶۸ھ میں انہوں نے وفات پائی اوپر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مہمان نوازی کا جو تذکرہ تھا یہ حدیث اس کی تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملت ابراہیمی کی پیروی کا حکم تھا اور ملت ابراہیمی میں مہمان کی خاطر داری کا مسئلہ تھا اس واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شرع محمدی میں اس مسئلہ کو ایمان کی نشانی قرار دیا۔

۷۴-۷۶- حضرت ابراہیم کو جب خوشی سنائی گئی اور ان کا خوف بھی جاتا رہا تو یہ سن کر کہ یہ فرشتے لوطؑ کی قوم کو ہلاک کرنے کو جاتے ہیں ان کا دل بہت کڑھنے لگا اور فرشتوں سے جھگڑنے لگے کہ جس گاؤں میں تین سو مسلمان ہوں گے اس کو ہلاک کر دو گے فرشتوں نے کہا نہیں

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۴۵۲ ج ۲ [2] تفسیر الدر المنثور ص ۳۴۳ ج ۳۔

يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ ﴿٧٤﴾ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُّنِيبٌ ﴿٧٥﴾ يَا إِبْرَاهِيمُ

جھگڑنے لگا ہم سے قوم لوط کے حق میں البتہ ابراہیم تھا تحمل والا نرم دل رجوع رہنے والا اے ابراہیم

أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا ۖ إِنَّهُ قَدْ جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ ۖ وَإِنَّهُمْ آتِيهِمْ عَذَابٌ

چھوڑ یہ خیال وہ تو آچکا حکم تیرے رب کا اور ان پر آتا ہے عذاب

غَيْرُ مَرْدُودٍ ﴿٧٦﴾ وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ

جو پھیرا نہیں جاتا اور جب پہنچے ہمارے بھیجے پاس لوط پاس خفا ہوا انکے آنے سے اور رک گیا جی

ذَرْعًا وَقَالَ هَٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ﴿٧٧﴾ وَجَاءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ

میں اور بولا آج دن بڑا ہے سخت ہے اور آئی اس پاس قوم اس کی دوڑتے بے اختیار

تب ابراہیمؑ نے کہا چالیس تو ہوں گے چالیس نہیں تیس سہی تیس بھی نہ ہوں دس تو ہوں گے دس بھی نہیں سہی ایک تو ہو گا فرشتوں نے کہا ایک بھی نہیں تب ابراہیم علیہ السلام نے کہا اس گاؤں میں لوطؑ بھی تو ہیں فرشتوں نے جواب دیا ہمیں سب کچھ معلوم ہے جو جو وہاں ہیں لوطؑ اور اُن کے گھر والے سوائے اُن کی بیوی کے سب بچ جائیں گے اور ان کی بیوی اور سارا گاؤں ہلاک ہو جائے گا مفسروں نے یہی معنے یُجَادِلُنَا کے بیان کئے ہیں کہ اللہ نے فرمایا میرے رسولوں سے جھگڑا جو کیا اس کا سبب یہ تھا کہ ابراہیمؑ بہت نرم دل تھے چاہتے تھے کہ کچھ دنوں اور عذاب تھم جائے شاید یہ لوگ ایمان لے آئیں مگر خدا نے فرمایا کہ تم بردبار اور نرم دل ہو اور خدا کی مرضی پر قائم رہنے والے ہو یہ باتیں صرف تمہارے نرم دل ہونے کی وجہ سے ہیں تم اس خیال سے باز آؤ خدا کا حکم جاری ہو چکا ان پر ضرور عذاب آئے گا جو کسی طرح رک نہیں سکتا۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰؓ اشعری کی حدیث گذر چکی ہے کہ قوم لوط جیسے سرکش لوگوں کو اللہ تعالیٰ جب تک چاہتا ہے مہلت دیتا ہے اور پھر مہلت کے بعد جب عذاب آجاتا ہے تو کسی کے ٹالے سے نہیں ٹلتا[1] آخری آیت میں ابراہیم علیہ السلام کی سفارش کے نامنظور ہونے کا جو ذکر ہے یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے۔

۷۷-۷۹۔ خدا کے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے ہو کر لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے بعضے مفسروں نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت لوطؑ کی صاحبزادی شہر کے دروازہ پر پانی بھر رہی تھیں فرشتوں نے آکر ان سے پوچھا اے لڑکی اس بستی میں کوئی جگہ ٹھہرنے کی بھی ہے انہوں نے کہا تم یہیں ٹھہرو میں ابھی آتی ہوں وہ دوڑ کر اپنے باپ کے پاس آئیں اور کہا کہ شہر کے دروازہ پر دو مرد لڑکے خوبصورت خوبصورت کھڑے ہیں تمہاری قوم کو اگر معلوم ہو جائے گا تو وہ انہیں پکڑ لیں گے کیونکہ ان کی قوم نے ان سے کہہ رکھا تھا تم کسی کو اپنا مہمان نہ بنایا کرو جو آدمی شہر میں آئے گا اس کو ہم اپنے گھر لے جا کر مہمان بنائیں گے پھر حضرت لوطؑ اپنی لڑکی کے ساتھ گئے اور ان کو اپنے گھر میں لے آئے اس بات کی خبر سوائے لوط علیہ السلام کے گھر کے لوگوں کے اور کسی کو نہ ہوئی مگر لوط علیہ السلام ان کے آنے سے دل ہی دل میں بہت کڑھے اور بہت پریشان ہوئے کیونکہ وہ اپنی قوم کی عادت سے واقف تھے سمجھے کہ آج کا روز بہت سخت ہوگا قوم سے ان کی خاطر لڑنا جھگڑنا پڑے گا یہ بیگھر میں وہ فرشتے آچکے تو انکی بیوی نے اپنی قوم

[1] صحیح بخاری ص ۶۷۸ ج ۲ باب قولہ وکذلک اخذ ربک اذا اخذ القری۔

وَمِنْ قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ ۚ قَالَ يَا قَوْمِ هَٰؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ

اور آگے سے کر رہے تھے برے کام بولا اے قوم یہ میری بیٹیاں حاضر ہیں

أَطْهَرُ لَكُمْ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ فِي ضَيْفِي ۖ أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ

یہ پاک ہیں تم کو سو ڈرو تم اللہ سے اور مت رسوا کرو مجھ کو میرے مہمانوں میں کیا تم میں ایک مرد بھی نہیں

رَشِيدٌ ﴿٧٨﴾ قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِي بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ وَإِنَّكَ

نیک وہ بولے تو تو جان چکا ہے ہم کو تیری بیٹیوں سے دعوے نہیں اور تجھ کو تو

لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ ﴿٧٩﴾

معلوم ہے جو ہم چاہتے ہیں

کو خبر دی کہ ہمارے گھر میں جوان جوان اور حسین حسین تین لڑکے مہمان آئے ہیں ان کی قوم یہ خبر سنتے ہی دوڑ پڑی کیونکہ ان کو برے کاموں کی چاٹ لگی ہوئی تھی لوط علیہ السلام نے ان سے کہا بھائیو یہ میری لڑکیاں حاضر ہیں اور بھی بہتیری عورتیں ہیں تم ان سے نکاح کر لو یہ تمہارے واسطے حلال اور پاک ہیں اور خدا سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے خیال سے درگذر کرو اور مجھے رسوا نہ کرو کیا تم میں ایک شخص بھی نیک اور خدا سے ڈرنے والا نہیں ہے ان کی قوم نے جواب دیا اے لوط تمہیں پہلے سے معلوم ہے کہ ہم کو تمہاری لڑکیوں سے کوئی سروکار نہیں ہم لوگ جس بات کے خواہاں ہیں تم خوب جانتے ہو۔ یہ لوگ خوبصورت لڑکوں سے جو بدفعلی کیا کرتے تھے ان لفظوں میں وہی خواہش انھوں نے ظاہر کی۔ مسند عبد الرزاق اور تفسیر ابن جریر میں قتادہ کا قول ہے کہ لوط علیہ السلام نے قوم کے لوگوں کے آنے کی خبر سن کر اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا تھا جب قوم کے لوگوں نے دروازہ توڑ کر لوط علیہ السلام کے گھر کے اندر گھسنے کا ارادہ کیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنی اصلی صورت میں آن کر ایک پر مارا جس سے یہ سب قوم کے لوگ اندھے ہو گئے اور لوط علیہ السلام کے گھر کا دروازہ ان کو نظر نہ آیا آخر عمر میں ان عبد الرزاق کی آنکھیں جاتی رہی تھیں نابینا ہو جانے کے بعد کی ان کی زبانی روایتوں کے صحیح ہونے میں بعضے علماء کو کلام ہے لیکن ان کی کتابوں کو امام بخاری نے صحیح قرار دیا ہے[1]۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم الٰہی میں جو شخص دوزخی ٹھہر چکا ہے دنیا میں پیدا ہونے کے بعد ویسے ہی کام بھی وہ کرتا ہے[2] اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ جب تک آنکھوں کے جاتے رہنے سے اپاہج نہ ہو گئے اس وقت تک اپنے بد ارادہ پر جمے رہے مسند امام احمد ترمذی اور ابن ماجہ میں جابرؓ بن عبد اللہ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے خوف ہے کہ میری امت میں بھی قوم لوط کا فعل بد پھیلے گا[3] اس حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا معجزہ نکلتا ہے کیوں کہ جو پیشین گوئی آپ نے فرمائی تھی اس کا ظہور کہیں کہیں اس امت میں موجود ہے حاکم نے جابرؓ بن عبد اللہ کی اس حدیث کو صحیح کہا ہے[4]۔

[1] دیکھو مقدمہ فتح الباری ص ۴۲۱ ج ۲ طبع مصر [2] صحیح بخاری ص ۷۳۰ ج ۲ تفسیر سورۃ واللیل اذا یغشیٰ [3] جامع ترمذی ص ۱۷۶ ج ۱ باب ما جاء فی حد اللوطی [4] الترغیب والترہیب ص ۱۱۵ ج ۲ [4] الترغیب ص ۱۱۵ ج ۲ الترہیب من اللواط الخ۔

قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ ۝ قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا

کہنے لگا کہیں مجھ کو تمہارے سامنے زور ہوتا یا جا بیٹھتا کسی مستحکم آسرے میں مہمان بولے اے لوط ہم

رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَلَا

بھیجے ہیں تیرے رب کے ہرگز نہ پہنچ سکیں گے تجھ تک سو لے نکل اپنے گھر کو کچھ رات سے اور مڑ

یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ اِنَّهٗ مُصِیْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ اِنَّ

کر نہ دیکھے تم میں کوئی مگر تیری عورت یوں ہی ہے کہ اس کو پڑتا ہے جو ان کو پڑے گا ان کے

۸۰۔ جب لوط کی قوم نہیں مانی اور مہمانوں کے لینے میں ضد کی تو لوط علیہ السلام نے کہا کاش مجھ میں ذاتی قوت ہوتی یا یہاں میرا کنبہ ہوتا یا اور کوئی دوست احباب حامی مددگار وقت پر ساتھ دینے والے ہوتے تو میں ان سے کہہ کر تمہیں یہاں سے دھکے دلواتا اصل میں اس قوم میں لوط علیہ السلام کے کنبہ رشتہ کا کوئی نہ تھا پہلے یہ عراق میں رہتے تھے جب ابراہیمؑ کے ساتھ ہجرت کر کے شام کی طرف آئے تو انہیں یہ حکم ہوا کہ تم سدوم گاؤں میں لوگوں کی ہدایت کو جاؤ معتبر سند سے مسند امام احمد میں ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت لوط کے بعد پھر جو نبی ہوا وہ اہل ثروت ہوا۔ مختصر طور پر یہ روایت صحیح بخاری میں بھی ہے رکن شدید کے معنے بعضے سلف نے یہی بیان کئے ہیں جو بیان کئے گئے اور بعضے سلف نے رکن شدید کے معنے اللہ تعالیٰ کی ذات کے کئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک کی طرف لوط علیہ السلام نے جب رجوع کیا تو فرشتوں نے یہ کہا کہ ہم اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں اس قوم پر عذاب لے کر آئے ہیں یہ لوگ ہمارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے تم خاطر جمع رکھو۔ ابوہریرہؓ کی یہ حدیث جو اوپر گذری کہ حضرت لوطؑ کے بعد جو نبی ہوا وہ کنبے قبیلہ والا ہوا اس حدیث سے رکن شدید کے کنبے قبیلے کے معنے کی پوری تائید ہوتی ہے۔

۸۱۔ اس سورت میں اور سورت شعراء میں سورت نمل اور سورۃ والصافات چند سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ قصہ ذکر فرمایا ہے حاصل اس قصہ کا یہی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ملک عراق سے ملک شام کی طرف ہجرت فرمائی تو حضرت لوط علیہ السلام نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہجرت فرمائی حضرت لوطؑ حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے ہیں ہجرت کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام تو فلسطین کے نواح میں رہتے تھے اور حضرت لوط علیہ السلام سدوم بستی کے لوگوں کی ہدایت کے لئے نبی ہوئے تھے حضرت لوط علیہ السلام نے مدت تک ان لوگوں کو ہدایت کی مگر وہ راہ راست پر نہ آئے جب اس قوم کی ہلاکت کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبرئیل و میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام زمین پر آئے اور پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحٰق کے پیدا ہونے کی خوشخبری سنائی اور پھر حضرت لوطؑ کی امت کی بستی میں خوبصورت لڑکوں کی صورت میں آئے اور مہمان بن کر حضرت لوط علیہ السلام کے گھر میں اترے حضرت لوطؑ کی بی بی نے قوم کے لوگوں کو ان مہمانوں کی خبر کر دی قوم کے لوگ حضرت لوط علیہ السلام کے گھر پر حملہ کر کے چڑھ آئے حضرت لوط علیہ السلام قوم کے لوگوں کے حملہ سے بہت پریشان ہوئے حضرت لوط علیہ السلام کی پریشانی دور ہونے کی غرض سے ان فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو جتلایا کہ ہم

۱؎ تفسیر ابن کثیر ص ۴۵۴ ج ۲ و تفسیر الدر المنثور ص ۳۴۴ ج ۳ ۲؎ صحیح بخاری ص ۴۷۸ ج ۱ باب ولوطا اذ قال لقومہ الخ۔

مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۚ أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ﴿٨١﴾ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا

وعدہ ان کا وقت ہے صبح کیا صبح نہیں نزدیک پھر جب پہنچا حکم ہمارا کر ڈالی

عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ مَّنضُودٍ ﴿٨٢﴾

ہم نے وہ بستی اوپر نیچے اور برسائیں اس پر پتھریاں کنکر کی تہ بتہ

مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ ۖ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ﴿٨٣﴾

نشان بنائیں تیرے رب کے پاس اور نہیں وہ بستی ان ظالموں سے کچھ دور

اللہ کے فرشتے ہیں اور ان پتھروں کا مینہ برسا کر اور بستی اُلٹ کر اُس قوم کو ہلاک اور بستی کو نیست و نابود کر دیا اب اس بستی کی جگہ بدبو دار پانی کا ایک چشمہ ہے جو پانی کسی کام میں نہیں آسکتا۔ صحیح بخاری نسائی وغیرہ میں حضرت عائشہ رضی کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب قوم کے لوگوں کے ہاتھ سے اللہ کے رسول بہت پریشان ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ غیب سے اپنے رسولوں کی مدد فرماتا ہے[1] اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ لوط علیہ السلام جب قوم کے لوگوں کے ہاتھ سے بہت پریشان ہوئے تو ایک مدد تو غیب سے یہ ہوئی کہ وہ لوگ اندھے ہو گئے دوسری مدد یہ ہوئی کہ اللہ کے حکم سے فرشتوں نے لوط علیہ السلام کی دلجمعی کر دی کہ صبح کو اس قوم پر عذاب آئے گا۔ بعضے سلف کا قول ہے کہ لوط علیہ السلام اپنی قوم کی سرکشی سے یہاں تک تنگ آگئے تھے کہ انہوں نے رات کو ہی عذاب کے آجانے کی تمنا ظاہر کی اس کا جواب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے یہ دیا کہ عذاب کے آنے کا مقررہ وقت صبح ہے اور صبح بھی نزدیک ہے کچھ دور نہیں ہے۔

٨٢ سے ٨٣۔ جب لوط علیہ السلام کو حکم ہو گیا کہ آپ مع اہل و عیال کے فقط اپنی بیوی کو چھوڑ کر اس گاؤں سے چلے جائیں اب ان پر عذاب آوے گا اور کوئی تم میں سے پیچھے مڑ کر نہ دیکھے غرضیکہ حضرت لوط خدا کے حکم سے باہر چلے گئے اور خدا کا عذاب آیا جبرئیل علیہ السلام نے اپنا پر زمین کے اندر ڈال کر اُس زمین کا طبقہ اٹھا لیا اور آسمان کی طرف لے گئے مفسروں نے بیان کیا ہے کہ آسمان والوں نے اس وقت مرغوں کے بولنے اور کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں پھر جبرئیلؑ نے اس طبقہ کو اٹھا کر زمین کی طرف پھینک دیا یہ لوگ اوندھے آکر زمین پر پڑے یہی معنے ہیں جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا کے مطلب یہ ہے کہ خدا نے اُس گاؤں کی زمین ہی کو الٹ دیا پھر پتھر کی کنکریوں کی بھرمار اوپر سے ہوئی۔ سنگ فارسی میں پتھر کو کہتے ہیں اور گل مٹی کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ ان دونوں لفظوں کو ملا کر سِجِّيلٍ بنا ہے مطلب یہ ہے کہ وہ پتھر مٹی کے ملے ہوئے کنکر تھے۔ مَنضُودٍ کا مطلب یہ ہے کہ کنکریاں اس طرح پھینکی گئیں کہ ایک ذرا بھی مہلت نہ دی گئی پے در پے آتی تھیں مُسَوَّمَةً کے یہ معنے بیان کئے گئے ہیں کہ ان کنکریوں پر لوگوں کے نام کی مہریں لگی ہوئی تھیں جس کے نام کی کنکری ہوتی اسی پر پڑتی تھی مجاہدؒ کا قول ہے کہ یہ عذاب ان لوگوں پر صبح کے وقت نازل ہوا تھا پھر خدا نے فرمایا کہ یہ بات ظالموں سے کچھ بعید نہیں ہے وہ لوگ اپنے ظلم کے سبب سے اسی لائق تھے کہ وہاں کی زمین بھی تلے اوپر کر دی جائے بعضوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ یہ کفار مکہ کی طرف خطاب ہے کہ یہ لوگ بھی ظلم پر کمر باندھے ہوئے ہیں ان سے اور اس گاؤں سے کچھ زیادہ فاصلہ نہیں ہے ملک شام

[1] صحیح بخاری ص ٨٠٦ ج ٢ باب قولہ حتی اذا استیئس الرسل۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ

اور مدین کی طرف بھیجا اُن کے بھائی شعیب کو بولا اے قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں حاکم تمہارا

إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ وَلَا تَنقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ ۚ إِنِّي أَرَاكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّي

اُس کے سوا اور نہ گھٹاؤ ماپ اور تول میں دیکھتا ہوں تم کو آسودہ اور ڈرتا

أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ﴿٨٤﴾

ہوں تم پر آفت سے ایک گھیر لانے والے دن کی

کہ بے قریب ہی ہے اُن کے ظلم کا بھی یہی نتیجہ ہوگا کہ ان کی طرح ان پر بھی کوئی عذاب نازل ہو بعض مفسروں کا یہ بھی بیان ہے کہ چار گاؤں تھے اُن میں سدوم زیادہ بڑا تھا ایک لاکھ کی بستی تھی تین لاکھ باقی کی بستیوں میں تھے سب کے سب ہلاک ہوئے ایک بھی نہیں بچا صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعری کی حدیث گذر چکی ہے کہ ایسے سرکش لوگوں کو اللہ تعالیٰ جب پکڑتا ہے۔ تو بالکل ہلاک کر دیتا ہے[1] یہ حدیث اس ہلاکت کی گویا تفسیر ہے۔

۸۴۔ ابراہیم علیہ السلام کی ایک بیوی اور تھیں جن کا نام قنطورا تھا یہ یقطان کنعانیہ کی بیٹی تھیں ان سے آٹھ بچے پیدا ہوئے تھے جن میں سے ایک کا نام مدین تھا اس مدین بن ابراہیمؑ نے ملک حجاز اور ملک شام کے درمیان میں ایک گاؤں بسایا جس کا نام مدین مشہور ہو گیا۔ یہ گاؤں مدین بحر قلزم کے کنارے تبوک کے سامنے چھ منزل پر واقع ہے مدین بن ابراہیمؑ کی یہیں بود و باش رہی ان کی نسل سے جو پیدا ہوتے گئے یہیں بستے گئے رفتہ رفتہ ایک بہت بڑا قبیلہ ہو گیا تبوک سے اس کی آبادی زیادہ ہو گئی مدین بن ابراہیمؑ کے ایک بیٹے کی اولاد میں حضرت شعیبؑ کے باپ پیدا ہوئے اس لئے اللہ پاک نے حضرت شعیبؑ کو قبیلہ مدین کا بھائی فرمایا مدین والے بہت خوش حال تھے ان میں ایک عادت علاوہ بت پرستی کے اور بھی تھی کہ جب کوئی سودا خریدتے تھے تو بڑھتی لیتے تھے اور جب بیچتے تھے تو کم دیتے تھے دو قسم کے پیمانے اور باٹ بنا رکھے تھے بیچنے کا اور خریدنے کا اور اللہ جل شانہ نے انہیں لوگوں میں حضرت شعیبؑ کو پیدا کیا اور نبی بنا کر حکم دیا کہ اُن کو خدا کی طرف بلاؤ شعیب علیہ السلام نے ان کو ہدایت کی کہ تم خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کرو اور ناپ تول میں کمی بیشی نہ کیا کرو پورا پورا تول کر لو اور پورا پورا تول کر دو اللہ پاک نے تمہیں آسودہ حال بنایا ہے اگر ایسا نہ کرو گے تو خوف ہے کہ یہ نعمت تم سے چھن جائے اور سختی و تنگی کا سامنا ہو اور تم پر ایسا عذاب آئے کہ تم اس سے بچ نہ سکو معتبر سند سے نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مدینہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو مدینہ کے لوگوں کی عادت آپ نے کم تولنے اور کم ناپنے کی پائی لیکن پھر آپ کی نصیحت سے اکثر لوگوں نے وہ عادت چھوڑ دی[2] اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قوم شعیبؑ کی طرح عرب میں بھی کم تولنے اور کم ناپنے کی عادت تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب سے لوگوں کی وہ عادت باقی نہیں رہی۔

[1] صحیح بخاری ص ۶۷۸ ج ۲ باب قولہ و کذلک اخذ ربک اذا اخذ القری [2] الترغیب ص ۱۲ ج ۲ الترھیب من بخس الکیل والوزن۔

وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ

اور اے قوم پورا کرو ماپ اور تول کو انصاف سے اور نہ گھٹا دو لوگوں کو اُن کی چیزیں

وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿٨٥﴾

اور نہ مچاؤ زمین میں خرابی

۸۵۔ جمہور مفسرین کا قول ہے کہ اصحاب مدین اور اصحاب الایکہ ایک ہی امت کا نام ہے اور اسی ایک امت کے حضرت شعیب علیہ السلام نبی تھے لیکن فقط قتادہ اور عکرمہ کا یہ قول ہے کہ اصحاب مدین اور اصحاب الایکہ جدا جدا دو امتیں ہیں اور حضرت شعیب علیہ السلام دو امتوں کے نبی ہوئے ہیں جمہور مفسرین نے اس قول پر طرح طرح سے اعتراض کیا ہے۔ اس سورت اور سورت شعراء کے قصہ کو ملا کر دیکھا جاتا ہے تو کم تولنے اور قزاقی کی اصحاب مدین اور اصحاب الایکہ کی ایک ہی سی بری عادتیں اللہ تعالیٰ نے دونوں سورتوں میں ذکر فرمائی ہیں جس سے اسی قول کی تائید ہوتی ہے کہ دونوں سورتوں میں ایک ہی امت کا ذکر ہے یہ قصہ سورت قصص میں آوے گا کہ فرعون اور فرعون کی قوم کے خوف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے مدین کو چلے گئے اور مدین میں ایک بزرگ کی لڑکی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نکاح ہوا اس قصہ میں مشہور قول یہی ہے کہ وہ بزرگ یہی حضرت شعیب علیہ السلام تھے لیکن اس مشہور قول پر حافظ ابن کثیر اور اور مفسرین نے یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی امت کو یہ نصیحت کی ہے کہ تم لوگوں کے زمانہ سے تھوڑے ہی زمانہ آگے قوم لوط کے لوگ عذاب الٰہی میں گرفتار ہو چکے ہیں سرکشی کرو گے تو تم لوگ بھی عذاب الٰہی میں گرفتار ہو جاؤ گے اور یہ تو صحیح تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت لوطؑ اور حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں[1] چار سو برس سے زیادہ کا فاصلہ ہے پھر حضرت موسیٰؑ کے زمانہ تک حضرت شعیب کیوں کر زندہ رہ سکتے ہیں اس کا جواب بعضے مفسروں نے یہ دیا ہے کہ حضرت شعیبؑ کی عمر بڑی ہوئی ہے لیکن یہ جواب کسی سند کا محتاج ہے اس واسطے حافظ ابن کثیر نے یہی بات صحیح قرار دی ہے کہ وہ بزرگ حضرت شعیب علیہ السلام نہیں تھے بلکہ حضرت شعیبؑ کے بھتیجے تھے جن کا نام شہرون تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے کی بعض حدیثوں میں جو حضرت شعیب علیہ السلام کا نام اور ذکر آیا ہے ان حدیثوں کی سند صحیح نہیں ہے[2] تفسیر ابن ابی حاتم تفسیر ابن جریر اور ابن عساکر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ قوم شعیب کے لوگ مدین کے راستہ پر بیٹھ جاتے تھے اور مدین کے آنے والے مسافروں کو حضرت شعیبؑ کی باتیں نہ سننے کی طرح طرح سے پٹی پڑھاتے تھے اور مسافروں کا مال بھی اکثر لوٹ لیتے تھے اسی کو وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ فرمایا غرض درختوں کے پوجنے کے سوا راستہ پر بیٹھ کر مسافروں کے بہکانے اور لوٹنے کی کم تولنے اور ناپنے کی بری عادتیں ان لوگوں میں تھیں صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ علم الٰہی میں دوزخ کے قابل قرار پا چکے ان کو ویسے ہی کام دنیا میں اچھے معلوم ہوتے ہیں یہ حدیث[3] ان لوگوں کی حالت کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ شعیب علیہ السلام نے اگرچہ ان لوگوں کو راہِ راست پر لانے کی بہت کوشش کی مگر یہ لوگ علم الٰہی میں دوزخ کے قابل قرار پا چکے تھے اس لئے شعیب علیہ السلام کی وہ سب کوشش رائگاں گئی اور یہ لوگ مرتے دم تک راہِ راست پر نہ آئے۔

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۴۴۲ ج ۲ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۳۸۴ ج ۳ [3] صحیح بخاری ص ۷۳۸ ج ۲ تفسیر سورۃ واللیل اذا یغشی۔

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۸۶﴾

جو بچ رہے اللہ کا دیا وہ بہتر ہے تم کو اگر ہو تم یقین رکھتے اور میں نہیں ہوں تم پر نگہبان

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ أَصَلٰوتُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا أَوْ أَنْ

بولے اے شعیب تیری نماز پڑھنے نے تجھ کو یہ سکھایا کہ ہم چھوڑ دیں جن کو پوجتے رہے ہمارے باپ دادے یا چھوڑ

نَّفْعَلَ فِيْٓ أَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾

دیں کرنا اپنے مالوں میں جو چاہیں تو ہی بڑا باوقار ہے نیک چال والا

۸۶۔ جب شعیب علیہ السلام قوم مدین کو خالص خدا ہی کی عبادت کرنے اور ناپ تول میں پورا پورا لینے دینے کو کہہ چکے تو پھر فرمایا کہ پورا پورا ناپنے اور تولنے کے بعد جو خدا کا دیا ہوا تم کو بچ رہے وہ تمہارے لئے بالکل پاک اور حلال ہے اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں کہ تمہیں گناہ میں نہ پڑنے دوں یا میرے ہاتھ میں تمہارا حساب کتاب نہیں ہے جس کا بدلہ تمہیں میں دوں میں تو خدا کی طرف سے صرف تمہاری جس نصیحت کو بھیجا گیا ہوں اس نصیحت کا مطلب میں نے تمہیں سمجھا دیا حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بقیت اللہ کی تفسیر میں یہ بیان کیا ہے کہ خدا کا رزق تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم ایماندار ہو اور مجاہد نے کہا ہے کہ اگر تم لوگ ایمان والے ہو تو خدا کی عبادت تمہارے لئے کافی ہے[1]۔ معتبر سند سے ابن ماجہ صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم میں جابرؓ بن عبداللہ سے روایتیں ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کا رزق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے اس لئے رزق کی تنگی سے آدمی کو گھبرانا نہیں چاہیے بلکہ حلال کمائی کی جستجو اور حرام کمائی سے بچنے کی کوشش میں ہمیشہ لگے رہنا چاہیے[2] ان آیتوں میں شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو حلال کمائی کی جو نصیحت کی ہے یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے۔

۸۷۔ خازن میں عبداللہ بن عباس کا اور ابن عساکر میں اخنف بن قیس کا قول ہے کہ شعیب علیہ السلام پہلے رسولوں میں سے زیادہ نماز پڑھا کرتے تھے اسی واسطے ان کی قوم نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری نماز نے یہ باتیں سکھلائی ہیں جو تم ہم کو بتوں کی عبادت اور پورا ناپنے تولنے کی تاکید کرتے ہو۔ یہ اخنف ابن قیس ثقہ تابعی ہیں اور سب حدیث کی کتابوں میں ان کی روایتیں ہیں بعضے سلف نے لکھا ہے کہ شعیب علیہ السلام کی قوم نے نماز کا طعنہ اس لئے دیا کہ نماز دین کے کل رکنوں سے زیادہ مرتبہ رکھتی ہے اس لئے نماز سے مقصود گویا دین ہے بہر حال شعیب علیہ السلام کی قوم نے ان کو یہ جواب دیا کہ یہ سب تمہاری نماز کا اثر ہے جو تم ہم لوگوں کو ہر بات سے منع کرتے ہو بھلا یہ کب ممکن ہے کہ ہم ان بتوں کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے اور اپنے مال کے بھی ہم مختار ہیں جس طرح چاہیں گے الٹ پھیر کریں گے تم کون منع کرنے والے پھر بطور طعن کے یہ بات کہی کہ تم بڑے بدبار اور نیک بخت ہو کہ ہماری عادتوں کو برا جانتے ہو حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے اگرچہ شعیب علیہ السلام کو حلیم اور رشید کہا مگر اس سے مراد ان کی یہ تھی کہ تم بڑے بیوقوف ہو کیوں کہ ایسا اکثر ہوتا ہے کہ کسی کو کہا جائے آپ بڑے عقل مند ہیں مگر اس سے یہ مراد لی جائے کہ آپ نرے بیوقوف ہیں بعض مفسروں نے یہ بھی کہا ہے کہ فی الحقیقت شعیب علیہ السلام ان لوگوں کے نزدیک بردبار اور نیک بخت تھے جب ہی ان لوگوں نے کہا مگر مطلب

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۴۵۶ ج ۲ [2] الترغیب ص ۵۸۰ ج ۲ و مستدرک حاکم ص ۴ ج ۲ [3] تفسیر خازن ص ۴۴۳ ج ۲ و تفسیر الدر المنثور ص ۳۴۶ ج ۳۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا

بولا اے قوم دیکھو تو اگر مجھ کو سوجھ ہوئی اپنے رب کی طرف سے اور اس نے روزی دی مجھ کو نیک روزی

حَسَنًا ۭ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا

اور میں نہیں چاہتا کہ پیچھے آپ کروں جو کام تم سے چھڑاؤں میں تو چاہتا ہوں یہی

الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۭ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ

سنوارنا جہاں تک ہو سکے اور بن آنا ہے اللہ سے اسی پر میں نے بھروسا کیا ہے اور اسی

اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ

کی طرف رجوع ہوں اور اے قوم نہ کماؤ میری ضد کر کر یہ کہ پڑے تم پر جیسا کچھ پڑا

ان لوگوں کا یہ تھا کہ تم اس صفت کے آدمی ہو کر باپ دادا کے قدیم دین وآئین سے ہم کو پھیرتے ہو۔ صحیح بخاری ومسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی یہ حدیث جو اوپر گزری کہ جو لوگ علم الٰہی میں دوزخ کے قابل ٹھہر چکے ہیں وہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد ویسے ہی کام کرتے ہیں[1] اس حدیث سے ان لوگوں کے اس سرکشی کے جواب کا سبب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔

۸۸ یہ جواب ہے شعیب علیہ السلام کا جو انہوں نے اپنی قوم کو دیا تھا کہ اے قوم خدا نے مجھے یہ ظاہر ظاہر معجزے دیئے اور نبوت دی اور مجھے دنیا میں پاک اور حلال روزی دے رکھی ہے میں جن باتوں سے تمہیں روکتا ہوں چھپ چھپا کر میں بھی ان کو نہیں کروں گا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ تمہیں تو کسی کام سے میں منع کروں اور میں آپ اس کام کو کروں میرا ارادہ تو اصلاح کا ہے میں تو یہ چاہتا ہوں کہ جہاں تک ہو تمہاری آخرت اور دنیا دونوں درست ہو جاویں اور میں تا بمقدور تمہارے معاملات درست کرنا چاہتا ہوں اور میرا ہدایت کرنا اور راہ حق بتانا خدا کی مدد سے ہے اور اسی پر میرا بھروسہ بھی ہے اور میں اسی کی طرف پھر کر جانے والا بھی ہوں۔ صحیح بخاری ومسلم میں اسامہؓ بن زید سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ میں بعضے لوگوں پر سخت عذاب دیکھ کر اور دوزخی ان سے پوچھیں گے کہ تم تو ہم کو ناجائز باتوں سے روکا کرتے تھے پھر تم اس طرح کے سخت عذاب میں کیوں کر گرفتار ہو گئے وہ لوگ جواب دیویں گے کہ جن باتوں سے ہم لوروں کو روکا کرتے تھے ہم خود ان باتوں میں در پردہ گرفتار تھے اس لئے یہ عذاب آج ہم کو بھگتنا پڑا[2] یہ حدیث وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی دوسرے کو بری بات سے روکنا اور خود اُس میں گرفتار رہنا بڑے وبال کی بات تھی اس لئے شعیب علیہ السلام نے اپنی نصیحت میں قوم کے لوگوں کو یہ بھی جتلا دیا کہ جن باتوں سے میں تمہیں روکتا ہوں میں بھی ان باتوں کو کبھی ہرگز نہیں کرنے کا۔

۸۹۔۔۔۹۰ پھر حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ میری ضد میں آکر کبھی تم اپنی بات پر نہ اڑے رہنا میرے کہنے پر عمل کرو نہیں تو جس طرح نوح علیہ السلام اور ہود علیہ السلام اور صالح علیہ السلام کی قوم پر عذاب آیا اور ہلاک ہو گئے اسی طرح تم پر بھی عذاب آجائے گا اور پھر کچھ بن نہ آئے گا ابھی کچھ زیادہ دن نہیں ہوئے کہ لوط علیہ السلام کی قوم ہلاک ہو چکی ہے کل کی بات ہے وہ سرزمین بھی کچھ تم سے دور نہیں قریب ہی ہے تم کو واجب ہے کہ توبہ استغفار کرو خدا مہربان ہے اپنے بندوں سے اس کو محبت ہے وہ تمہاری توبہ قبول کرے گا اور گناہ

[1] صحیح بخاری ص ۷۳۰ ج ۲ تفسیر سورۃ واللیل اذا یغشیٰ [2] الترغیب ص ۱۷۱ ج ۲ الترہیب من ان یأمر بمعروف الخ۔

قَوْمَ نُوحٍ اَوْ قَوْمَ هُودٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيدٍ ﴿۸۹﴾

قوم نوح پر یا قوم ہود پر یا قوم صالح پر اور قوم لوط تم سے دور نہیں

وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَّدُودٌ ﴿۹۰﴾ قَالُوا يٰشُعَيْبُ

اور گناہ بخشواؤ اپنے رب سے اور اس کی طرف رجوع لاؤ البتہ میرا رب مہربان ہے محبت والا بولے اے شعیب

مَا نَفْقَهُ كَثِيرًا مِّمَّا تَقُولُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِينَا ضَعِيفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ

ہم نہیں بوجھتے بہت باتیں جو تو کہتا ہے اور ہم دیکھتے ہیں تو ہم میں کمزور ہے اور اگر نہ ہوتے تیرے

لَرَجَمْنٰكَ ؗ وَمَا اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِي اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ

بھائی بند تو تجھ کو ہم پتھراؤ کرتے اور تجھ تو ہم پر سردار نہیں بولا اے قوم کیا میرے بھائی بندوں کا دباؤ تم پر زیادہ ہے

اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّي بِمَا تَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿۹۲﴾

اللہ سے اور اس کو ڈال رکھا ہے تم نے پیٹھ پیچھے فراموش تحقیق میرے رب کے قابو میں ہے جو کرتے ہو

بخش دے گا۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گناہوں کے معاف کرنے کی صفت اللہ تعالیٰ کو ایسی پیاری ہے کہ اگر دنیا میں کے حال کے لوگ گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ اور گنہ گار مخلوقات پیدا کرتا اور ان کو توبہ کی توفیق دے کر ان کے گناہ معاف کرتا[1] یہ حدیث آخری آیت کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ توبہ کرنے والے شخص کی توبہ قبول کرنے کی صفت اللہ کو پیاری ہے اور توبہ کرنے والوں سے اس کو ایک طرح کی محبت ہے۔

۹۱—۹۲۔ جب شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو سمجھاتے ہی گئے تو ان کی قوم کے لوگوں نے کہا کہ شعیبؑ تم جس قدر ہم لوگوں کو سمجھاتے ہو ہماری سمجھ میں ایک نہیں آتا اور تم ہم لوگوں سے بہت کمزور ہو ہمیں تمہارے بھائی بندوں کا خیال ہے نہیں تو مارے پتھروں کے تم کو سنگ سار کر دیتے تم ان باتوں سے اب ہم کو اچھے نہیں لگتے بعضے مفسروں نے بیان کیا ہے کہ ضعیف کے معنے یہاں نابینا کے ہیں کیوں کہ شعیب علیہ السلام خدا کی محبت میں اتنا روئے تھے کہ ان کی آنکھیں جاتی رہی تھیں پھر شعیب علیہ السلام نے کہا کہ تمہیں میرے بھائی بندوں کا خیال ہے وہ کیا خدا سے بھی زیادہ تمہیں عزیز ہیں ان کی عزت کا خیال کر کے مجھے چھوڑتے ہو اور خدا کو تم نے پس پشت ڈال رکھا جس کی عزت کے سامنے کسی کی بھی عزت نہیں خیر جو کچھ تم کرتے ہو اور جتنے عمل تمہارے ہیں سب کو خدا کا علم گھیرے ہوئے ہے وہ ذرہ ذرہ جانتا ہے تمہیں اس کا بدلہ دے گا۔ ترمذی نسائی ابن ماجہ صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی صحیح حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کثرت گناہوں کے سبب سے آدمی کے دل پر ایک زنگ لگ جاتا ہے جس سے نیک بات اس کے دل پر اثر نہیں کرتی[2]۔ قوم شعیب نے شعیب علیہ السلام سے یہ جو کہا کہ تمہاری نصیحت ہماری سمجھ میں نہیں آتی یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ شرک اور کثرت گناہوں سے ان لوگوں کے دل پر زنگ چھا گیا تھا جس سے شعیب علیہ السلام کی نصیحت کا ان کے دل پر کچھ اثر ہوتا تھا نہ وہ نصیحت ان کی سمجھ میں آتی تھی۔

[1] مشکوٰۃ ص ۲۰۳ باب الاستغفار والتوبہ [2] جامع ترمذی ص ۱۶۹ ج ۲ تفسیر سورۃ ویل للمطففین و الترغیب ص ۲۹۷ ج ۱ باب الاستغفار۔

وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۗ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ

اور اے قوم کام کئے جاؤ اپنی جگہ میں بھی کام کرتا ہوں آگے معلوم کرو گے کس پر آتا ہے

عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۗ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا جَآءَ

عذاب کہ اس کو رسوا کرے اور کون ہے جھوٹا اور تاکتے رہو میں بھی تمہارے ساتھ ہوں تاکتا اور جب پہنچا

اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ

ہمارا حکم بچا دیا ہم نے شعیب کو اور جو یقین لائے تھے اس کے ساتھ اپنی مہر سے اور پکڑا ان

۹۳۔ پہلے حضرت شعیب علیہ السلام نے اصحاب مدین کو شرک اور کم تولنے کی عادت سے توبہ استغفار کرنے کی نصیحت کی اور یہ کہا کہ مجھ کو ڈر ہے کہ اگر تم میرا کہنا نہ مانو گے تو قوم نوح اور قوم ہود اور قوم صالح اور قوم لوط کی طرح تم ہلاک ہو جاؤ گے جب ان لوگوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کا کہنا نہ مانا تو آخر درجہ انہوں نے یہ فرمایا کہ خیر جو تمہارا جی چاہے وہ کرو اب تم کو معلوم ہو جاوے گا کہ تمہاری کیا رسوائی ہونے والی ہے آخر وہی ہوا کہ تھوڑے دنوں میں عذاب آیا آگ برسی اور سب ہلاک ہو گئے آخری نصیحت حضرت شعیبؑ نے جو اپنی امت کو کی تھی جب بلوہ کے لوگ حضرت عثمانؓ کے گھر پر چڑھ آئے اور حضرت عثمانؓ کے شہید کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت عثمانؓ نے بھی یہی نصیحت کی تھی کہ دیکھو مجھ کو شہید نہ کرو مجھ کو خوف ہے کہ قوم نوح اور قوم ہود اور قوم صالح اور قوم شعیب کا سا وبال تم پر آوے آخر وہی ہوا کہ اس روز سے مسلمان طرح طرح کے وبال میں گرفتار ہیں آنحضرتؐ کے زمانہ سے لے کر حضرت عثمانؓ کے زمانہ تک جو اقبال مندی اور خوشحالی تھی وہ بات باقی نہ رہی۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم الٰہی میں جو لوگ دوزخ کے قابل ٹھہر چکے ہیں دنیا میں پیدا ہونے کے بعد وہ لوگ کام بھی ویسے ہی کرتے ہیں[1] اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں جو دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ شعیب علیہ السلام جب نصیحت کرتے کرتے تھک گئے اور ان کی قوم کے لوگ راہ راست پر نہ آئے تو اللہ کے نبی شعیب علیہ السلام نے جان لیا کہ یہ لوگ علم الٰہی میں دوزخ کے قابل ٹھہر چکے ہیں ان کے دل پر نصیحت کا کچھ اثر نہ ہوگا اس لئے اللہ کے نبی نے ان لوگوں سے کہہ دیا کہ اب تم لوگوں کا جو جی چاہے سو کرو یہ ایسی بات ہے جیسے کوئی طبیب کسی بیمار کی زندگی سے مایوس ہو کر کہہ دیتا ہے کہ جو تیرا جی چاہے وہ کھا پرہیز کی اب ضرورت نہیں ہے اس آیت میں عذاب کے آجانے کی پیشین گوئی جو اللہ کے رسول شعیب علیہ السلام نے کی تھی اس کے ظہور کا حال آگے کی آیت میں آتا ہے۔

۹۴۔۹۵۔ جب شعیب علیہ السلام اپنی قوم سے ناامید ہو گئے اور جان لیا کہ اب یہ ایمان نہیں لائیں گے تو فرمایا کہ دیکھو کون عذاب سے رسوا ہو کر ہلاک ہوتا ہے اس وقت خدا کا عذاب آیا اللہ پاک نے اپنے رسول شعیبؑ کو اور جو ان پر ایمان لائے تھے ان کو اپنی رحمت سے بچا لیا اور قوم شعیبؑ کو جنہوں نے ظلم کیا تھا اور حضرت شعیبؑ کو جھٹلایا اور ایمان نہیں لائے یہ سب حضرت جبرئیل علیہ السلام کی ایک سخت چیخ سے اس طرح ہلاک ہو گئے کہ یہ بھی نہیں معلوم ہوا کہ اس گاؤں میں کوئی بستا بھی تھا یا نہیں جس طرح قوم ثمود چنگھاڑ سے ہلاک ہوئی اسی طرح یہ قوم بھی ہلاک ہوئی اس لئے یہاں ثمود کا نام لیا قوم لوط کا نام نہیں لیا تفسیر ابن ابی حاتم میں محمد بن کعب قرظی اور حسن بصری سے روایتیں ہیں کہ قوم شعیب پر تین طرح کا عذاب ایک ساتھ آیا پہلے بستی میں ایک

[1] صحیح بخاری ص ۷۳۸ ج ۲ تفسیر سورۃ والیل اذا یغشیٰ۔

ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جٰثِمِينَ ﴿٩٤﴾ كَأَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا
ظالموں کو چنگھاڑ نے پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے جیسے کبھی نہ بسے تھے اُن میں

أَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُودُ ﴿٩٥﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسٰى بِاٰيٰتِنَا
سن لو پھٹکار مدین کو جیسے پھٹکار پائی ثمود نے اور بھیج چکے ہیں ہم موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے

وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ﴿٩٦﴾ إِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهٖ فَاتَّبَعُوا أَمْرَ فِرْعَوْنَ وَمَا
اور واضح سند دے فرعون اور اس کے سرداروں پاس پھر چلے کہنے پر فرعون کے اور نہیں

أَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ ﴿٩٧﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ
بات فرعون کی کچھ نیک چال رکھتی آگے ہوگا اپنی قوم کے قیامت کے دن پھر پہنچا دے گا اُن کو آگ پر

طرح کی سخت گرمی پھیل گئی اور اس گرمی کے وقت آسمان پر ایک ابر آیا جس کے نیچے ٹھنڈی ہوا بھی تھی جب یہ سب لوگ گرمی سے بچنے کے لئے اس ابر کے نیچے ٹھنڈی ہوا کے لالچ سے چلے گئے تو آسمان سے ایک سخت آواز آئی جس سے زمین ہل کر زلزلہ پیدا ہو گیا اور اس ابر میں سے آگ کے انگارے برسے۔ یہ محمد بن کعب حسن بصری کے رتبہ کے ثقہ تابعی ہیں اور حدیث کی سب کتابوں میں ان سے روایتیں ہیں سورہ اعراف میں اس قوم کا عذاب زلزلہ کا ہے اور اس سورت میں سخت آواز کا اور سورت شعراء میں سائبان کی طرح کے ابر کا جس سے محمد بن کعب اور حسن بصری کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰؓ اشعری کی حدیث گذر چکی ہے کہ ایسے نافرمان لوگوں کو وقت مقررہ تک اللہ تعالیٰ مہلت دیتا ہے اور وقت مقررہ کے آجانے پر عذاب آجاتا ہے[1]۔ یہ حدیث قتل اور قوموں کی حالت کے اس قوم کی حالت کی بھی گویا تفسیر ہے۔

۹۶۔۹۹۔ اوپر کے قصوں کے بعد ان آیتوں میں فرمایا کہ ہم نے موسیٰ کو طرح طرح کے معجزے اور نشانیاں دے کر فرعون بادشاہ مصر اور اس کے وزیروں اور سرداروں کے پاس بھیجا بعضے مفسروں نے آیات سے مراد توریت اور سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ سے مراد معجزے لئے ہیں مگر یہ ٹھیک نہیں ہے کیونکہ فرعون کی ہلاکت کے بعد توریت نازل ہوئی ہے اس لئے بعض مفسروں نے دونوں کے معنے معجزے کے جو بیان کئے ہیں وہ قول صحیح ہے بہرحال کوئی بھی ان میں سے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہیں لایا فرعون کے ساتھ فرعون ہی کے دین و آئین پر قائم رہے اللہ پاک نے فرمایا فرعون کا طریقہ کوئی نیک انجام نہ تھا بالکل گمراہی کا طریقہ تھا اس لئے جس طرح وہ لوگ دنیا میں فرعون کے تابعدار رہے اسی طرح قیامت کے دن بھی یہ لوگ فرعون کے پیرو رہیں گے اور فرعون کے پیچھے پیچھے دوزخ میں چلے جائیں گے قتادہ نے اِلْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ یہ لوگ جس گھاٹ پر جائیں گے وہ بہت ہی برا گھاٹ ہو گا کیونکہ انسان گھاٹ پر اس لئے جاتا ہے کہ پیاس بجھے دوزخ کا گھاٹ ایسا ہو گا کہ وہاں اور بھی تشنگی غالب ہو گی پھر فرمایا کہ ان پر دنیا میں بہت لعنت ملامت ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ جتنے لوگ ان کے بعد ہوں گے اور ان کا قصہ سنیں گے ان پر لعنت کریں گے اور آخرت میں بھی اہل محشر ان پر لعنت بھیجیں گے اِلرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہ کہا ہے کہ مراد اس سے دنیا اور آخرت کی لعنت ہے۔ صحیح مسلم میں سمرہؓ بن جندب سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۴۶ ج ۲ تفسیر سورۃ شعراء[2] صحیح بخاری ص ۶۷۸ ج ۲ بحوالہ وکذلک اخذ ربک اذا اخذ القری۔

وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُودُ ﴿٩٨﴾ وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ
اور برا گھاٹ ہے جس پر پہنچے اور پیچھے سے ملی اس جہان میں لعنت اور دن قیامت کے
بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُودُ ﴿٩٩﴾ ذَٰلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْقُرَىٰ نَقُصُّهُ عَلَيْكَ مِنْهَا
برا انعام ہے جو ملا یہ تھوڑے سے احوال ہیں بستیوں کے کہ ہم سناتے ہیں تجھ کو ان میں
قَائِمٌ وَحَصِيدٌ ﴿١٠٠﴾ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِنْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَمَا أَغْنَتْ
قائم ہے اور کوئی کٹ گیا اور ہم نے ان پر ظلم نہ کیا لیکن ظلم کر گئے اپنی جان پر پھر کچھ کام نہ
عَنْهُمْ آلِهَتُهُمُ الَّتِي يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ لَمَّا جَاءَ
آئے ان کے ٹھاکر جن کو پکارتے تھے سوائے اللہ کے کسی چیز میں جب پہنچا

دوزخیوں پر ان کی بداعمالی کے موافق عذاب ہوگا مثلاً کسی دوزخی کو تو دوزخ کی آگ ٹخنوں تک جلاوے گی اور کسی کو گھٹنوں تک اور کسی کو کمر تک اور کسی کو اس سے بڑھ کر فرعون اور اس کے ساتھیوں کی بداعمالی اور مشرکوں سے بڑھی ہوئی ہے کیونکہ اور مشرک خدا کو خدا جان کر اس کی عبادت میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں اور فرعون خود اپنے آپ کو خدا کہتا تھا اور اس کے ساتھی اس کا کہنا مانتے تھے اس لئے سورت غافر میں آوے گا کہ فرعون اور اس کے ساتھیوں کا عذاب قیامت کے دن بہت سخت ہوگا۔ صحیح بخاری و مسلم[1] میں عبداللہ بن عمر سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت سے پہلے ہر روز صبح و شام دوزخ کا ٹھکانا قابل دوزخ اور جنت کا ٹھکانا قابل جنت روحوں کو دکھایا جا کر یہ کہا جاتا ہے کہ قیامت کے دن تمہیں اس ٹھکانے میں جانا اور رہنا ہوگا حاصل کلام یہ ہے کہ قیامت کے دن تو فرعون اور اس کے ساتھیوں پر جو سخت عذاب ہوگا اب قیامت سے پہلے ہر روز صبح شام ان کو وہ عذاب کا ٹھکانا دکھایا جاتا ہے جس سے ہر روز ان کے حق میں گویا دو دفعہ قیامت کا سامنا ہے اسی واسطے فرمایا کہ فرعون کا کہنا ماننے سے ان لوگوں کو برا انعام ملا وہ برا انعام ہے مدد کے طور پر ایک شخص دوسرے شخص کو کوئی چیز دیوے تو اس کو رِفد کہتے ہیں اسی واسطے شاہ صاحب نے رفد کا مراد کی ترجمہ انعام کیا ہے یَقْدُمُ قَوْمَہٗ کا یہ مطلب ہے کہ جس طرح دریا میں ڈوبنے کے وقت فرعون اپنے ساتھیوں کے آگے تھا اور سب لشکر اس کے پیچھے تھا دوزخ میں جاتے وقت بھی ان لوگوں کا یہی حال ہوگا۔

۱۰۰-۱۰۱- اوپر چند قصے بیان فرما کر اب نتیجہ کے طور پر فرمایا اے رسول اللہ کے یہ پہلی امتوں کی خبریں ہیں جس کا مطلب ہے کہ ان لوگوں نے اپنے رسولوں کے ساتھ جیسا کیا ویسا پایا یہ گاؤں اور شہر جن پر عذاب آ گیا بعض تو ایسے ہیں کہ بالکل نیست و نابود نہیں ہوئے ویران کر دیے گئے اور بعضوں کا طبقہ ہی الٹ دیا گیا پھر فرمایا کہ ان پر اللہ کا ظلم نہیں تھا آپ ان لوگوں نے اپنے اوپر ظلم کیا اور رسول اللہ کو جھٹلاتے رہے اور راہ حق پر نہ آئے بتوں کی پرستش کرتے رہے اور جب عذاب آیا تو ان کے وہ جھوٹے معبود کچھ نہ کر سکے اگر کچھ کام بھی آئے تو یہی کہ ان کو ہلاک ہی کر کے چھوڑا صحیح مسلم[2] کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں جو کچھ ہونے والا تھا اللہ تعالیٰ نے دنیا کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار برس پہلے

[1] مشکوۃ ص ۵۰۲ باب صفۃ النار واھلہا [2] صحیح مسلم ص ۳۸۵ ج ۲ باب عرض مقعد المیت من الجنۃ الخ۔

أَمْرُ رَبِّكَ ۖ وَمَا زَادُوهُمْ غَيْرَ تَتْبِيبٍ ﴿١٠١﴾ وَكَذَٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ

حکم تیرے رب کا اور کچھ نہ بڑھایا اُن کے حق میں سوائے ہلاک کرنا اور ایسے ہی ہے پکڑ تیرے رب کی جب پکڑتا ہے

الْقُرَىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۚ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ ﴿١٠٢﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً

بستیوں کو اور وہ ظلم کر رہی ہیں بیشک اُس کی پکڑ دکھ دینے والی ہے زور کی اس بات میں نشانی ہے

وہ سب لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے اور اسی کو تقدیر کہتے ہیں حاصل کلام یہ ہے کہ اگرچہ ہر ایک نیک وبد کا حال اللہ تعالےٰ کو نیک وبد کے پیدا ہونے سے پہلے معلوم تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ انصاف کیا کہ سزا وجزا کا فیصلہ اپنے علم پر نہیں رکھا بلکہ اُس علم کے ظہور پر رکھا جس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد جیسا کوئی کرے گا مرنے کے بعد ویسا بدلہ پائے گا اس تفسیر سے وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِن ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ کا مطلب اچھی طرح سے سمجھ میں آسکتا ہے اور یہ بھی سمجھ میں آسکتا ہے کہ تجربہ سے کسی کام کا نتیجہ پہلے سے جان لینا اور بات ہے اور کسی کام پر کسی کو مجبور کرنا اور بات ہے اس لئے جو لوگ تقدیر کے لکھے پر اپنے آپ کو مجبور قرار دیتے ہیں وہ بڑی غلطی پر ہیں اسی طرح جو لوگ یہ شبہ دل میں لاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب کو نیک کیوں نہیں بنایا وہ بھی غلطی پر ہیں کیونکہ دنیا نیک وبد کے امتحان کے لئے پیدا کی گئی ہے زبردستی سب کو نیک بنانے میں یہ امتحان بھلا کس طرح پورا ہو سکتا تھا۔

۲۔۱۔ اللہ پاک نے اس آیت میں اپنے رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی کہ تیرے خدا کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے جب کسی ظالم کو پکڑ لیتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا جیسے یہ گاؤں جن میں ظالم بستے تھے جن کا ذکر ہو چکا ہے کہ آخر برباد ہی کر دیئے گئے اُس کی پکڑ بہت دردناک ہے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ یہ حکم انہیں گاؤں اور بستیوں کے لئے تھے اور دوسروں کے واسطے نہیں ہے بلکہ ہر ایک ظالم کا یہی نتیجہ ہوگا ابوموسےٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح بخاری ومسلم کے حوالہ سے گذر چکی ہے کہ اللہ پاک ظالم کو مہلت دیتا ہے۔ اور جب پکڑ لیتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا[۱] یہ حدیث آیت کی گویا تفسیر ہے۔

۳۔۱۔ انبیائے سابق اور ان کی امتوں کے ذکر کے دو فائدہ تو اوپر مذکور ہو چکے تیسرا فائدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے حاصل اس فائدہ کا یہ ہے کہ کافر اور منافق کے دل تو ایسے سخت ہو گئے ہیں کہ اُن کے دل پر کسی نصیحت کا اثر نہیں ہے ہاں جو لوگ اللہ اور رسول اور قیامت کے قائم ہونے پر ایمان لاچکے ہیں ان پچھلے قصوں سے اُن کو ایک بڑی عبرت ہونی چاہئے کس واسطے کہ پچھلی امتوں کا دنیا کا عذاب سن کر پورا یقین ہوتا ہے کہ اللہ کے وعدہ کا ظہور جس طرح دنیا میں ہو چکا اسی طرح آخرت کے عذاب کا اُس کا وعدہ سچا ہے اور ضرور ایک مقرر دن پر اُس کا ظہور ہونے والا ہے اس وعدہ کے دن کے لئے کچھ نیکی کرنی چاہیئے تاکہ اُس روز چھٹکارا ہو کیوں کہ جس طرح اس دن کے آنے کا وعدہ حق ہے اسی طرح اس دن کا یہ وعدہ بھی حق ہے کہ جس کا نیکی کا پلہ اُس دن بھاری ہوگا اُسی کا چھٹکارہ ہوگا پھر اس چھٹکارہ کی صورت بدوں نیکی کے کرنے اور بدی سے بچنے کے کیوں کر ممکن ہے تفسیر ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب بدی کا بدلہ ایک اور نیکی کا بدلہ دس ہے تو ایسے شخص کے حال پر بڑا افسوس ہے جو دنیا سے ایسی حالت میں جائے کہ اُس کی اکائیاں دہائیوں پر غالب ہوں گی[۲] ترمذی مسند امام

[۱] صحیح مسلم ص ۳۳۵ ج ۲ باب حجاج آدم وموسیٰ علیہما السلام [۲] صحیح بخاری ص ۶۷۸ ج ۲ قولہ وکذلک اخذ ربک الخ [۳]

لِمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ
اُس کو جو ڈرتا ہے آخرت کے عذاب سے وہ دن ہے جس میں جمع ہوں گے سب لوگ اور وہ

يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ
دن ہے دیکھنے کا اور اس کو ہم دیر جو کرتے ہیں سو ایک وعدہ کی گنتی کو جس دن وہ آوے گا نہ بولسکیگا

احمد بن حنبل وغیرہ میں ابوہریرہؓ ابی بکرہؓ جابر بن عبداللہؓ اور عبداللہ بن بسر سے صحیح روایتیں ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں اچھا آدمی وہی ہے کہ جس کی عمر بڑی ہو اور اس کے عمل نیک ہوں اور برا آدمی وہ ہے کہ جس کی عمر بڑی ہو اور کام برے اور بد ہوں معتبر سند سے مسند امام احمد میں ابوہریرہؓ کی دوسری روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت طلحہؓ کے گھر میں تین مہاجر صحابہ رہتے تھے دو ان میں سے شہید ہو گئے اور ایک ان دونوں شہیدوں کے بہت روز کے بعد اپنی موت سے مرے طلحہؓ کہتے ہیں کہ پھر میں نے خواب میں دیکھا کہ تیسرا شخص جو اپنی موت سے مرا تھا جنت میں ان دونوں شہیدوں کے آگے ہے۔ اس خواب سے مجھ کو بڑا تعجب ہوا میں نے اپنا یہ خواب آنحضرتؐ سے تعجب کے ساتھ بیان کیا آپ نے فرمایا کچھ تعجب کی بات نہیں ہے نیک عمل ہو کر کوئی شخص بڑی عمر پاوے تو یہ بڑے اجر اور درجہ کی چیز ہے حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مسلمانوں کے حق میں یہ ایک پیشین گوئی فرمائی ہے کہ مسلمانوں کو نصیحت زیادہ کارگر ہوتی ہے جو لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں وہ ذرا اپنی حالت پر غور کریں کہ ان کی حالت پر کہاں تک اللہ کی پیشین گوئی صادق آتی ہے اور جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے عمر دی ہے وہ اس کو ایک دولت سمجھ کر اس دولت سے یہ تجارت کریں کہ اس دولت سے نیک عمل کی دولت کمائیں۔ ذٰلِكَ کا اشارہ قیامت کے دن کی طرف ہے آیت کے اس ٹکڑے کا حاصل مطلب یہ ہے کہ میدان محشر میں آدم علیہ السلام سے قیامت تک جتنے بنی آدم پیدا ہوئے ہیں وہ سب حساب و کتاب کے لئے جمع کئے جاویں گے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم کی ابوہریرہؓ کی روایت میں اس کا ذکر تفصیل سے ہے اسی طرح طرح کے انتظام کے لئے وہاں فرشتے بھی حاضر ہوں گے مثلاً ستر ہزار نکیلیں لگا کر ہزار ہا فرشتے دوزخ کو میدان محشر میں لاویں گے جس کا ذکر صحیح مسلم اور ترمذی میں عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے ہے اور اسی طرح کے بہت سے انتظام ہیں جو اس دن فرشتوں کے ذمہ ہوں گے۔ انسان جنات اور فرشتوں کے جمع ہو جانے سے وہ ایک عجیب دن ہو گا اس لئے شاہ صاحب نے مرادی ترجمہ وہ دن ہے دیکھنے کا فرمایا ہے۔

۴۔ ۱۰۵۔ اس سے پہلے کی آیت میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ قیامت کے دن اول سے آخر تک سب لوگ جمع ہوں گے اس لئے فرمایا کہ قیامت کے آنے میں دیر اس لئے ہو رہی ہے کہ خدا نے یہ بات اس لئے ٹھہرائی ہے کہ جب تک دنیا کے تمام پیدا ہونے والے لوگ پیدا نہ ہو لیں گے اور ان کے پیدا ہونے کے لئے جو مدت مقرر ہے وہ پوری نہ ہو جاوے گی اس وقت تک قیامت نہ آوے گی اور اس مدت کی خبر خدا ہی کو ہے سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا جب یہ مدت دنیا کی ختم ہو جاوے گی تو وہ قیامت کا دن قائم ہو گا اور ہر شخص کو اس کے عمل کے موافق جزا سزا ملے گی پھر اس کے بعد فرمایا کہ جب وہ دن آوے گا تو کسی کی کیا مجال ہے جو بغیر حکم خدا کے ایک بات بھی زبان سے نکال سکے اللہ پاک

۱؎ جامع ترمذی ص ۵۶ ج ۲ باب ما جاء فی طول العمر للمؤمن و تفسیر ابن کثیر ص ۲۶۱ ج ۲۔ ۲؎ مجمع الزوائد ص ۲۰۴ ج ۱۰ باب فیمن طال عمرہ من المسلمین۔ ۳؎ صحیح بخاری ص ۹۷۵ ج ۲ باب کیف الحشر۔ ۴؎ مشکوٰۃ ص ۵۰۲ باب صفۃ النار و اہلہا۔

نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي

کوئی جاندار مگر اُس کے حکم سے سو ان میں کوئی بدبخت ہے اور کوئی نیک بخت سو وہ لوگ بدبخت ہیں سو آگ

النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ﴿۱۰۶﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ

میں ہیں اُن کو وہاں چلانا ہے اور دھاڑنا رہا کریں اُس میں جب تک رہے آسمان

کا جس کو حکم ہوگا وہ شفاعت کے لئے کھڑا ہوگا پھر فرمایا کہ قیامت کے دن جتنے لوگ ہوں گے ان میں سے بعضے بدبخت ہوں گے جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور بعضے نیک بخت ہوں گے جن کے لئے جنت بنائی گئی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب یہ آیت اتری فمنہم شقی وسعید تو میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ جب یہ بات مقرر ہو چکی کہ بعض آدمی بدبخت ہیں اور بعض نیک بخت تو پھر عمل کی کیا ضرورت ہے جیسا کچھ تقدیر میں لکھا جا چکا وہ ہو کے رہے گا آپ نے فرمایا جس کے واسطے جس بات کو قلم جاری ہو چکا ہے وہی بات اس پر آسان بھی ہوتی ہے جو شخص جس کام کے لئے پیدا ہوا ہے وہی کام وہ آسانی سے کرتا ہے اس لئے تم کو چاہیئے کہ عمل کئے جاؤ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے[1] منذری نے اس حدیث کی سند پر اگرچہ یہ اعتراض کیا[2] ہے کہ مسلم بن یسار راوی کو حضرت عمرؓ سے ملنے کا موقع نہیں ملا اس لئے اس حدیث کی سند پوری نہیں ہے لیکن مسند امام احمد مستدرک حاکم اور امام مالک کی سند میں مسلم بن یسار نہیں ہے اس لئے یہ حدیث معتبر ہے بعضے مفسروں نے یہاں یہ بات بیان کی ہے کہ جتنے لوگ قیامت میں ہوں گے ان کی دو ہی قسمیں اللہ پاک نے بیان فرمائی ہیں نیک بخت اہل جنت کو اور بدبخت اہل دوزخ کو مگر ان دو کے علاوہ ایک قسم اور بھی ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کے نیک عمل اور بُرے عمل دونوں برابر ہیں یا وہ لوگ جن کے نہ نیک عمل ہیں نہ بُرے عمل ہیں جیسے دیوانے اور بچے تو یہ لوگ خدا کی مشیت میں ہیں ان کے حق میں وہ جو چاہے گا حکم دیگا۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ جن لوگوں کے نیک عمل اور بد عمل برابر ہیں وہ لوگ اور دیوانے لوگ اور بچے صحیح حدیثوں کے موافق جنت میں جاویں گے اس لئے پہلی دو قسموں میں یہ لوگ بھی داخل ہیں۔

۱۰۶ ـــ ۱۰۷۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بدبختوں کا حال بیان فرمایا کہ جن لوگوں نے دین حق کے قبول کرنے سے انکار کیا اور کجروی سے باز نہیں آئے اور بدبخت کے بدبخت ہی رہے اُن کے واسطے دوزخ میں جگہ ہے وہاں یہ لوگ خوب روئیں گے چیخیں گے چلائیں گے دہاڑیں گے مفسروں نے الا ما شاء ربک کی تفسیر میں دو مطلب بیان کئے ہیں ایک یہ کہ آگ میں یہ لوگ اتنے دنوں تک رہیں گے جتنے دنوں دنیا کے آسمان و زمین میں رہ چکے ہیں اور اگر خدا چاہے گا تو زیادہ دنوں تک رکھے گا یہ اس کی مرضی پر موقوف ہے اور دوسرا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ بدبخت ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے مگر خدا جس کو چاہے گا ہمیشہ ہمیشہ نہیں رکھے گا یہ بھی اس کی مرضی پر موقوف ہے کس لئے کہ آسمان و زمین آخرت میں بھی ہوں گے اسی کو فرمایا کہ جب تک آسمان و زمین رہیں گے اس وقت تک یہ لوگ دوزخ میں رہیں گے کیوں کہ اللہ پاک جو ارادہ کرتا ہے وہ کرتا ہے اس کے ارادہ کا کوئی روکنے والا نہیں ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں انس

---

[1] جامع ترمذی ص ۱۳۸ ج ۲ تفسیر سورۃ ہود و تفسیر فتح البیان ص ۴۴۳ ج ۴ و تفسیر ابن کثیر ص ۴۵۹ ج ۲ [2] لیکن مؤلف رح کی کتاب تنقیح الرواۃ ص ۲۵ ج اول سے معلوم ہوتا ہے کہ امام منذری رح کا اعتراض جس روایت پر ہے وہ آیت کریمہ واذ اخذ ربک الآیہ کی تفسیر میں ہے۔ زیر تفسیر آیت والی روایت اس سے الگ ہے واللہ اعلم (ع۔ ر)

وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ

اور زمین مگر جو چاہے تیرا رب بیشک تیرا رب کر ڈالتا ہے جو چاہے اور وہ جو نیک

سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ

بخت ہیں سو جنت میں ہیں رہا کریں اُس میں جب تک رہے آسمان و زمین

بن مالک سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کلمہ گو گنہگار کے دل میں رائی کے دانہ برابر بھی ایمان ہے وہ بھی میری شفاعت کے قابل ہوگا اور دوزخ سے نکل کر جنت میں جاوے گا[1] صحیح بخاری میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے خالص دل سے ایک دفعہ بھی کلمہ پڑھا وہ بھی قیامت کے دن میری شفاعت کے قابل ہے[2] اس کے سوا اور بھی صحیح حدیثیں ہیں جن میں کلمہ گو گنہ گاروں کا دوزخ سے نکل کر جنت میں جانے کا ذکر ہے ان صحیح حدیثوں کی بنا پر حافظ ابو جعفر ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ کی صحیح تفسیر یہی قرار دی ہے[3] کہ اس آیت اور آگے کی آیت میں اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ فرما کر اللہ تعالیٰ نے دونوں جگہ کلمہ گو گنہ گاروں کو دوزخ اور جنت میں ہمیشہ رہنے کی حالت سے مستثنےٰ فرمایا ہے کیونکہ یہ لوگ دوزخ میں تو ہمیشہ یوں نہ رہے کہ آخر کو دوزخ سے نکل کر جنت میں چلے گئے اور جنت میں ہمیشہ یوں نہ رہے کہ ان لوگوں کو کچھ مدت دوزخ میں گذری اس صحیح تفسیر سے وہ اختلاف اٹھ جاتا ہے جس کا ذکر بعضے مفسروں نے اپنی تفسیروں میں کیا ہے اس صحیح تفسیر سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ بعضے سلف سے یہ جو روایتیں ہیں کہ دوزخیوں کے دوزخ میں جانے کے بعد ایک زمانہ ایسا آوے گا کہ جہنم خالی پڑا رہے گا ان روایتوں کا یہ مطلب ہے کہ دوزخ کا پہلا طبقہ جس کا نام جہنم ہے اس میں کلمہ گو گنہگار ڈالے جاویں گے اور جب شفاعت کے ذریعہ سے یہ لوگ دوزخ کے اس طبقہ میں سے نکل کر جنت میں چلے جاویں گے تو دوزخ کا یہ طبقہ خالی پڑا رہے گا یہ مطلب اُن روایتوں کا نہیں ہے کہ کسی زمانہ میں مشرک دوزخ سے نکل جاویں گے اور سارا دوزخ خالی پڑا رہے گا کیونکہ یہ مطلب قرآن حدیث اور مذہب اہل سنت کے برخلاف معتزلے فرقے کا یہ مذہب ہے کہ جو کلمہ گو گنہ گار بغیر توبہ کے مر جاوے گا وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اس واسطے اپنے مذہب کی تائید کے خیال سے صاحب کشاف نے ان صحیح حدیثوں کے برخلاف جو کچھ اپنی تفسیر میں لکھا ہے اہلِ سنت اُس کے قائل نہیں ہیں بلکہ اکثر سلف ان ہی صحیح حدیثوں کو دونوں آیتوں کی تفسیر ٹھہراتے ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم میں انسؓ بن مالک کی شفاعت کے ذکر میں ایک بڑی حدیث ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے جاہ و جلال کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ کوئی کلمہ گو گنہگار دوزخ میں باقی نہ رہے گا[4] اس سے اہلِ سنت کے مذہب کی پوری تائید ہوتی ہے۔

۱۰۸۔ جس طرح وہاں اوپر بدبختوں کا حال بیان کیا یہاں نیک بختوں کا حال بیان فرمایا کہ جو لوگ نیک بخت ہیں رسولوں کی پیروی کی دینِ حق کو قبول کیا اُن کے واسطے جنت ہے جب تک آسمان و زمین وہاں کے رہیں گے یہ لوگ جنت میں رہیں گے بلکہ اس سے بھی زیادہ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ جنت ہی میں رہیں گے پھر وہاں سے نکلنا کیسا بلکہ ان پر ایسی بخشش ہوگی جس کی کوئی انتہا ہی نہیں صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کل مخلوقات

[1] مشکوٰۃ ص ۸۸-۴۸۹ باب الحوض والشفاعۃ [2] مشکوٰۃ ص ۴۸۹ باب الحوض والشفاعۃ [3] تفسیر ابن جریر ص ۱۱۹ ج ۱۲ [4] مشکوٰۃ ص ۸۸-۴۸۹ باب الحوض والشفاعۃ۔

إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ ﴿١٠٨﴾ فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ

مگر جو چاہے تیرا رب بخشش ہے بے انتہا سو تو نہ رہ دھوکے میں ان چیزوں سے جن کو پوجتے

هَٰؤُلَاءِ مَا يَعْبُدُونَ إِلَّا كَمَا يَعْبُدُ آبَاؤُهُم مِّن قَبْلُ وَإِنَّا لَمُوَفُّوهُمْ

ہیں یہ لوگ کچھ نہیں پوجتے مگر ویسا ہی جیسا پوجتے تھے اُن کے باپ دادے اس سے پہلے اور ہم دینے والے ہیں

کا حساب وکتاب ہوجائے گا اور جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے جاویں گے تو موت بلائی جائے گی وہ ایک بھیڑ کی صورت میں آئے گی اُس کو ذبح کرکے کہا جائے گا کہ اے جنت والو اب موت نہیں ہے اب تم ہمیشہ جنت میں رہو اور اے دوزخ والو اب موت نہیں ہے تم ہمیشہ دوزخ میں[1] رہو۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اوپر کی حدیثوں کے موافق جب تمام کلمہ گو دوزخ سے نکل کر جنت میں جا چکیں گے اس وقت موت کو ذبح کیا جاوے گا کیوں کہ صحیح بخاری ومسلم میں ابوسعید خدریؓ کی شفاعت[2] کے باب میں جو ایک بڑی حدیث ہے اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سب شفاعتوں کے ختم ہوجانے کے بعد جن دوزخیوں کو اللہ تعالیٰ اپنی لپ بھر کر دوزخ سے نکالے گا وہ مر کر کوئلہ ہوجاویں گے اور نہر حیات میں ڈالنے سے زندہ ہوجاویں گے اور پھر جنت میں داخل کئے جاویں گے[3] چنانچہ صحیح مسلم کی ابوسعید خدریؓ کی حدیث میں ان لوگوں کے مرجانے کا صاف ذکر آیا[4] ہے حاصل کلام یہ ہے کہ اوپر کی حدیثوں میں اور عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث میں کچھ مخالفت نہیں ہے اوپر کی حدیثیں شفاعت کے وقت کی ہیں اور عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث میں موت کے ذبح کئے جانے اور دوزخیوں کے ہمیشہ دوزخ میں رہنے کا ذکر ہے وہ سب شفاعتوں کے ختم ہوجانے کے بعد کا ہے۔ غرض عبداللہ بن عمرؓ کی اس حدیث سے معتزلی فرقہ کا یہ مطلب کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ گنہ گار کلمہ گو ابھی دوزخ میں ہی ہوں گے اور اس حالت میں موت کو ذبح کیا جا کر دوزخیوں کو ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہنے کا حکم ہوجاوے گا کیوں کہ یہ مطلب انس بن مالکؓ کی اوپر کی صحیح بخاری ومسلم کی اُس حدیث کے برخلاف ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے جاہ وجلال کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ کوئی گنہ گار کلمہ گو ہمیشہ دوزخ میں نہ رہنے[5] گا۔

۱۰۹ — ۱۱۰۔ اللہ پاک نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے فرمایا کہ یہ کفار مکہ جن بتوں کی عبادت کرتے ہیں اس کے شرک ہونے میں تم کچھ شک نہ کرو مشرکین مکہ بت پرستی کو ملت ابراہیمی بتلاتے تھے جس سے ناواقف مسلمانوں کو دھوکا ہوتا تھا اس لئے اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول کو مخاطب ٹھہرا کر ان ناواقف مسلمانوں کو جتلا دیا کہ بت پرستی کے شرک نہ ہونے کی ان مشرکوں کے پاس کوئی سند نہیں ہے یہ فقط اپنے باپ دادا کی پیروی کرتے ہیں ہم اُس کا بدلہ پورا پورا ان کو دیں گے پھر فرمایا کہ اسی طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام پر کتاب اتاری تھی لوگوں نے اس میں اختلاف کیا بعضے ایمان لائے اور بعضے نہیں لائے تم پر بھی جو قرآن اتارا گیا تو بعضے ایمان لے آئے اور بعضے ایمان نہیں لاتے ہیں یہ اختلاف پہلے سے ہوتا آرہا ہے اس کا کچھ غم نہیں کرنا چاہئے پھر فرمایا کہ اگر ایک خاص مدت تک دنیا کا قائم رکھنا اللہ کو منظور نہ ہوتا اور اللہ کی رحمت اُس کے غضب پر غالب نہ ہوتی تو ابھی اس کا فیصلہ ہوجاتا پھر فرمایا جو لوگ خدا کی کتاب کی طرف سے اپنے جی میں شک کرتے ہیں ان کو ان کے اعمال کی جزا سزا اچھی طرح پوری دی جائے گی خدا کو اُن کے ہر ایک

[1] صحیح بخاری ص ۹۶۹ ج ۲ باب صفۃ الجنۃ والنار [2] صحیح بخاری ص ۱۱۰۷ ج ۲ باب وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ [3] صحیح مسلم ص ۱۰۲ ج ۱ باب اثبات الشفاعۃ واخراج الموحدین من النار [4] صحیح مسلم ص ۱۰۱ ج ۱ باب اثبات الشفاعۃ الخ۔

نَصِيبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوصٍ ﴿۱۰۹﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتُلِفَ فِيهِ

اُن کو اُن کا حصہ یعنے عذاب سے بن گھٹایا اور ہم نے دی ہے موسیٰ کو کتاب پھر اس میں پھوٹ پڑ گئی

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ

اور اگر نہ ہوتا ایک لفظ کہ آگے نکل چکا تیرے رب سے تو فیصلہ ہو جاتا اُن میں اور اُن کو اُس میں شبہ ہے کہ

مُرِيبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَإِنَّ كُلًّا لَمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۱۱۱﴾

جی نہیں ٹھہرتا اور جتنے لوگ ہیں جب وقت آیا پورا دے گا رب تیرا ان کو اُن کے کئے اُس کو سب خبر ہے جو جو وہ کر رہے ہیں

عمل کی خبر ہے۔ اوپر ایک جگہ یہ گذر چکا ہے کہ عمرو بن لحی کے زمانہ سے مکہ میں بت پرستی پھیلی اس پر مشرکین مکہ اور ان کے بڑے چلے آتے ہیں اور نادانی سے اسی کو ملت ابراہیمی جانتے ہیں اگر یہ لوگ اپنی نادانی کو چھوڑ دیں تو ملت ابراہیمی کا زمانہ تو بہت دور ہے عمرو بن لحی کے زمانہ سے پہلے بھی مکہ میں بت پرستی کے جاری ہونے کی کوئی سند ان کے پاس نہیں ہے پھر فرمایا کہ جب یہ لوگ بغیر کسی سند کے اپنی نادانی پر اڑے ہوئے ہیں اور باوجود فہمائش کے باز نہیں آتے تو ایک دن اپنے کئے کی پوری سزا بھگتیں گے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے صحیح قول کے موافق نصیب کے معنے یہاں جزا و سزا کے ہیں[۱] جس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے جو لوگ راہ راست پر آگئے وہ پوری جزا پاویں گے اور جو اسی شرک کے حال پر رہے وہ پوری سزا پاویں گے اللہ سچا ہے اللہ کا وعدہ سچا ہے اس کی سورت میں جو پیشین گوئی فرمائی گئی تھی اس کے ظہور کا نمونہ بدر کی لڑائی کے وقت یہ معلوم ہو گیا کہ اس لڑائی کے وقت تک اہل مکہ میں سے جو لوگ راہ راست پر آن کر اس لڑائی میں شریک ہوئے وہ قطعی جنتی ٹھہرے چنانچہ مسند امام احمد میں جابرؓ بن عبداللہ سے صحیح روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل بدر میں سے کوئی شخص ہرگز دوزخ میں نہ جاوے گا[۲] اور اس لڑائی کے وقت تک ان میں سے جو لوگ مشرک رہے اور اس لڑائی میں مارے گئے ان کا انجام صحیح بخاری و مسلم کی انسؓ بن مالک کی روایت سے ایک جگہ گذر چکا ہے کہ مرتے ہی وہ لوگ سخت عذاب میں گرفتار ہو گئے اور اللہ کے رسول نے ان کی لاشوں پر کھڑے ہو کر یہ فرمایا کہ اب تو تم لوگوں نے اللہ کے وعدہ کو سچا پا لیا[۳] صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہؓ بن عمرو بن العاص کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ قرآن شریف کی کسی آیت کے مطلب پر دو صحابیوں کا جھگڑا سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگوں کو معلوم نہیں کہ تم سے پہلے لوگ کتاب آسمانی کے مطلب میں اختلاف ڈال کر برباد ہو گئے[۴]۔ یہود کے اختلاف اور پھوٹ کا جو ان آیتوں میں ذکر ہے یہ حدیث گویا اُس کی تفسیر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود نے تورات کے لفظوں اور معنوں میں یہاں تک اختلاف ڈالا کہ اُس اختلاف نے اُن کی عقبیٰ کو برباد کر دیا یہود کی موجودہ حالت سے اس حدیث کے مضمون کی پوری صداقت ہوتی ہے کہ اُن کے اختلاف اور پھوٹ کے سبب سے ایک تورات کے تین نسخے عبرانی یونانی سامری بن گئے ہیں اور ہر ایک فرقہ اپنے نسخہ کو صحیح کہتا ہے اسی واسطے فرمایا کہ ان لوگوں نے کلام الٰہی کو ایسی شک کی حالت میں ڈال رکھا ہے جس کے سبب سے ایک فرقہ دوسرے کو جھٹلاتا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ سب فرقوں کے عملوں اور حق و ناحق کا حال اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے وقت مقررہ آنے پر ان عملوں کی سزا و جزا کا پورا فیصلہ ہو جاوے گا طبرانی اور مسند بزار کے حوالہ سے انسؓ بن مالک

[۱] تفسیر ابن کثیر ص ۴۶۱ ج ۲ [۲] فتح الباری ص ۴ ج ۴ باب فضل من شہد بدرا نیز دیکھئے مشکوٰۃ ص ۵۸۱ باب جامع المناقب [۳] صحیح بخاری ص ۵۶۶ ج ۲ باب قتل ابی جہل [۴] مشکوٰۃ ص ۲۸ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

سو تو سیدھا چلا جا جیسا تجھ کو حکم ہوا اور جس نے توبہ کی تیرے ساتھ اور حد سے نہ بڑھو وہ دیکھتا ہے جو تم

بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ

کرتے ہو اور مت جھکو اُن کی طرف جو ظالم ہیں پھر تم کو لگے گی آگ اور کوئی نہیں تمہارا

دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

اللہ کے سوائے مددگار پھر کہیں مدد نہ پاؤ گے

کی صحیح حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے کہ قیامت کے دن سر بمہر لوگوں کے اعمال نامے اللہ تعالیٰ کے روبرو جب پیش ہوں گے تو بہت سے عمل ظاہر حالت سے فرشتوں کو اچھے معلوم ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ ان عملوں کو نامقبول ٹھہراوے گا[۱] یہ حدیث انہ بما یعملون خبیر کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جن عملوں کا حال اعمال نامہ لکھنے والے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں اس غیب داں کو وہ حال بھی خوب معلوم ہے وان کلا لما لیوفینھم ربک اعمالھم آیت کے اس ٹکڑے کو اللہ تعالیٰ نے مختصر طور پر فرمایا ہے جس کی اصلی عبارت یوں ہے وان کلھم لما بعثوا لیوفینھم ربک اعمالھم اسی واسطے شاہ صاحب نے کلھم کا ترجمہ "جتنے لوگ" اور لما بعثوا کا ترجمہ "جب وقت آیا" فرمایا ہے

۱۱۲ ـــ ۱۱۳ ـ اگرچہ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مخاطب ٹھہرایا ہے لیکن اس حکم میں آپ کی کل امت اول سے آخر تک سب شامل ہے حکم یہ ہے کہ جو کچھ اللہ کا حکم ہوا ہے اس پر قائم رہو یہ آیت جب اتری تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ مستعد ہو جاؤ مستعد ہو جاؤ اور پھر آپ کو کسی نے ہنستے ہوئے نہیں دیکھا یہی وہ آیت ہے جس سے شرع کے کل احکام نکلتے ہیں کیونکہ حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ جس طرح پر حکم ہوا ہے اس پر جمے رہو کسی طرح کی کمی بیشی نہ ہونے پائے اور جن باتوں سے منع کیا گیا ہے ان سے بچتے رہو اور جن کاموں کا حکم کیا گیا ہے ان پر مستعدی سے عمل کرتے رہو ذرا بھی فرق نہ ہونے پائے یہی وہ حکم ہے جس سے کوئی حکم الٰہی سخت نہیں ہے کیوں کہ بالکل حکم کے مطابق کرنا سوائے معصوم ذات انبیاء علیہم السلام کے دوسرے سے دشوار ہے اسی بناء پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے سورت ہود نے بوڑھا کر دیا[۲] اس حکم کے بعد اللہ جل شانہ نے حد سے بڑھنے کو منع فرمایا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جس امر کا حکم ہوا ہے اس کو بڑھا کر کرنا جیسے روزہ رکھنے کا حکم سارے دن کا ہے اس میں یوں حد سے بڑھا جاوے کہ رات کو بھی روزہ رکھا جائے یا افطار کے وقت سے دیر کر کے روزہ افطار کیا جائے تو یہ طغیان ہو جائے گا پھر طغیان کرنے والوں کے لئے یہ حکم ہوا ہے کہ اللہ تمہارے عملوں کو دیکھ رہا ہے وہ اس کا ویسا ہی بدلہ دے گا پھر یہ حکم ہوا کہ ظالم اور مشرکوں سے میل جول نہ رکھو اگر ایسا کرو گے تو تمہیں دوزخ کی آگ جلائے گی ظلموا کی تفسیر میں بھی اختلاف ہے بعضے کہتے ہیں کہ حضرت کے زمانہ کے جو مشرک تھے انہیں کے ساتھ میل جول نہ رکھنے کا حکم ہوا ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ ہر ظالم اس میں داخل ہے خواہ مسلمان ہو خواہ کافر و مشرک کسی سے بھی میل نہ کرو اگر تم ظالموں کا ساتھ دو گے تو اللہ کی مدد تم میں سے اٹھ جاوے گی کیوں کہ اللہ ظالم کو دوست نہیں رکھتا اور جب اللہ کی مدد اٹھ گئی تو پھر کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا حاصل کلام یہ ہے کہ اوپر مشرکوں اور یہود کا ذکر فرما کر ان آیتوں میں مسلمانوں کو شریعت الٰہی کے سیدھے راستہ پر قائم اور ثابت قدم رہنے اور مشرکوں اور یہود کی عادتوں سے بچنے کا حکم فرمایا ہے جس سے مقصود

[۱] الترغیب ص ۳۱ ج ۱ الترہیب من الریاء الخ [۲] مشکوٰۃ ص ۴۵۸ باب البکاء والخوف و تفسیر ابن کثیر ص ۴۳۵ ج ۲۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ

اور کھڑی کر نماز دونوں سرے دن کی اور کچھ ٹکڑوں میں رات کے البتہ نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو

ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

یہ یادگاری ہے یاد رکھنے والوں کو

یہ ہے کہ ہر مسلمان وحدانیت کا اقرار کر کے پھر اس پر ثابت قدم رہے کوئی بات ظاہری شرک یا ریاکاری کی ایسی نہ کرے جس سے اس اقرار میں فرق آجاوے اور اس اقرار کو سچا کرنے کے لئے نیک عملوں میں حتی المقدور لگا رہے کیوں کہ شریعت میں نیک عمل آدمی کے نیک ہونے کی نشانی قرار دی گئی ہیں چنانچہ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے کہ علم الٰہی میں جو شخص نیک ٹھہر چکا ہے وہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد ویسا ہی کام بھی کرتا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابوسعیدؓ خدری کی بڑی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن لوگوں کو خالص دل سے وحدانیت الٰہی کا اقرار ہے اور اس اقرار کو سچا کرنے کے لئے ان لوگوں نے کچھ نیک عمل نہیں کئے تو ایسے لوگ دوزخ سے یوں نکلیں گے کہ سب شفاعتوں کے بعد اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کرے گا۔ ہر ایماندار شخص کو دوزخ سے بچنے کے لئے نیک عمل میں لگے رہنے کی جس قدر ضرورت ہے وہ اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے صحیح مسلم میں سفیانؓ بن عبداللہ ثقفی سے روایت ہے جس میں سفیانؓ کہتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا حضرت مجھ کو دین میں کوئی ایسی بات بتا دیجئے کہ پھر مجھ کو کچھ پوچھنے کی ضرورت باقی نہ رہے آپ نے فرمایا دین میں خالص دل سے جن باتوں کے ماننے کا حکم ہے ان باتوں کو مان کر پھر اس پر قائم اور ثابت قدم رہو معتبر سند سے مستدرک حاکم میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا قول ہے کہ دین پر ثابت قدم رہنے کا یہ مطلب ہے کہ دائرہ اسلام میں داخل ہوتے وقت آدمی نے جن باتوں کا عہد کیا مرتے دم تک آدمی اس پر قائم رہے یہ حدیث اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کا قول ان دونوں آیتوں کی تفسیر ہے جس سے دینداری کی باتوں پر چلنے اور بے دینی کی باتوں سے بچنے کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے اور یہ بھی سمجھ میں آجاتا ہے کہ دین اور دین پر قائم رہنا کیا ہے۔

۱۱۴۔ صحیحین ترمذی مسند امام احمد وغیرہ میں جو شان نزول اس آیت کی حضرت عبداللہ بن مسعود عبداللہ بن عباس اور ابی الیسرؓ کی روایت سے بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ابی الیسر کے پاس ایک عورت کھجوریں خریدنے آئی تھی ابوالیسر بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس عورت سے کہا کہ بہ نسبت میری دکان کے میرے گھر میں عمدہ کھجوریں ہیں یہ سن کر جب وہ عورت میرے ساتھ میرے گھر میں آئی تو میں نے اس سے مباشرت تو نہیں کی لیکن سوا مباشرت کے اور سب بے شرمی کی باتیں کیں پھر مجھ کو ندامت ہوئی پہلے میں نے حضرت عمرؓ سے اس کا ذکر کیا حضرت عمرؓ نے فرمایا تیرا اچھا ہو شاید وہ عورت کسی غازی کی تھی جو لڑائی پر گیا ہوا ہے میں نے کہا کہ ہاں پھر میں نے ابوبکر صدیقؓ سے اس کا ذکر کیا اور پھر میں نے خود آنحضرت سے اس کا ذکر کیا آنحضرت نے تھوڑی

لہ صحیح بخاری ص ۷۳۰ ج ۲ تفسیر سورۃ واللیل اذا یغشیٰ و مشکوٰۃ ص ۲۰ باب الایمان بالقدر۔ لہ صحیح بخاری ص ۱۱۰۷ ج ۲ باب وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرہ و مشکوٰۃ ص ۴۹۰ باب الحوض والشفاعۃ۔ لہ مشکوٰۃ ص ۱۲ کتاب الایمان۔ لہ مستدرک ص ۴۴۰ ج ۲ تفسیر سورۃ حم السجدہ۔

وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۱۵﴾

اور ٹھہرا رہ البتہ اللہ ضائع نہیں کرتا ثواب نیکی والوں کا

دیر یہ قصہ سن کر سکوت کیا اتنے میں حضرت جبرئیل یہ آیت لائے اس کے بعد میں نے آنحضرت سے پوچھا یہ حکم میرے لئے کیا خاص ہے اس پر حضرت عمرؓ نے میرے سینہ پر ایک تھپڑ مارا اور کہا کہ نہیں سب مسلمانوں کے لئے یہ حکم عام ہے اور آنحضرتؐ نے فرمایا کہ عمرؓ نے سچ کہا[۱] ہے صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک نماز سے دوسری نماز تک کے اور ایک جمعہ اور رمضان سے دوسرے جمعہ اور رمضان تک کے صغیرہ گناہ نماز اور روزہ سے معاف ہوجاتے ہیں[۲] حاصل یہ ہے کہ شرک اور کبیرہ گناہ تو بدول توبہ کے معاف نہیں ہوتا صغیرہ گناہ نماز اور روزہ سے معاف ہوجاتا ہے یہ تو اوپر بیان ہوچکا ہے کہ مشرک بدول توبہ کے مرجاوے تو اس کی بخشش نہیں ہے اور کبیرہ گناہ والا شخص بدول توبہ کے مرجاوے تو اس کی بخشش اللہ کی مرضی پر ہے وہ چاہے بلا سزا کے اس کو جنت میں داخل کرے چاہے کچھ سزا دے کر داخل کرے غرض جہاں تک ہوسکے کبیرہ گناہ سے بچنا چاہیئے اور شامت نفس سے کبیرہ گناہ ہوجاوے تو فوراً توبہ کرنی چاہیئے شرائط توبہ کے اوپر بیان ہوچکے ہیں حاصل ان کا یہی ہے کہ گناہ سے دل میں شرمندہ ہونا چاہیئے اور آئندہ کے لئے گناہ سے باز رہنے کا پورا قصد اور ارادہ دل میں توبہ کے وقت رکھنا چاہیئے آیت کے ٹکڑے اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ سے پانچوں وقت کی نمازیں نکلتی ہیں اور ان نمازوں سے گناہوں کے دور ہوجانے اور جاتے رہنے کا یہ مطلب ہے کہ ایک نماز سے دوسری نماز تک کے صغیرہ گناہ بغیر توبہ کے فقط نماز کی برکت سے معاف ہوجاتے ہیں چنانچہ اسی مضمون کی ابوہریرہؓ کی حدیث صحیح مسلم کے حوالہ سے ابھی اوپر گذر چکی ہے وہی حدیث آیت کے ٹکڑے کی گویا تفسیر ہے ذٰلِكَ کا اشارہ ان باتوں کی طرف ہے جن کا ذکر اوپر کی آیتوں میں گذرا مثلاً مشرکین مکہ اور یہود کی بیڈھنگی باتوں سے صبح کر دین پر پورے طور سے قائم رہنا مطلب یہ ہے کہ وہ باتیں تو سب لوگوں کی عقبیٰ کی بہبودی کی ہیں مگر یہ قرآن کی نصیحت انہی لوگوں کے دل پر اثر کرتی ہے جو عقبیٰ کی جزا و سزا کے قائل ہیں اور حساب و کتاب کے لئے اللہ کے روبرو حاضر ہونا ان کو یاد ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰؓ اشعری کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی نصیحت کی مثال مینہ کے پانی کی اور اچھے برے لوگوں کی مثال اچھی بری زمین کی فرمائی ہے[۳] اس حدیث کو ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح اچھی زمین میں مینہ کے پانی سے اچھا تیجہ نکلتا ہے اسی طرح قرآن کی نصیحت انہی لوگوں کے دل پر اثر کرتی ہے جو علم الٰہی میں نیک ٹھہر چکے ہیں اور جس طرح بری زمین میں مینہ کا پانی رائگاں جاتا ہے اسی طرح ازلی بد لوگوں کے حق میں قرآن کی نصیحت رائگاں ہے۔

۱۱۵- اس سے پہلے کی آیت میں اللہ پاک کا یہ حکم ہوا تھا کہ دین پر قائم رہو اور دن کے شروع ہوتے اور ختم ہوتے اور کچھ رات گئے نماز پڑھا کرو جس کی تفصیل ابھی طرح سے کی جاچکی ہے اس کے بعد اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ اب ان سب باتوں پر صبر کرو خدا نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا ہے شریعت میں جن باتوں کی مناہی ہے ان سے بچنے کے لئے جی کو روکنا اور مناہی کی پابندی پر

[۱] صحیح بخاری ص ۸۰ ۶ ج ۲ باب قولہ واقم الصلوۃ طرفی النہار الخ و تفسیر ابن کثیر ص ۴۶۴۔۴۶۳ ج ۲ [۲] تفسیر ابن کثیر ص ۴۶۲ ج ۲ و مشکوۃ ص ۵۷ کتاب الصلوۃ

[۳] صحیح بخاری ص ۱۸ باب فضل من علم وعلّم و مشکوۃ ص ۲۸ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ

سو کیوں نہ ہوئے ان سنگتوں میں تم سے پہلے کوئی لوگ جن میں اثر رہا ہو کہ منع کرتے بگاڑ کرنے سے

فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا

ملک میں مگر تھوڑے جن کو ہم نے بچا لیا اُن میں سے اور چلے وہ لوگ جو ظالم تھے وہی راہ جس میں

فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿١١٦﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَى بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا

عیش پایا اور تھے گنہگار اور تیرا رب ایسا نہیں کہ ہلاک کرے بستیوں کو زبردستی سے اور لوگ وہاں کے

صبر کرنا درکار ہے اسی طرح شریعت میں جن باتوں کے بجالانے کا حکم ہے اس حکم کی تعمیل میں کوئی تکلیف پیش آوے تو اس تکلیف پر صبر ضرور ہے اس مناسبت سے شریعت پر قائم رہنے کے حکم کے بعد صبر کا حکم فرمایا احسان کے معنے حسن نیت سے نیک عمل کرنے کے ہیں چنانچہ صحیح مسلم کے حوالہ سے حضرت عمرؓ کی وہ حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے سائل بن کر دین کی چند باتیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھی ہیں اور آپ نے ان باتوں کے جواب میں احسان کے یہ معنے بتلائے ہیں کہ گویا تو آدمی اس نیت سے عبادت کرے کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے اگر یہ مرتبہ آدمی کو نصیب نہ ہو تو یہ نیت ضرور ہے کہ اللہ اس کو دیکھ رہا ہے[1] اس سے معلوم ہوا کہ دین پر قائم رہنے کا اور نماز دل سے گناہوں کے معاف ہونے کا جو اوپر ذکر ہے اُس کے لئے احسان کی شرط ضرور ہے کیونکہ دین کے جس عمل میں یہ شرط نہ پائی جاوے گی وہ عمل ضائع اور رائگاں جانے کے قابل ہے کس لئے کہ اس باب میں مسند بزار اور طبرانی کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی صحیح حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے کہ آدمی کے جو عمل خالص نیت سے نہ ہوں گے وہ قیامت کے دن نامہ اعمال سے نکال دئے جاویں گے اور ان کا کچھ ثواب نہ ملے گا[2] طبرانی کبیر کے حوالہ سے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے کہ قیامت کے دن جب ہر طرح کی تکلیف پر صبر کرنے والوں کو بے انتہا اجر ملے گا تو بے صبر لوگ یہ تمنا کریں گے کہ دنیا میں کوئی قینچی سے ان کی بوٹیاں کاٹتا اور وہ اُس تکلیف پر صبر کرتے تو کیا اچھا ہوتا[3] یہ حدیث إِنَّ اللهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ کی گویا تفسیر ہے اس حدیث کی سند میں ایک راوی مجاعہ بن الزبیر ہے جس کو بعضے علما نے ضعیف کہا ہے لیکن امام احمد نے اُس کو معتبر قرار دیا ہے[4]۔

۱۱۶ سے ۱۱۷۔ مطلب یہ ہے کہ پچھلی قومیں جتنی گذری ہیں اور جن کا قصہ تمہیں بتلایا گیا ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو سمجھ والے تھے اور انہوں نے رسول کی پیروی اختیار کی تھی دنیا میں ظلم اور فساد سے الگ الگ رہے تھے اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دے دی مگر یہ لوگ بہت کم تھے مفسروں نے فساد کے معنے شرک کے لکھے ہیں مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے خالص خدا ہی کی عبادت کی بتوں سے کوئی غرض نہیں رکھی اور جو لوگ دنیا کے مال و دولت پر غرور کر کے شرک سے باز نہیں آئے اور انہوں نے دین حق کی پیروی نہیں کی وہی لوگ ہلاک ہوئے پھر فرمایا کہ خدا ناحق کسی پر ظلم نہیں کرتا اگر یہ لوگ ہر شخص کے حق کا خیال رکھتے اور ظلم پر کمر نہ باندھتے شرک نہ کرتے تو کبھی ہلاک نہ ہوتے یہ خود انہیں کے ظلم کا نتیجہ تھا۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے ابو ذرؓ کی حدیث قدسی ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اپنی ذات پر ظلم حرام ٹھیرایا ہے[5] یہ حدیث وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَى بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ کی گویا تفسیر ہے جس کا

[1] مشکوٰۃ ص ۱۱ کتاب الایمان [2] الترغیب ص ۲۱ الترغیب من ارادبہا [3] الترغیب ص ۲۷۶ ج ۲ الترغیب فی الصبر [4] الترغیب ص ۵۵۸ ج ۲ باب ذکر الرواۃ المختلف فیہم [5] صحیح مسلم ص ۳۱۹ ج ۲ باب تحریم الظلم

مُصۡلِحُوۡنَ ﴿۱۱۷﴾ وَلَوۡ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوۡنَ

نیک ہوں اور اگر چاہتا تیرا رب کر ڈالتا لوگوں کو ایک راہ پر اور ہمیشہ رہتے ہیں

مُخۡتَلِفِيۡنَ ﴿۱۱۸﴾ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ رَبُّكَ

اختلاف میں مگر جن پر رحم کیا تیرے رب نے

حاصل یہ ہے کہ پچھلی قومیں اپنے شرک اور طرح طرح کے ظلم کے سبب سے ہلاک ہوئیں بے قصور ظلم کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک نہیں کیا کیوں کہ ظلم اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر حرام ٹھہرالیا ہے۔

۱۱۸۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ میں یہ بھی قدرت ہے کہ سارے جہان کو ایک ہی دین پر رکھتا سب کے سب دیندار رہتے مگر خدا کی مرضی یہ ہوئی کیوں کہ دنیا کو اس نے نیک و بد کے امتحان کے لئے پیدا کیا ہے زبردستی دیندار بنانے کے لئے نہیں پیدا کیا اس لئے لوگ الگ الگ فرقے فرقے ہو گئے پھر فرمایا کہ یہ لوگ ہمیشہ مختلف رہیں گے کوئی نصاریٰ کوئی یہود کوئی مجوس کوئی مشرک اسی طرح اپنی اپنی عقل کے موافق الگ الگ مذہب قائم کریں گے ترمذی ابوداؤد ابن ماجہ میں ابوہریرہؓ کی ایک حدیث ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہود اکہتر[۷۱] فرقے ہو گئے اور نصاریٰ بہتر[۷۲] فرقے ہوئے اور امت محمدیہ تہتر[۷۳] فرقے ہوں گے ان تہتر[۷۳] فرقوں میں سے بہتر[۷۲] فرقے دوزخ میں جائیں گے اور ایک فرقہ جنت میں جائے گا حاکم کی معاویہؓ کی حدیث میں یہ ایک بات زیادہ ہے کہ لوگوں نے پوچھا یا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون سا فرقہ ہے جو جنتی ہے فرمایا وہ لوگ جو میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر چلیں گے[۱]۔ ابوہریرہؓ کی حدیث کو ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے[۲] اور حاکم کی روایت بھی معتبر ہے[۳]۔ اس امت کے بے راہ فرقے وہی سلف کے برخلاف لوگ ہیں جیسے قدریہ جبریہ معتزلہ وغیرہ کہ یہ سب فرقے اپنے عقیدہ اور عمل میں سلف کے برخلاف ہیں اور آپس میں بھی ان میں اختلاف ہے ایک فرقہ دوسرے کو حق پر نہیں جانتا۔ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ رَبُّكَ سے اہل سنت کا فرقہ مقصود ہے جو اپنے عقیدہ اور عمل میں سلف کا پیرو ہے اس فرقہ کو اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر چلنے والے لوگ ہیں حدیث کی کتابوں میں اللہ کے رسول اور آپ کے صحابہ کی حالت جو تفصیل سے لکھی ہے اُس حالت کو امت کے موجودہ فرقوں کی حالت سے ملایا جاوے تو خود یہ حالت حدیث کی پیشین گوئی کی صداقت اور یہ حدیث آیت کی تفسیر ہو سکتی ہے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہؓ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے دنیا کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار برس پہلے اللہ تعالیٰ نے وہ سب لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے[۴] مطلب یہ ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد جس کسی کا جیسا حال علم الٰہی میں ٹھہرا وہی لوح محفوظ میں لکھا گیا اب آیت اور حدیث کے ملانے سے یہ مطلب قرار پایا کہ سارے جہان کو ایک ہی حالت پر مجبور کر کے پیدا کر دینا اللہ کی قدرت سے باہر نہیں تھا کیوں کہ کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے لیکن دنیا نیک و بد کی جانچ کے لئے پیدا کی گئی ہے مجبوری کی حالت میں یہ جانچ باقی نہیں رہ سکتی تھی اس لئے دنیا میں پیدا ہونے کے بعد جس کسی کا جیسا حال علم الٰہی میں ٹھہرا وہی حال لوح محفوظ میں لکھا گیا اور اسی کے موافق مخلوقات کو پیدا کیا گیا جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

[۱] جامع ترمذی ص ۹۰ ج ۲ باب افتراق ہذہ الامۃ [۲] جامع ترمذی ص ۸۰ ج ۲ باب افتراق الامۃ و مشکوٰۃ ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنہ بروایت عبداللہ بن عمرو [۳] تنقیح الرواۃ ص ۴۲ باب الاعتصام بالکتاب والسنہ [۴] صحیح مسلم ص ۳۳۵ ج ۲ باب حجاج آدم و موسیٰ علیہما السلام۔

وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۗ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ

اور اسی واسطے اُن کو پیدا کیا ہے اور پورا ہوا لفظ تیرے رب کا کہ البتہ بھروں گا دوزخ جنوں سے اور

النَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١١٩﴾ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ

آدمیوں سے اکٹھے اور سب بیان کرتے ہیں ہم تیرے پاس رسولوں کے احوال سے جس سے تسلی

بِهِ فُؤَادَكَ ۚ وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ

دیں تیرے دل کو اور آئی تجھ کو اس سورت میں تحقیق بات اور نصیحت اور سمجھوتی

لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿١٢٠﴾ وَقُل لِّلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنَّا

ایمان والوں کو اور کہہ دے اُن کو جو یقین نہیں کرتے کام کئے جاؤ اپنی جگہ ہم بھی

۱۱۹۔۱۲۳۔ اگرچہ مفسرین نے اس آیت کے معنے کئی طرح بیان کئے ہیں مگر آیت وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (۵۱: ۵۶) کو اور صحیح حدیثوں کو اس آیت کی تفسیر قرار دیا جاوے تو صحیح معنے آیت کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو فطرت اسلامی پر پیدا کیا ہے تاکہ فطرتی اسلام کے موافق وہ دنیا میں شرعی اسلام حاصل کریں اور قیامت میں اللہ کی رحمت سے جنت میں داخل ہوں لیکن علم ازلی الٰہی میں دنیا کے پیدا ہونے کا یہ نتیجہ معلوم ہو چکا ہے کہ دنیا کے پیدا کئے جانے کی صورت میں بہت سے جنات اور انسان دنیا میں آ کر فطرتی اسلام کو رائگاں کر دیویں گے اور شرعی اسلام کے مخالف کام کریں گے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس طرح کے جنات اور انسانوں سے دوزخ بھرے گا اور اگرچہ یہ بات اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر نہیں ہے کہ اللہ چاہے تو فطرتی اسلام کی طرح سب مخلوق کو یکساں اسلام شرعی کا پابند کر دیوے مگر یہ اسلام کی صورت ایک مجبوری کی صورت ہے اور مجبوری کا اسلام اللہ کی درگاہ میں قبول نہیں ہے کیونکہ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (۶۷: ۲) کے موافق کوئی موقع نیک و بد کے امتحان کا مجبوری کے اسلام میں باقی نہیں رہتا اس لئے اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کے موافق دنیا میں مختلف مذہب کے لوگ نظر آتے ہیں اور ہمیشہ نظر آویں گے صحیحین[1] کی حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث مشہور ہے کہ ہر پیدا ہونے والا بچہ اسلامی فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر بڑا ہو کر ماں باپ کی صحبت میں کوئی یہودی بن جاتا ہے کوئی نصرانی کوئی مجوسی[2] مسند امام احمد میں حضرت جابرؓ کی حدیث[3] ہے کہ جب تک بچہ کی زبان کھلے اور وہ بولنا سیکھے اس وقت تک فطرتی اسلام کی حالت باقی رہتی[4] ہے مسند امام احمد نسائی اور مستدرک حاکم میں حضرت اسودؓ بن سریع سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ خیبر کی لڑائی میں بعضے صحابہ نے کچھ مشرکوں کے بچوں کو قتل کر ڈالا اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت خفا ہوئے اور فرمایا کہ ہر بچہ زبان کے کھلنے تک فطرت اسلام پر ہوتا[5] ہے ان حدیثوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے اور جب تک بولنا سیکھے اس وقت تک اسی حالت پر رہتا ہے لیکن عقبیٰ کی نجات کا مدار اللہ تعالیٰ نے فطرتی اسلام پر نہیں رکھا ہے کیوں کہ فطرتی اسلام ایسا ہی ہے جیسا کہ حالت مجبوری کا شرعی اسلام اور ابھی اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حالت مجبوری کا اسلام درگاہ الٰہی میں مقبول نہیں اسی واسطے شرعی اختیاری اسلام سے جو انسان اور جنات علم ازلی الٰہی میں

[1] صحیح بخاری ص ۷۰۴ ج ۲ باب قولہ تعالیٰ لاتبدیل لخلق اللہ و ص ۹۷۶ ج ۲ باب اللہ اعلم بما کانوا عاملین [3] مجمع الزوائد ص ۲۱۸ ج ۷ باب ماجاء فی الاطفال [5] مجمع الزوائد ص ۳۱۶ ج ۵ باب ماینہی عن قتلہ من النساء غیر ذلک۔

عْمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَ

کرتے ہیں اور راہ دیکھو ہم بھی راہ دیکھتے ہیں اور اللہ کے پاس ہے چھپی بات آسمانوں کی اور

الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۭ وَمَا رَبُّكَ

زمین کی اور اُسی کی طرف رجوع ہے سارا کام سو اُسی کی بندگی کر اور اُسی پر بھروسہ رکھ اور تیرا رب

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

بے خبر نہیں جو کام کرتے ہو

بے بہرہ اور منکر معلوم ہوئے ان کو اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں کم بخت ازلی لکھ لیا ہے اور ایسے ہی جنات اور انسانوں سے قیامت کے دن دوزخ کے بھرنے کا ذکر اس آیت میں ہے۔ بچہ کے بولنا سیکھنے تک پیدائش اسلام پر ہونے کی جابرؓ بن عبداللہ اور اسودؓ بن سریع کی روایتیں جو اوپر گذریں اس مضمون کی ابوہریرہؓ کی روایت صحیح مسلم میں بھی[۱] ہے جس سے جابرؓ بن عبداللہ اور اسودؓ بن سریع کی روایتوں کی پوری تائید ہو جاتی ہے۔ اب آگے فرمایا اے رسول اللہ کے پچھلے رسولوں کے قصے تمہاری ہی تسکین کے لئے سنائے گئے ہیں تاکہ معلوم ہو جاوے کہ ہمیشہ سے اللہ کے رسولوں اور ان کے پیرو لوگوں کا انجام اچھا رہا ہے اور ان کے مخالف لوگ طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک ہوتے رہے ہیں اگر یہ مشرکین مکہ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے تو یہی انجام اُن کا ہوگا پھر فرمایا قرآن کی اِس سورت اور اَور سورتوں میں سچی باتیں اور نصیحتیں جو نازل ہوئی ہیں وہ انہی لوگوں کے حق میں فائدہ مند ہیں جو علم الٰہی میں فرمانبردار ٹھہر چکے ہیں اور جو لوگ علم الٰہی میں نافرمان ٹھہر چکے ہیں ان کو ان نصیحتوں سے کچھ فائدہ نہیں پہنچ سکتا پھر فرمایا ان نافرمان لوگوں سے کہہ دیا جاوے کہ تم اپنا کام کئے جاؤ اور ہم اپنا کام کئے جاتے ہیں اور یہ بھی کہہ دیا جاوے کہ تم اپنے انجام کا انتظار کرو اور ہم اپنے انجام کا انتظار کرتے ہیں اور یہ بھی ان لوگوں کو جتلا دیا جاوے کہ آسمان و زمین میں کوئی چیز اللہ کے علم سے باہر نہیں ہے ایک دن اُسی غیب داں کے روبرو سب مخلوق کے نیک و بد سارے کام حساب و کتاب اور جزا و سزا کے لئے پیش ہوں گے آخر کو فرمایا اے رسول صلعم اللہ کے تم اللہ کی عبادت میں لگے رہو اور اللہ پر تم اپنا بھروسہ رکھو وہ ان اہل مکہ کے کاموں سے خوب واقف ہے کہ کتنے ان میں سے راہِ راست پر آنے والے ہیں اور کتنے اِس حالت شرک پر مرنے والے ہیں اللہ سچا ہے اور اللہ کا وعدہ سچا ہے بدر کی لڑائی سے لے کر فتح مکہ تک اِس وعدہ کا پورا ظہور ہو گیا کہ بنی اسرائیل کی سورت میں آیت جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ (۱۷:۸۱) جو نازل ہوئی تھی فتح مکہ کے وقت کعبہ میں کے بتوں کو لکڑی مار مار کر گراتے وقت اللہ کے رسول نے اس آیت کو پڑھا جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے وعدہ کے موافق توحید مکہ تک بلکہ تمام ملک عرب میں پھیلی اور کفر و شرک بھاگا۔ صحیح بخاری میں عبداللہ بن مسعودؓ اور صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ کی روایتوں[۲] میں ان بتوں کے گرانے کا ذکر تفصیل سے ہے۔

[۱] صحیح مسلم ص ۳۳۶ ج ۲ باب معنی کل مولود یولد علی الفطرۃ الخ۔

[۲] صحیح بخاری ص ۶۸۶ ج ۲ قولہ و قل جاء الحق وزھق الباطل۔

آیاتہا ۱۱۱ (۱۲) سُوْرَةُ يُوْسُفَ مَكِّيَّةٌ (۵۳) رکوعاتہا ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۱﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲﴾ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۳﴾

یہ آیتیں ہیں کتاب کی واضح ہم نے اس کو اتارا ہے قرآن عربی زبان کا شاید تم بوجھو ہم بیان کرتے ہیں تیرے پاس بہتر بیان اس واسطے کہ بھیجا ہم نے تیری طرف یہ قرآن اور تو تھا اس سے پہلے البتہ بے خبروں میں

یہ سورت مکی ہے کل آیتیں اس کی ایک سو گیارہ ہیں حضرت ابن عباسؓ اور قتادہؒ کے قول کے موافق چار آیتیں ان میں سے مدینہ میں نازل ہوئی ہیں بعضے مفسر اس بات کے بھی قائل ہیں کہ اس کی کل آیتیں مکہ میں اتری ہیں اور بعضے یہ کہتے ہیں کہ مکہ و مدینہ کے درمیان میں ہجرت کے وقت نازل ہوئی ہیں[1]

۱-۳- الر حروف مقطعات میں سے ہے جن کا ذکر اول سورت بقرہ میں گذر چکا ہے۔ اس کے بعد اللہ پاک نے قرآن پاک کی تعریف بیان فرمائی ہے کہ یہ آیتیں واضح اور روشن کتاب کی آیتیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے زبان عربی میں نازل فرمایا ہے تاکہ تم لوگ عرب کے باشندے اس کو اچھی طرح سمجھو پھر اللہ پاک نے اس قصہ یوسف علیہ السلام کو احسن القصص فرمایا کیونکہ اس قصہ میں عبرت اور حکمت اور عجیب و غریب فائدے ہیں جو دین و دنیا میں انسان کے کار آمد ہیں مثلاً عورتوں کا مکر و فریب اور دشمن کی ایذا رسانی پر صبر اور خوش اسلوبی سے اس سے درگذر کرنا پھر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا کہ ہم نے بذریعہ وحی کے اس قصہ کو تم پر نازل کیا ہے اگرچہ تم پہلے اس قصہ سے بالکل ناواقف تھے نہ تو تم نے اس قصہ کو کسی سے سنا اور نہ کبھی دل میں اس کا خطرہ گذرا حضرت عبداللہ بن عباسؓ رضی اللہ عنہ اس سورت کی شان نزول میں یوں فرماتے ہیں کہ یہود نے مشرکین مکہ کی معرفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی خواہش ظاہر کی تھی کہ آپ یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد اور حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ قصہ بیان کریں کہ یعقوب علیہ السلام تو ملک شام میں رہتے تھے پھر ان کی اولاد مصر میں کیوں کر آگئی اس خواہش سے یہود کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو آزمانا منظور تھا یہود کی اس آزمائش پر بطور معجزہ کے یہ سورت نازل ہوئی معتبر سند سے دلائل النبوۃ بیہقی اور مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور قرآن شریف کی کچھ آیتیں سن کر اس کا دل بے قابو ہو گیا مگر پھر ابوجہل کے بہکانے سے وہ قرآن کو انسان کا کلام کہنے لگا۔ یہ ولید بن مغیرہ وہی ہے جس کو عرب کے پرانے شاعروں کے اور جنات کے بہت سے اشعار یاد تھے اور مکہ کے فصیح لوگوں میں اس کا شمار تھا۔ ولید بن مغیرہ کے حال کی زیادہ تفصیل سورہ مدثر میں آوے گی[2] معتبر سند سے مستدرک حاکم میں رفاعہؓ بن رافع سے روایت ہے جس میں رفاعہؓ کہتے ہیں کہ اسلام لانے سے پہلے میں حج کے ارادہ سے مکہ گیا اور آنحضرتؐ کی نصیحت سن کر اسلام لانے پر مجبور ہو گیا اگرچہ لوگوں نے مجھ کو دیوانہ بتلایا مگر میں نے ان کے کہنے

[1] تفسیر فتح البیان ص ۳۸۲ ج ۲ [2] مستدرک حاکم ص ۵۰۶ - ۵۰۷ ج ۱ تفسیر سورۃ المدثر۔

إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَ

جس وقت کہا یوسفؑ نے اپنے باپ کو اے باپ میں نے دیکھے گیارہ تارے اور سورج اور

الْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ ④

چاند دیکھے میرے تئیں سجدے کرتے

کا کچھ خیال نہ آیا اسلام لانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو سورت یوسف یاد کرائی۔ یہ رفاعہؓ انصاری بدری صحابہ میں سے ہیں۔ ان حدیثوں کو آیتوں کی تفسیر میں ایک تو یہ دخل ہے کہ قرآن کی آیتوں کو واضح ہو فرمایا ہے اس کی تفسیر ولید بن مغیرہ جیسے آدمی کے حال سے اچھی طرح ہو سکتی ہے کہ قرآن کی واضح نصیحت نے اُس کے دل کو بے قابو کر دیا یہی حال رفاعہؓ کے دل کا ہوا کہ قرآن کی نصیحت نے اُن کے دل کو فوراً اسلام کی طرف مائل کر دیا رفاعہؓ کی حدیث کو دوسرا دخل اس سورت کی تفسیر میں یہ بھی ہے کہ اس حدیث سے اس ساری سورت کا مکی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

۴۔ اللہ پاک نے سورت یوسف کو احسن القصص فرما کر حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بیان کرنا شروع کیا کہ ایک رات حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب میں دیکھا گیارہ ستارے آسمان سے زمین پر اترے اور اُن کے ساتھ چاند و سورج بھی تھے اور ان سب ستاروں نے آن کر یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا صبح اٹھ کر اس خواب کو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام سے بیان کیا اس خواب کی تعبیر چالیس برس کے بعد پوری ہوئی جب حضرت یوسف علیہ السلام عزیز مصر ہو گئے تھے اور اپنے والدین کو تخت کے اوپر بٹھایا اور بھائیوں نے سامنے کھڑے ہو کر سجدہ کیا اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے خواب کی تعبیر حضرت یعقوب علیہ السلام کو یوں یاد دلائی یَا أَبَتِ هٰذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا جس کا مطلب یہ ہے کہ اے میرے باپ یہ میرے خواب کی تعبیر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے سچ کر دکھایا جس وقت حضرت یوسفؑ نے خواب دیکھا تھا تو اُن کی عمر سولہ سترہ برس کی تھی اور بعضوں نے کہا ہے کہ بارہ برس کی عمر میں یہ خواب دیکھا تھا اور بعضے یہ بھی کہتے ہیں کہ اُس وقت اُن کی عمر سات برس کی تھی غرض کہ یوسف علیہ السلام روئے زمین پر ایک سو بیس برس تک زندہ رہے اور آپ اولوالعزم پیغمبروں میں شمار کئے جاتے ہیں بخاری نے حضرت ابن عمرؓ سے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان الکریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علاوہ نبوت کے نسب کے سبب سے حضرت یوسف علیہ السلام کو جو بزرگی تھی اس کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ پیغمبروں کا خواب وحی ہوتا ہے اس خواب میں گیارہ تارے حضرت یوسفؑ کے گیارہ بھائی تھے اور چاند و سورج یوسف علیہ السلام کے ماں باپ تھے تفسیر سدی میں ہے کہ یہاں حضرت یوسفؑ کی ماں سے مقصود حضرت یوسف کی خالہ راحیل ہیں کیوں کہ حضرت یوسف کی سگی ماں کا انتقال اس خواب سے پہلے ہو چکا تھا طبرانی کی عبد اللہ بن مسعودؓ اور عبد اللہ بن عباسؓ کی روایتوں میں یعقوبؑ بن اسحٰق ذبیح اللہ ہو گیا ہے ان روایتوں کی سند ضعیف ہے تفسیر ابن جریر میں صحیح سند سے قتادہ کا قول ہے کہ پہلی شریعتوں میں بجائے سلام کے سجدہ جائز تھا پھر منسوخ ہو گیا معتبر سند سے شعب الایمان بیہقی مستدرک حاکم اور تفسیر ابن جریر میں سلمان فارسی سے روایت ہے کہ یوسف علیہ السلام کے خواب اور اس کی تعبیر میں

لہ تفسیر الدر المنثور ص ۳ ج ۴ ۔ ۲ صحیح بخاری ص ۹ ۔ ۳ تفسیر سورت یوسف و تفسیر ابن کثیر ص ۴۶۸ ج ۲ ۔ ۴ تفسیر ابن کثیر ص ۴۶۸ ج ۲ ۔ ۵ تفسیر ابن کثیر ص ۴۶۸ ج ۲ ۔ ۶ تفسیر معالم التنزیل ص ۱۵ ج ۴ ۔ ۷ تفسیر ابن جریر ص ۸۶ ج ۱۲ ۔

قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۭ اِنَّ

کہا اے بیٹے مت بیان کر خواب اپنا اپنے بھائیوں پاس پھر وہ بناویں گے تیرے واسطے کچھ فریب البتہ

الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۵

شیطان ہے انسان کا صریح دشمن

چالیس برس کا فاصلہ[1] ہے اس بنا پر بعضے سلف کا قول ہے کہ خواب کی تعبیر کی آخری مدت چالیس برس تک ہے۔

۵ - اس آیت میں اللہ پاک نے اس بات کی خبر دی کہ جب یوسف علیہ السلام نے اپنا خواب اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام سے بیان کیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام اس خواب کی تعبیر کو سمجھ گئے کہ یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ ایسا مرتبہ عطا کرے گا کہ اُن کے بھائی اُن کے آگے سجدے میں گر جانے پر مجبور ہوں گے اس لئے حضرت یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو منع فرمایا کہ بیٹا اس خواب کا اپنے بھائیوں سے ہرگز ذکر نہ کرنا کیوں کہ شیطان انسان کا دشمن ہے اور دل میں حضرت یعقوب نے یہ اندیشہ کیا کہ ایسا نہ ہو جو یوسفؑ کے بھائی بھی اس خواب کی تعبیر سمجھ لیں اور یوسفؑ کے جاہ و مرتبہ پر حسد کرنے لگیں اور کسی کر و فریب سے یوسفؑ کی ہلاکت کی تدبیر سوچیں صحیح بخاری میں ابو سعیدؓ خدری سے اور صحیح مسلم میں جابرؓ بن عبداللہ سے جو روایتیں ہیں اُن میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص نیک خواب دیکھے وہ بیان کرے اور اگر بُرا خواب دیکھے تو اسی وقت کروٹ بدل لے اور اپنے بائیں جانب تین مرتبہ تھوک دے اور خدا کے ساتھ پناہ پکڑلے اور کسی سے اس کا ذکر نہ کرے[2] اس طرح کرنے سے اس خواب کا ضرر اُس کو نہیں پہنچے گا۔ معتبر سند سے ترمذی ابو داؤد اور ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں ابی رزین عقیلیؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک کسی خواب کی تعبیر بیان نہیں کی جاتی تو وہ خواب ایسا اُدھر رہتا ہے جس طرح پر دار جانور کے پنجہ میں کوئی چیز اُدھر رہتی ہے اور جب اُس کی تعبیر بیان کر دی گئی تو جس طرح پر دار جانور کے پنجہ میں سے کوئی چیز چھوٹ کر گر پڑتی ہے اسی طرح جو تعبیر بیان کی گئی ہے اُس کا ظہور ہو جاوے گا۔ ابو رزین کا نام لقیط بن صبرہ ہے یہ مشہور صحابہ میں ہیں حدیث کی سب کتابوں میں ان سے روایتیں ہیں آیت اور حدیثوں کے ملانے سے یہ مطلب قرار پایا کہ یوسف علیہ السلام کا وہ خواب اچھا تھا بُرا نہیں تھا اس واسطے یعقوب علیہ السلام نے اس خواب کی تعبیر کو اُدھر نہیں رکھا بلکہ یوسف علیہ السلام کو تعبیر کے طور پر یہ سمجھا دیا کہ یہ خواب ایسا اچھا ہے کہ اگر تمہارے بھائی اس خواب کو سُن لیں گے تو وہ اِس خیال سے تمہارے دشمن بن جاویں گے کہ انھوں نے یہ خواب کیوں نہیں دیکھا اس لئے اس خواب کو اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا اور یعقوب علیہ السلام نے اس خواب کے اچھے ہونے کی تفصیل کے طور پر یوسف علیہ السلام کو آگے یہ بھی سمجھا دیا کہ اللہ تعالےٰ نے جس طرح یہ اچھا خواب تم کو دکھایا ہے اسی طرح تم جوان ہو کر اپنے دادا اسحاق اور بڑے دادا ابراہیمؑ کے مانند نبی ہو گے اگرچہ یعقوب علیہ السلام بھی نبی تھے مگر آگے کی آیت میں انہوں نے عاجزی کے طور پر اپنا نام نہیں لیا۔

[1] تفسیر ابن جریر ص ۹۶ ج ۱۲ [2] صحیح بخاری ص ۱۰۴۲ ج ۲ باب الرؤیا من اللہ و صحیح مسلم ص ۲۴۱ ج ۲ کتاب الرؤیا [3] جامع ترمذی ص ۵۲ ج ۲ باب ماجاء فی تعبیر الرؤیا۔

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَيُتِمُّ

اور اسی طرح نوازے گا تجھ کو تیرا رب اور سکھادے گا کل بٹھانی باتوں کی اور پورا کرے گا

نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ كَمَا أَتَمَّهَا عَلَىٰ أَبَوَيْكَ مِن قَبْلُ

اپنا انعام تجھ پر اور یعقوب کے گھر پر جیسا پورا کیا ہے تیرے دو باپ دادوں پر پہلے سے

إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ⑥

ابراہیم اور اسحٰق پر البتہ تیرا رب خبردار ہے حکمتوں والا

۶۔ حضرت یعقوبؑ کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ کو وحی الہامی طور پر یہ بات معلوم تھی کہ حضرت یوسفؑ جوان ہوں گے اور حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسحاقؑ کی طرح نبی ہوں گے لیکن جب حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے حضرت یوسفؑ کو اپنے ساتھ جنگل میں لے جانے کی اجازت حضرت یعقوبؑ سے چاہی جس کا ذکر آگے کی آیت میں ہے تو حضرت یعقوبؑ نے یہ فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ یوسفؑ کو کہیں بھیڑیا نہ کھا جائے حضرت یعقوبؑ کے ان دونوں قولوں کو ملا کر مفسرین کو بڑا خلجان پیدا ہوا ہے کہ جب حضرت یعقوبؑ کو حضرت یوسفؑ کا جوان ہونا اور ان کا نبی ہونا معلوم ہو چکا تھا تو پھر حضرت یعقوبؑ کو یہ خوف کیوں کر ہوا کہ حضرت یوسفؑ کو چھوٹی سی عمر میں بھیڑیا کھا جاوے گا جواب اس خلجان کا یہ ہے کہ انبیاء کو وحی الہامی کے ذریعہ سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے اُس کے ظہور سے پہلے ان کو اس کے منسوخ ہو جانے کا بھی اندیشہ رہتا ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علامات قیامت مثلاً سورج کا مغرب کی طرف سے نکلنا اور دجال اور حضرت عیسٰیؑ کا آنا یہ سب کچھ وحی الہامی کے ذریعہ سے معلوم تھا لیکن سورج گہن کے روز آپ گھبرا کر نکلے اور آپ نے فرمایا آج مجھ کو قیامت کے قائم ہو جانے کا خوف تھا چنانچہ صحیح بخاری میں ابوموسٰیؓ اشعری سے جو روایت ہے اُس میں اس کا ذکر تفصیل[2] سے ہے حاصل کلام یہ ہے کہ اوپر تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ لوح محفوظ میں جو کچھ قیامت تک کا حال لکھا ہے اب بھی اس کا ردوبدل اور منسوخ کر دینا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اس واسطے انبیاء کو وحی الہامی کے ذریعہ سے جو معلوم ہوتا ہے اس کا منسوخ ہو جانا اور بجائے اُس کے اسباب موجودہ کے موافق کسی دوسری صورت کے پیش آ جانے کا اندیشہ انبیاء کے دل سے ہرگز رفع نہیں ہو سکتا قرآن اور حدیث کے مضامین پر جو شخص اچھی طرح غور کرے اُس کو اس بات کی پوری تصدیق ہو سکتی ہے مثلاً لوگوں کی سرکشی کے اسباب پر خیال کر کے سورج گرہن سے آنحضرتؐ کا یہ تصور فرمانا کہ وقت مقررہ منسوخ ہو کر ابھی قیامت کے قائم ہو جانے کا حکم اللہ کی طرف سے ہو گیا ہو تو تعجب نہیں ہے۔ حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کا خواب سن کر یہ بھی کہا کہ یوسفؑ جس طرح اللہ تعالیٰ نے یہ اچھا خواب دکھایا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تم کو نبوت کے لئے پسند اور منتخب کرے گا اور اب تو تم اپنا خواب مجھ سے تعبیر کے لئے بیان کر رہے ہو اللہ تعالیٰ تم کو خواب کی تعبیر کا ایسا علم عنایت فرمادے گا کہ لوگ تم سے اپنے خوابوں کی تعبیر پوچھا کریں گے غرض جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی طرح طرح کی نعمتیں تمہارے بڑوں کو عنایت فرمائیں اسی طرح تم کو اور سارا اولاد یعقوبؑ کو وہ طرح طرح کی نعمتیں عنایت فرمادے گا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں اس کو اپنی سب مخلوقات کا حال خوب معلوم ہے

[1] مشکوٰۃ ص ۴۷۲ باب العلامات بین یدی الساعۃ و ذکر الدجال [2] صحیح بخاری ص ۱۴۵ ج ۱ باب الذکر فی الکسوف۔

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِّلسَّائِلِينَ ۝٧ إِذْ قَالُوا لَيُوسُفُ

البتہ ہیں یوسف کے مذکور میں اور اُس کے بھائیوں کے نشانیاں پوچھنے والوں کو جب کہنے لگے البتہ یوسف

وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَىٰ أَبِينَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝٨

اور اُس کا بھائی زیادہ پیارا ہے ہمارے باپ کو ہم سے اور ہم قوت کے لوگ ہیں البتہ ہمارا باپ خطا میں ہے صریح

اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا

مار ڈالو یوسف کو یا پھینک دو کسی ملک میں کہ اکیلی رہے تم پر توجہ تمہارے باپ کی اور ہو رہو

وہ آدمی کو جس قابل دیکھتا ہے ویسا ہی اس سے برتاؤ کرتا ہے اور اُس کی حکمت ایسی بڑی ہے کہ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد حضرت عیسٰے علیہ السلام تک جتنے نبی ہوئے وہ سب اولادِ یعقوبؑ میں داخل ہیں صحیح بخاری مسلم ترمذی اور نسائی میں حضرت موسےٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے قصہ کی ابی رضؓ بن کعب کی جو روایتیں ہیں اُن میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موسٰی علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ آج کل دنیا میں سب سے بڑا عالم کون ہے حضرت موسٰی نے اپنا نام لیا اللہ تعالیٰ کو حضرت موسٰی کی یہ بات پسند نہ آئی اس لئے اللہ تعالیٰ نے موسٰی علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کی ملاقات کو بھیجا جب موسٰی علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کشتی میں بیٹھے تو ایک چڑیا کشتی کے کنارے پر آن بیٹھی اور اس نے دریا میں سے ایک قطرہ پانی کا پیا پھر خضر علیہ السلام نے موسٰی علیہ السلام سے کہا کہ جو نسبت اِس ایک قطرہ پانی کو دریا سے ہے وہی نسبت میرے اور تمہارے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم اور حکمت سے ہے[1]۔ آیت میں اللہ تعالےٰ کے علم اور اس کی حکمت کا جو ذکر ہے یہ حدیث گویا اُس کی تفسیر ہے۔

۷ —— ۱۔ یوسف علیہ السلام بارہ بھائی تھے۔ روبیل شمعون لاوی یہودا زبولون یشجر ان چھیوں کی ماں لیا بنت لیان حضرت یعقوب علیہ السلام کے ماموں کی بیٹی تھیں اور دو کنیزیں آپ کی زلفہ و بلہہ تھیں جن سے چار بیٹے تھے۔ دان۔ نفتو نا تا جاد اور شیر۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی بیوی لیا کے انتقال کے بعد اپنی سالی سے نکاح کیا ان کا نام راحیل بنت لیان تھا ان سے دو بیٹے حضرت یوسفؑ اور بنیامین پیدا ہوئے۔ غرض کہ حضرت یوسفؑ و بنیامین ایک ماں باپ سے سگے بھائی تھے اور باقی ان کے سوتیلے بھائی تھے حضرت یوسف کی والدہ راحیل بنیامین اپنے چھوٹے بچے کے پیدا ہونے کے بعد چالیس دن کے اندر فوت ہو گئیں اس لئے حضرت یعقوب علیہ السلام ان دونوں بچوں کو بہ نسبت اپنے اور بیٹوں کے زیادہ پیار کرتے تھے کیوں کہ یہ بہت ہی چھوٹے چھوٹے بن ماں کے بچے تھے۔ بہر حال اللہ جل شانہ نے اس آیت میں ذکر فرمایا کہ جو لوگ حضرت یوسفؑ کا قصہ دریافت کرتے ہیں اُن کے لئے بڑی عبرت اور نشانیاں اس میں ہیں اصل میں قریش نے یہود سے یہ بات دریافت کی تھی کہ تم ہمیں کوئی ایسی بات بتلا دو جو ہم حضرت محمد صلعم سے پوچھیں دیکھیں سچ بتلاتے ہیں یا نہیں یہود نے قریش کو یہ سکھلایا کہ تم ان سے یہ بات پوچھو کہ ابراہیم علیہ السلام کا اصلی وطن تو شام تھا پھر ان کی اولاد بنی اسرائیل مصر میں کیوں کر پھیل گئی جو حضرت موسٰی اور فرعون کا جھگڑا در پیش ہوا اسی کو اللہ پاک

[1] صحیح بخاری ص ۶۸۷ ج ۲ باب حدیث الخضر مع موسی علیہما السلام۔

مِنۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝۹ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ

اُس کے پیچھے نیک لوگ بولا ایک بولنے والا اُن میں مت مار ڈالو یوسف کو اور پھینک دو اُس کو

فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝۱۰

گمنام کنوئیں میں کہ اٹھا لے جاوے اُس کو کوئی مسافر اگر تم کو کرنا ہے

نے فرمایا کہ ان سوال کرنے والوں کے لئے حضرت یوسفؑ اور اُن کے بھائیوں کے قصہ میں بڑی بڑی عبرت کی باتیں ہیں جس شخص کی بہبودی بھائیوں نے قبول نہ کی اور حسد کیا آخر انہیں کے محتاج ہو کر رہے انہیں حضرت یوسفؑ کو سجدہ کرتے بن آیا علاوہ اس کے حضرت یوسفؑ کا خواب دیکھنا اور اُس کی تعبیر غرض کہ آخر قصہ تک طرح طرح کی نشانیاں پیش آ گئیں پھر فرمایا کہ یوسفؑ کے سوتیلے بھائی آپس میں کہنے لگے کہ ہمارے باپ بھی کیا کم سمجھ آدمی ہیں کہ یوسف اور بنیامین جو بہت چھوٹے بچے ہیں اور اپنی کم سنی کی وجہ سے کسی مصرف کی دوا نہیں انہیں ایسا پیار کرتے ہیں اور ہم جو بڑے بڑے ہیں اور ان کے بازو کی قوت ہیں اور ہر ایک کام میں اُن کا ہاتھ بٹانے والے ہیں اُن کی نظروں میں ویسے محبوب نہیں پھر ان لوگوں نے یہ مشورہ کیا کہ ہمیں اب یہ کرنا چاہیئے کہ یوسف کو یا تو قتل کر ڈالو یا کسی ایسی جگہ میں لے جا کر پھینک دو کہ نہ تو وہ خود وہاں سے آ سکے اور نہ باپ وہاں تک پہنچ سکیں اور نہ کوئی خیر خبر یہاں کی وہاں وہاں کی یہاں آنے جائے جب یوسفؑ باپ کی نظروں سے علیحدہ ہو جائے گا اور کوئی حال اُس کا اُن کو معلوم نہ ہو گا یا وہ اس سرزمین پر نہیں ہو گا تو باپ کی محبت ہماری طرف ضرور رہے گی اِس مشورہ کے وقت یوسفؑ کے بھائیوں نے یہ بات بھی سوچ لی کہ یہ کام جس کا ہم ارادہ کر رہے ہیں واقع میں ہے تو بڑا اور اس میں گناہ عظیم بھی ہے مگر آخر کرنا کیا ہے جب تک یوسف باپ سے جدا نہ ہو گا باپ کی محبت ہم پر زیادہ نہ ہو گی اب تو یوسف کے دفعیہ کے لئے جو تدبیریں بن پڑیں کر گزرو بعد کو دیکھا جائے گا توبہ استغفار کر کے نیک لوگوں میں داخل ہو جائیں گے غرض کہ گناہ کے پہلے توبہ کی بھی ٹھہرائی اس صلاح کو یوسف کے دسوں سوتیلے بھائیوں نے نہیں پسند کیا بلکہ روبیل جو سب میں بڑا تھا اُس نے یہ رائے دی کہ یہ دونوں باتیں سخت تر ہیں اور ان کا ہونا دشوار ہے یوسف پھر بھی بھائی ہے اس کا قتل کرنا کوئی آسان بات نہیں اول تو ہاتھ اٹھنا مشکل دوسرے کوئی دیکھ دکھالے اور اگر کسی جگہ لے جا کر پھینک آئیں تو یہ بھی ناممکن نہ باپ اتنے دور دراز سفر کی اجازت دیں گے اور نہ ہم میں اتنی قدرت و طاقت کہ اِس بعید مسافت کو طے کر سکیں اس سے بہتر یہ ہے کہ یوسف کو کسی کنوئیں میں پھینک دو اِس صورت میں یہ بات ہو گی کہ ہلاک نہیں ہو گا تو جو کوئی قافلہ اس کنوئیں پر گزرے گا اور پانی بھرتے وقت اُس کو نکالے گا وہ اپنے ہمراہ اپنے ملک میں اسے لے جائے گا تمہارا مطلب حاصل ہو جائے گا یوسف باپ کی نظروں سے علیحدہ ہو جائے گا پھر یہ کہا کہ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ اگر کرو تو یہ کرو مطلب اس کا یہ ہے کہ پہلے تو ایسا کرنا ہی نہیں چاہیئے اور اگر ایسا ہی کچھ دل میں سما گیا ہے تو یہ تدبیر مناسب ہے نہ ہم ہی کو اس میں دقت ہے اور نہ یوسف پر اس میں کچھ زیادہ سختی ہے جب آپس میں یہ بات پکی ہو گئی اور دسوں بھائیوں کی رائے اس پر جم گئی تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس آئے اور انھوں نے یہ کہا جس کی خبر اللہ پاک نے آگے کی آیت

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَالَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَرْسِلْهُ

بولے اے باپ کیا ہے کہ تو اعتبار نہیں کرتا ہمارا یوسف پر اور ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں بھیج اس کو

مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ

ہمارے ساتھ کل کہ کچھ چرے اور کھیلے اور ہم تو اس کے نگہبان ہیں بولا مجھ کو غم پکڑتا ہے اس سے کہ

میں دی۔ کسی شخص کو اچھی حالت میں دیکھ کر اگر آدمی اپنے لئے اس حالت کی آرزو کرے تو اس کو حسد کہتے ہیں اب حسد کی شریعت میں دو حالتیں رکھی گئی ہیں ایک تو یہ کہ دوسرے شخص کی اچھی حالت کے جاتے رہنے کی آرزو کر کے اپنا بھلا چاہے یہ گناہ ہے چنانچہ صحیح بخاری مسلم اور موطا امام مالک میں ابوہریرہ رضہ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کے حسد سے منع فرمایا[1] ہے دوسری حالت یہ ہے کہ کسی کا برا نہ چاہے فقط اپنے بھلے کی تمنا کرے اس کو غبطہ کہتے ہیں صحیح بخاری و مسلم میں عبد اللہ بن مسعودؓ سے جو روایت[2] ہے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسد کی اس حالت کو جائز رکھا ہے یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام پر جو پیار اور محبت کی نظر تھی اس کے مٹا دینے اور کھو دینے کی نیت سے یوسف علیہ السلام کو باپ کی نظر سے دور کر کے اپنے حق میں یَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ کی تدبیر جو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے نکالی تھی یہ صورت حسد کی تھی غبطہ کی نہیں تھی اسی واسطے جو علمائے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی نبوت کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جو کچھ کیا وہ نبوت سے پہلے کیا۔

۱۱ ۔ ۱۲ ۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا یہ قول روبیل کے اسی صلاح کی بنا پر تھا جس کا ذکر اوپر گذرا لیکن بات بنانے کے طور پر باپ سے یہ بات کہی کہ آپ ہم پر اعتبار کیوں نہیں کرتے اور ہمیں یوسف کا خیر خواہ جان کر یوسف کو ہمارے ساتھ کیوں نہیں بھیجتے۔ یہ لوگ بکریاں چرانے جنگل میں جایا کرتے تھے اس لئے کہا کہ کل یوسف کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے یہ وہاں جا کر کھیلے کودے گا اس کے ہاتھ پاؤں کھلیں گے اور ہم اس کے محافظ ہیں کسی قسم کا نقصان اسے نہیں پہنچے گا۔ صحیح بخاری مسلم ترمذی اور ابوداؤد میں عبد اللہ بن مسعود سے روایت[3] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سچ آدمی کو جنت کا راستہ بتلاتا ہے اور جھوٹ دوزخ کا اس کے علاوہ سچ کی تعریف اور جھوٹ کی مذمت میں اور بہت سی صحیح حدیثیں ہیں۔ روبیل کی صلاح کے موافق یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے دل میں تو یوسف کی بدخواہی تھی لیکن بات بنانے کے طور پر انھوں نے باپ کے روبرو اپنے آپ کو یوسف کا خیر خواہ جو ظاہر کیا یہ جھوٹ میں داخل ہے جو علمائے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی نبوت کے قائل ہیں وہ یہاں بھی وہی بات کہتے ہیں جو حسد کے بیان میں گزری۔

۱۳ ۔ ۱۴ ۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو یہ جواب دیا کہ اگر تم اس کو اپنے ساتھ لے جاؤ گے تو میرا جی گھبرائے گا تمہارے واپس آنے تک میں اس کے بغیر کیوں کر رہ سکتا ہوں میرے دل کو جب تک کس طرح چین آئے گا اصل میں یعقوبؑ کو حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ نہایت ہی محبت تھی گھڑی بھر کی جدائی ان کی ان پر شاق گزرتی تھی کیوں کہ آپ پیغمبر تھے اور

[1] صحیح بخاری ص ۸۹۶ ج ۲ باب ما ینہی عن التحاسد والتدابر [2] صحیح بخاری ص ۱۷ ج ۱ باب الاغتباط فی العلم والحکمۃ [3] صحیح بخاری ص ۹۰۰ ج ۲ باب قولہ اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین و مشکوٰۃ ص ۴۱۲ باب حفظ اللسان الخ۔

تَذْهَبُوا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ⑬

لے جاؤ اُس کو اور ڈرتا ہوں کہ کھا جاوے اُس کو بھیڑیا اور تم اُس سے بے خبر رہو

قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ⑭

بولے اگر کھا گیا اُس کو بھیڑیا اور ہم یہ جماعت ہیں قوت ور تو ہم نے سب کچھ گنوایا

یوسف علیہ السلام میں بھی نبوت کی بو پاتے تھے اس کے علاوہ حسن بھی اللہ پاک نے یوسف علیہ السلام کو ایسا ہی دے رکھا تھا جو کسی مخلوق کو خدا نے نہیں دیا چنانچہ صحیح مسلم میں انس بن مالک کی روایت سے جو معراج کی حدیث ہے اُس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوسف علیہ السلام کے حسن کی تعریف فرمائی ہے[1] ناقابل اعتراض سند سے ابوسعید خدری رض کی بیہقی میں اور ابوہریرہ رض سے طبرانی میں جو روایتیں ہیں ان میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور لوگوں کے حسن کو تارے خیال کرنا چاہیئے اور یوسف علیہ السلام کے حسن کو چاند بعضے سلف نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس تشبیہ سے مستثنے کیا ہے اس کے بعد یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ تم تو اپنی تیراندازی اور دوا دوش میں رہو گے اور بچہ تنہا رہ جائے گا اور کوئی بھیڑیا اُس کو اُٹھا کرلے گیا اور کھا گیا اور تم بے خبر کے بے خبر ہی رہے تو پھر کیا ہوگا اس لئے میں تو اس کو تمہارے ساتھ نہیں بھیجتا باپ کی یہ بات سُن کر بیٹوں نے جواب دیا کہ واہ یہ بھی آپ نے خوب فرمایا کہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ ہم یوسف سے غافل رہیں علاوہ اس کے بھیڑیئے کی کیا ہستی ہے اگر ایسا ہی بھیڑیا لے جایا کرے تو ہم تو روز آئے دن خسارہ اور گھاٹے میں رہیں ہماری بکریاں ہر روز ایک ایک کر کے بھیڑیا لے جائے حاصل کلام یہ ہے کہ باپ کے مُنہ سے جو کلمہ نکلا تھا اُسی کو ان لوگوں نے آخر کار اپنا عذر ٹھہرایا اور یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈال کر آئے تو یہی حیلہ کیا کہ اُس کو بھیڑیا کھا گیا اسی واسطے حدیث شریف میں آیا ہے کہ کسی کو ایسی بات کی تلقین نہ کی جائے جس کو وہ بہانہ مقرر کر کے جھوٹ بولے جس طرح یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یہ بات نہیں جانتے تھے کہ انسان کو بھیڑیا کھا جایا کرتا ہے جب باپ نے اُن کے سامنے یہ بات کہی کہ مجھ کو ڈر ہے کہ یوسف ؑ کو کبھی بھیڑیا نہ کھائے اور تم اس سے غافل رہو اسی کو اُن لوگوں نے سیکھ کر باپ کے سامنے جھوٹ بنایا اور کہا کہ اُس کو تو بھیڑیا کھا گیا۔ یہ حدیث[2] تفسیر ابوالشیخ اور تفسیر ابن مردویہ میں عبداللہ بن عمر اور تفسیر ابن ابی حاتم میں ابومجلز کی روایت سے ہے یہ ایک جگہ گذر چکا ہے کہ ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں صحت روایت کی زیادہ پابندی کی ہے۔ اس لئے اس روایت کو بے اصل نہیں کہا جا سکتا ان ابومجلز کا نام لاحق بن حمید ہے یہ ثقہ تابعی ہیں ان کی ملاقات عبداللہ بن عمر عبداللہ بن عباس اور انس ابن مالک رض سے ہوئی ہے صحاح کی سب کتابوں میں ان لاحق بن حمید ابومجلز سے روایتیں ہیں اس لئے مرسل طور پر یہ صحیح روایت ہے۔ عبداللہ بن عمر ؓ کی اوپر کی مرفوع حدیث کو اس مرسل روایت سے ملایا جاوے تو یہ حدیث معتبر ٹھہرتی ہے۔ تابعی اگر آنحضرت ؐ سے روایت کرے تو اُس کو مرسل کہتے ہیں اور صحابی کی روایت کو مرفوع۔

---

[1] صحیح مسلم ص ۹۱ ج ۱ باب الاسراء برسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الخ۔

[2] تفسیر ابن کثیر ص ۴۷۱ و ۹۱۴ ج ۲ و تفسیر فتح البیان ص ۹۲ ج ۲۔

فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهٖ وَاَجْمَعُوْا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِىْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ

پھر جب لے کر چلے اُس کو اور متفق ہوئے کہ ڈالیں اُس کو گمنام کنوئیں میں اور ہم نے اشارت کی اُس کو

لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾

کہ تو جتا دے گا اُن کو اُن کا یہ کام اور وہ نہ جانیں گے

۱۵۔اس آیت میں اللہ پاک نے اس بات کی خبر دی کہ آخر کار یوسف کے دسوں سوتیلے بھائی ضد کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کو باپ کے پاس سے لے کر چلے اور جب کچھ دور پہنچ گئے تو اپنی عداوت اُن پر ظاہر کرنے لگے۔ اور طرح طرح کی تکلیف اور ایذا یوسف علیہ السلام کو پہنچانے لگے جب ایک بھائی اِن کو مارتا تھا تو یہ دوسرے بھائی سے فریاد کرتے تھے وہ بھی مارنے لگتا تھا۔ راستہ بھر یہی حالت رہی آخر یہودا سے نہ رہا گیا اُس نے کہا کہ کیا تم لوگوں نے اس بات کا عہد نہیں کیا ہے کہ یوسف کو قتل نہیں کریں گے اور نہ ماریں گے نہ اور کسی طرح کی تکلیف دیں گے تم میں آپس تو یہ بات طے ہوئی ہے کہ اس کو کنوئیں میں ڈالیں گے اب یہ کیا حرکت ہے جب یہودا نے یہ بات کہی تو یوسف کے بھائی اس ایذا رسانی سے باز آئے اور اسی پر متفق ہوئے کہ چل کر اس کو کنوئیں کی تہ میں ڈال دیں غیابت الجب کے معنے کنوئیں کی تہ کے ہیں۔ بہرحال کنوئیں کے پاس پہنچ کر یوسف علیہ السلام کا کرتہ ان لوگوں نے اتار لیا اور مشکیں باندھیں تاکہ کنوئیں کی منڈیر وغیرہ پکڑ کر بچ نہ رہے یوسف علیہ السلام نے نہایت عاجزی سے ان سے کہا کہ میرے ہاتھ تو کھول دو کنوئیں کے اندر خدا جانے کون کون جانور ہوں گے اور مجھے ایذا پہنچائیں گے کاٹ کھائیں گے میرے ہاتھ قابو میں رہیں گے تو میں ان جانوروں کو دفع کر سکوں گا اور میرا کرتہ بھی دے دو تاکہ میرا ستر تو ڈھنکا رہے مگر افسوس کہ یوسف علیہ السلام کے اُن سخت دل بھائیوں نے ایک نہ سنی اور اُن کو کنوئیں میں لٹکا ہی دیا جب آدھی دور تک کنوئیں میں پہنچے تو رسی کاٹ دی اور کہا کہ اسی شمس و قمر اور ستاروں کو پکار و جنہیں خواب میں دیکھا تھا وہی تمہیں کپڑا بھی دیں گے اور تمہیں اس آفت سے بچائیں گے یوسف علیہ السلام جب کنوئیں میں گرے تو بالکل تہ میں نہیں پہنچے کنوئیں کے بیچ میں ایک پتھر تھا اُس پر کھڑے ہو گئے اللہ پاک نے اِن کی تسکین کے لئے ایک فرشتہ بھیج دیا۔ بعضے مفسروں کا قول ہے کہ یوسف علیہ السلام کے گلے میں ایک تعویذ تھا فرشتے نے اسے کھولا یہ تعویذ دراصل تعویذ نہ تھا بلکہ اس میں وہی کرتہ لپٹا ہوا تھا جو جبرئیل علیہ السلام ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطے لے کر آئے تھے اور جب نمرود نے آپ کو برہنہ کر کے آگ میں ڈلوایا تھا تو یہی کرتہ جبرئیل علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کو پہنا گئے تھے یہ کرتہ نسلاً بعد نسل پہلے اسحٰق علیہ السلام کے ورثہ میں آیا پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کو ملا حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام میں نبوت کی بو پاتے تھے اِس لئے اس کرتہ کا وارث انہیں کو جان کر تعویذ کی طرح لپیٹ کر ان کے گلے میں باندھ دیا تھا یہ کرتہ اس جگہ کام آیا فرشتے نے کھول کر انہیں پہنا دیا پھر اللہ پاک نے اس بات کا ذکر فرمایا کہ ہم نے یوسف علیہ السلام پر اس وقت یہ وحی بھیجی کہ تم اپنا دل اِس بات سے خوش رکھو تم انہیں ان کے کردار بد کسی وقت جتلاؤ گے اور انہیں اس بات کی مطلق خبر تک نہ ہوگی بلکہ تمہیں پہچانیں گے

وَجَآءُوٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴿١٦﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا

اور آئے اپنے باپ پاس اندھیرا پڑے روتے کہنے لگے اے باپ ہم لگے دوڑنے آگے نکلنے کو اور چھوڑا

يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا

یوسف کو اپنے اسباب پاس پھر اس کو کھا گیا بھیڑیا اور تو باور نہ کرے گا ہمارا کہنا اگر چہ ہم

بھی نہیں اور خدا تمہیں ان لوگوں پر فتحیاب کرے گا اور عالی رتبہ بنائے گا تفسیر ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ جب یوسف علیہ السلام عزیز مصر ہو گئے تھے تو قحط کے زمانہ میں یوسف علیہ السلام کے بھائی ان کے پاس پہنچے اور یوسف کو نہیں پہچانا لیکن یوسف علیہ السلام نے انہیں شناخت کر لیا تھا اور غلہ ناپنے کا پیمانہ جو یوسفؑ کے ہاتھ میں تھا اس کو یوسف علیہ السلام نے ٹھونکا اور کہا کہ یہ جام تو اس بات کی خبر دیتا ہے کہ تمہارا ایک بھائی سوتیلا اور بھی تھا اس کا یوسف نام تھا تمہارے باپ اس کو بہت پیار کرتے تھے اور اپنے سے جدا نہیں کرتے تھے تم اسے باپ کے پاس سے لے جا کر گمنام کنوئیں میں ڈال آئے پھر دوبارہ اس پیمانہ کو ٹھونکا اور کہا کہ یہ پیمانہ خبر دیتا ہے کہ تم نے باپ کے پاس جا کر کہا کہ یوسفؑ کو بھیڑیا کھا گیا اور تم اس کے کرتے پر کسی جانور کا خون لگا کر لے گئے تھے تاکہ باپ تمہارے قول کی تصدیق کر لیں غرض کہ یوسف علیہ السلام سے اس بات کو سن کر یوسف علیہ السلام کے بھائی ایک دوسرے سے آپس میں کہنے لگے کہ یہ جام تو ہمارے حالات کی خبر دیتا ہے صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں وہ قصہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود اور اس کی قوم کے بتوں کو توڑ ڈالا تھا اور جب نمرود کے روبرو اس کی دریافت شروع ہوئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ جواب دیا تھا کہ اگر تمہارے یہ بت بولتے ہیں تو اس بڑے بت سے پوچھو اسی نے ان سب چھوٹے بتوں کو توڑا ہے[1] اور خود ثابت ہے زیادہ تفصیل اس قصے کی سورت الانبیاء میں آوے گی مگر یہاں حاصل اسی قدر ہے کہ جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کے باب میں ان نمرودی لوگوں کو قائل کیا تھا اسی طرح یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو پیمانہ کے بولنے کی حالت سے قائل کیا حاصل کلام یہ ہے کہ بعضی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ظاہری حال میں وہ جھوٹی نظر آتی ہیں لیکن حقیقت میں ان باتوں کو ذریعہ ٹھہرا کر ایک سچی بات کو نئے ڈھنگ سے ظاہر کیا جاتا ہے جس طرح یہاں یوسف علیہ السلام نے پیمانہ کے بولنے کو ذریعہ ٹھہرا کر ایک سچی بات اپنے بھائیوں کو جتلائی اور پیمانے کے بولنے کا یہ مطلب ٹھہرایا کہ اگر پیمانہ بولتا تو یہی سچی بات بولتا۔

۱۶ - ۱۸ - ان آیتوں میں اللہ پاک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر دی کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی یوسفؑ کو کنوئیں میں ڈال کر گھر کو واپس آئے اور رات کے وقت اندھیرا ہو جانے پر باپ کے پاس روتے ہوئے آئے تاکہ اندھیرے میں ہماری صورتوں اور رونے سے جھوٹ نہ ظاہر ہو اور گریہ وزاری سے زیادہ تصدیق ہمارے قول کی ہو گی باپ کے پاس پہنچ کر رو رو کر بیان کیا کہ ہم تو تیر اندازی اور دوا دوش میں رہے اور یوسفؑ کو اپنے سامان کے پاس بٹھا دیا تھا ہمارا دور ہونا تھا کہ بھیڑیا آ کر یوسف کو کھا گیا اور اس کے ساتھ کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا

[1] مشکوٰۃ ص ۵۰۶ باب بدء الخلق الخ و تفسیر ابن کثیر ص ۴۸۳ ج ۲۔

صٰدِقِيْنَ ﴿١٧﴾ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ۚ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ

سچے ہوں ۔ اور لائے ۔ اُس کے ۔ کرتے پر ۔ لہو لگا ۔ جھوٹ ۔ بولا ۔ کوئی نہیں بلکہ بنادی ہے

لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۚ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۚ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿١٨﴾

تم کو تمہارے جیوں نے ۔ ایک بات ۔ اب صبر ہی بہتر ہے ۔ اور اللہ ہی سے ۔ مدد مانگتا ہوں اس بات پر جو ۔ بتاتے ہو

کہ آپ ہماری بات کو ہرگز یقین نہ کریں گے چاہے سچ ہی کہتے ہوں کیوں کہ باپ نے ان سے پہلے کہہ دیا تھا کہ مجھے خوف ہے کہ شاید یوسفؑ کو بھیڑیا کھا جائے اور تم اس سے غافل رہو آخر وہی ہوا اس لئے اُنہوں نے تمہید اٹھائی کہ آپ یقین نہیں کریں گے اگرچہ ہم سچ ہی بولتے ہوں اس کے بعد وہ کرتہ جو یوسفؑ کا لے لیا تھا اُس کو بکری ذبح کر کے اُس کے خون میں رنگ کر لائے تھے وہ پیش کیا تاکہ باپ کو ہماری بات کا یقین کامل ہو جائے مگر اتنا نہ سمجھے کہ باپ ہمارے خدا کے رسول ہیں کوئی معمولی آدمی نہیں ہیں کیا وہ اتنا نہ سمجھیں گے کہ بھیڑیا اگر کھا گیا تو کرتہ ثابت چھوڑ گیا کہیں سے پھٹا بھی نہیں بہرحال باپ نے کرتہ دیکھتے ہی معلوم کر لیا کہ بیٹوں نے فریب کیا اور حسد کے مارے یوسفؑ کو مجھ سے علیحدہ کیا اس لئے یہ فرمایا کہ یہ سب محض جھوٹ ہے تمہارے دل نے یہ افتراپردازی کی ہے اب سوائے صبر کے کرنا کیا ہے اور یہی مناسب ہے کہ کوئی شکوہ و شکایت نہ ہو اور اس مصیبت پر خدا ہی سے مدد طلب کی جائے نَسْتَبِقُ کے معنے تیر اندازی میں دوڑنے کے بھی ہیں اور آگے نکلنے کے لئے دو آدمی جو دوڑتے ہیں وہ معنے بھی ہیں۔ شریعت محمدی میں ملت ابراہیمی کی اکثر باتوں کی پیروی ہے اس لئے شریعت محمدی میں بھی یہ دونوں باتیں موجود ہیں چنانچہ مسند امام احمد اور صحیح بخاری میں سلمہؓ بن الاکوع سے روایت ہے جس میں عرب کے بعضے لوگوں کو تیر اندازی کرتے ہوئے دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اولاد اسمٰعیل تیر اندازی کی ضرور مشاقی کرو تمہارے باپ اسمٰعیل بھی تیر انداز تھے[1] صحیح مسلم میں عقبہؓ بن عامر سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مَا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ کی تفسیر تیر اندازی فرمائی ہے[2] آگے نکلنے کے لئے دوڑنے کی ابوداؤد و نسائی ابن ماجہ اور مسند امام احمد میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے جس میں حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ وہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مل کر دو دفعہ دوڑے پہلی دفعہ حضرت عائشہؓ آگے نکل گئیں اور دوسری دفعہ آنحضرتؐ آگے نکل گئے[3] لغت میں ایمان کے معنے کسی بات کی صداقت کے ہیں اور شریعت میں احکام الٰہی کی صداقت کے ہیں وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا میں پہلے معنے لئے گئے ہیں حضرت عائشہؓ کی حدیث جو اوپر گزری اُس کی سند میں اگرچہ بعضے علماء نے کلام کیا ہے لیکن اس حدیث کے چند طریق ہیں جن کے سبب سے ایک سند کو دوسری سند سے تقویت ہو جاتی ہے اسی واسطے ابوداؤد اور منذری دونوں نے اس حدیث کی سند پر کچھ اعتراض نہیں کیا۔ صحیح بخاری و مسلم میں انسؓ بن مالک سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مصیبت کے پیش آتے ہی شروع شروع میں آدمی صبر کرے تو اس صبر کا بڑا اجر ہے[4] ورنہ رفتہ رفتہ تو مصیبت کا صدمہ کم ہو جانے سے خود آدمی کو صبر آ جاتا ہے اس حدیث کو دوسری آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ

[1] مشکوٰۃ ص ۳۳۶ باب اعداد آلۃ الجہاد [2] مشکوٰۃ ص ۳۳۶ باب اعداد آلۃ الجہاد [3] مشکوٰۃ ص ۲۸۱ باب عشرۃ النساء [4] صحیح بخاری ص ۱۷۱ ج ۱ باب الصبر عند الصدمۃ الاولیٰ۔

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ ۖ قَالَ يَٰبُشْرَىٰ هَٰذَا
اور آیا ایک قافلہ پھر بھیجا اپنا پنہیارا اُس نے لٹکایا اپنا ڈول بولا کیا خوشی کی بات ہے یہ ہے

غُلَٰمٌ ۚ وَأَسَرُّوهُ بِضَٰعَةً ۚ وَٱللَّهُ عَلِيمٌۢ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾
ایک لڑکا اور چھپا لیا اُس کو پونجی سمجھ کر اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں

ہے کہ یوسف علیہ السلام کا حال سنتے ہی شروع صدمہ کے وقت فَصَبْرٌ جَمِيلٌ فرمایا اور اللہ تعالیٰ سے مدد چاہی اس لئے وقت مقررہ آنے تک اگرچہ چالیس برس کی دیر لگی پھر اللہ تعالیٰ نے یعقوب علیہ السلام کے صبر کا اجر نہیں دنیا میں اُن کو دکھا دیا کہ اُن کے بیٹے کو عزیز مصر کرکے ان سے ملایا۔

۱۹۔ جب یوسف علیہ السلام کو تین شبانہ روز کنوئیں میں گزرے تو ایک قافلہ جو مدین سے مصر کو جا رہا تھا راہ بھول کر ادھر آ نکلا اور اپنا ڈیرہ خیمہ وہاں نصب کیا اور پانی لانے کے واسطے پانی بھرنے والے کو بھیجا جب اُس نے کنوئیں میں ڈول ڈالا تو یوسف علیہ السلام نے ڈول کو پکڑ لیا جب اوپر آئے تو پنہیارہ اُن کے حسن وجمال کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا کیوں کہ ان کا حسن بے مثال تھا کسی بشر کی مجال نہیں جو ان کے حسن کی صفت میں زبان کھول سکے وہ پانی والا خوشی میں آ کر چیخ اٹھا کہ یہ نہایت ہی خوش نصیبی ہے اور بڑی ہی خوشی کی بات ہے کہ یہ لڑکا ہاتھ آیا۔ تفسیر سدی میں يَٰبُشْرَىٰ هَٰذَا غُلَٰمٌ کی تفسیر میں یہ بات بیان کی ہے کہ اس قافلہ میں بشریٰ ایک شخص کا نام تھا اسی کو پانی والے نے پکار کر کہا یا بشریٰ یہ لڑکا مجھے پانی بھرتے میں ملا پھر اہلِ قافلہ نے یوسف علیہ السلام کو چھپایا اور یہ بات نہیں ظاہر کی کہ یہ لڑکا ہمیں اس طرح کنوئیں میں سے ملا ہے بلکہ یہ کہا کہ اس کو ایک شخص ہمارے ہاتھ بہت ہی کم داموں پہ بیچ گیا ہے تاکہ ہم اسے مصر میں سے جا کر فروخت کریں پھر اللہ پاک نے یہ بیان فرمایا کہ اللہ کو ہر ایک بات کی خبر ہے یہ لوگ جو کچھ کھلم کھلا کرتے ہیں اس کو بھی وہ جانتا ہے اور جو بات یہ لوگ چھپا کر کرتے ہیں اُس کی بھی اُس کو خبر ہے اور دوسری تفسیر وَأَسَرُّوهُ بِضَٰعَةً وَٱللَّهُ عَلِيمٌۢ بِمَا يَعْمَلُونَ کی یہ بھی ہے کہ یوسف علیہ السلام کا سوتیلا بھائی یہودا روز کنوئیں پر آتا تھا اور کچھ کھانے پینے کی چیز ان کے واسطے لے کر آتا تھا جس روز وہاں قافلہ آیا اور پانی والے نے یوسفؑ کو کنوئیں میں سے نکالا اس نے اور بھائیوں کو جا کر اس کی خبر کی اور دسوں مل کر وہاں پہنچ کر کہنے لگے کہ یہ ہمارا غلام ہے بھاگ کر آیا ہے اور اس بات کو پوشیدہ رکھا کہ یہ ہمارا بھائی ہے اور ہم نے کنوئیں میں اس کو ڈالا ہے اور یوسف علیہ السلام بھی یہ مصلحت وقت سوچ کر خاموش رہے کہ اگر ظاہر کر دوں کہ میں ان کا بھائی ہوں تو یہ قافلہ کے لوگ مجھے بھائیوں کے حوالہ کر دیں گے اور بھائی مجھے لے جا کر قتل کر ڈالیں گے اس لئے انھوں نے کچھ تھوڑے درہموں پر اپنا فروخت ہو جانا پسند کر لیا۔ اسی کو اللہ پاک نے بیان کیا کہ یوسف کے بھائی جو جو حرکات اور جو جو فعل کر رہے ہیں باپ سے اگرچہ پوشیدہ کر رہے ہیں مگر اللہ جو غیب کا جاننے والا ہے وہ خوب جانتا ہے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہونے والا تھا اپنے علم ازلی کے نتیجہ کے طور پر اللہ تعالیٰ نے دنیا کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار برس پہلے وہ سب لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے[1] یہ

[1] صحیح مسلم ص ۳۳۵ ج ۲ باب حجاج آدم وموسیٰ علیہما السلام۔

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ ۚ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ﴿۲۰﴾

اور بیچ آئے اُس کو ناقص مول کو گنتی کی کئی پاؤلیاں اور ہو رہے تھے اُس سے بیزار

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَنْ

اور کہا جس شخص نے خرید کیا اُس کو مصر سے اپنی عورت کو آبرو سے رکھ اس کو شاید ہمارے

حدیث وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ کی گویا تفسیر ہے۔

۲۰۔ علمائے مفسرین نے پہلے تو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے جو کچھ خطائیں ہوئی ہیں ان کو گنا ہے کہ قطع رحم نبی باپ کی نافرمانی معصوم کو غلام بنا کر بیچنا وغیرہ اور پھر اس میں بڑی بحث کی ہے کہ حضرت یوسفؑ کے بھائی تو نبی تھے ان سے اس طرح کی خطائیں کیوں کر ہوئیں پھر بعضے مفسروں نے یہ جواب دیا ہے کہ جس وقت یہ خطائیں اُن سے ہوئیں اُس وقت وہ نبی نہیں تھے اس کے بعد اُن کو نبوت ہوئی ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی نبوت پر کوئی صریح دلیل شرعی قائم نہیں ہوئی ہے انبیاء کے ذکر کے ساتھ قرآن شریف میں یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے حق میں اسباط کا لفظ جو آیا ہے اس سے مفسرین نے اُن کی نبوت نکالی ہے لیکن جس طرح عرب کی قوم کی شاخوں کو عام طور پر قبائل کہتے ہیں اسی طرح سے حضرت یعقوب کی اولاد کی شاخوں کو عام طور پر اسباط کہتے ہیں کسی خاص شاخ کو اس لفظ سے مراد لینا دلیل خاص کا محتاج ہے۔ اگرچہ شرا کا لفظ خرید اور فروخت دونوں معنوں میں آتا ہے لیکن یہ لفظ یہاں فروخت کے معنے میں اس سبب سے ہے کہ آگے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا ذکر ہے کہ وہ اپنے بھائی یوسف سے بیزار تھے تو اب شرا کے معنے فروخت کے لئے جاکر یہی مطلب صحیح قرار پاتا ہے کہ اس بیزاری کے سبب سے یوسف کے بھائیوں نے اپنے بھائی یوسف کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالا حاصل کلام یہ ہے کہ جب اوپر کی آیت میں یہ گزر چکا ہے کہ قافلہ کے لوگوں نے یوسف کو پونجی سمجھ کر اپنے ساتھیوں سے چھپا لیا تھا تو ان لوگوں کے حق میں کسی طرح یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ یوسفؑ کی خریداری سے بیزار تھے اسی لئے جن مفسروں نے یہاں شرا کے معنے خرید کے لئے ہیں حافظ ابو جعفر ابن جریر نے اُن پر اپنی تفسیر میں طرح طرح سے اعتراض کیا ہے مسند امام احمد ترمذی ابو داؤد ابن ماجہ صحیح ابن حبان وغیرہ میں انسؓ بن مالک ابو ہریرہؓ ابو سعید خدریؓ سے جو صحیح روایتیں ہیں اُن میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر چیز کا نرخ اور قیمت اللہ تعالے کے اختیار میں ہے اس میں کسی کا کچھ اختیار نہیں چلتا[1] آیت اور ان صحیح روایتوں کے ملانے سے یہ مطلب قرار پایا کہ باوجود خوبصورتی کے یہاں ایک دفعہ یوسف علیہ السلام کی فروخت کا کم قیمت پر ہونا اور دوسری دفعہ مصر میں اچھی قیمت پر ہونا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اُسی کی مصلحت کے موافق تھا اور ہر ایک وقت پر اس نے ظاہری اسباب کھڑے کر دئے تھے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جس شخص کے ہاتھ یوسف علیہ السلام کو بیچا مفسروں نے اُس کا نام مالک بن ذعر لکھا ہے سیر چلنے پھرنے کو کہتے ہیں قافلہ کے لوگ مسافر ہوتے ہیں اس سے قافلہ کو سیارہ کہتے ہیں۔

۲۱۔ ۲۲۔ ان آیتوں میں اللہ پاک نے اپنے الطاف اور مہربانیوں کا حال یوسف علیہ السلام پر بیان کیا کہ جب وہ قافلہ جس میں

[1] مشکوٰۃ ص ۲۵۱ باب الاحتکار۔

يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ۭ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۡ وَلِنُعَلِّمَهٗ

کام آوے یا ہم کرلیں اس کو بیٹا اور اسی طرح جگہ دی ہم نے یوسف کو اس ملک میں اور اس واسطے کہ اس کو

مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۭ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓي اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

سکھادیں کچھ کل بٹھانی باتوں کی اور اللہ جیت رہتا ہے اپنا کام ولیکن اکثر

یوسف علیہ السلام تھے مصر میں پہنچا تو مالک بن ذعر نے یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر کے ہاتھ فروخت کیا عزیز لقب تھا وہاں کے وزیر کا جس کے ہاتھ میں سلطنت کے کل امور ملکی اور مالی اور فوجی کے اختیارات تھے مصر کے بادشاہ کا نام ولید بن ریان تھا اور عزیز مصر کا نام قطفیر تھا عزیز مصر نے یوسف علیہ السلام کے ہم وزن سونا اور چاندی اور مشک اور ریشمی کپڑے دے کر یوسف علیہ السلام کو خرید کیا تھا جس کا وزن چار سو رطل تھا ایک رطل نوے مثقال کا ہوتا ہے اور مثقال ساڑھے چار ماشے کا اس حساب سے کل چیزوں کا وزن چار من آٹھ سیر چھ ماشہ ہوتا ہے عزیز مصر نے یوسف علیہ السلام کو گھر میں لاکر اپنی بیوی کے سپرد کیا جس کا مشہور نام زلیخا تھا۔ اور بیوی سے کہا کہ دیکھو اس لڑکے کو نہایت آرام اور راحت سے رکھو اور اس کے رہنے سہنے کے واسطے جگہ درست کردو اس لڑکے سے بہت بڑا فائدہ ہوگا اگر ہم اس کو فروخت بھی کردیں گے تو نفع کثیر ہاتھ آئے گا۔ یا ہم اس کو بیٹا بنائیں گے تاکہ میرے جین حیات میں اور میرے بعد امور مملکت میں میرا قائم مقام ہو عزیز مصر لاولد تھا اس لئے اس نے یوسف علیہ السلام کو بیٹا بنانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ پھر اللہ پاک نے اس بات کا ذکر فرمایا کہ ہم نے یوسف علیہ السلام کو فقط یہی منزلت نہیں دی کہ وہ عزیز مصر کے گھر میں رہنے سہنے لگے اور اس نے ان کو اپنا بیٹا بنانے کا ارادہ ظاہر کیا بلکہ تمام زمین مصر پر بعد کو پورا پورا اختیار ان کو دے دیا اور خواب کی تعبیر کا علم مرحمت کردیا۔ پھر یہ فرمایا کہ یوسف کے بھائیوں نے یہ چاہا تھا کہ یوسف اعلےٰ مرتبہ اور بلند درجے کو نہ پہنچے مگر اللہ جل شانہٗ اپنے ارادہ پر غالب ہے جو وہ کرنا چاہتا ہے اسے کوئی نہیں روک سکتا اس کے سامنے سب عاجز ہیں اس کے علم میں جو کچھ پہلے ٹھہر چکا ہے وہ اس کو پورا کرہی کے رہتا ہے اکثر آدمی اس بات کو نہیں جانتے اور یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح تقدیر الٰہی رُک جائے اور جو مشاء خداوند جل جلالہ کا ہے وہ نہ ہونے پائے بہرحال اسی وجہ سے کہ اللہ پاک کا ارادہ پورا ہو کر رہتا ہے اور کوئی امر اس کو روک نہیں سکتا۔ زلیخا جو ایک عورت تھی اور عورتوں کی صحبت میں یوسفؑ کو وہ کراتیں کے بے نشست برخاست طور طریقے اختیار کرلیتے تھے مگر اللہ کے ارادہ کے موافق یوسف علیہ السلام اسی عقل و دانش کے خلعت سے سرفراز رہے جو ایک شخص رات دن صالحین کی صحبت میں رہ کر حاصل کرسکتا ہے۔ پھر اللہ پاک نے اس بات کا ذکر فرمایا کہ جب یوسف علیہ السلام جوان ہوگئے تو اللہ نے انہیں احکام شرعیہ بتادیئے اس جگہ مفسروں کا اختلاف ہے کہ اس وقت حضرت یوسف کی کیا عمر تھی۔ بعضوں نے کہا ہے کہ اٹھارہ برس کے تھے اور کسی نے یہ بیان کیا ہے کہ پچیس برس کے تھے اور کوئی کہتا ہے کہ تیس سال کے تھے کوئی یہ بھی کہتا ہے تینتیس برس کے تھے بہرحال آیت سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جب آپ ابھی

لہ کسی مستند طریقے سے یہ نام ثابت نہیں ہوسکا واللہ اعلم (ع-ح)

النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢١﴾ وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَكَذَٰلِكَ

لوگ نہیں جانتے اور جب پہنچا قوت کو دیا ہم نے اُس کو حکم اور علم اور ایسا ہی

نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٢﴾ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَن نَّفْسِهِ وَغَلَّقَتِ

بدلہ دیتے ہیں ہم نیکی والوں کو اور پھسلایا اُس کو عورت نے جس کے گھر میں تھا اپنا جی تھامنے سے اور بند کئے

طرح بالغ ہوگئے اور آپ کے ہاتھ پیروں میں پوری قوت آگئی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت عطا کی پھر اللہ پاک نے اس بات کا بیان فرمایا کہ اللہ کا یہ انعام فقط یوسف علیہ السلام ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ جو لوگ نیک بخت اور دیندار ہیں انہیں بھی اسی طرح کا بدلہ ملتا ہے۔ عزیز مصر نے جس رواج کے موافق یوسف علیہ السلام کو اپنا بیٹا بنانے کو کہا تھا یہ رواج عرب میں بھی تھا اور سورت احزاب کی آیتوں سے جب تک رواج منسوخ نہیں ہوا اُس وقت تک یہ رواج اسلام میں بھی جاری رہا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ کو اپنا متبنٰی بیٹا بنایا تھا۔ صحیح بخاری و مسلم میں عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ صحابہ زید بن حارثہؓ کو زیدؓ بن محمد کہہ کر پکارا کرتے تھے جب سورت احزاب میں حکم اُدْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ (۳۳: ۵) نازل ہوا تو پھر زید کو زیدؓ بن حارثہ کہہ کر پکارنے لگے۔[1] مطلب اس حکم کا یہ ہے کہ بے بالک بچوں کو اُن کے اصلی باپ کی ولدیت سے پکارا کرو مثلاً زیدؓ بن حارثہ کہا کرو زیدؓ بن محمد نہ کہا کرو یہی اللہ کے نزدیک انصاف کا حکم ہے جو اللہ نے تم کو دیا اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کسی رواج کی پابند نہیں اسی لئے سوائے شریعت محمدی کے اور شریعتوں سے بھی رواج منسوخ ہوتا رہا ہے مثلاً جس طرح شریعت محمدی نے بے بالک کے رواج کو منسوخ کر دیا۔ اسی طرح دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنے کے رواج کو شریعت موسوی نے منسوخ ٹھہرا دیا جس کی تفصیل تورات کے حصہ تکوین باب ۲۹ اور حصہ احبار باب ۱۸ میں ہے حاصل کلام یہ ہے دو بہنوں کے نکاح میں رکھنے کے رواج کو جو تورات نے منسوخ کر دیا اور اُس کو عیسائیوں نے اپنا مذہب قرار دے لیا تو پھر بے بالک کے رواج کو اگر قرآن نے منسوخ کر دیا تو یہ کیا نئی بات ہے آخر اُس کو بیان تو کیا جاوے اور اُس کے بیان تک ماننا پڑے گا کہ جب قرآن نے بے بالک کے رواج کو منسوخ کر دیا تو نہ قرآن کو رواج کے تابع کیا جا سکتا ہے نہ منسوخ رواج کے بھروسہ پر زینب کے نکاح کی بابت کوئی اعتراض گھڑا جا سکتا ہے اس سے زیادہ تفصیل زینب کے نکاح کی سورت احزاب میں آوے گی۔

۲۳۔ اس آیت میں اللہ پاک نے عزیز مصر کی بیوی کے حال کی خبر دی کہ عزیز مصر کی بیوی زلیخا جس کے گھر میں یوسف علیہ السلام رہتے تھے اور اُس کے شوہر نے تاکید کی تھی کہ یوسفؑ کو اچھی طرح رکھنا کسی طرح کی تکلیف اس کو نہ ہونے پائے وہ عورت حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن اور جمال پر فریفتہ ہوگئی اس کا جی چاہا کہ یوسفؑ سے بدفعلی کرے اس لئے اس نے خوب بناؤ کیا اور بن سنور کر اپنے مکان کے ساتوں دروازے بند کر دئے جب دیکھا کہ یوسف اس تنہائی اور دروازے بند کرنے پر بھی اُس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے تو خود اپنی زبان سے اپنے مطلب کا اظہار کیا اور اپنے پاس بلایا یوسف علیہ السلام اس کی اس بات سے بہت ہی پریشان ہوئے اور ایک نہایت معقول عذر اُس کے سامنے پیش کیا جو عورتوں کی عقل کے آگے

[1] صحیح بخاری ص ۷۰۵ ج ۲ باب قولہ ادعوہم لآبائہم۔

الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ

دروازے اور بولی شتابی کر کہا خدا کی پناہ وہ عزیز مالک ہے میرا اچھی طرح رکھا ہے مجھ کو

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ

البتہ بھلا نہیں پاتے جو لوگ بے انصاف ہوں اور البتہ عورت نے فکر کیا اس کا اور اس نے فکر کیا عورت کا اگر نہ ہوتا یہ کہ دیکھے

بُرْهَانَ رَبِّهٖ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا

قدرت اپنے رب کی یوں ہی ہوا اس واسطے کہ ہٹادیں ہم اس سے برائی اور بے حیائی البتہ وہ ہے ہمارے چنے

نہایت ہی قرین قیاس بھی تھا فرمایا کہ یہ بات ظلم صریح ہے یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ عزیز مصر جو میرا آقا ہے اُس کے گھر میں خیانت کروں اور آقا بھی وہ جو میرا ہر طرح سے کفیل ہے مجھے اچھی طرح رکھتا ہے کسی طرح کی تکلیف نہیں ہونے دیتا مجھے بجائے فرزند کے سمجھتا ہے میں تو خدا کے ساتھ پناہ پکڑتا ہوں عزیز مصر میرا پرورش کرنے والا ہے تو بد فعلی کی خواہش رکھتی ہے تو نہیں جانتی کہ بدکاری ایک ظلم ہے اور ظلم کرنے والے اللہ کی بارگاہ میں کبھی فلاح نہیں پاتے۔ زنا میں غیر شخص کی عورت پر ہاتھ ڈالا جاتا ہے اس لئے زنا ظلم ٹھہرا یہ اوپر ایک جگہ گزر چکا ہے کہ مثلاً نماز نہ پڑھنا یا روزہ نہ رکھنا یہ حق اللہ کے گناہ کہلاتے ہیں اور کسی کی عورت سے بدکاری کا کرنا یا کسی کا مال چرالینا یہ حق العباد کے گناہ کہلاتے ہیں۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی یہ حدیث بھی ایک جگہ گزر چکی ہے کہ قیامت کے دن حق العباد کے گنہگاروں کی نیکیاں صاحب حق کو مل جاویں گی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ حق العباد کے گناہ بغیر حق کی تلافی کے فقط توبہ سے معاف نہیں ہوتے بلکہ نیکیوں کی عین ضرورت کے وقت ایسے گنہگاروں کو نیکیوں کا نقصان پیش آوے گا اس لئے فرمایا کہ ایسے گنہگار قیامت کے دن کچھ بھلائی اور فلاح نہ پاویں گے۔[1]

۲۴۔ اس آیت کی تفسیر میں علمائے مفسرین نے بڑا اختلاف کیا ہے بعضے کہتے ہیں کہ قصد کی دو قسمیں ہیں ایک قصد مضبوط ہوتا ہے جس طرح زلیخا کا قصد تھا اور ایک قصد اوپرے دل سے ہوتا ہے۔ پہلے قصد پر مواخذہ ہے دوسرے قصد پر مواخذہ نہیں ہے چنانچہ حضرت یوسف کا قصد دوسری قسم کا تھا بعضوں نے کہا ہے یہ معاملہ حضرت یوسف کی نبوت سے پہلے کا ہے لیکن صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ حضرت یوسف قصد کرتے اگر خدا کی طرف کی ہدایت کو نہ دیکھتے اس قول پر بعضے لوگوں نے یہ جو اعتراض کیا ہے کہ لفظ لولا کا جواب مقدم نہیں آتا اس کا جواب یہ ہے کہ بعضے نحویوں کے نزدیک تو مقدم آتا ہے اور یہ بات تو سب نحویوں کے نزدیک مسلم ہے کہ جواب لولا کا محذوف کہا جاوے تو لفظ لولا سے پہلے جو کچھ بات مذکور ہے وہی محذوف کے قائم مقام گنی جاوے اسی تسلیم کی بنا پر آیت اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا کے معنے عام مفسرین یہی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے صبر دینے کے سبب سے حضرت موسیٰ کی ماں نے حضرت موسےٰ کے قصہ کو ظاہر نہیں کیا پھر یہاں یہ معنے کیوں نہ کئے جاویں کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے دیکھنے کے سبب سے حضرت یوسفؑ نے زلیخا کی طرف قصد نہیں کیا۔ اگر نحوی جھگڑے کے سبب سے اِس قول کو صحیح نہ

[1] الترغیب ص ۱۹۹ ج ۲ فصل فی ذکر الحساب وغیرہ۔

الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا

بندوں میں اور دونوں دوڑے دروازے کو اور عورت نے چیر ڈالا اُس کا کرتہ پیچھے سے اور دونوں

سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ

مل گئے عورت کے خاوند سے دروازے پاس بولے اور کچھ سزا نہیں ایسے شخص کی جو چاہے تیرے گھر میں برائی مگر یہی کہ

يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ

قید پڑے یا دکھ کی مار یوسف بولا اسی نے خواہش کی مجھ سے کہ نہ تھاموں اپنا جی

مانا جاوے تو پھر وہی قول صحیح قرار پاتا ہے کہ قصد کی دو قسمیں ہیں ایک مضبوط اور دوسرا اوپرے دل کا اس قول کی تائید ابوہریرہؓ کی روایت سے ایک حدیث قدسی بھی صحیح بخاری و مسلم میں ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ انسان کے فقط بدی کے قصد پر کوئی بدی نہ لکھی جاوے[1] غرض ان دو قولوں کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور مجاہد کے جو قول ہیں ان کی سند معتبر نہیں ہے بُرْهَانَ رَبِّهٖ کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اُس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت اس طرح نظر آئی کہ گویا اس کام سے یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام کو منع کر رہے ہیں[2] حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ جب زلیخا نے بدفعلی کا قصد کیا تو اوپرے دل سے کچھ وسوسہ یوسف علیہ السلام کے دل میں بھی گزرا تھا لیکن یوسف علیہ السلام اللہ کے چنے ہوئے بندوں میں سے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی قدرت کی نشانی دکھا کر اس برائی اور بے حیائی کے کام سے روک دیا۔ برائی سے مقصود عزیز مصر کی خیانت ہے اور بے حیائی سے مقصود بدکاری ہے۔

۲۵ — زلیخا کی جب کچھ پیش نہ چلی اور ہزار دل آرزوں اور منتوں پر بھی یوسف علیہ السلام اُس کی طرف ملتفت نہ ہوئے اور اُس کی ساری کوششیں بیکار گئیں اکیلے گھر میں جس کے ساتوں دروازے بند پڑے تھے یوسف علیہ السلام کو اور تو کچھ سوجھی نہیں دروازے کی طرف بھاگ چلے تاکہ مکان سے باہر نکل جائیں کہ وہاں اس عورت سے چھٹکارا ملے گا اور اس کے شر سے بچیں گے یوسف علیہ السلام کو بھاگتا دیکھ کر زلیخا بھی ان کے پیچھے بھاگی کہ ان کو پکڑ لیں باہر نہ جانے دیں اسی دوڑ دوش میں یوسف علیہ السلام کا کرتہ اُس کے ہاتھ میں آ گیا یوسف علیہ السلام کو اس کی پروا تو تھی نہیں کہ میرا کپڑا چھٹے گا وہ تو یہ چاہ رہے تھے کہ کسی طرح سے اس عورت سے رہائی ہو وہ بھاگے چلے گئے پیچھے کا دامن جو زلیخا کے ہاتھ میں آ گیا تھا وہ پھٹ گیا اور پھٹا تو ایسا پھٹا کہ گردن کے پاس سے بالکل نیچے تک کا حصہ اُس کے ہاتھ میں آ گیا۔ جب یوسفؑ دروازے کے پاس آئے اور ان کے پیچھے زلیخا بھی آ گئی تھی کہ اتنے میں اس کا شوہر بھی وہاں پہنچ گیا۔ اس نے بہت ہی جلد ایک فریب بنا لیا اور شوہر سے کہنے لگی کہ ایسے آدمی کی یہی سزا ہے جو تیری بیوی کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے کہ اس کو قید میں رکھنا چاہیئے۔ یوسف علیہ السلام پر زلیخا دل و جان سے عاشق ہو گئی تھی اس لئے سزا بھی تجویز کی تو ایسی جس میں ان کو

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۴۷۴ ج ۲ حافظ ابن کثیرؒ نے اسی توجیہ کو پسند کیا ہے اور یہی تحقیق شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی ہے فتاوی ابن تیمیہ (ص ۲۸۵ ج ۲) [2] لیکن اسرائیلیات سے ماخوذ معلوم ہوتی ہے (ع۔ د)۔

وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن قُبُلٍ فَصَدَقَتْ

اور گواہی دی ایک گواہ نے عورت کے لوگوں میں سے اگر ہے کرتا اس کا پھٹا آگے سے تو عورت سچی ہے

وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٢٦﴾ وَإِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن دُبُرٍ فَكَذَبَتْ

اور وہ ہے جھوٹا اور اگر ہے کرتہ اس کا پھٹا پیچھے سے تو یہ جھوٹی ہے

زیادہ تکلیف نہ ہو اور پھر یہ آنکھوں سے اوجھل بھی نہ رہیں مگر فوراً اس کہنے کے بعد اس کے دل میں خیال آ گیا کہ اس بات سے میری برأت پوری نہیں ہوگی عزیز مصر دل میں تاڑ جائے گا کہ یہ شرارت اسی عورت کی طرف سے ہے یہی یوسفؑ پر فریفتہ ہے اس لئے جلدی سے یہ بھی کہہ دیا کہ یا اس کو سخت عذاب و تکلیف دینی چاہئے گو اس کا دل تو نہیں چاہتا تھا کہ یوسف علیہ السلام کا ایک بال بھی بیکا ہو مگر پردہ داری کے خیال سے اس کو کہنا ہی پڑا کہ ان کو دُرّے وغیرہ کی کوئی سخت سزا التی ضرور ہے یوسف علیہ السلام نے جب دیکھا کہ عورت نے آپ پر اصرار کیا اور میں کسی طرح راضی نہ ہوا اور شوہر کے سامنے الٹا مجھے بدنام کیا اور میرے لئے سزا کی بھی تجویز بتلائی تو آپ نے اپنی برأت کے لئے فقط ایک فقرہ جو بالکل صحیح صحیح تھا بیان کیا کہ میرا اس میں کوئی قصور نہیں ہے اس نے خود خواہش ظاہر کی اور ملاقات کی طالب ہوئی اور میرے بھاگنے پر یہ بھی میرے پیچھے لگی ہوئی چلی آئی میرا کرتہ اس کے ہاتھ میں آ گیا اس نے پھاڑ لیا۔ اپنی بے قصوری جتلانے اور زلیخا کے الزام سے بچنے کو زلیخا کی خواہش کا سچا حال یوسف علیہ السلام نے جو ظاہر کیا یہ غیبت میں داخل نہیں ہے کیونکہ کسی شخص کے ضرر سے بچنے کے لئے اس کا اصل حال بیان کیا جاوے تو اُس کو غیبت نہیں کہتے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شریر شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ملنے آیا تو آپ نے لوگوں کے سامنے اس کی شرارت کا حال اس لئے بیان فرما دیا کہ لوگ اُس کو شریر جان کر اس کی شرارت سے بچیں۔ اسی طرح فاسق کے فسق ظالم کے ظلم اور بدعتی کی بدعت سے بچنے کے لئے ایسے لوگوں کا حال انجان شخص پر ظاہر کر دینا داخل غیبت نہیں ہے۔ ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں ابو سعید خدری سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے حکم سے دو فرشتے پکار کر یہ کہا کرتے ہیں کہ مرد عورتوں کے حق میں اور عورتیں مردوں کے حق میں ایک وبال ہیں۔ یہ حدیث آیت کے ٹکڑے کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ زلیخا یوسف علیہ السلام کے حق میں ایک وبال ہوگئی حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

۲۶-۲۷۔ اس گواہ میں مفسرین نے اختلاف کیا ہے بعضے کہتے ہیں ایک حاکم تھا جس نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر حضرت یوسف کا کرتا آگے سے پھٹا ہو تو زلیخا سچی ہے اور اگر پیچھے سے پھٹا ہو تو حضرت یوسفؑ سچے ہیں بعضے کہتے ہیں کہ حاکم نہیں تھا بلکہ ایک عقل مند شخص تھا بعضے کہتے ہیں بادشاہ کا مصاحب تھا لیکن صحیح قول یہ ہے کہ زلیخا کے رشتہ داروں میں کا ایک دودھ پیتا بچہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو گویا کیا اور اس نے گواہی دی کیوں کہ اگرچہ صحیحین میں دودھ پیتے بچوں کے بولنے کا جو قصہ ہے اُس میں تین بچوں کا ذکر ہے لیکن مسند امام احمد مستدرک حاکم وغیرہ میں معتبر سند سے حضرت عبداللہ بن عباس کی جو روایت ہے

لہ صحیح بخاری ص ۸۹۴ ج ۲ باب ما یجوز من اغتیاب اہل الفساد والریب لہ الترغیب ص ۳۸ ج ۲ کتاب النکاح لہ ایضاً لہ صحیح بخاری ص ۴۸۹ ج باب قول اللہ عز وجل واذکر فی الکتاب مریم الخ کتاب الانبیاء

وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ

اور وہ ہے سچا پھر جب دیکھا عزیز نے کرتہ اس کا پھٹا پیچھے سے کہا بیشک یہ ایک فریب ہے

كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَ

تم عورتوں کا البتہ تمہارا فریب ہے بڑا یوسف جانے دے یہ مذکور اور

اسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۖۚ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿۲۹﴾

عورت تو بخشوا اپنا گناہ یقین ہے کہ تو ہی گنہگار تھی

اس میں چوتھے لڑکے کا بھی حضرت یوسفؑ کے گواہ کے پتہ سے ذکر ہے۔[1] مجاہد کا قول ہے کہ یوسف علیہ السلام کے کرتہ نے یہ گواہی دی لیکن جب کہ قرآن میں یہ تفصیل ہے کہ وہ گواہ زلیخا کے رشتہ داروں میں سے تھا تو اس صورت میں یہ قول صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکر کرتے کو کسی کا رشتہ دار نہیں کہہ سکتے علاوہ اس کے مجاہد کا یہ قول حضرت عبداللہ بن عباس کی اس حدیث کے بھی مخالف ہے جس کا ذکر اوپر گزرا۔ اس گواہی کا حاصل یہی ہے کہ اگر کرتہ آگے سے پھٹا ہوگا تو یوسف علیہ السلام کی حملہ کی حالت اور زلیخا کی حملہ روکنے کی حالت ثابت ہوگی اور اگر کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوگا تو یوسف علیہ السلام کے بھاگنے کی حالت اور زلیخا کی پیچھے سے کرتہ پکڑنے کی حالت ثابت ہوگی۔

۲۸-۲۹۔ جب یوسف علیہ السلام کے سچے ہونے پر گواہی گزری اور دیکھنے پر یہ بات ظاہر ہوئی کہ یوسف علیہ السلام کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو عزیز مصر کو یقین ہو گیا کہ یوسف علیہ السلام کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے یہ سارا فریب اسی عورت کا ہے اس پر اس نے کہا کہ عورتیں اس باب میں نہایت مکار ہوتی ہے۔ صحیح مسلم میں ابو سعیدؓ خدری سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مرد کے لئے عورت احتیاط کرنے اور بچنے کی چیز ہے۔ نسائی نے اس روایت میں اتنا اور بڑھایا ہے کہ مرد کے حق میں عورت بڑے فتنہ اور فساد میں پڑ جانے کی چیز ہے۔[2] صحیح بخاری و مسلم میں ابو سعیدؓ خدری سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں کی باتیں اور ان کے مکر و فریب ایسے ہیں کہ بڑے بڑے سمجھدار مرد ان کے کہنے میں آجاتے ہیں۔[3] یہ حدیثیں عورتوں کے فتنہ و فساد اور مکر و فریب کی گویا تفسیر ہیں اور ان حدیثوں سے عزیز مصر کے قول کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔ پھر عزیز مصر نے یوسف علیہ السلام کو مخاطب ٹھہرا کر کہا کہ تم ان باتوں سے درگزر کرو اور اس قصہ کا چرچا نہ کرو اور زلیخا سے کہا کہ خطا تیری ہے تو توبہ اور استغفار کر۔ صحیح سند سے طبرانی مستدرک حاکم اور تفسیر ابن ابی حاتم میں عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ تین شخص بڑے سمجھدار تھے ایک تو عزیز مصر جس نے قیافہ سے یوسف علیہ السلام کی قدر و منزلت پہچان کر اپنی بیوی زلیخا سے کہا کہ ان کو اچھی طرح رکھنا۔ دوسرے شعیب علیہ السلام کی بیٹی جس نے اپنے باپ سے حضرت موسے علیہ السلام کے باب میں کہا کہ یہ صاحب قوت اور امانت دار شخص ہیں ان کو نوکر رکھ لینا چاہئے تیسرے حضرت ابوبکر صدیقؓ جنہوں نے عمرؓ کو اپنا جانشین ٹھہرایا۔[4] اس آیت

[1] فتح الباری ص ۴۷۲ ج ۳ [2] الترغیب ص ۴۳ ج ۲ الترغیب فی الزھد فی الدنیا الخ [3] مشکوٰۃ ص ۱۳ کتاب الایمان فصل اول [4] مستدرک حاکم ص ۳۴۵ ج ۲ تفسیر سورۃ یوسف و تفسیر فتح البیان ص ۱۰۱ ج ۳ تفسیر سورۃ قصص۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ج

اور کہنے لگیں عورتیں اس شہر میں عزیز کی عورت خواہش کرتی ہے اپنے غلام سے اس کا جی

قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ط اِنَّا لَنَرٰىهَا فِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ

فریفتہ ہو گیا اُس کی محبت میں ہم تو دیکھتے ہیں وہ بہکی ہے صریح پھر جب سنا اس نے ان کا فریب

اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ

بلوا بھیجا اُن کو اور تیار کی اُن کے واسطے ایک مجلس اور دی اُن کو ہر ایک کے ہاتھ میں ایک

سے یہی عزیز مصر کا سمجھ دار ہونا نکلتا ہے کیوں کہ اس نے خاطئین کہا خاطئات نہیں کہا تاکہ یہ وہم نہ پڑے کہ مرد گنہ گار ہوتے ہی نہیں۔ فقط عورتیں ہی گنہ گار ہوتی ہیں حالانکہ گنہ گار ہونے میں مرد عورت دونوں برابر ہیں۔ چنانچہ مسند امام احمد ترمذی اور مستدرک حاکم میں انس بن مالک سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اولاد آدم میں گناہ سے تو کوئی خالی نہیں لیکن وہ گنہ گار اچھے ہیں جو گناہ کے بعد خالص دل سے توبہ کر لیتے ہیں[1] اس حدیث کی سند میں ایک راوی علی بن مسعدہ بصری کی ثقاہت پر اگرچہ بعضے علماء نے اعتراض کیا ہے لیکن ابن معین اور ابو حاتم نے علی بن مسعدہ کو معتبر قرار دیا ہے[2] اسی واسطے حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[3] اور ذہبی نے حاکم کی اس سند پر کچھ اعتراض نہیں کیا۔

۳۰۔ اللہ پاک نے اس آیت میں اس بات کی خبر دی کہ باوجود اس کے کہ عزیز مصر نے کوشش کی کہ یوسف زلیخا کا قصہ شہر میں مشہور نہ ہو مگر بحکم قضا و قدر تمام گھروں میں اس کا چرچا ہونے لگا اور ہر رئیس و امیر کی عورتیں آپس میں اس بات کا چرچا کرنے لگیں کہ عزیز مصر کی عورت زلیخا ایک جوان پر دل و جان سے فریفتہ ہے اور وہ جوان وہی ہے جس کو اُس کے شوہر نے خرید کیا ہے اُس کی محبت میں دیوانی ہو گئی ہے غلام کی محبت زلیخا کے تمام رگ و ریشوں میں سرایت کر گئی ہے اُسے اچھا بُرا کچھ نہیں سوجھتا وہ بالکل بہک گئی ہے۔ دل پر ایک جھلی جو لپٹی ہوئی ہے اُس کو شغاف کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ زلیخا کے دل کو یوسف کی محبت اور الفت نے گھیر لیا ہے صحیح بخاری و مسلم میں انس بن مالک سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایماندار لوگوں کے دلوں میں اللہ و رسول کی محبت دنیا کی ہر ایک چیز سے زیادہ ہونی چاہیئے[4] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایماندار لوگوں کے دل دنیا کی چیز دل پر زیادہ مائل نہیں ہوتے اور اس کی نشانی علماء نے یہ بتلائی ہے کہ حکم الٰہی کی تعمیل اور دنیا کی کسی غرض کا مقابلہ آن کر پڑے تو پورے ایماندار لوگ حکم الٰہی کی تعمیل کو دنیا کی غرض پر مقدم رکھتے ہیں کیوں کہ اللہ و رسول کی محبت احکام شرع کی تعمیل پر منحصر ہے۔

۳۱۔ مصر کے امیر امراء کی جن عورتوں نے زلیخا کو حضرت یوسف علیہ السلام کے عشق اور محبت کا طعنہ دیا تھا اس طعنہ کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں طعنہ نہیں فرمایا مکر فرمایا ہے سیرت ابن اسحاق وغیرہ میں اس کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ حقیقت میں ان عورتوں کے طعنے میں یہ مکر تھا کہ وہ عورتیں حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کا شہرہ سن کر حضرت یوسف علیہ السلام کی صورت کو دیکھنا چاہتی تھیں اس غرض سے اُنھوں نے یہ حیلہ نکالا کہ زلیخا پر طعن و تشنیع شروع کی

---

[1] الترغیب ص ۲۲۰ ج ۲ الترغیب فی التوبۃ الخ [2] الترغیب ص ۲۵۳ ج ۲ [3] الترغیب ص ۲۲۰ ج ۲ [4] مشکوٰۃ ص ۱۲ کتاب الایمان۔

سِكِّينًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ
چھری، اور بولی یوسف نکل آ اُن کے سامنے۔ پھر جب دیکھا اُس کو دہشت میں آ گئیں اُس کے اور کاٹ

اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾
ڈالے اپنے ہاتھ اور کہنے لگیاں حاشاللہ نہیں یہ شخص آدمی یہ تو کوئی فرشتہ ہے بزرگ

قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ۭ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ
بولی سو یہ وہی ہے کہ طعنہ دیا تم نے مجھ کو اس کے واسطے اور میں نے چاہا اُس سے اس کا جی

تاکہ زلیخا اس طعن و تشنیع سے گھبرا کر ان عورتوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کی صورت دکھلا دے کہ دیکھو یہ صورت عشق و محبت پیدا کرنے کے قابل ہے یا نہیں ہے اسی واسطے زلیخا نے بھی اِن عورتوں کے مکر کا جواب مکر کی شکل میں دیا کہ ان عورتوں کی دعوت کی اور دعوت میں دسترخوان پر اس طرح کے میوہ جات رکھے جن کو چھری سے کاٹنے کی ضرورت پڑے اور ایسے وقت میں یوسف علیہ السلام کو ان عورتوں کے سامنے کیا کہ بجائے میوؤں کے چھیلنے اور کاٹنے کے ان عورتوں نے اپنے ہاتھ زخمی کر ڈالے اس وقت زلیخا نے ان عورتوں کو قائل کیا اور کہا کہ جس شخص کے ایک نظر دیکھنے سے تم اس قدر بدحواس ہو گئیں ہر وقت جس کی آنکھوں کے سامنے وہ شخص رہے اُس کے دل کا کیا حال ہو گا زلیخا کی اس بات کے جواب میں اِن عورتوں نے کہا کہ لاشک یہ شخص آدمی نہیں فرشتہ ہے معراج کی صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام نظر آئے تمام دنیا کے حسن و جمال میں سے نصف حصہ حسن و جمال کا حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اکثر اپنے منہ پر نقاب ڈالے رہتے تھے تاکہ غیر عورتیں اُن کا حسن و جمال دیکھ کر بد نیت نہ ہو جائیں اور ہر مرد کے لئے اپنی جوانی اور حسن کو قابو میں رکھنا بڑے درجہ کا کام ہے صحیحین کی ابوہریرہؓ کی حدیث[1] میں ان سات شخصوں کا جو ذکر ہے جن کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے عرش کا سایہ عطا فرماوے گا ان سات شخصوں میں ایک شخص وہ ہے جس کی جوانی اور خوبصورتی پر للچا کر کوئی عزت دار مالدار اور خوب صورت عورت اُس شخص کو بدکاری کے لئے بلاوے اور وہ شخص فقط خدا کے خوف سے اُس بدکاری سے باز رہے باقی کے چھ شخصوں میں ایک وہ شخص ہے جو منصف حاکم ہو دوسرا وہ ہے جو جوان صالح ہو جس کی جوانی اللہ کی عبادت میں بسر ہو تیسرا وہ ہے جس کو جماعت اور مسجد کا ہر دم خیال لگا رہے چوتھا وہ ہے جو دنیاوی غرض سے نہیں فقط اللہ کے واسطے کسی سے دوستی پیدا کرے پانچواں وہ ہے جو ایک ہاتھ سے صدقہ دیوے اور دوسرے ہاتھ کو خبر نہ ہو چھٹا وہ ہے جو تنہائی میں خدا کے خوف سے روتا رہے۔

۳۲-۳۴- اوپر کی آیت میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ عورتوں کے تذکرہ کی خبر جب زلیخا کو پہنچی تو اُس نے ایک محفل آراستہ کر کے اُن عورتوں کو بلایا اور فراغت طعام کے بعد ترنج اور چھری دی کہ کاٹ کاٹ کر کھائیں اور اسی اثنا میں یوسفؑ کو

[1] صحیح بخاری ص ۱۹۱ ج ۱ باب الصدقۃ بالیمین و الترغیب ص ۱۹۷ ج ۲ باب ترغیب من ولی شیئا من امور المسلمین الخ۔

فَاسْتَعْصَمَ ۖ وَلَئِن لَّمْ يَفْعَلْ مَا آمُرُهُ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُونًا مِّنَ

پھر اُس نے تھام رکھا اور مقرر اگر نہ کرے گا جو میں اُس کو کہتی ہوں البتہ قید پڑے گا اور ہو گا

الصَّاغِرِينَ ﴿٣٢﴾ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ ۖ وَ

بے عزت یوسف بولا اے رب قید پسند ہے اس بات سے جس طرف مجھ کو بلاتیاں ہیں اور

إِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُن مِّنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٣٣﴾

اگر تو نہ دفع کرے گا مجھ سے ان کا فریب تو مائل ہو جاؤں ان کی طرف اور ہو جاؤں بے عقل

اُن کے سامنے بلایا یوسف علیہ السلام کے جمال کو دیکھ کر ساری عورتیں حیرت میں آگئیں اور اپنی اپنی انگلیاں کاٹ لیں اور بے ساختہ کہہ اٹھیں کہ یہ تو بشر نہیں معلوم ہوتا یہ کوئی بزرگ فرشتہ ہے اُس پر یہ بات زلیخا نے کہی کہ جسے تم فرشتہ سمجھ رہی ہو اور جس کے حسن کو دیکھ کر آپے سے باہر ہو گئیں اور کسی کے ہوش ٹھکانے نہ رہے یہ وہی شخص ہے جس پر میں بدل وجان فریفتہ ہوں اسی کی الفت میرے دل میں نقش کالحجر ہو گئی ہے جس کا چرچا تمام مصر میں پھیلا ہوا ہے اور تم نے مجھ کو ملامت کی کہ زلیخا ایک ادنے غلام پر عاشق ہے اب تمہیں انصاف سے کہو یہ شخص لائق اِس کے ہے یا نہیں کہ اس کو پیار کیا جائے اور اس کی محبت کا بیج دل میں بویا جائے پھر اس بات کے جتلانے کے بعد کہ یوسف علیہ السلام سارے عالم میں حسین ہیں یہ بات بھی ظاہر کی کہ تم یہ نہ جاننا کہ یہ شخص فقط حسن صورت ہی رکھتا ہے نہیں جیسی اِس کی صورت ہے ویسی ہی اِس کی سیرت بھی ہے میں نے آپ اس سے محبت کی ابتدا کی تھی اور میں نے خود اِس کو اپنی طرف بلایا تھا مگر یہ شخص راضی نہ ہوا معصوم رہا گناہ کا مرتکب نہ ہوا غرض کہ جس طرح حسن میں اپنا آپ مثال ہے اسی طرح عفت و پاکبازی میں بھی بے نظیر ہے پھر زلیخا نے شرم کو بالائے طاق رکھ کر صاف صاف کہہ دیا کہ یوسف اگر میرے حکم کی تعمیل نہ کرے گا اور جو کچھ میں کہتی ہوں اسے بجا نہ لائے گا تو اِس کے حق میں بہت ہی برا ہو گا یا تو ہمیشہ ہمیشہ قید میں رہے گا یا اور کسی دوسری قسم کی ذلت اس کے لئے تجویز کی جائے گی جس سے یہ نہایت ہی ذلیل ہو گا۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے زلیخا کی یہ باتیں سنیں تو ان کے دل میں بہت ہی خوف پیدا ہوا کہ دیکھئے اس عورت سے کس طرح اپنی عفت وعصمت قائم رہتی ہے یہ تو کچھ ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑی ہے اِس لئے انھوں نے خدا سے دعا کی کہ الٰہی عفت وعصمت کے روبرو قید کی کچھ ہستی نہیں میں اِس بات کو پسند کرتا ہوں کہ قید میں رہوں اور یہ ہر گز منظور نہیں کہ میری آبرو ریزی ہو اور دامن عصمت میں گناہ کا دھبہ آئے عورتیں جس کام کو مجھ سے کہتی ہیں اگرچہ اُس میں کوئی ظاہری ذلت نصیب نہیں ہوتی اور قید ہو جانا ایک نہایت ہی ذلت کی بات ہے مگر میں تو اس قید کی ذلت کو پسند کرتا ہوں اور عورتوں کے کہنے پر عمل کرنا اور ایک گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو جانا ہر گز پسند نہیں کرتا پھر یوسف علیہ السلام نے اثنائے دعا میں یہ بات اپنے پروردگار سے کہی کہ اے معبود حقیقی اگر ان عورتوں کے فریب سے تو مجھے نہ بچائے گا تو ضرور میں ان کے دام میں آجاؤں گا اور جب یہ کام کروں گا تو دنیا بھر کے آدمیوں سے جاہل ٹھہروں گا۔ کیونکہ ایک شے کی برائی کو جان کر پھر اُس شئے کے کرنے پر جرأت کا کرنا سوائے جاہل مطلق کے اور کسی کا کام نہیں بعض مفسروں نے یہاں یہ بات بھی بیان کی ہے کہ محفل میں جتنی عورتیں شریک تھیں اُن سب کی سب نے باری باری سے خلوت کر کے

فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (٣٤)

سو قبول کرلی اُس کی دعا اُس کے رب نے پھر دفع کیا اُس سے اُن کا فریب البتہ وہی ہے سننے والا خبردار

ثُمَّ بَدَا لَهُم مِّن بَعْدِ مَا رَأَوُا الْآيَاتِ لَيَسْجُنُنَّهُ حَتَّىٰ حِينٍ (٣٥)

پھر یوں سوجھا لوگوں کو اُن نشانیوں کے دیکھنے بعد کہ قید رکھیں اُس کو ایک مدت

یوسف علیہ السلام کو بلایا اسی واسطے یوسف علیہ السلام نے اپنی دعا میں یہ کہا کہ خدایا ان عورتوں کے مکر و فریب سے بچا اور نہیں تو اگر فقط زلیخا کا خیال تھا تو بصیغہ جمع نہ فرماتے واحد کا صیغہ استعمال کرتے اور بعض مفسرین نے کہا صیغہ جمع زلیخا کی شان میں بطور تعظیم کے فرمایا تھا۔ بہرحال اللہ پاک نے یوسفؑ کی دعا کا حال بیان فرما کر یہ بیان کیا کہ یوسف علیہ السلام کی اس عاجزی اور انکساری سے دعا کرنے کو اُس کے رب نے قبول کر لیا اور ان عورتوں کے مکر و فریب سے خدا نے یوسف علیہ السلام کو بچا لیا کیوں کہ وہ ہر ایک ظاہر اور پوشیدہ باتوں کا یکساں سننے والا ہے اور ہر شخص کے دلی حالات کا جاننے والا ہے۔ صحیح بخاری مسلم ترمذی اور نسائی میں عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ ہجرت سے پہلے وہ کعبہ کے ستون کی آڑ میں تھے تین مشرک لوگ بھی وہاں آئے اور آڑ کے سبب سے عبداللہ بن مسعود کو انہوں نے نہیں دیکھا اور آپس میں کچھ باتیں کیں عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ وہ باتیں نہیں سنیں لیکن اللہ تعالیٰ نے وہ باتیں سن کر ان مشرکوں کے حق میں سورہ حم سجدہ کی آیتیں نازل فرمائیں[1] ان آیتوں کی تفسیر اسی سورت میں آوے گی۔ طبرانی اور مسند بزار کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی صحیح حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ نامہ اعمال کے لکھنے والے فرشتوں کو بعضے عملوں کا حال معلوم نہ ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرماوے گا کہ یہ عمل خالص دل سے نہیں کئے گئے اس واسطے ان عملوں کو بغیر ثواب کے نامہ اعمال میں سے نکال دیا جاوے[2] یہ حدیثیں إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ کی گویا تفسیر ہیں۔

۳۵۔ اوپر کی آیت میں اللہ پاک نے یوسف علیہ السلام کی دعا اور اُس کے مقبول ہونے کا حال بیان فرما کر اب یہ کیفیت قید کی بیان فرمائی کہ جب اس بات کا چرچا ہر ایک رئیس و امیر کے گھر میں ہونے لگا اور ہر شخص کی زبان پر یہی مذکور تھا کہ زلیخا عزیز مصر کی بیوی اپنے شوہر کے غلام پر دل و جان سے فریفتہ ہے اور اس کی محبت میں دیوانی ہو رہی ہے اور اُس نے آپ اپنی خواہش اُن پر ظاہر کی اس پر عزیز مصر اپنے صلاح کاروں کی صلاح اور مشورے سے اس بات پر آمادہ ہوا کہ یوسفؑ کو قید میں رکھنا چاہیے حالانکہ سارے لوگ جان چکے تھے اور کھلی کھلی شہادت اور نشانیاں موجود تھیں کہ اس مقدمہ میں یوسفؑ کا کوئی قصور نہیں ساری شرارت عورت کی ہے بے زبان بچے کی گواہی گزر چکی تھی کہ اگر کرتہ یوسفؑ کا پیچھے سے پھٹا ہو تو یوسف بے خطا ہیں اور خطاوار عورت ہے چنانچہ کرتہ کے دیکھنے سے یوسف علیہ السلام کا بے قصور ہونا عزیز مصر کو اچھی طرح ثابت ہو گیا تھا اسی بنا پر یوسف علیہ السلام سے عزیز مصر نے یہ بات کہی تھی کہ یوسف ان باتوں سے درگذر کر اور اپنی عورت کو معذرت کے لئے کہا تھا کہ تو خطاوار ہے مگر پھر بھی سوائے اس بات کے اور کچھ بن نہ آیا کہ یوسف علیہ السلام کو قید میں رکھا جائے تاکہ لوگ جانیں کہ عورت بے قصور ہے اگر کچھ خطا ہے تو اسی مرد کی ہے۔ دوسری مصلحت یہ تھی اگر ان کو قید نہ کیا جاوے اور روز دل

[1] فتح الباری ص ٢٢٣ ج ۴ تفسیر سورۃ حم السجدہ و تفسیر ابن کثیر ص ٩٧ ج ۴ [2] الترغیب ص ٢١ ج ١ الترہیب من الریاء

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا

اور داخل ہوئے بندی خانہ میں اس کے ساتھ دو جوان کہنے لگا ان میں سے ایک میں دیکھتا ہوں کہ میں نچوڑتا ہوں شراب

وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ

اور دوسرے نے کہا میں دیکھتا ہوں کہ اٹھا رہا ہوں اپنے سر پر روٹی کہ جانور کھاتے ہیں اس میں سے

ایک جگہ ہوں گے تو عورت کبھی باز نہ آئے گی کسی نہ کسی حیلہ سے ضرور یوسفؑ پر قابض ہو جائے گی اور ان کو اپنے پھندے میں پھانسے گی اس لئے ضرور ہے کہ ان کو قید ہی کر دیا جائے کہ عورت کا پھر کچھ بس یوسف علیہ السلام پر نہ چلے اور لوگوں میں اس کا چرچا موقوف ہو جائے اور لوگ یہ بھی جان جائیں کہ قصور یوسفؑ کی طرف سے یہ بات شروع ہوئی ہے اور انہیں کی خطا ہے جس کی سزا میں جیل خانہ گئے ہیں اور مدت اس قید کی اتنی رکھی گئی تھی کہ اس عرصہ میں یہ قصہ رفع دفع ہو جائے اس قید میں اللہ پاک نے مدت نامعلوم رکھی ہے مگر بعض مفسروں نے اس کے متعلق یہ بیان کیا ہے کہ جب تک اس معاملہ کا چرچا موقوف نہ ہو جائے اس وقت تک کی یہ قید تھی اور سعید بن جبیرؒ نے سات سال کہا ہے اور کسی نے پانچ برس اور کسی نے چھ سال۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام تین مرتبہ مصیبت میں آئے اول مرتبہ تو اس مقدمہ میں قید میں گئے پھر جب قید خانہ میں اُذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ کہا تو اور کئی سال تک قید میں رہ گئے پھر تیسری دفعہ جب بھائیوں سے یہ کہا کہ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ تو بھائیوں نے ضرور یہ جواب دیا کہ اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ، صحیح مسلم ابو داؤد اور صحیح ابن خزیمہ میں جابرؓ بن عبد اللہ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کو چاہیے کہ اپنی اولاد اور اپنے مال کے حق میں بد دعا نہ کرے کیونکہ مقبولیت کے وقت میں وہ بددعا قبول ہو جاتی ہے جس سے آدمی کو ضرر پہنچ جاتا ہے[1] اوپر کی آیتوں اور اس آیت اور حدیث کے ملانے سے یہ مطلب قرار پایا کہ جب زلیخا نے یوسف علیہ السلام کو قید سے ڈرایا تو یوسف علیہ السلام کی زبان سے بھی بددعا کے طور پر قید کی خواہش نکل گئی اور اس بد دعا کے قبول ہو جانے سے اس کے ظہور کا یہ سامان بہم پہنچ گیا کہ آخر عزیز مصر کی صلاح یوسف علیہ السلام کے قید کرنے پر جم گئی اور یوسف علیہ السلام جیل خانہ میں بھیج دیئے گئے اگر یوسف علیہ السلام فقط ان عورتوں کے مکر فریب سے بچنے کی دعا کرتے اور وہ دعا قبول ہو جاتی تو اسی طرح کا کوئی انتظام غیب سے ہو جاتا مگر تقدیر الٰہی میں یوں ہی تھا کہ بت پرستوں کے ہاتھ سے ایک اللہ کے نبی جیل خانے جانے کی تکلیف اٹھا دیں گے۔

۳۶۔ یہاں اتنی بات محذوف ہے کہ جب عزیز مصر کی صلاح یوسف علیہ السلام کے قید کرنے پر جم گئی اور یوسف علیہ السلام قید خانہ میں داخل ہوئے تو دو شخص اور بھی بادشاہ مصر کے دربار کے ان کے ہمراہ قید ہوئے ایک تو بادشاہ کا ساقی تھا آبدار خانہ شاہی کا اہتمام اس کے ہاتھ میں تھا بادشاہ کو شراب پلانے پر مقرر تھا اور دوسرا باورچی خانہ کا داروغہ تھا شاہی کھانے کا انتظام اس کے سپرد تھا ان دونوں کو اہل مصر نے اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ بادشاہ کو شراب اور کھانے میں زہر دے دیں اور اس کی رشوت میں جس قدر روپیہ چاہیں ہم سے لے لیں ایک روز بادشاہ کو کھانے کے وقت کچھ شبہ

[1] الترغیب ص ۱۰۳ ج ۱ باب الترھیب من دعاء الانسان علی نفسہ الخ۔

نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهِ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٣٦﴾ قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ

بتا ہم کو اس کی تعبیر ہم دیکھتے ہیں تجھ کو نیکی والا بولا نہ آنے پاوے گا تم کو کھانا

تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي

جو ہر روز تم کو ملتا ہے مگر بتا چکوں گا تم کو اس کی تعبیر اس کے آنے سے پہلے یہ علم ہے کہ مجھ کو سکھایا

رَبِّي إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ

میرے رب نے میں نے چھوڑا دین اس قوم کا کہ یقین نہیں رکھتے اللہ پر اور آخرت سے وہ

پیدا ہوا دونوں سے دریافت کیا یہ کھانا اور شراب کس قسم کے ہیں ساقی نے کہہ دیا کہ آپ یہ کھانا نہ کھائیں اس میں زہر ملا ہوا ہے بادشاہ نے ساقی سے کہا تو یہ شراب پی جا وہ پی گیا اسے کچھ نقصان نہ پہنچا اور باورچی سے کہا کہ تو یہ کھانا کھا جا اُس نے کھانے سے انکار کیا تو وہ کھانا کسی جانور کو کھلایا گیا وہ فوراً مر گیا اس جرم میں ساقی اور نان بائی دونوں کے دونوں جیل خانہ میں بھیجے گئے۔ پانچ برس کے بعد ان دونوں نے خواب دیکھا ساقی نے یہ خواب میں دیکھا کہ میں انگور نچوڑ نچوڑ کر شراب بنا رہا ہوں اور باورچی نے یہ خواب دیکھا کہ میں اپنے سر پر روٹیاں لئے جاتا ہوں اور جانور اُسے نوچ نوچ کر کھاتے ہیں یوسف علیہ السلام قید خانہ میں بھی ہر وقت یاد الٰہی میں مصروف اور ہر وقت خدا کی عبادت کرتے رہتے تھے اور قیدیوں کے حال پر بھی بہت مہربان تھے جب کوئی بیمار ہوتا تو اس کی خبر گیری کرتے اور نہایت محبت سے اُن کے ساتھ پیش آتے تھے اسی واسطے ان دونوں نے یوسف علیہ السلام سے اپنا خواب بیان کیا اور کہا کہ ہم آپ کو نیکوکار جانتے ہیں آپ ہمارے اس خواب کی تعبیر بیان کیجئے صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے زیادہ سچا خواب تو سچ بولنے والے دیندار شخص کا ہوتا ہے[1] مطلب یہ ہے کہ سچ بولنے والے دیندار شخص کا دل سچ پر جما ہوا ہوتا ہے اس لئے اُس کے دل میں جو خیال آتا ہے وہ اکثر سچا ہوتا ہے اوروں کو بھی کبھی بت پرستوں کا خواب بھی سچا ہوتا ہے جس طرح مثلاً یہ ساقی اور نان بائی کا خواب یا بادشاہ مصر کا خواب جس کا ذکر آگے آوے گا۔

۳۷ــ ۳۸۔ یوسف علیہ السلام نے ساقی اور باورچی سے جنہوں نے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی تھی پہلے تو یہ فرمایا کہ تمہارا کھانا جس وقت آئے گا اُس سے پہلے ہی تمہارے خواب کی تعبیر کہہ دوں گا اور جو کچھ میں کہوں گا نہ تو وہ جادو کے زور سے کہوں گا اور نہ علم نجوم اور تعلیم شیطان سے بلکہ اس علم کے ذریعہ سے بتلاؤں گا جس کی تعلیم مجھ کو میرے پروردگار عالم نے کی ہے اور جو علم خداوند جل شانہ نے عطا کیا ہے اس سے میں یہ تعبیر بتلاؤں گا اس کے بعد پھر آپ نے دین اسلام کی تلقین کرنی شروع کی اور بت پرستی کی مذمت بیان کی کہ میں بچپن سے اس قوم کے میل جول میں تھا جو نہ تو خدا پر ایمان رکھتے تھے اور نہ آخرت پر اُن کا دین و ایمان تھا مگر میں سرے سے اس عقیدہ کا پابند نہیں ہوا اور اپنے باپ دادا ابراہیم علیہ السلام و اسحٰق علیہ السلام و یعقوب علیہ السلام کے طریقہ پر رہا کہ ہمیشہ خدائے واحد کو اکیلا جانتا رہا اور اُسی کو قادر مطلق تصور کرتا رہا اور سچ پوچھو تو ہمیں زیبا بھی نہیں ہے کہ جس خدا نے ہمیں خاک سے بنایا اور دنیا کی ساری چیزیں ہماری ضرورتوں کے لئے

[1] صحیح مسلم ص ۲۴۱ ج ۲ کتاب الرؤیا۔

كَفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ

منکر ہیں اور پکڑا میں نے دین اپنے باپ دادوں کا ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کا

مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا

ہمارا کام نہیں کہ شریک کریں اللہ کا کسی چیز کو یہ ہے فضل اللہ کا ہم پر

وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ

اور سب لوگوں پر لیکن بہت لوگ بھلا نہیں مانتے اے رفیقو بندی خانے کے

پیدا کیں اور پھر ہم اس کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرا کر پرستش کریں اس کے بعد پھر یہ فرمایا کہ باوجود اس بات کے کہ خدا کی وحدانیت کی نشانیاں بالکل ظاہر ہیں اور اس کی خدائی کا پتہ ذرہ ذرہ سے عیاں ہے انسان اگر تھوڑی عقل والا بھی ہو تو ذرا سے غور و فکر میں اللہ پاک کو واحد اور بے مثل جان لے مگر خدا نے جس کسی کو ایسی عقل اور ایسا دل دیا اور جس شخص کا ایسا عقیدہ بنایا وہ محض اس کا فضل ہے ہم اگر یہ کہیں کہ ہم اپنی سمجھ سے خدا کو اکیلا مانتے ہیں اسی کو ہر ایک امر میں قادر مطلق جانتے ہیں تو یہ بالکل نادانی ہے یہ اس کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں ایسی سمجھ دی اور راہ حق پر لگایا مگر اکثر آدمی ان باتوں کو نہیں سمجھتے اور خداوند جل جلالہ کی ناشکری کرتے ہیں مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ انبیاء کے گروہ پر تو اللہ کا یہ فضل ہے کہ اللہ نے ان کو اپنا نائب بنا کر دنیا میں بھیجا اور عام لوگوں پر اللہ کا یہ فضل ہے کہ اس نے عام لوگوں کی ہدایت کے لئے انبیا کو اپنا نائب بنایا۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے معاذ بن جبل کی حدیث[1] ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کریں اس حق کے ادا ہونے پر اللہ کا وعدہ یہ ہے کہ وہ شرک سے بچنے والے اپنے بندوں کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔ اس حدیث کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اور انسان کی سب ضرورت کی چیزوں کو پیدا کیا اس لئے اس کی شکرگزاری میں انسان کو لازم ہے کہ وہ خالص اللہ کی عبادت کرے اس کی عبادت میں دوسروں کو شریک نہ ٹھہراوے لیکن دنیا میں بہت سے لوگ اس شکر گزاری کے راستہ کو بھولے ہوئے ہیں بعضوں نے تو سوا اللہ کے اوروں کو اپنا معبود ٹھہرا رکھا ہے بعضے بدعت میں گرفتار ہیں جس سے ان کا عبادت کا طریقہ حکم الٰہی کے موافق نہیں ہے بعضے دنیا کے دکھاوے کے لئے عبادت کرتے ہیں جو بالکل رائگاں ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ ان لوگوں کے دل میں آخرت کے عذاب و ثواب کا یا تو یقین ہی نہیں ہے یا ہے تو پورا نہیں ہے اس واسطے جن کو آخرت کا یقین نہیں وہ تو آخرت کے بالکل منکر ہیں اور ادھورے یقین والے ریاکاری اور بدعت میں گرفتار ہیں مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ سے مقصود یہاں عزیز مصر اور اس کی قوم ہے کہ انہی لوگوں میں یوسف علیہ السلام چھوٹے سے بڑے ہوئے اور انہیں لوگوں کے شرک سے آپ بیزار تھے

۳۹۔۴۰۔ یوسف علیہ السلام نے کفر کی مذمت اور توحید کا حال اور خداوند جل جلالہ کے اوصاف بیان کر کے یہ نصیحت فرمائی کہ اے میرے قید کے مصاحبو ذرا غور کرو کہ یہ بت پرستی بہتر ہے یا حق پرستی اور یہ تمہارے کئی جدا جدا معبود اچھے ہیں۔

[1] مشکوٰۃ ص ۱۴ کتاب الایمان۔

یاد وہ خدائے برتر کہ جو اپنی ذات اور صفات میں اکیلا اور ساری خدائی میں اُسی کا بول بالا ہے اُس کے قہر کے آگے کسی کی کچھ نہیں چل سکتی پھر فرمایا کہ تم جو ان بتوں کی پرستش کرتے ہو اس کی پوری سند نہیں ہے یہ بت تو تمہارے جعلی معبود ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادانے پتھر کی مورتیں تراش کر اُن کے جدا جدا نام رکھ چھوڑے ہیں اور اسی کو پوجنے لگے ہیں ورنہ ان میں کوئی طاقت اور کوئی قدرت نہیں ہے جو معبود بننے کے لائق ہو سکیں اگر سارے جہاں کو پیدا کیا ہے تو اسی اللہ تعالیٰ نے اور اگر حکومت اور قبضہ سارے جہان پر ہے تو وہ فقط اُس اللہ جل شانہ کا ہے اُس میں کسی غیر کی شرکت نہیں ہے اس بنا پر اگر پرستش کے لائق ہے تو وہی ہے اور تم بھی اب سے خبردار ہو جاؤ کہ اسی کو اکیلا جانو اور اُسی کی خالص بندگی کرو کیوں کہ یہی دین مستقیم ہے اور اسی کا نام صراط مستقیم ہے جو شخص اس راہ سے ذرا بھی ورے پرے ہوا تو شیطان کا تسلط اُس پر ہو جاوے گا اکثر لوگ ان باتوں کو نہیں جانتے ہیں اور اسی سبب سے گمراہی اور شرک وکفر میں مبتلا رہتے ہیں۔ صحیح بخاری کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت ایک جگہ گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ پچھلے زمانے میں کچھ نیک لوگ مر گئے تھے جن کے مر جانے کا رنج وغم اُن کے رشتہ داروں اور معتقدوں کے دلوں پر بہت تھا شیطان نے موقع پا کر ان لوگوں کو یہ بہکایا کہ ان نیک لوگوں کی شکل کے بت بنا کر رکھ لئے جاویں تا کہ ان بتوں کے دیکھ لینے سے اُن نیک لوگوں کی صورت آنکھوں کے سامنے رہے اور اس تدبیر سے ان نیک لوگوں کی مورتوں کے آنکھوں کے سامنے سے اٹھ جانے کا رنج وغم کچھ کم ہو جاوے شیطان کے بہکانے سے ان لوگوں نے وہ بت بنائے اور رفتہ رفتہ اُن بتوں کی پوجا ہونے لگی جو آج تک چلی آئی ہے ہشام بن محمد کلبی مفسر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ یہ نیک لوگ قابیل بن آدم کی اولاد میں سے تھے اور اُسی زمانے میں یہ مورتیں بنائی گئیں اور ادریس علیہ السلام کے نبی ہونے کے زمانے میں ان مورتوں کی پوجا ہونے لگی پہلے ادریس علیہ السلام اور پھر حضرت ادریس کے بعد نوح علیہ السلام اسی بت پرستی کے مٹانے کو نبی ہو کر آئے اور رفتہ رفتہ اسی مورت پرستی کی شاخیں ستارہ پرستی آتش پرستی وغیرہ نکل آئیں۔ حاصل کلام یہ ہے۔ کہ یہ سب پوجائیں دین الٰہی سے الگ لوگوں کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں اللہ تعالیٰ کو ایسی ناپسند ہیں کہ ان کے وبال میں نوح علیہ

[1] صحیح بخاری ص ۷۳۲، ج ۲ تفسیر سورۃ نوح [2] فتح الباری ص ۷۔ ۲ ج ۴ تفسیر سورۃ نوح

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ

اے رفیقو بندی خانے کے ایک جو ہے تم دونوں میں سو پلائے گا اپنے خاوند کو شراب اور دوسرا جو ہے سو سولی چڑھے گا

فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ۭ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿۴۱﴾

پھر کھاویں گے جانور اس کے سر میں سے فیصل ہوا کام جس کی تحقیق تم چاہتے تھے

السلام سے لے کر فرعون تک بہت سی قوموں کو اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک کر دیا اسی واسطے ان بوجاؤں کو بے سند اور توحید کو سیدھی راہ فرمایا یہ ہشام بن محمد اگرچہ حدیث کی روایت میں معتبر نہیں ہیں لیکن تاریخ میں ان کا اعتبار ہے یہ ۲۶۰ھ کے علماء میں ہیں حافظ عبدالرحمن ابن جوزی نے اپنی کتاب تلبیس ابلیس میں ان کے قول کا جگہ جگہ حوالہ دیا ہے۔

۴۱؎ ساقی اور نان بائی اور بادشاہ مصر ان تین کافر شخصوں کے خواب اور تعبیر کا ذکر ان آیتوں اور آگے کی آیتوں میں آچکا ہے اور کسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ کافر مشرک یا فاسق فاجر شخصوں کے سب خواب جھوٹے ہوتے ہیں اسی واسطے صحیح مذہب علمائے اہل سنت کا یہی قرار پایا ہے کہ اہل اسلام نیک لوگوں کا خواب اکثر صحیح ہوتا ہے اور کافر مشرک فاسق فاجر لوگوں کا خواب بھی کبھی کبھی صحیح ہوتا ہے اور صحاح کی کتابوں میں حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباس اور مسند امام احمد وغیرہ میں حضرت عائشہ کی حدیثیں جو ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات کے وقت خاص اہل اسلام کو خوشخبری دی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ میرے بعد نبوت اور وحی تو ختم ہو گئی لیکن اہل اسلام کا خواب غیب کی خبر معلوم ہونے کا ایک ذریعہ ہے جو میرے بعد بھی باقی رہے گا[1] ان حدیثوں اور ان آیتوں کو ملا کر علماء نے یہی مطلب نکالا ہے کہ اہل اسلام نیک لوگوں کے خواب اکثر سچے ہوں گے اور کافر مشرک فاسق فاجر لوگوں کے خواب کبھی کبھی سچے ہوں گے کیوں کہ سوا انبیاء کے اور سب کے خوابوں میں شیطان کے بہکانے اور غلطی کے ڈالنے کا دخل اگرچہ موجود ہے مگر کافر مشرک فاسق فاجر لوگ شیطان کی مرضی کے موافق کام کرتے رہتے ہیں اس لئے ان کے ہر کام اور ان کی ہر بات میں شیطان کا دخل بہ نسبت اہل اسلام کے زیادہ ہے اور ذکر الٰہی کے سبب سے نیک اہل اسلام پر شیطان کا غلبہ کم ہے بعضے لوگوں نے فقط خواب کے ذکر کی ان حدیثوں سے الہام کا انکار جو کیا ہے اس کا جواب حافظ ابن حجر اور علماء نے یہ دیا ہے کہ خواب تو عام اہل اسلام دیکھ سکتے ہیں اور الہام خاص خاص اللہ کے بندوں کو ہوتا ہے اس واسطے عام اہل اسلام کے ذکر کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فقط خواب کا تذکرہ فرمایا ہے اور الہام کا ذکر خاص طور پر جدا فرمایا ہے[2] چنانچہ صحیحین کی حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں فرمایا ہے کہ پہلی امتوں میں صاحب الہام لوگ گذرے ہیں اگر اس امت میں بھی صاحب الہام لوگ ہوئے تو حضرت عمرؓ کو فرمایا کہ یہ ضرور صاحب الہام ہیں[3] غرض خواب کی حدیث جدا ہے اور الہام کی حدیث جدا ہے ایک حدیث کے مطلب سے دوسری صحیح حدیث کا انکار ایک بڑی غلطی ہے مصنف ابن ابی شیبہ تفسیر ابن ابی حاتم اور تفسیر ابن جریر میں عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ یوسف علیہ السلام نے جب نان بائی کے سولی پر چڑھائے جانے کی تعبیر بیان کی تو ساقی اور نان بائی دونوں اپنے خوابوں کے منکر ہو گئے[4] اسی کا جواب یوسف علیہ السلام نے یہ دیا قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ جس کا مطلب یہ ہے کہ جو خواب

[1] مشکوٰۃ ص ۳۹۴ باب الرؤیا [2] فتح الباری ص ۳۰۸ ج ۶ کتاب الرؤیا [3] مشکوٰۃ ص ۵۵۶ باب مناقب عمرؓ [4] تفسیر ابن جریر ص ۱۴۱ ج ۱۲۔

وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۡ فَاَنْسٰىهُ

اور کہہ دیا اُس کو جس کو اٹکلا کہ بچے گا اُن دونوں میں میرا ذکر کرو اپنے خاوند پاس سو بھلا دیا اُس کو

الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ۝۴۲

شیطان نے ذکر کرنا اپنے خاوند سے پھر رہ گیا قید میں کئی برس

تم دونوں نے بیان کرکے اُن کی تعبیر پوچھی تھی اب جب اُن کی تعبیر بیان کی جا چکی تو اُس کے موافق ظہور ضرور ہوگا اب خواب کے انکار کرنے سے وہ تعبیر ٹل نہیں سکتی۔ جھوٹا خواب بنانا بڑے وبال کی بات ہے چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ابوہریرہؓ سے اور ترمذی اور مستدرک حاکم میں حضرت علیؓ سے موقوف اور مرفوع روایتیں ہیں[1] جن میں اس کا ذکر تفصیل سے ہے[2]۔

۴۲۔ یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر بتلا کر ساقی سے یہ کہا کہ تو اپنے بادشاہ سے میرا ذکر کیجیو کہ قید خانہ میں ایک غلام مظلوم بھی مقید ہے اور پانچ برس اُس کو قید میں گزر چکے وہ خواب کی تعبیر بہت اچھی بیان کرتا ہے۔ مگر جب ساقی قید سے باہر نکلا تو شیطان نے اسے بھلا دیا اور اس نے یوسف علیہ السلام کا تذکرہ اپنے بادشاہ کے سامنے نہ کیا اور یوسف علیہ السلام اور تھوڑے عرصہ تک قید میں رہے مجاہد و محمد بن اسحاق وغیرہ نے فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ الآیہ کی یہی تفسیر بیان کی ہے جو اوپر بیان کی گئی مگر اکثر مفسرین نے یہ تفسیر بیان کی ہے کہ یوسف علیہ السلام کو شیطان نے خدا کی یاد بھلا دی کہ خدا کا بھروسہ چھوڑ کر انہوں نے ساقی سے یہ بات کہی کہ تو اپنے بادشاہ سے کہنا اس طرح پر ایک شخص جیل خانہ میں قید ہے اس بات پر یوسف علیہ السلام چند عرصہ تک اور قید میں رہے بِضْعَ سِنِيْنَ کے معنے مجاہد و قتادہ نے یہ بیان کئے ہیں کہ تین سے نو تک بِضْعَ سِنِيْنَ ہے وہب بن منبہ کا قول ہے کہ حضرت ایوبؑ بلا میں اور حضرت یوسفؑ زندان میں اور بخت نصر عذاب میں سات سات برس رہے ضحاک کہتے ہیں کہ حضرت یوسفؑ کل چودہ برس قید میں رہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بارہ برس رہے مصنف ابن ابی شیبہ زوائد مسند عبداللہ بن احمد اور تفسیر ابن ابی حاتم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ تجھ کو قتل سے کس نے بچایا جب تیرے بھائیوں نے تیرے مار ڈالنے کا ارادہ کیا تھا حضرت یوسفؑ نے کہا اے رب تو نے پھر پوچھا کہ جب تیرے بھائیوں نے تجھ کو کنوئیں میں ڈال دیا تو کس نے تجھے نکالا حضرت یوسفؑ نے کہا اے رب تو نے پھر پوچھا کہ جب عزیز مصر کی عورت نے بدکاری کا ارادہ کیا تو کس نے اُس کے ہاتھ سے تجھے نجات دی فرمایا کہ اے رب تو نے اس پر اللہ پاک نے فرمایا کہ پھر کس طرح تو مجھ کو بھول گیا اور آدمی پر بھروسہ کیا حضرت یوسفؑ نے کہا کہ گھبراہٹ میں یہ بات زبان سے نکل گئی فرمایا کہ مجھے اپنی عزت کی قسم ہے کہ چند سال اور میں تجھ کو قید خانہ میں رکھوں گا چنانچہ سات برس وہ قید اور رہے۔ طبرانی تفسیر ابن جریر وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ یوسف علیہ السلام ساقی سے اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ نہ کہتے تو اور زیادہ قید میں نہ رہتے۔ اگرچہ اس حدیث کی سند میں سفیان بن وکیع

[1] دیکھئے مشکوٰۃ باب الرؤیا [2] تفسیر فتح البیان ص ۵۲۰ ج ۲ [3] فتح البیان ص ۵۲۰ ج ۲ [4] ایضاً ص ۵۱۹ ج ۲

وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَى سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ

اور کہا بادشاہ نے میں خواب میں دیکھتا ہوں سات گائیں موٹی ان کو کھاتی ہیں سات دبلی

وَسَبْعَ سُنْبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ ۖ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُؤْيَايَ إِنْ

اور سات بالیں ہری اور دوسری سوکھی اے دربار والو تعبیر کہو مجھ سے میرے خواب کی

كُنْتُمْ لِلرُّؤْيَا تَعْبُرُونَ ﴿٤٣﴾

اگر ہو تم خواب کی تعبیر کرتے

اور ابراہیم بن یزید یہ دو راوی ضعیف ہیں لیکن انسؓ بن مالک کی حدیث جو اوپر گزر چکی اس سے اس روایت کو تقویت ہو جاتی ہے کیوں کہ اُس حدیث کی ابن ابی حاتم کی سند معتبر ہے علاوہ اس کے تفسیر ابن ابی حاتم میں اسی مضمون کی ایک حدیث ابو ہریرہؓ کی روایت سے بھی ہے یہ تو ایک جگہ گزر چکا ہے کہ تفسیر ابن ابی حاتم میں صحت روایت کی پابندی بہ نسبت ابن جریر اور مستدرک حاکم کے زیادہ ہے۔

۴۳۔ دنیا عالم اسباب ہے ہر مقصد کے پورا ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی سبب دنیا میں پیدا کیا ہے مگر یہ بات اللہ ہی جانتا ہے کہ کس سبب سے کون سا مقصد پورا ہو گا ساقی اور نان بائی کے خواب کی تعبیر جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بتلائی تھی تو حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں یہ خیال گذرا تھا کہ شاید ساقی کا قید سے چھوٹنا حضرت یوسف کی بھی رہائی کا سبب قرار پا دے گا اس لئے ساقی سے حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا تھا کہ جب تو قید خانہ سے چھوٹ کر بادشاہ کے پاس جاوے تو میرا ذکر بھی بادشاہ سے کیجیو لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں ساقی کا قید سے چھوٹنا اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی کا پورا سبب قرار نہیں پایا تھا بلکہ سات برس کے بعد مصر کے بادشاہ کا خواب اور اس ساقی کا حضرت یوسف علیہ السلام کا حال بادشاہ سے بیان کرنا یہ سب باتیں مل کر علم الٰہی میں حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی کا سبب قرار پائی تھیں جب علم الٰہی کے موافق جو سبب تھا اس کا وقت آگیا تو ریان بن ولید بادشاہ مصر نے یہ خواب دیکھا جس کا ذکر اس آیت میں ہے اور اس خواب سے وہ ڈر گیا اور اپنے شہر کے جادوگروں اور کاہنوں اور عقلمندوں سب سے اس خواب کی تعبیر پوچھی اور وہ سب اس خواب کی تعبیر بتلانے سے عاجز آگئے اسی چرچے سے سات برس کی بھولی ہوئی بات ساقی کو یاد آئی اور اس نے بادشاہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر کیا اور جیل خانہ میں آن کر حضرت یوسف علیہ السلام سے بادشاہ کا خواب بیان کیا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اس خواب کی تعبیر ایسی بتلائی کہ بادشاہ اور سب اہل مصر دنگ ہو گئے غرض اُس مسبب الاسباب کو جب کوئی کام منظور ہوتا ہے تو اسی طرح غیب سے سبب کھڑے ہو جاتے ہیں نہیں تو بنتے ہوئے سبب بگڑ جاتے ہیں۔ بادشاہ کے خواب کی تاریخ سے سات برس کے بعد سات برس کا قحط پڑنے کو تھا اس لئے سات موٹی گائیں اور ہری بالیں خواب کے بعد کی اچھی پیداوار کے سات سال ہیں اور دبلی گائیں اور سوکھی بالیں قحط کے سات سال ہیں اور خواب کا حاصل یہ ہے کہ قحط کے سات برس میں کوئی چیز پیدا نہ ہو گی بلکہ اچھی پیداوار کے سات برس میں جو کچھ پیدا ہوا تھا وہ سب سات برس کے قحط میں صرف

لہ اسی وجہ سے حافظ ابن کثیر نے اس کو مستدرک کر دیا ہے ابن ابی حاتم کی سند جب تک سامنے نہ ہو اس وقت تک اس سے تائید نہیں لی جا سکتی (ع۔ ح)۔

قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَ

بولے یہ اُڑتے خواب ہیں اور ہم کو تعبیر خوابوں کی معلوم نہیں اور

قَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ

بولا وہ جو بچا تھا اُن دونوں میں اور یاد کیا مدت کے بعد میں بتاؤں تم کو اس کی تعبیر

فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾ يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ

سو تم مجھ کو بھیجو جاکر کہا اے یوسف اے سچے حکم دے ہم کو اس خواب میں سات گائیں موٹی

يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّيْٓ

ان کو کھادیں سات دبلی اور سات بالیں ہری اور دوسری سوکھی کہ میں

ہو جاوے گا۔ انی اری کا مطلب یہ ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں میں سونے کے کڑے ڈال دیے گئے تھے جن کی تاویل آپ نے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کذاب کی فرمائی۔ مرد کو سونے کے کڑوں کا استعمال جس طرح بے محل ہے اسی طرح جھوٹے شخص کی باتیں بھی بے محل ہوتی ہیں اس مناسبت کے سبب سے دو جھوٹے شخصوں کی مثال خواب میں سونے کے دو کڑوں سے سمجھائی گئی اسی طرح کی مناسبت بادشاہ مصر کے اس خواب میں ہے کہ موٹی گائیں اور ہری بالیں اچھی پیداوار کے زمانہ کی مثال ہے اور دبلی گائیں اور سوکھی بالیں قحط کے زمانے کی مثال ہے۔ خواب کی تعبیر کے وقت اس مناسبت کو سمجھنا ضروری ہے اس لئے نا سمجھ آدمی کے روبرو خواب کا بیان کرنا منع ہے چنانچہ ترمذی میں ابوہریرہؓ کی صحیح حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خواب سمجھدار اور خیر خواہ شخص سے بیان کیا جاوے سوائے ایسے شخص کے اور کسی سے نہ بیان کیا جاوے۔[1]

۴۴۔۴۹۔ اوپر کی آیت میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ بادشاہ مصر نے ایک خواب دیکھا تھا کہ سات گائیں موٹی ہیں جن کو سات گائیں دبلی دبلی کھا رہی ہیں اور سات بالیں ہری ہری ہیں جن کو سوکھی بالیں کھا گئیں جس کی تعبیر اپنے اہل دربار اور کاہنوں سے اس نے دریافت کی تھی ان لوگوں نے بادشاہ کے سوال کا یہ جواب دیا کہ یہ خواب آپ کا محض خیال ہے جس کی تعبیر ہمارے علم و قیاس سے باہر ہے ہم کچھ نہیں بتلا سکتے غرض انہوں نے یہ نہیں کہا کہ اس خواب کی تعبیر ہی نہیں ہے بلکہ یہ کہا کہ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اس قدر علم نہیں ہے کہ اس کی تعبیر بیان کریں اور مطلب اس گفتگو سے اُن کا یہ تھا کہ بادشاہ کا خیال پلٹ دیں کہ وہ اس خواب کی تعبیر کے درپے نہ ہو مگر اُس وقت ساقی نے جو قید سے چھوٹ کر آیا تھا یوسف علیہ السلام کی بات یاد کی اب تک وہ بھولا ہوا بیٹھا تھا شیطان نے اُس کو بھلا دیا تھا اب ایک مدت کے بعد جب بادشاہ کے خواب کی تعبیر کا تذکرہ آیا تو اُس نے کہا کہ مجھے بھیج دو لوگوں نے اس سے کہا کہ جا کہاں جانا چاہتا ہے یہ جیل خانہ گیا اور وہاں آ کر یوسف علیہ السلام کو صدیق کہہ کر پکارا کیونکہ یوسفؑ کی راست بازی اس پر اچھی طرح ظاہر ہو چکی تھی قید میں بھی کبھی ان کو جھوٹ بولتے نہیں سنا تھا اور اُس کے خواب کی تعبیر بھی جو کچھ بتلائی تھی وہ بالکل صحیح صحیح نکلی جو اس میں کچھ فرق نہ ہوا اور یہ دوسرے شخص کے خواب کی تعبیر پوچھنے

[1] مشکوٰۃ ص ۳۹۵ کتاب الرؤیا۔[2] جامع ترمذی ص ۵۰ ج ۲ باب ما جاء فی تفسیر الرؤیا۔

اَرۡجِعُ اِلَی النَّاسِ لَعَلَّهُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ تَزۡرَعُوۡنَ سَبۡعَ سِنِیۡنَ

لے جاؤں لوگوں پاس شاید اُن کو معلوم ہو کہا تم کھیتی کرو گے سات برس

دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدۡتُّمۡ فَذَرُوۡهُ فِیۡ سُنۡۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیۡلًا مِّمَّا تَاۡکُلُوۡنَ ﴿۴۷﴾

لگ کر سو جو کاٹو اس کو چھوڑ دو اُس کے بال میں مگر تھوڑا جو کھاتے ہو

ثُمَّ یَاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ سَبۡعٌ شِدَادٌ یَّاۡکُلۡنَ مَا قَدَّمۡتُمۡ لَهُنَّ

پھر آویں گے اس کے پیچھے سات برس سختی کے کھا جاویں جو رکھا تم نے اُن کے واسطے

اِلَّا قَلِیۡلًا مِّمَّا تُحۡصِنُوۡنَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ یَاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ عَامٌ فِیۡهِ یُغَاثُ

مگر تھوڑا جو روک رکھو گے پھر آوے گا اس پیچھے ایک برس اُس میں مینہ پاویں گے

آیا تھا اس لئے اس نے کہا کہ مجھے اِس باب میں فتویٰ دیں کہ سات گائیں موٹی موٹی کو سات گائیں دبلی دبلی کھاتی ہیں اور سات بالیں ہرے ہرے اور دوسرے خشک ان ہرے بالوں کو کھاتی ہیں اگر آپ اِس کی تعبیر بتلا دیں گے تو میں واپس جا کر لوگوں میں اُس تعبیر کو بیان کر دوں گا جس سے آپ کا فضل و علم ظاہر ہوگا اور لوگوں پر آپؑ کی قدر و منزلت روشن ہوگی یوسف علیہ السلام نے اُس ساقی سے اس بات کا کوئی تذکرہ نہیں کیا کہ تجھے اتنی مدت کے بعد میں یاد آیا اور اِتنے عرصہ تک تو بالکل بے خبر رہا کیوں کہ اِن کو قید خانہ سے نکلنے کی فکر تھی اِس خیال سے جلدی اس خواب کی تعبیر بتلا دی فرمایا کہ سات گائیں موٹی موٹی سے مطلب یہ ہے کہ سات برس میں جو کچھ کھیتی کرو اور غلہ پیدا ہو اس میں سے بقدر ضرورت اپنے اور جانوروں کے کھانے کے لئے لو اور باقی اناج کو بدستور بال میں رکھ چھوڑو اگر بال سے جدا کرو گے تو گھن لگ جانے کا اندیشہ ہے پھر تم اور تمہارے جانور بھوک کے مارے مر جائیں گے کیوں کہ پھر سات برس تک لگاتار قحط پڑے گا پھر اُس وقت تمہارا کل اندوختہ تمہارے کام آئے گا اور جو کچھ تم نے جمع کر رکھا ہوگا وہ کھا لو گے کچھ باقی نہیں رہے گا بیج کے لئے جو غلہ رکھ چھوڑتے ہیں وہ تو رہے گا باقی سب کھا کر بیٹھ رہو گے غرض کہ خواب کی تعبیر کے ساتھ تدبیر بھی بتلاتے گئے پھر فرمایا کہ اِس سات سال کی قحط سالی کے بعد ایک سال ایسا مینہ برسے گا کہ ساری زمین تر ہو جائے گی اور سارے شہر سیراب ہو جائیں گے اور اچھا اناج و میوہ پیدا ہو جائے گا اور لوگ اپنی عادت کے موافق انگور تل وغیرہ اچھی طرح نچوڑیں گے اور بعض مفسروں نے یہ بھی کہا ہے کہ لوگوں کے جانور خوراک و چارہ پا کر ایسے توانا ہوں گے کہ دودھ زیادہ دیں گے یَعۡصِرُوۡنَ میں دودھ کا دوہنا بھی داخل ہے اس واسطے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے یعصرون کے معنے یحلبون بیان کئے ہیں مطلب یہ ٹھہرا کہ اِس سال لوگ گذشتہ کال کی سختیوں سے نجات پائیں گے اور ہر شخص مرفہ الحال ہو جائے گا سات سال کے قحط کے بعد یہ آٹھویں سال کا حال بادشاہ کے خواب کی تعبیر سے الگ ہے مصر کے لوگوں کی تسکین کے طور پر یہ آٹھویں سال کا ذکر بھی یوسف علیہ السلام نے فرما دیا۔ صحیح مسلم میں جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک شخص نے خواب دیکھا کہ اُس کا سر کسی نے کاٹ ڈالا جب اِس خواب کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو آیا تو آپ نے فرمایا کہ سوتے میں شیطان آدمی کو ایسی باتوں سے ڈرایا کرتا ہے ایسے خواب کا کسی سے ذکر نہیں کرنا چاہئیے[1] یہ حدیث اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍ

[1] صحیح مسلم ص ۲۴۴ ج ۲ کتاب الرؤیا

ع ۷ ۱۶

النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ﴿٤٩﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُ

لوگ اور اس میں رس نچوڑیں گے اور کہا بادشاہ نے کہا لے آؤ اس کو میرے پاس پھر جب پہنچا اس پاس بھیجا

الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ

آدمی کہا پھر جا اپنے خاوند پاس اور پوچھ اس سے کیا حقیقت ہے اُن عورتوں کی جنہوں نے کاٹے

أَيْدِيَهُنَّ ۚ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ﴿٥٠﴾ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ إِذْ رَاوَدْتُّنَّ

ہاتھ اپنے میرا رب تو ان کا فریب سب جانتا ہے کہا بادشاہ نے عورتوں کو کیا حقیقت ہے تمہاری جب تم نے

يُوسُفَ عَن نَّفْسِهِ ۚ قُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِن سُوءٍ ۚ قَالَتِ

پھسلایا یوسف کو اُس کے جی سے بولیاں حاشا للہ ہم کو معلوم نہیں اُس پر کچھ بُرائی بولی

کی گویا تفسیر ہے لیکن اصلی خواب اور اس طرح کے اڑتے ہوئے خواب میں فرق پیدا کرنے کے لئے بڑی سمجھ درکار ہے ورنہ ایسی غلطی پڑ جاتی ہے جس طرح بادشاہ مصر کے اہل دربار نے بادشاہ کے اصلی خواب کو اُڑتے ہوئے خوابوں میں کا ایک خواب بتلا دیا جس طرح آدمیوں کی جماعت کو امت کہتے ہیں اسی طرح مدت کے مجموعہ کو بھی امت کہتے ہیں اس لئے بعد امت کا ترجمہ شاہ صاحب نے مدت کے بعد فرمایا ہے ۔ دأباً کے معنی عادت کے ہیں مطلب یہ ہے کہ پہلے سات برس عادت کے موافق اچھی طرح کھیتی کرنی چاہئے۔

۵۰ ۔ ۵۱ ۔ جب ساقی نے بادشاہ کی حضور میں یوسف علیہ السلام کی تعبیر کا حال بیان کیا تو بادشاہ مصر کو وہ تعبیر بہت پسند آئی اور یوسف علیہ السلام کے علم و فضل کو اُس نے خوب پہچان لیا اور جان لیا کہ یہ شخص نہایت ہی صاحب کرامات ہے اس لئے پھر بادشاہ نے اپنا قاصد یوسف علیہ السلام کو بلانے کے واسطے بھیجا کہ اُن کو قید خانہ سے نکال کر میرے دربار میں لاؤ جب قاصد یوسفؑ کے پاس پہنچا تو آپ نے قید خانہ کے نکلنے سے انکار کیا اور کہا کہ جب تک بادشاہ اس بات کی تحقیق نہ کرلے کہ میں بے جرم قید خانہ میں داخل ہوا ہوں اور جو تہمت مجھ پر لوگوں نے دھری ہے اس سے جب تک میں بری نہ ثابت ہولوں اور جب تک بادشاہ یہ بات بھی خوب اچھی طرح نہ جان لے کہ عزیز مصر کی بی بی نے مکر و فریب کر کے مجھ کو زبردستی قید کرایا اُس وقت تک میں قید خانہ سے ہرگز نہ نکلوں گا اسی بنا پر یوسفؑ نے یہ بات کہی کہ پہلے ان عورتوں ہی سے اس بات کو دریافت کرنا چاہئے جن عورتوں کو میرے معاملے میں دخل ہے جس کے سبب سے ان عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے چنانچہ بادشاہ مصر نے ان عورتوں کو جمع کر کے یہ بات پوچھی کہ یہ کیا معاملہ ہے جب تم نے یوسفؑ پر اپنی خواہش ظاہر کی تھی کس طرح ہوا اور کیا ہوا اس وقت عورتوں نے ایک زبان ہو کر جواب دیا کہ حَاشَ لِلّٰہِ یہ بات ہرگز نہیں ہے کہ یوسف کے دل میں کوئی برائی ہو وہ نہایت ہی پارسا آدمی ہیں اور عزیز مصر کی عورت زلیخا نے بھی یہ بات کہی کہ اب حق بات ظاہر ہو گئی غرض اس دریافت سے بادشاہ کو کل حقیقت کی اطلاع ہو گئی کہ یوسف کی اس میں کچھ خطا نہیں ہے اور وہ بالکل سچے ہیں قصور فقط زلیخا کا ہے کہ اُس نے یوسف علیہ السلام سے بدفعلی چاہی اور یوسف علیہ السلام اس بات میں سچے ہیں کہ اُنھوں نے زلیخا کا کہنا نہ مانا اس لئے زلیخا کو آپ اپنے قصور کا اقرار ہے ۔ اِنَّ رَبِّیْ بِکَیْدِھِنَّ عَلِیْمٌ ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اللہ کے علم سے کوئی بات باہر نہیں ہے اُس کو خوب معلوم ہے کہ اس معاملہ میں سرتاپا عورتوں کے مکر و فریب سے مجھ پر یہ الزام قائم ہوا ہے جس سے میں

اَمۡرَاَتُ الۡعَزِیۡزِ الۡـٰٔنَ حَصۡحَصَ الۡحَقُّ اَنَا رَاوَدۡتُّہٗ عَنۡ نَّفۡسِہٖ وَاِنَّہٗ

عورت عزیز کی اب کھل گئی سچی بات میں نے پھسلایا تھا اس کو اس کے جی سے اور وہ

لَمِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۵۱﴾ ذٰلِکَ لِیَعۡلَمَ اَنِّیۡ لَمۡ اَخُنۡہُ بِالۡغَیۡبِ وَاَنَّ اللّٰہَ لَا

سچا ہے یوسف نے کہا اتنا اس واسطے کہ وہ شخص معلوم کرے کہ میں نے چوری نہیں کی اس عزیز

یَہۡدِیۡ کَیۡدَ الۡخَآئِنِیۡنَ ﴿۵۲﴾

کی چھپ کر اور یہ کہ اللہ نہیں چلاتا فریب دغا بازوں کا

بالکل بری ہوں لیکن دنیوی دریافت سے بادشاہ و وزیر کو بھی میری بے قصوری کا حال معلوم ہو جاوے تو اچھی بات ہے معتبر سند سے مسند امام احمد مستدرک حاکم تفسیر ابن ابی حاتم اور تفسیر ابن جریر میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوسف علیہ السلام کے اس صبر و تحمل کی تعریف فرما کر یہ فرمایا ہے کہ اس موقع پر میں ہوتا تو بادشاہ کے قاصد کے ساتھ شاید فوراً چلا جاتا اور عورتوں کے مکر و فریب کی دریافت تک قید خانہ میں نہ رہتا[1] ایسے سخت موقع پر یوسف علیہ السلام نے جو صبر و تحمل کیا اس کے قابل اجر عظیم ہونے کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے مسند امام احمد کی سند میں ایک راوی محمد بن عمرو بن علقمہ کو اگرچہ بعضے علماء نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن ابن معین نے محمد بن عمرو کو ثقہ کہا ہے اور نسائی نے اس کو معتبر ٹھہرایا ہے اسی واسطے حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[2] کیوں کہ نسائی کا کسی راوی کو معتبر ٹھہرانا اکثر علماء کے نزدیک بہت قابل قدر ہے کسی قدر اختصار کے ساتھ یہ حدیث ابوہریرہؓ کی روایت سے[3] صحیح بخاری و مسلم میں بھی ہے۔

۵۲۔ بعضے مفسروں نے اس مقولہ کو زلیخا کا مقولہ قرار دیا ہے[4] اور مطلب اس کا یہ بتلایا ہے کہ بادشاہ کے روبرو جب زلیخا نے حضرت یوسف کے بے گناہ ہونے کا اور اپنے تقصیر وار ہونے کا اقرار کر لیا تو اس وقت عورتوں سے زلیخا نے یہ بات کہی کہ یہ اقرار میں نے اس واسطے کر لیا کہ میرا خاوند جان جاوے کہ میں نے زیادہ کوئی بدفعلی نہیں کی ہاں نفس کی شامت سے بدفعلی چاہی تھی مگر حضرت یوسف کے انکار کے سبب سے اس کا موقع نہیں آیا اور جن مفسروں نے اس مقولہ کو حضرت یوسف کا مقولہ ٹھہرایا ہے ان پر زلیخا کا مقولہ ٹھہرانے والوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اول تو حضرت یوسف ان باتوں کے وقت بادشاہ کے پاس موجود نہیں تھے بلکہ اس وقت تک قید میں تھے دوسرے قرآن شریف میں اوپر سے عورتوں کی باتوں کا ذکر آ رہا ہے بلا تعلق یہ مقولہ حضرت یوسف کا یہاں کیوں کر آ سکتا ہے لیکن اس مقولہ کو زلیخا کا مقولہ ٹھہرانا تکلف سے خالی نہیں کیوں کہ زلیخا اس وقت تک مسلمان نہ تھیں پھر بغیر اسلام کے بت پرستوں کے منہ سے اور خصوصاً بت پرست عورتوں کے منہ سے ایسی باتوں کا نکلنا عادت کے خلاف ہے کہ نفس امارہ بُرا ہے اللہ جس پر رحم کرے وہی نفس امارہ کی بدی سے بچ سکتا ہے

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۴۸۰ ج ۲ [2] تہذیب التہذیب ص ۳۷۶-۳۷۷ ج ۹ [3] صحیح بخاری ص ۴۷۷ ج ۱ کتاب الانبیاء و تفسیر ابن کثیر ص ۴۸۱ ج ۲ [4] شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اور حافظ ابن کثیر رحمہ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے (تفسیر ابن کثیر ص ۴۸۱ ج ۲ و فتاوے ابن تیمیہ ص ۲۸۵ ج ۲) درحقیقت اس آیت کو مقولہ یوسف علیہ السلام بنانا نرا تکلف ہے (ع، ر)

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ۭ اِنَّ

اور میں پاک نہیں کہتا اپنے جی کو جی تو سکھاتا ہے برائی مگر جو رحم کیا میرے رب نے بیشک

رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۳﴾

میرا رب بخشنے والا مہربان ہے

اور میرا اللہ غفور الرحیم ہے بلکہ ان کلموں سے تو خود نبوت کی بو آتی ہے رہی یہ بات کہ حضرت یوسف علیہ السلام اُس وقت بادشاہ کے پاس کہاں تھے جو اُنھوں نے بادشاہ سے یہ بات کہی اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کون کہتا ہے کہ حضرت یوسفؑ نے یہ بات بادشاہ سے کہی بلکہ جب وہ ساقی جو قید سے چھوٹا تھا دوسری دفعہ بادشاہ کے پاس سے قید خانہ میں حضرت یوسف کے پاس آیا اور اُس نے کہا کہ بادشاہ نے عورتوں سے دریافت و تحقیقات کر لی اور تمہاری براءت عورتوں اور خود زلیخا کے بیان سے ثابت ہو چکی چلو اب بادشاہ نے تم کو پھر بلایا ہے اُس وقت یوسف علیہ السلام نے ساقی سے یہ بات کہی کہ میں نے تجھ کو دوبارہ بادشاہ کے پاس بھیج کر یہ تحقیقات اس واسطے کرائی کہ میری براءت ثابت ہو جائے اور تہمت کا الزام جو مجھ پر لگا تھا وہ جاتا رہے اب نبوت کی شان نے جوش کیا اور خیال آیا کہ اپنی پارسائی کو میں نے آج شہرت کیوں دی اُس پر آگے فرمایا کہ میں اپنی جان کو پارسا نہیں گنتا غرض اس صورت میں حضرت یوسفؑ کے اس مقولہ کا آپ کے پہلے اس کلام سے کہ ساقی تو پھر دوبارہ بادشاہ کے پاس جا اور عورتوں سے میرا حال دریافت اور تحقیقات کرنے کو بادشاہ سے کہہ دے پورا تعلق موجود ہے اور شان کلام سے یہ بات بھی اچھی طرح نکلتی ہے کہ یہ کلام ایک بت پرست عورت کا نہیں ہے بلکہ ایک نبی وقت کا کلام ہے اور کوئی اعتراض بھی باقی نہیں رہتا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ان وجوہات کے سبب سے امام المفسرین حضرت عبداللہؓ بن عباس اُن کے شاگرد مجاہد قتادہ اور اکثر سلف بھی کہتے ہیں کہ یہ قول یوسف علیہ السلام کا ہے زلیخا کا نہیں ہے صحیح بخاری و مسلم میں عمرانؓ بن حصین سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کسی نے شرم و حیا کر کے اپنے آپ کو گناہ سے بچایا اُس کا انجام ہر طرح بخیر ہے[1] یوسف علیہ السلام کے حال کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے شرما کر یوسف علیہ السلام نے اپنے آپ کو بُرے کام سے جو روکا تو علاوہ عقبیٰ کے اجر کے دنیا میں بھی ہر طرح سے اُن کا انجام بخیر ہوا عزیز مصر کے مر جانے کے بعد زلیخا سے ان کا نکاح ہو گیا بادشاہ مصر کی نظر میں ان کی توقیر ہو گئی تمام مصر پر وہ حکومت کرنے لگے۔

۵۳ ۔ اس سے اوپر کی آیت میں یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ یوسف علیہ السلام نے ساقی سے یہ بات کہی تھی کہ میں اپنی براءت کی تحقیق کے لئے اس واسطے کہتا ہوں کہ عزیز مصر پر یہ بات اچھی طرح ثابت ہو جائے کہ میں نے اس سے پوشیدہ اُس کی بیوی کے ساتھ کوئی خیانت نہیں کی ہے غرض جب یہ ثابت ہو چکا کہ اوپر کی بات یوسف علیہ السلام کی زبانی ہے تو یہ بات بھی انہوں نے ہی کہی کہ باوجود اس بات کے کہ عورتوں نے میری پاکبازی کی گواہی دی اور در اصل میں راست باز بھی ہوں مگر پھر بھی میں اپنے آپ کو بالکل پاک و صاف نہیں سمجھتا کیوں کہ نفس ہر وقت انسان کو برائی کا حکم کرتا رہتا ہے

[1] صحیح بخاری ص ۹۰۳ ج ۲ باب الحیاء و الترغیب ص ۷۴ ج ۴ کتاب الادب وغیرہ۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ
اور کہا بادشاہ نے لے آؤ اُس کو میرے پاس میں خالص کر رکھوں اُس کو اپنے کام میں پھر جب بات چیت کی اُس سے کہا سچ تو نے

الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي
آج ہمارے پاس جگہ پائی معتبر ہوکر یوسف نے کہا مجھ کو مقرر کر ملک کے خزانوں پر میں

اور پھر گھڑی برائی کا راستہ دکھلاتا رہتا ہے مگر ہاں جس نفس پر خدا کی مہربانی ہو اور جس پر خدا رحم کرے وہ ان باتوں سے بچا رہتا ہے کیوں کہ خداوند جل جلالہ غفور رحیم ہے۔ مسند امام احمد صحیح مسلم اور ابوداؤد میں زینبؓ بنت ابی سلمہ سے روایت ہے جس میں وہ کہتی ہیں کہ میرا پہلا نام برہ تھا جس کے معنے نیک پارسا کے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا وہ نام بدل کر زینب نام رکھا اور فرمایا کہ انسان کی پارسائی کا حال اللہ ہی کو خوب معلوم ہے[1] اس لئے کسی انسان کو اپنی پارسائی کا دعوی زیبا نہیں ہے یوسف علیہ السلام نے پہلی بات کے بعد یہ دوسری بات جو کہی اس حدیث سے اس کا سبب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے یوسف علیہ السلام کے اس قول کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالی اپنی رحمت سے جس کسی کو شیطان اور نفس کے بہکانے سے بچا دے وہی بچ سکتا ہے ورنہ انسان کو پارسائی کا دعوی نہیں پہنچتا۔ گناہوں کے للچانے والے نفس کو امارہ اور گناہوں پر ملامت کرنے والے کو لوامہ اور گناہوں سے بچنے والے کو مطمئنہ کہتے ہیں۔

۵۴۔۵۵۔ ریان بن ولید بادشاہ مصر پر جب یہ بات اچھی طرح ظاہر ہوگئی کہ یوسف علیہ السلام اس تہمت سے بالکل پاک وصاف ہیں اور علاوہ اس کے خواب کی تعبیر سن کر یوسفؑ کے علم و فضل سے بھی وہ اچھی طرح آگاہ ہو چکا تھا اس لئے اُس نے دربار میں کہا کہ قاصد جا کر انہیں میرے پاس لے آئے میں انہیں اپنا خاص مصاحب بناؤں گا حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ بادشاہ کے قاصد نے یوسف علیہ السلام سے کہا کہ تم یہ کپڑے قیدخانہ کے اتار دو اور یہ اچھے اچھے کپڑے جو اپنے ساتھ تمہارے واسطے لے کر آیا ہوں پہن لو اور شاہی دربار میں چلو وہاں تمہاری طلب ہو رہی ہے اُس وقت قیدخانہ والوں نے حضرت یوسفؑ کو دعا دی آپ نے بھی انہیں دعا دی حضرت یوسف علیہ السلام اُس وقت تیس برس کے تھے یوسف علیہ السلام جب بادشاہ کے پاس آئے اور بادشاہ نے آپ کو نوعمر دیکھا اور ان کا حسن بے نظیر پایا تو بادشاہ نے کہا کہ اس نے میرے خواب کی تعبیر جان لی اور ان ساحر اور کاہنوں نے جو ڈھے تجربہ کار جہاں دیدہ اپنے اپنے علم میں ماہر ہیں میرے خواب کی تعبیر نہ بتلا سکے پھر حضرت یوسف علیہ السلام کو ادب سے بالا دست اور آگے بٹھلایا اور خلعت عطا کیا اور ایک سواری آراستہ زین و لگام سے آپ کو عنایت کی اور شہر میں ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ یوسفؑ اب سے بادشاہ کا خلیفہ ہو گیا اور جب بادشاہ اور یوسف کی گفتگو ہوئی تو بادشاہ نے کہا کہ آج سے تم میرے پاس ایک خاص مصاحب صاحب قدر و منزلت مقرر کئے گئے اور تمہاری امانت و دیانت مجھ پر اچھی طرح ظاہر ہو گئی اس لئے تم امین بھی بنائے گئے۔ یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے حضور میں اپنی تقرری کا حال سن کر فرمایا کہ آپ مجھے تمام زمین مصر کی پیداوار کا خزانچی بنا دیجئے اور اس سب کا اختیار میرے ہاتھ میں دیجئے میں اس کی پوری پوری حفاظت کروں گا

[1] صحیح مسلم ص ۲۰۸ ج ۲ باب استحباب تغییر الاسم القبیح الی حسن الخ۔

حَفِيظٌ عَلِيمٌ ﴿٥٥﴾ وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ

خوب نگہبان ہوں خبردار اور یوں قدرت دی ہم نے یوسف کو اُس زمین میں جگہ پکڑتا اُس میں جہاں

يَشَاءُ ۚ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَن نَّشَاءُ ۖ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾

چاہے پہنچاتے ہیں ہم مہر اپنی جس کو چاہیں اور ضائع نہیں کرتے ہم نیگ بھلائی والوں کا

وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٥٧﴾

اور نیگ آخرت کا بہتر ہے اُن کو جو یقین لائے اور رہے پرہیزگاری میں

ع ۸ / ۱

کیوں کہ مجھے ان سب امور کا علم حاصل ہے علم حساب بھی معلوم ہے یہ بھی خوب اچھی طرح جانتا ہوں کہ کس طرح مال واسباب فراہم کرنا چاہیئے اور کہاں کہاں اُس کو اٹھانا چاہیئے لوگوں کی بولیاں بھی سمجھتا ہوں ہر شہر کے لغت کا بھی علم مجھے حاصل ہے۔ آگے کی آیت وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے یہ امارت کی خواہش اللہ تعالیٰ کے حکم سے خلق کے فائدے کے لئے کی تھی اس لئے صحیح بخاری ومسلم کی عبدالرحمن بن سمرۃؓ کی روایت میں امارت کی خواہش کی جو ممانعت[1] ہے اُس میں اور یوسف علیہ السلام کی اس خواہش میں کچھ مخالفت نہیں ہے حدیث میں اس امارت کی ممانعت ہے جو طلب دنیا کے لئے ہو یہ اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی امارت طلب دنیا کے لئے نہیں تھی[2]۔

۵۶ ـ ۵۷ ـ بعض[3] مفسروں نے یہاں یہ بات بیان کی ہے کہ شروع میں یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات پوچھی تھی کہ یعقوب علیہ السلام ملک شام میں رہتے تھے ان کی اولاد مصر میں کس طرح پہنچی اور وہاں کے ملکوں پر قابض ہوئے یہ اسی کے جواب میں اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ ہم نے اس طرح پر یوسف علیہ السلام کو پہلے کنوئیں سے نجات دی اور پھر عزیز مصر کے تصرف میں آکر قید ہوئے وہاں سے اس طرح پر انہیں رہائی دلا کر سارے ملک مصر پر قابض کر دیا تفسیر ابن ابی حاتم اور تفسیر ابن جریر میں جو سلف کے قول ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ریان بن ولید بادشاہ مصر سے یوسف علیہ السلام نے پیداوار کا خزانچی ہونے کی درخواست کی تو اُس نے برغبت تمام پذیرا فرما کر انہیں عزیز مصر کی جگہ پر اپنا وزیر مقرر کیا اور تمام ملکی مالی انتظام ان کے اختیار میں دے دیا کہ جس طرح چاہیں اور جہاں چاہیں تصرف کریں اور عزیز مصر کو معزول کر دیا عزیز مصر اسی رات کو فوت ہو گیا اس کے بعد زلیخا اُس کی بیوی کو جس نے یوسف علیہ السلام سے اپنی خواہش ظاہر کی تھی یوسفؑ کے نکاح میں دیا جب یوسفؑ اس عورت سے ملے تو وہ باکرہ تھی کیوں کہ عزیز مصر نامرد تھا عورتوں کے پاس نہیں جاتا تھا زلیخا سے یوسف علیہ السلام کے دو لڑکے پیدا ہوئے ایک افرائیم بن یوسف دوسرا میشا بن یوسف افرائیم کے فرزند حضرت نون ہوئے جن کے بیٹے یوشع بن نون کہلاتے ہیں اور بیٹی رحمت نامی حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی تھیں[4]۔ مجاہد کا قول ہے کہ جب یوسف علیہ السلام ملک مصر کی وزارت پر مقرر ہو گئے

[1] مشکوٰۃ ص ۳۲۰ کتاب الامارۃ والقضاء [2] تفسیر فتح البیان ص ۵۲۹ ج ۲ دیکھئے [3] تفسیر جمل ص ۴۳۲ ج ۲ بحوالہ خازن [4] یہ اسرائیلی کہانی ہے جس کو محمد بن اسحاق نے "ذُکر" (بیان کیا گیا) اور "یُقال" (لوگ کہتے ہیں) کے الفاظ سے ذکر کیا ہے (دیکھئے تفسیر ابن کثیر ص ۴۸۲ ج ۲ و تفسیر ابن جریر ص ۶ ج ۱۳ الجزایہ مستند نہ ہوئی (ع ، ح)۔

وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنكِرُونَ ﴿٥٨﴾

اور آئے بھائی یوسف کے پھر داخل ہوئے اُس کے پاس تو اس نے پہچانا ان کو اور وہ نہیں پہچانتے

وَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَّكُم مِّنْ أَبِيكُمْ ۚ أَلَا تَرَوْنَ

اور جب تیار کر دیا اُن کو اُن کا اسباب کہا لے آؤ میرے پاس ایک بھائی جو تمہارا ہے باپ کی طرف سے تم نہیں دیکھتے

أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ﴿٥٩﴾ فَإِن لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ

ہو کہ میں پوری دیتا ہوں بھرتی اور خوب طرح اتارتا ہوں پھر اگر اس کو نہ لائے میرے پاس تو بھرتی نہیں

تو بارہا بادشاہ مصر کو اسلام کی دعوت کرتے رہے آخر وہ مسلمان ہو گیا اور اُس کے ساتھ بہت لوگ مسلمان ہوئے اسی کو اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ ہم جس پر چاہتے ہیں انعام و احسان کرتے ہیں اور جو لوگ نیکوکار ہیں ان کا اجر اور اُن کی نیکی برباد نہیں کرتے ہیں اور ایمان والے اور متقی پرہیزگاروں کے لئے آخرت کا اجر ہے کہ انہیں دوزخ کی آگ سے بچا کر ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے جنت میں داخل کریں گے جہاں طرح طرح کی نعمتیں اور طرح طرح کی آسائش کا سامان اُن لوگوں کے لئے مہیا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کی تھوڑی سی جگہ بھی تمام دنیا سے بہتر ہے[1] ان آیتوں میں بھی آخرت کے اجر کو دنیا کی بادشاہت سے جو بہتر فرمایا یہ حدیث گویا اُس کی تفسیر ہے۔

۵۸۔۶۲۔ جب یوسف علیہ السلام عزیز مصر کی جگہ بادشاہ کے وزیر ہو گئے اور سارا انتظام ملکی و مالی ان کے قبضہ تصرف میں آگیا تو سات سال ارزانی میں اُنھوں نے بہت اہتمام کیا اور غلوں کو نہایت احتیاط سے جمع کیا یہاں تک کہ ایک بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا اور جب ارزانی کا زمانہ گزر گیا اور قحط شروع ہونے لگا تو دور دور کے لوگ غلہ خریدنے کو مصر میں آنے جانے لگے یوسف علیہ السلام کسی شخص کو ایک اونٹ کے بوجھ سے زیادہ غلہ نہیں دیتے تھے اور آپ معہ بادشاہ اور لشکر کے دن میں ایک دفعہ کھانا کھاتے تاکہ یہ سات سال قحط کے بآسانی گذر جائیں جب یہ خبر رفتہ رفتہ ملک شام تک پہنچی کہ مصر میں غلہ فروخت ہوتا ہے تو یوسف علیہ السلام کے دسوں سوتیلے بھائی باپ کے حکم سے مصر کی طرف چلے اور کچھ مال نقدی اپنے ساتھ لیتے آئے کہ قیمت میں غلہ کے دیں گے جب یہ لوگ مصر میں پہنچے تو یوسف علیہ السلام نے انہیں پہچان لیا اور ان لوگوں نے یوسف علیہ السلام کو نہیں پہچانا کیوں کہ جس وقت ان لوگوں نے یوسف علیہ السلام کو کنوئیں سے نکلنے کے بعد مصر کے قافلہ کے لوگوں کے ہاتھ فروخت کیا تھا تو وہ بہت خورد سال تھے اور اب تیس سے زائد عمر تجاوز کر گئی تھی علاوہ اس کے ہیئت بدلی ہوئی تھی عزیز مصر کی جگہ ترقی برتی ہو کر تاج وزارت سر پر رکھے ہوئے تھے اور خود ان کے بھائیوں کو یہ گمان تھا کہ خبر نہیں یوسف زندہ ہے یا مر گیا اور حکم قضاء و قدر سے بالکل لاعلم تھے یہ کیا جانتے تھے کہ ہمارا بھائی کچھ ایسا نصیبہ کا زبردست ہے کہ فرمانروا بن جائے گا یہ وجوہات درمیان میں حائل تھیں جس کے سبب سے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو یوسف کے شناخت کرنے میں دشواری

[1] مشکوٰۃ ص ۴۹۵ باب صفۃ الجنۃ و اھلہا۔

لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

تم کو میرے نزدیک اور میرے پاس نہ آؤ بولے ہم خواہش کریں گے اُس کی باپ سے اور البتہ ہم کو کرنا

وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا

اور کہہ دیا خدمت گاروں کو اپنے رکھ دو ان کی پونجی ان کے بوجھوں میں شاید اُس کو پہچانیں جب

انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾

پھر کر جاویں اپنے گھر شاید وہ پھر آویں

ہوئی یوسف نے ان لوگوں کو اچھی طرح اتروایا اور اچھی جگہ ان کو رہنے کو دی اور ان کی مہمانی کا اچھا سامان کیا جب ان سے باتیں ہوئیں تو یہ لوگ زبان عبرانی میں گفتگو کرنے لگے یوسف علیہ السلام نے ان سے دریافت کیا کہ تم کون ہو کہاں کے رہنے والے ہو تمہارا حسب و نسب کیا ہے یہ پوچھنا ان کا جان بوجھ کر تھا کیوں کہ یوسف علیہ السلام ان کو اول ہی نظر میں پہچان چکے تھے بہرحال انھوں نے جواب دیا کہ ہم ملک شام کے رہنے والے ہیں ہمارے ہاں بھی قحط پڑا ہے غلہ خریدنے کو یہاں آئے ہیں یوسف علیہ السلام نے کہا شاید تم جاسوس ہو خبر لگانے کو آئے ہو انہوں نے کہا کہ معاذ اللہ ہم دسوں آدمی ایک باپ کے بیٹے ہیں ہمارا باپ ایک شخص نہایت ہی بزرگ ایک صاحب کرامات خدا کا رسول ہے ان کا نام یعقوب علیہ السلام ہے یوسف علیہ السلام نے پوچھا تم کتنے بھائی ہو کہا کہ ہم بارہ بھائی تھے ایک بھائی تھا وہ جنگل میں ایک روز گیا وہاں خبر نہیں کس طرح ہلاک ہو گیا بھیڑیا کھا گیا کیا ہوا کچھ پتہ نہیں یوسف علیہ السلام نے پوچھا یہاں اب کتنے آئے ہو کہا کہ دس بھائی فرمایا کہ گیارہواں کہاں ہے جواب دیا کہ وہ باپ کے پاس ہے وہ سب سے چھوٹا ہے جو ہمارا بھائی گم ہو گیا باپ اسے بہت چاہتے تھے اب اُس کی جگہ سب سے چھوٹے بھائی کو دیکھ کر اپنے دل کو تسلی دیتے ہیں اور اپنی نظروں سے اسے علیحدہ نہیں کرتے یوسف علیہ السلام نے انہیں غلہ بھروا دیا اور کہا اب جو آنا تو اپنے بھائی کو بھی اپنے ساتھ لیتے آنا تاکہ تمہارا سچ معلوم ہو جاوے دیکھو میں نے تمہاری بہت خاطر کی ہے اور اچھی طرح مہمان رکھا ہے اور غلہ بھی بھرپور دیا ہے اگر اب کے اپنے اس بھائی کو نہ لاؤ گے تو تمہیں غلہ نہ دیں گے اور نہ اپنے پاس جگہ دیں گے ان لوگوں نے کہا کہ نہیں ہم ضرور اُس کو اپنے ساتھ لائیں گے اور اگرچہ باپ اُس کو اپنے پاس سے علیحدہ نہیں کرتے مگر ہم انہیں سمجھا بوجھا کر جس طرح ممکن ہوگا اسے اپنے ساتھ لیتے آئیں گے جب یوسف علیہ السلام نے پختہ وعدہ اُن سے لے لیا کہ وہ ضرور اُن کے چھوٹے بھائی کو جس کا نام بنیامین ہے لائیں گے تو ان لوگوں کو رخصت کیا جب وہ جانے لگے تو یوسف علیہ السلام نے اپنے خدمت گاروں سے کہہ دیا کہ انہوں نے غلہ کی جو قیمت دی ہے وہ چھپا کر ان کے بوجھوں میں ڈال دو اور ان کی گٹھڑیوں کو باندھ دو یہ ترکیب اس واسطے کی کہ شاید باپ کے پاس اور کوئی نقدی مال وغیرہ نہ ہو جس سے دوبارہ غلہ خریدنے کا انہیں موقع نہ ملے یا اس واسطے کہ باپ بھائی سے کھانے پینے کی چیز کی قیمت کیا لیں یا اس واسطے کہ جب گھر جائیں گے اور وہاں اپنی گٹھڑیوں میں اپنا روپیہ جوں کا توں پائیں گے تو پھر دوبارہ ضرور آئیں گے تاکہ قیمت ادا کریں یا حرص پیدا ہوگی کہ مفت غلہ ملا ہے پھر چل کر لے آئیں اور بعض مفسروں نے یہاں یہ بھی بیان کیا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے ان لوگوں میں سے ایک کو رکھ لیا تھا کہ تم جاسوس

فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا

پھر جب پھر گئے اپنے باپ پاس بولے اے باپ بند ہوئے ہم سے بھرتی سو بھیج ہمارے ساتھ بھائی ہمارا

نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾

کہ بھرتی لادیں اور ہم اُس کے نگہبان ہیں

ہو جب تمہارا چھوٹا بھائی آکر گواہی دے گا کہ تم اپنے قول میں سچے ہو تو تمہارے بھائی کو چھوڑ دوں گا مگر یہ قول ضعیف ہے کیونکہ یوسف علیہ السلام نے اُن پر تو جب احسان کیا تھا بھائی کی غلہ پورا پورا بھر دیا قیمت اُن کی گٹھڑیوں میں بندھوا دی تھی اُن کے واپس آنے کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا تدبیر ہو سکتی ہے جو کسی کو گروی رکھتے سورت بقر کی آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذی (۲: ۳ ۶) میں اور معتبر سند کی مستدرک حاکم کی انس بن مالکؓ اور عبد اللہؓ بن عمر کی حدیثوں میں احسان کر کے جتلانے کی جو ممانعت[1] ہے اس میں اور یوسف علیہ السلام کے قول وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ میں کچھ مخالفت نہیں ہے کیونکہ یوسف علیہ السلام نے یہ بات فقط اپنے بھائی بنیامین کے بلانے کی تاکید کے طور پر کہی تھی کہ جس طرح میں نے تم لوگوں کی خاطر داری کی تمہارا وہ بھائی یہاں تمہارے ساتھ آوے گا تو میں اُس کی بھی خاطر داری کروں گا اس بات سے احسان کا جتلانا حضرت یوسف علیہ السلام کی نیت میں نہیں تھا۔

۶۳۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی غلہ لے کر اپنے گھر واپس آئے تو سامان کھولنے سے پہلے اپنے والد بزرگوار سے یوسف علیہ السلام کے اخلاق کا ذکر کیا کہ عزیز مصر ایک لائق شخص اور شریف النفس ہے ہمیں اچھی طرح اتارا اور ہماری خوب مہمانی کی اور ہمیں بھرپور تول کر غلہ دیا یعقوب علیہ السلام نے کہا کہ اس مرتبہ جانا تو انہیں میرا سلام کہنا اور کہنا کہ ہمارا باپ تمہارے حق میں دعا کرتا ہے یوسفؑ کے بھائیوں نے یہ بھی کہا کہ اس مرتبہ اگر ہم جائیں گے تو وہ ہمیں غلہ نہ دیں گے۔ بنیامین اگر ساتھ جائے گا تو البتہ غلہ ملے گا کیونکہ اُنہوں نے کہہ دیا ہے کہ اگر اپنے بھائی کو ساتھ نہ لاؤ گے تو ہم غلہ نہ دیں گے اس واسطے جب تک بنیامین نہ جائے ہمارا جانا بے سود ہے علاوہ اس کے بنیامین کے جانے میں ایک اور فائدہ بھی ہے کہ اس مرتبہ ہم دس اونٹ بار کرا کر لائے ہیں اور اب گیارہ لائیں گے کیونکہ عزیز مصر ہر شخص کو ایک اونٹ کے بوجھ کے لائق غلہ دیتا ہے اور آپ بنیامین کی طرف سے کچھ تردد نہ کریں ہم اسے کچھ تکلیف نہ ہونے دیں گے اور ہر طرح سے اُس کی حفاظت کریں گے معتبر سند سے مستدرک حاکم میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ کہا تو اللہ تعالیٰ اُس کے سب کام آسان کر دے گا[2]۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ کا مطلب یہ ہے کہ برائی سے بچنے کا نہ مجھ کو کوئی حیلہ آتا ہے نہ نیک کام کرنے کی مجھ میں پوری قوت ہے اس لئے میں نے اپنے سب کام اللہ تعالیٰ کو سونپ دئیے حاصل مطلب حدیث کا یہ ہوا کہ جو شخص اپنے سب کاموں میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اُس کے سب کام آسان کر دے گا۔ اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں جو دخل ہے اُس کا حاصل یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ کہہ کر بنیامین کی حفاظت اپنے ذمہ لی اور اللہ تعالیٰ سے اس میں کچھ مدد نہیں چاہی اس لئے یہ مشکل پیش آئی کہ برس دن کے لئے بنیامین

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۸۰ ا ج ا [2] مستدرک حاکم ص ۴۲ ۵ ج ا من قال لاحول ولاقوۃ الا باللہ الخ۔

قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ۭ فَاللّٰهُ

کہا میں اعتبار کروں تمہارا اس پر مگر وہی جیسا اعتبار کیا تھا اُس کے بھائی پر پہلے سو اللہ

خَيْرٌ حٰفِظًا ۠ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝۶۴ وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا

بہتر ہے نگہبان اور وہی ہے سب مہربانوں سے مہربان اور جب کھولی اپنی چیز بست پائی اپنی

بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ۭ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ۭ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ

پونجی پھر آئے اُن کی طرف بولے اے باپ یہ ہے جو ہم مانگتے ہیں یہ پونجی ہماری پھیر دی ہے

کی جدائی ظہور میں آئی جس کا ذکر آگے آتا ہے اور آگے کی آیت میں یعقوب علیہ السلام نے اِس حفاظت کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر سونپ دیا تو اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یوسف علیہ السلام اور بنیامین دونوں کو اللہ تعالیٰ نے جلدی حضرت یعقوبؑ سے ملا دیا

۶۴- حضرت یوسفؑ کے بھائی جب دوسری دفعہ کنعان سے مصر غلہ خریدنے کو آتے وقت حضرت یعقوب سے بنیامین کو ساتھ لانے کا اصرار کرنے لگے اور کہنے لگے کہ دل جمعی رکھو ہم اُس کی راستہ میں اچھی طرح نگہبانی کریں گے اُس کا یہ جواب حضرت یعقوبؑ نے دیا جس کا ذکر اس آیت میں ہے کہ تم نے تو یوسفؑ کی نگہبانی کا بھی اقرار کیا تھا لیکن خیر بڑا نگہبان تو سب کا اللہ ہے یہ کہہ کر بنیامین کو اُن کے ساتھ کر دیا۔ بعضے مفسرین نے یہاں مصر کے قحط کے ذکر میں یہ جو لکھا ہے کہ آخر درجہ تمام مصر کے لوگوں نے غلہ کے عوض میں اپنے آپ کو حضرت یوسفؑ کا غلام بنا لیا اور حضرت یوسفؑ نے پھر اُن سب کو آزاد کر دیا اس پر حافظ عماد الدین ابن کثیر نے اعتراض کیا ہے کہ یہ روایت بنی اسرائیل کی ہے یہ اعتراض اس سبب سے ہے کہ محمد بن اسحاق صاحب مغازی جنہوں نے اس روایت کو بیان کیا ہے اہل کتاب سے روایت لینے میں بدنام ہیں لیکن اس روایت کو محمد بن زید بن مہاجر سے محمد بن اسحاق نے روایت کیا ہے یہ محمد بن زید ثقہ ہیں اور اہل کتاب سے روایت لینے میں بدنام بھی نہیں ہیں پھر ظاہراً کوئی وجہ ایسی نہیں ہے کہ محمد بن اسحاق کی اس روایت پر حافظ عماد الدین ابن کثیر نے جو اعتراض کیا ہے اُس کو تسلیم کیا جاوے۔ ابو ہریرہؓ کی حدیث اوپر کی آیت کی تفسیر میں جو گزر چکی ہے وہ حدیث اِس آیت کی بھی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل گزر چکا ہے کہ یعقوب عم نے اس حفاظت کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر سونپ دیا تو اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یوسف علیہ السلام اور بنیامین دونوں کو اللہ تعالیٰ نے جلدی یعقوب علیہ السلام سے ملا دیا۔

۶۵-۶۶- ان آیتوں میں اللہ پاک نے فرمایا کہ جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے گھر جا کر اپنا سامان کھولا تو غلہ کی قیمت جو حضرت یوسف کو اُنہوں نے مصر میں دی تھی اور یوسف علیہ السلام نے اپنے خدمت گار سے کہہ دیا تھا کہ روپیہ اُن کی گٹھڑیوں میں باندھ دو وہ روپیہ اُنہوں نے یہاں آکر دیکھا پھر تو انہیں جرأت ہوئی اور باپ سے کہا اب آپ کو بنیامین کے بھیجنے میں کیا عذر ہے دیکھئے عزیز مصر کیسا نیک آدمی ہے کہ ہماری قیمت بھی واپس کر دی اگر اب کے آپ بنیامین کو ساتھ کر دیں گے تو اُس کا حصہ ایک اونٹ کے بوجھ کا غلہ اور زیادہ لائیں گے کیوں کہ عزیز مصر فی آدمی ایک شتر کا بار دیتا ہے اور ہم ہر طرح بنیامین کے محافظ رہیں گے آپ دل میں کوئی اندیشہ نہ کیجئے مگر حضرت یعقوب علیہ السلام ایک دفعہ کے ڈرے ہوئے تھے یوسفؑ کو یہ لوگ اسی اقرار سے لے گئے تھے اور اُن کو کھو کر آئے اس لئے فرمایا کہ تم لوگ جب تک حلف نہ اُٹھاؤ گے اور پکا وعدہ و اقرار

إِلَيْنَا وَنَمِيرُ أَهْلَنَا وَنَحْفَظُ أَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ ذَٰلِكَ كَيْلٌ

ہم کو ۔ اور رسد لادیں ہم اپنے گھر کو اور خبرداری کریں گے اپنے بھائی کی اور زیادہ لیویں بھرتی ایک اونٹ کی وہ بھرتی

يَسِيرٌ ﴿٦٥﴾ قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّىٰ تُؤْتُونِ مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ لَتَأْتُنَّنِي

آسان ہے ۔ کہا ہرگز نہ بھیجوں گا اُس کو ساتھ تمہارے جب تک دو مجھ کو عہد خدا کا کہ البتہ پہنچا دو گے میرے پاس

بِهِ إِلَّا أَنْ يُحَاطَ بِكُمْ فَلَمَّا آتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴿٦٦﴾

اس کو مگر کہ گھر جاؤ تم سارے پھر جب دیا اُس کو عہد سب نے بولا ذمہ اللہ کا ہے جو باتیں ہم کہتے ہیں

وَقَالَ يَا بَنِيَّ لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُتَفَرِّقَةٍ

اور کہا اے بیٹو نہ داخل ہوجیو ایک دروازے سے اور بلکہ جاؤ گھی دروازوں سے جدا جدا

کر کے مجھے اطمینان نہ دلاؤ گے کہ ہم بخیر و خوبی بنیامین کو پھر واپس لائیں گے اُس وقت تک میں ہرگز اس کو تمہارے ساتھ نہ کروں گا ہاں یہ بات مجبوری کی ہے کہ تم سب کے سب بلائے ناگہانی میں گھر جاؤ یا کوئی ایسی افتاد پڑے کہ تم پھر کر آنے سے مجبور ہو جاؤ تو اُس وقت ناچاری ہے۔ مگر تم جب تک اس بات کا عہد نہ کرو گے کہ تم اپنے مقدور بھر بنیامین کے واپس لانے میں کچھ کمی نہ کرو گے اور اُس کے واپس لانے میں کوئی حیلہ حوالہ نہیں کرو گے تو اس کو میں نہیں بھیجوں گا غرض کہ اُنہوں نے حلف اٹھایا اور پکا وعدہ کیا کہ ہم ہرگز کچھ حیلہ نہیں کریں گے اور ضرور بالضرور بنیامین کو اپنے ساتھ واپس لائیں گے جب یہ لوگ وعدہ و اقرار پکے طور پر کر چکے تو یعقوب علیہ السلام نے کہا کہ اس عہد پر خدا ہی گواہ ہے کہ اُس سے کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے وہ عہد کے توڑنے والے شخص پر عذاب کرتا ہے غرض کہ اس مرتبہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان لوگوں سے بھی عہد و پیمان کرا کر اپنا اطمینان کر لیا اور پھر اس قول و اقرار کے بعد خدا پر بھروسہ کیا۔ بخلاف اس دفعہ کے جب یہ لوگ حضرت یوسف کو لے جانے لگے تھے تو اُنہوں نے یہ کہا تھا کہ تم اپنے لہو و لعب میں رہو گے اور اُس کو بھیڑیا کھا جائے گا وہاں خدا پر بھروسہ کرنا بھول گئے تھے اس لئے حضرت یوسف ان سے مدت تک جدا رہے اب جو اُنھوں نے خدا پر پورا بھروسہ کیا تو دونوں صاحبزادے آپ سے آملے۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] ہر ایماندار شخص کو صلہ رحمی کی پابندی ضرور ہے۔ رشتہ داروں سے سلوک کرنے کو صلہ رحمی کہتے ہیں۔ جو علما یہ کہتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے غلہ کی قیمت اس لئے صلہ رحمی کے طور پر واپس کر دی کہ یہ روپیہ باپ بھائیوں کی اور ضرورتوں میں کام آوے اور غلہ مفت اُن کے پاس پہنچ جاوے تو بہتر ہے اس حدیث سے اُن علما کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملت ابراہیمی کی پیروی کا حکم ہے اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ صلہ رحمی کا مسئلہ جس طرح شرع محمدی میں ہے اسی طرح ملت ابراہیمی میں بھی تھا اور اسی کے موافق یوسف علیہ السلام نے عمل کیا۔

۶۷۔ ان آیتوں میں اللہ پاک نے فرمایا کہ برادران یوسفؑ نے جب سفر کی تیاری کی اور بنیامین کو لے کر مصر کی طرف چلے تو ان کے والد بزرگوار حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کو نصیحت کی کہ تم سب کے سب ایک دروازہ سے نہ داخل ہونا الگ الگ

[1] صحیح بخاری ص ۸۸۵ ج ۲ باب فضل صلۃ الرحم۔

وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ

اور میں نہیں بچا سکتا تم کو اللہ کی کسی چیز سے حکم کسی کا نہیں سوا اللہ کے اُسی پر مجھ کو بھروسہ ہے

وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۶۷﴾

اور اسی پر بھروسا چاہیے بھروسا کرنے والے کو

دروازہ سے شہر میں جانا مصر کے چار دروازے تھے سدی کہتے ہیں ابواب متفرقہ سے یہی چاروں دروازہ مراد ہیں حال یعقوب علیہ السلام نے اس لئے یہ ہدایت کی کہ پہلے مرتبہ جو یہ لوگ گئے تھے تو کوئی ان سے واقف نہ تھا اور اب وہاں کے لوگ انہیں جان گئے ہیں اور یہ سب کے سب ایک ہی باپ کے بیٹے ہیں اور جوان جوان حسن میں بھی بے مثال ہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کی نظر بد انہیں لگ جائے کیوں کہ ابوہریرہؓ کی صحیح بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ العین حق[1] جس کا مطلب یہ ہے کہ نظر بد حق ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بعضے صحابہ کو نظر بد لگ چکی[2] ہے کہتے ہیں کہ حضرت یعقوبؑ کو معلوم ہو چکا تھا کہ مصر میں یوسف علیہ السلام تخت سلطنت پر ہیں مگر اُن کو ظاہر کرنے کا حکم نہیں ہوا تھا اس لئے اپنے بیٹوں سے پوشیدہ رکھا ان کی خواہش یہ تھی کہ بنیامین یوسف علیہ السلام سے تنہا ملیں اس لئے چلتے وقت ان کو یہ ہدایت کر دی کہ تم الگ الگ دروازہ سے شہر میں جانا مگر قول اول صحیح حدیث کے موافق ہے۔

ابو علی جبائی اور معتزلی فرقہ کے اور بعضے لوگوں نے کہا کہ ٹوک کے لگ جانے کا وجود دنیا میں نہیں ہے لیکن یہ انکار ان لوگوں کا غلط ہے کیوں کہ مسند امام احمد ترمذی ابوداؤد و ابن ماجہ وغیرہ کی روایتوں[3] میں ٹوک کے لگ جانے کا تفصیل سے ذکر آیا ہے بلکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی صحیح مسلم کی روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا[4] ہے کہ دنیا میں اگر کوئی ایسی چیز ہوتی کہ قضاء و قدر پر غالب آسکتی تو ٹوک ایسی تیز چیز ہے کہ یہ قضاء قدر پر غالب آسکتی تھی صحیح مسلم اور موطا وغیرہ کی چند صحیح روایتوں میں ٹوک اور نظر کے اتارنے کی ترکیب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے کہ نظر لگانے والے کے منہ اور ہاتھ پاؤں کا دھوون نظر لگ جانے والے شخص کے سر پر چھڑکنے سے نظر اتر جاتی ہے پوری تفصیل اس دھوون کے لینے کی نووی شرح مسلم[5] میں ہے غرض جن لوگوں نے ٹوک لگ جانے کا انکار کیا ہے انہوں نے ان صحیح حدیثوں کا گویا انکار کیا ہے اگرچہ مفسروں نے اور بھی قول اپنی تفسیروں میں لکھے ہیں مگر صحیح قول یہی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ٹوک لگ جانے کے اندیشہ سے اپنے لڑکوں کو مصر کے ایک دروازہ سے جانے کو منع کیا تھا کہ سب ایک باپ کی اولاد ہم صورت ہیں کہیں ان کو ٹوک نہ لگ جاوے اور دنیا کی یہ تدبیر حضرت یعقوبؑ نے بتا کر پھر اصل بھروسہ اللہ تعالیٰ پر رکھا اس واسطے اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں حضرت یعقوبؑ کی تعریف فرمائی اب بھی جو شخص دنیا کے اسباب کو برتے اور تقدیر پر شاکر رہ کر اصل بھروسہ اللہ پر رکھے تو ایسے شخص کا کام شریعت کے موافق شمار کیا جاوے گا ہاں جو شخص دنیا کے اسباب پر اللہ کو بالکل بھول جاوے وہ بلاشک برا ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی صحیحین کی حدیث میں بلا حساب

[1] صحیح بخاری ص ۸۵۴ ج ۲ باب العین حق [2] مشکوۃ ص ۳۸۹ کتاب الطب والرقی [3] جامع ترمذی ص ۲۷ ج ۲ باب ماجاء ان العین حق الخ [4] صحیح مسلم ص ۲۲۰ ج ۲ باب الطب والرقی [5] صحیح مسلم مع شرح نووی ص ۲۲۰ ج ۲

وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ

اور جب داخل ہوئے جہاں سے کہا تھا اُن کے باپ نے کچھ نہ بچا سکتا تھا اُن کو اللہ کی

مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةً فِي نَفْسِ يَعْقُوبَ قَضَاهَا وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِمَا

کسی چیز سے مگر ایک خواہش تھی یعقوب کے جی میں سو کر چکا اور وہ تو خبردار تھا

عَلَّمْنَاهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٦٨﴾

ہمارے سکھائے سے لیکن بہت لوگ خبر نہیں رکھتے

وکتاب ستر ہزار ایسے شخصوں کے جنت میں داخل ہونے کا جو ذکر ہے کہ وہ لوگ ہر حال میں اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں بیماری میں علاج تک نہیں کرتے یہ خاص لوگوں کا کام ہے۔

۶۸۔ اس آیت میں اللہ نے فرمایا کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو جس طرح تعلیم کی تھی کہ علیحدہ علیحدہ تم ایک ایک دروازے سے شہر میں داخل ہونا وہ اسی طرح شہر میں گئے مگر یہ تدبیر اُن کی کچھ بھی کارآمد نہیں ہوئی اور ذرا بھی حکم قضاء و قدر کو روک نہیں سکے جس بات کا انہیں خوف تھا وہی ہوکر رہی فرمایا کہ یعقوب کچھ غیب داں نہیں تھے ہم نے انہیں یہ ساری باتیں سکھلائی تھیں ورنہ انہیں کب معلوم ہو سکتا تھا کہ ٹوک کو کیوں کر بند کیا جاوے لیکن اکثر لوگ اِن باتوں کو نہیں جانتے کہ کسی کا مقدور نہیں کہ وہ مقدر کو پھیر سکے یہ شان تو فقط خدائے جل جلالہ کی ہے کہ اگر وہ چاہے تو تقدیر مقررہ کو پھیر دے اور اُسی کو غیب دانی بھی سزاوار ہے حاصل مطلب یہ ہے کہ جب یوسف علیہ السلام کے بھائی جدا جدا دروازوں سے شہر مصر میں داخل ہوئے تو جو تدبیر یعقوب علیہ السلام نے بتلائی تھی وہ سودمند نہ ہوئی بلکہ انہیں چوری کی تہمت لگائی گئی اور بنیامین کو اُس جرم میں ایک سال تک روک رکھا گیا اور حضرت یعقوب علیہ السلام پر دوسری مصیبت آئی غرض تدبیر سے حکم قضاء و قدر نہیں پھر سکتا یعقوب علیہ السلام کے دل میں جو شفقت و محبت بچوں کی تھی اُس کے تقاضے سے انہوں نے یہ بات ظاہر کر دی تھی مگر وہ اس کے کچھ معتقد نہ تھے کہ اس تدبیر سے تقدیر دفع ہو جائے گی۔ صحیح بخاری میں ابوہریرہؓ سے اور صحیح مسلم میں جابرؓ بن عبداللہ سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ آدمی کی تقدیر میں جو کچھ لکھا جانا تھا وہ لکھا بھی گیا اور قلم خشک بھی ہو گیا[1] یہ حدیثیں مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ کی گویا تفسیر ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ تدبیر سے تقدیر کا لکھا نہیں ٹل سکتا لیکن انسان کو تقدیر کا حال معلوم نہیں جس طرح مثلاً یعقوب علیہ السلام نے ٹوک نہ لگنے کی تدبیر کی اور تقدیر کا یہ حال معلوم نہ تھا کہ تقدیر میں چوری کا الزام لکھا ہے اس لئے انسان کو چاہئے کہ دنیا عالم اسباب میں تدبیر کو کام میں لاوے اور اصل بھروسہ تقدیر الٰہی پر رکھے چنانچہ اسی کے موافق یعقوب علیہ السلام نے عمل کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس عمل کی تعریف فرمائی اور فرمایا کہ بہت سے آدمی اس عمل کو نہیں جانتے جس کا مطلب یہ ہے کہ بہت سے آدمی ظاہر اسباب کے پابند ہو کر تقدیر الٰہی کو بھول جاتے ہیں۔

[1] صحیح مسلم ص ۳۳۲ ج ۱ باب الدلیل علی دخول طوائف من المسلمین الجنۃ الخ [2] مشکوٰۃ ص ۲۰ باب الایمان بالقدر۔

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلٰى يُوسُفَ اٰوٰى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّىٓ اَنَا اَخُوكَ فَلَا

اور جب داخل ہوئے یوسف کے پاس اپنے پاس رکھا اپنے بھائی کو کہا میں ہوں بھائی تیرا سو تو

تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٦٩﴾

غمگین نہ رہ اُن کاموں سے جو کرتے رہے ہیں

۶۹۔ اس آیت میں اللہ پاک نے اس بات کی خبر دی کہ جب یوسف علیہ السلام کے بھائی ملک مصر میں جہاں یوسف علیہ السلام کا قبضہ و تصرف تھا داخل ہوئے تو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس اتارا کہتے ہیں کہ دو دو آدمیوں کو ایک ایک گھر میں جگہ دی دس بھائیوں کو پانچ گھر عطا کئے بنیامین اکیلے رہ گئے ان کو اپنے پاس رکھا اور تنہائی میں ملاقات کرکے کہہ دیا کہ تم دل میں کچھ خوف نہ کرو میں تمہارا بھائی ہوں ان سوتیلے بھائیوں نے جو کچھ میرے اور تمہارے ساتھ سلوک کیا ہے اُس کا رنج و غم نہ کرو اور بعض مفسروں نے یہ بیان کیا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے یہ بات بنیامین سے نہیں کہی کہ میں یوسف تیرا بھائی ہوں بلکہ یہ کہا کہ ہم تمہارے بھائی کی جگہ ہیں اور بعض نے یہ کہا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو خبر کر دی کہ میں یہ تدبیر کرتا ہوں پیمانہ تمہارے نام کے غلہ کی گٹھڑی میں رکھ دیتا ہوں اور چوری کی علت لگا کر تمہیں اپنے پاس رکھ لوں گا انہوں نے کہا کہ اچھا یہی کرو غرض کہ پیمانہ اُن کے اونٹ کے کجاوہ میں رکھ دیا یہی مراد سقایہ سے ہے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ تفسیر سدی اور مغازی ابن اسحٰق میں اٰوٰى اِلَيْهِ اَخَاهُ کی یہ تفسیر کی ہے کہ جب یوسف علیہ السلام کے سوتیلے بھائی بنیامین کو ساتھ لے کر یوسف علیہ السلام کے روبرو آئے تو یوسف علیہ السلام نے حکم دیا کہ دو دو آدمیوں کو ایک ایک مکان میں اتار دو اس صورت میں بنیامین اکیلے رہ گئے تو ان کو اپنے پاس اُتارا اور پھر تنہائی میں بنیامین سے یہ کہہ دیا کہ میں تمہارا بھائی یوسف ہوں سوتیلے بھائیوں نے میرے اور تمہارے ساتھ جو کچھ بدسلوکی کی ہے اُس کو یاد کرکے اب تم کچھ غمگین نہ ہو سوتیلے بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کے ساتھ جو بدسلوکی کی اُس کا تو ذکر تو اوپر گزر چکا یوسف علیہ السلام کی جدائی کا غم غلط کرنے کے لئے یعقوب علیہ السلام بنیامین سے محبت زیادہ کرنے لگے تھے جو سوتیلے بھائیوں کو شاق گزرتی تھی اس لئے وہ موقع پا کر بنیامین کو جھڑکتے اور دھمکاتے رہتے تھے اس کا ذکر بنیامین سے سن کر یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اُس کو یاد کرکے کچھ غمگین نہ ہونا چاہیئے کیوں کہ اب اللہ تعالیٰ نے میری اور تمہاری سب سختیوں کو طرح طرح کی راحتوں سے بدل دیا اُس کا ہزار ہزار شکر ہے اوسط طبرانی میں عبداللہ بن مسعودؓ اور انسؓ بن مالک سے جو روایتیں ہیں ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر سختی کے بعد آسانی ہے اگرچہ عبداللہ بن مسعود کی حدیث کی سند میں ایک راوی ابو مالک عبدالملک نخعی اور انس بن مالکؓ کی حدیث کی سند میں عائذ بن شریح ضعیف ہیں[1] لیکن آیت اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا سے ان روایتوں کی پوری تقویت ہو جاتی ہے حاصل کلام یہ ہے کہ آیت اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا میں اور طبرانی کی ان روایتوں میں سختی کے بعد راحت کا جو وعدہ ہے یوسف علیہ السلام اور بنیامین کی حالت اس وعدہ کے ظہور کی ایک بڑی مثال ہے۔

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے مجمع الزوائد ص ۱۳۹ ج ۷ تفسیر سورۃ الم نشرح و تفسیر ابن کثیر ص ۵۲۵ ج ۴ تفسیر سورۃ الم نشرح۔

فَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ

پھر جب تیار کر دیا اُن کو اسباب اُن کا رکھ دیا پینے کا باسن بوجھ میں اپنے بھائی کے پھر پکارا پکارنے والے نے

أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ ﴿۷۰﴾ قَالُوا وَأَقْبَلُوا عَلَيْهِم مَّاذَا تَفْقِدُونَ ﴿۷۱﴾ قَالُوا

اے قافلے والو تم مقرر چور ہو کہنے لگے منہ کر کر اُن کی طرف تم کیا نہیں پاتے بولے

نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَن جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ﴿۷۲﴾

ہم نہیں پاتے بادشاہ کا ماپ اور جو کوئی وہ لا دے اُس کو ملے ایک بوجھ اونٹ کا اور میں ہوں اُس کا ضامن

۷۰ تا ۷۲۔ جب یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کا سفر کا سب سامان پورا کر دیا اور غلہ ناپ تول کر اونٹوں پر بار کرا دیا تو ایک برتن چاندی کا جس سے پانی پیتے تھے اور اُسی سے غلہ بھی ناپ کر لوگوں کو دیتے تھے اور اُس برتن کو سقایۃ کہتے تھے یہ برتن اپنے چھوٹے بھائی کے سامان میں پوشیدہ طور پر رکھ دیا جب یہ لوگ وہاں سے کچھ دور نکل گئے تو یوسف علیہ السلام کے خدمت گاروں نے وہاں سقایۃ کا پتہ نہ پایا دل میں متفکر ہوئے اور یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو جو ابھی ابھی غلہ لے کر واپس چلے تھے پکارنے لگے کہ اے قافلہ والو ٹھہر جاؤ تم چور معلوم ہوتے ہو یہ آواز سن کر وہ لوگ پریشان ہوئے اور پھر کر دریافت کیا کہ کیا چیز چوری گئی ہے اُنہوں نے جواب دیا کہ بادشاہ کا سقایۃ نہیں ملتا اسی کو ڈھونڈ رہے ہیں پھر منادی نے یہ بھی کہا کہ جو شخص اُس کا پتہ لگا دے گا اسے غلہ کا ایک اونٹ کا بوجھ بادشاہ کی طرف سے ملے گا اور ہم اُس کے ضامن ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ملک عراق سے شام کے ملک کے سفر میں ابراہیم علیہ السلام کا گزر ایک ظالم بادشاہ کے شہر پر سے ہوا۔ اس بادشاہ کی یہ عادت تھی کہ مسافروں کی خوبصورت عورتوں کو زبردستی بدکاری کی غرض سے پکڑ والیا کرتا تھا اور اگر یہ سن لیتا تھا کہ عورت کے ساتھ اُس کا شوہر بھی ہے تو اُس مرد کو قتل کروا دیتا تھا اس سفر میں ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ آپ کی بی بی سارہ بھی تھیں جو حسن و جمال میں مشہور ہیں ان کے حسن و جمال کے سبب سے جب اُس ظالم بادشاہ کے سپاہی حضرت سارہ کو پکڑنے آئے تو اس ظالم کے ہاتھ سے بچنے کے لئے ابراہیم علیہ السلام نے ان سپاہیوں سے یہ حیلہ کیا کہ سارہ کو اپنی بہن بتا دیا جس سے اُن کا مطلب یہ تھا کہ یہ میری دینی بہن[1] ہیں ورنہ اصلی بہن سے تو ملت ابراہیمی میں نکاح حرام ہے۔ اس حدیث کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح ایک ظالم کے ظلم سے بچنے کی غرض سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک جائز حیلہ کا ذکر حدیث میں ہے اسی طرح بنیامین کو سوتیلے بھائیوں کی جھڑکیوں اور دھمکیوں سے چھڑانے کی غرض سے یوسف علیہ السلام کے ایک جائز حیلہ کا ذکر ان آیتوں میں ہے اور جس طرح دینی بہن ہونے کی نیت سے ابراہیمؑ نے سارہ کو اپنی بہن بتایا تھا اسی طرح یوسف علیہ السلام نے اپنے سوتیلے بھائیوں کو اس نیت سے چور ٹھہرایا کہ ان سوتیلے بھائیوں نے یعقوب علیہ السلام کی چوری سے یوسف علیہ السلام کو مصر کے قافلہ کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ پوشیدہ طریقہ سے کوئی مطلب حاصل کیا جائے تو اُس پوشیدہ طریقہ کو حیلہ کہتے ہیں اب اگر کسی جائز مطلب کے لئے حیلہ کیا جاوے

[1] صحیح بخاری ص ۴۷۳-۴۷۴ ج ۱ باب قول اللہ عزوجل واتخذ اللہ ابراہیم خلیلا الخ کتاب الانبیاء

قَالُوا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾

بولے قسم اللہ کی تم کو معلوم ہے ہم شرارت کرنے کو نہیں آئے ملک میں اور نہ ہم کبھی چور تھے

قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ

بولے پھر کیا سزا ہے اس کی اگر تم جھوٹے ہو کہنے لگے کہ اس کی سزا یہ کہ جس کے بوجھ میں پاوے

رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ

وہی جاوے اس کے بدلے میں ہم یہی سزا دیتے ہیں گنہگاروں کو پھر شروع کیں یوسف نے ان کی خورجیاں

وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ۭ

دیکھنی اپنے بھائی کی خورجی سے پہلے آخر کو وہ باسن نکالا خورجی سے اپنے بھائی کی

...... تو اس طرح کا حیلہ شرع میں جائز ہے۔ مثلاً قسم کے بعد انشاء اللہ کہہ کر قسم کے وبال سے بچنا یا خرید و فروخت میں کوئی جائز شرط لگا کر نقصان سے بچنا یا لڑائی میں کوئی حیلہ نکال کر دشمن کو دھوکہ دینا یہ سب جائز حیلے اور جائز مطلب ہیں ہاں حیلہ کے ذریعہ سے کسی ناجائز مطلب کو جائز ٹھہرایا جاوے تو یہ ناجائز ہے مثلاً جس طرح یہود نے ہفتہ کے دن مچھلیوں کا شکار ایک حیلہ سے حلال ٹھہرالیا تھا جس کا ذکر سورت الاعراف میں گزر چکا ہے۔

۷۳ــــ۷۵۔ جب یوسف علیہ السلام کے خدمت گاروں نے ان کے بھائیوں کو پکار کر کہا کہ اے قافلہ والو ٹھہر جاؤ تم چور معلوم ہوتے ہو تو ان لوگوں نے تعجب کی راہ سے اپنے پروردگار کی قسم کھائی اور کہا کہ تم جانتے ہو کہ ہم یہاں فساد کرنے نہیں آئے ہیں اور نہ ہم چور ہیں کیونکہ تم اس سے پہلے ہمارے یہاں آنے کی وجہ سے ہماری حالت سے کسی قدر واقف ہو چکے ہو اور ہم چور دیانت دار ہیں اس کی وجہ بھی تمہیں معلوم ہے کہ غلہ کی قیمت ہماری گٹھڑیوں میں چلی گئی تھی جس کے واپس کر دینے کا ہمیں خیال تھا یہ بات سن کر یوسف علیہ السلام کے خدمت گاروں نے کہا کہ اگر تم برخلاف اپنے قول کے چور ثابت ہو گئے تو تمہاری کیا سزا ہے انہوں نے کہا کہ ہم میں سے جس کے پاس وہ برتن نکلے وہی اس کی سزا ہے۔ تفسیر سدی تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں جو سلف کے قول ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں چوری کا یہ حکم تھا کہ چور کو ایک برس تک غلام بنا کر رکھ لیا کرتے تھے اس لئے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یہ بات کہی کہ جس کے پاس چوری کا مال نکلے وہ رکھ لیا جائے کیوں کہ ظالموں کے ظلم کا یہی بدلہ ہے غرض کہ یہ بات تو یوسف علیہ السلام کی مرضی کے موافق تھی بہت جلد اس پر راضی ہو گئے اور پہلے سوتیلے بھائیوں کے سامان کی گٹھڑیوں کو ٹٹولنے لگے اور تلاشی لی پھر آخر میں اپنے سگے بھائی بنیامین کی تلاشی لی وہ سقایہ ان کے مال میں برآمد ہوا اس پر یوسف علیہ السلام کے بھائی نہایت شرمندہ ہوئے اور سر جھکا لیا اور بنیامین کو یوسف علیہ السلام کے حوالہ کیا۔ صحیح بخاری مسلم وغیرہ میں چور کے ہاتھ کاٹنے کی روایتیں[1] جو چند صحابہؓ سے ہیں ان روایتوں کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن شریف میں ملت ابراہیمی کی پیروی کا جو حکم ہے وہ فقط انہیں مسئلوں میں ہے جو مسئلے شریعت محمدی میں ملت ابراہیمی کے موافق ہیں مثلاً جیسے حج اور قربانی کے مسئلے چور

[1] صحیح بخاری ص ۱۰۰۳ ج ۲ باب لعن السارق اذا لم یسم۔

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ

یوں داؤ بتا دیا ہم نے یوسف کو ہرگز نہ لے سکتا اپنے بھائی کو انصاف میں اس بادشاہ کے مگر

اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۶﴾

جو چاہے اللہ ہم درجے بلند کرتے ہیں جس کو چاہیں اور ہر خبر والے سے اوپر ہے ایک خبردار

کی سزا کا ملت ابراہیمی کا مسئلہ اور ہے کہ چور کو ایک سال تک غلام بنا کر رکھا جاتا تھا اور شریعت محمدی میں چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسے مسئلوں میں ملت ابراہیمی کی پیروی لازم نہیں ہے۔

۷۶۔ جس تدبیر کا اوپر ذکر ہوا اس تدبیر سے بنیامین مصر میں آگئے اور حضرت یوسفؑ نے ان کو آزردہ پا کر بھائیوں سے علیحدہ لے جا کر خفیہ طور پر یہ انہیں جتلا دیا کہ میں تمہارا بھائی یوسف ہوں تو پھر بنیامین نے حضرت یوسف کو چھوڑ کر جانے کا افسوس ظاہر کیا بلکہ یہ کہا کہ میں تم کو چھوڑ کر نہ جاؤں گا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کے دل میں یہ باتیں چھپا دینے کا حیلہ ڈالا اور اس حیلہ کے بعد بھی بنیامین کا مصر میں رہنا مشکل تھا کیونکہ بادشاہ مصر کے رواج سے چوری کی سزا یہ تھی کہ چور کو کچھ کوڑے مارے جاتے تھے اور چوری کی چیز کی دوگنی قیمت بطور جرمانہ کے چور سے وصول کی جاتی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ بھی حضرت یوسف کے دل میں ڈال دیا کہ وہ اپنے بھائیوں سے پوچھوا دیں کہ اگر تم میں سے کوئی چور نکل آیا تو آخر اس کی کیا سزا ہے تاکہ ان کے منہ سے ملت ابراہیمی و یعقوبی کی سزا جو چور کو مالک مال کے پاس برس روز تک غلام بنا کر رکھنا ہے جھٹ نکل جاوے اور پھر اس کے موافق عمل ہو کر بنیامین حضرت یوسف کے پاس رہ جاویں حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ یہ دونوں تدبیریں اللہ کی طرف سے حضرت یوسف کے دل میں بر وقت نہ ڈالی جاتیں تو بنیامین کا حضرت یوسف کے پاس مصر میں رہنا ہرگز ممکن نہ تھا۔ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ اس کا مطلب بجملہ پہلی کے موافق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یوسف علیہ السلام کے دل میں ایسی کوئی بات ڈال دیتا جس سے وہ مصر کے بادشاہ کے رواج کے موافق بھی بنیامین کو اپنے پاس رکھ لیتے نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں تدبیریں سکھا کر جس طرح اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے علم کا درجہ ان کے بھائیوں سے بڑھا دیا اسی طرح جس کا درجہ بڑھانا وہ چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے مطلب یہ ہے کہ قریش کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر کچھ تعجب نہ کرنا چاہیے یہ اللہ کی مرضی ہے وہ اپنی مرضی کے موافق ایک دادا کی اولاد میں سے جس کا مرتبہ چاہے بڑھا دیوے۔ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ اس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ اللہ کا علم سب سے بڑھ کر ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابی بن کعبؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اپنے علم کی مثال ایک قطرہ اور اللہ تعالیٰ کے علم کی مثال دریا کی فرمائی ہے[1] یہ حدیث وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ کی گویا تفسیر ہے سلف کا قول ہے کہ کید کا لفظ مخلوق کے حق میں جب بولا جاتا ہے تو اس کے معنے حیلہ کے ہوتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کی شان میں بولا جاتا ہے تو اس کے معنے تدبیر کے ہوتے ہیں۔

[1] صحیح بخاری ص ۴۸۱ - ۴۸۲ ج ۱ باب حدیث الخضر مع موسیٰ علیہما السلام۔

قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ

کہنے لگے اگر اس نے چرایا تو چوری کی ہے اس کے ایک بھائی نے پہلے تب آہستہ کہا یوسف نے اپنے جی میں

وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾

اور اُن کو نہ جتایا بولا کہ تم اور بدتر ہو درجے میں اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم بتاتے ہو

۷۷۔ یوسف علیہ السلام کے سوتیلے بھائیوں نے جب دیکھا کہ بادشاہ مصر کا پیمانہ بنیامین کے سامان میں سے نکلا تو کہنے لگے کہ اس پر کیا موقوف ہے اگر اس نے چوری کی ہے تو کوئی زیادہ تعجب کی بات نہیں ہے اس کا ایک بھائی اور تھا اس نے بھی ایک مرتبہ چوری کی تھی اس چوری کی بابت مجاہد کہتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کی پھوپی اسحٰق ؑ کی اولاد میں سب سے بڑی تھیں ایک کمربند اسحٰق علیہ السلام کا تھا اُس کے وارث پہلے سے بڑی اولاد ہوتی آئی تھی اس لئے اس مرتبہ ان کی پھوپی اُس کی وارث ہوئیں جب حضرت یعقوبؑ کے گھر میں یوسف علیہ السلام پیدا ہوئے اُن کی پھوپی نے ان کی پرورش کی اور جان سے زیادہ انہیں چاہتی تھیں یوسف علیہ السلام کا ایک گھڑی آنکھ سے اوجھل ہونا ان پر شاق گزرتا تھا جب یوسف علیہ السلام کئی برس کے ہوگئے تو اُن کے باپ نے اپنی بہن سے انہیں طلب کیا کہ اب یوسفؑ کو مجھے دے دو اپنے پاس سے اس کا علیحدہ ہونا مجھے گوارا نہیں ہے ان کی پھوپی نے کہا یہ بات تو ہو نہیں سکتی میں اُس کو ہرگز نہیں چھوڑوں گی تم اسے چند روز اور میرے پاس رہنے دو اس سے میرا غم غلط ہوتا ہے اور میرے دل کو اس سے تسکین ہوتی ہے جب یعقوب علیہ السلام گھر میں سے باہر آئے تو ان کی بہن نے وہ کمربند یوسف علیہ السلام کی کمر سے باندھ دیا اور یہ اوڑا دی کہ کمربند گم ہو گیا ہے دیکھو کس نے لیا ہے غرض کہ کمربند کی تلاش ہونے لگی اور گھر میں ہر شخص کی جامہ تلاشی ہوئی جب یوسف علیہ السلام کی باری آئی تو ان کی کمر سے وہ پٹکا نکلا اس پر یعقوب علیہ السلام کی بہن نے یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ اب یہ لڑکا موافق تمہارے دین وآئین کے میرا ہے جو چاہوں سو کروں حضرت یعقوب نے بھی کہہ دیا کہ وہ تمہارا ہے جو تم چاہے کرو تمہیں اختیار ہے غرض کہ یوسف علیہ السلام کی پھوپی نے ایک برس تک یوسف علیہ السلام کو اس حیلہ سے روک رکھا اسی بات کا طعنہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یوسف ؑ کو دیا کہ بنیامین نے اگر چوری کی تو کونسا تعجب ہو گیا اس کے بھائی نے بھی تو چوری کی تھی مگر یوسف علیہ السلام نے ان کی باتوں کا کچھ ظاہر میں جواب نہ دیا اور دل میں کہا کہ تم بڑے شریر ہو تمہارے قول و فعل سے خدا ہی خوب واقف ہے اور وہی جانتا ہے جو کچھ تم کہہ رہے ہو آیا صحیح کہہ رہے ہو یا غلط۔ صحیح مسلم اور ترمذی میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص درگذر کی عادت ڈالے تو آخر کو اُس کی عزت بڑھتی ہے[1] اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے چوری کا الزام سن کر درگذر کے طور پر اس الزام کا کچھ جواب نہیں دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس درگذر کے بدلے میں یوسف علیہ السلام کی اس قدر عزت بڑھائی کہ یوسف علیہ السلام کے ان ہی سوتیلے بھائیوں کو آخر تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا کہنا پڑا جس کا مطلب یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کے سوتیلے بھائیوں نے قسم کھا کر یوسف علیہ السلام کی عزت کو تسلیم کیا۔

[1] الترغیب ص ۴۰۳ ج ۲ الترغیب فی التواضع۔

قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَبًا شَيْخًا كَبِيرًا فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ ۖ إِنَّا نَرَاكَ

کہنے لگے اے عزیز اس کا ایک باپ ہے بوڑھا بڑی عمر کا سو رکھ لے ایک ہم میں سے اس کی جگہ ہم دیکھتے ہیں تو

مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٧٨﴾ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَن نَّأْخُذَ إِلَّا مَن وَجَدْنَا مَتَاعَنَا

ہے احسان کرنے والا بولا اللہ پناہ دے کہ ہم کسی کو پکڑیں مگر جس پاس پائی اپنی چیز تو

عِندَهُ إِنَّا إِذًا لَّظَالِمُونَ ﴿٧٩﴾

تو ہم بے انصاف ہوئے

ع ۹ / ۱۱ / ۳

۷۸۔۷۹۔ جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے دیکھا کہ اب بنیامین کو عزیز مصر نہیں چھوڑے گا تو بہت گھبرائے کیونکہ باپ سے وعدہ کر کے آئے تھے کہ ہم ہرگز کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھیں گے جس طرح ہوگا بنیامین کو ضرور اپنے ساتھ واپس لائیں گے مگر یہاں معاملہ برعکس ہوا کہ بنیامین پر چوری ثابت ہوئی اور اُن کے دین کے موافق بنیامین عزیز مصر کا ایک برس تک غلام ہو چکا اس لئے گڑگڑانے لگے اور نہایت ہی عاجزی و منت سے کہا کہ اے عزیز مصر ہماری ایک بات سن لو ہمارے باپ بہت ہی بوڑھے ہیں اور کل لڑکوں میں اسی چھوٹے لڑکے کو زیادہ چاہتے ہیں اس کے بغیر انہیں آرام نہیں اس کی جدائی کی تاب وہ ہرگز نہیں لاسکتے اس واسطے اگر آپ اپنے کرم اور اخلاق سے ہم میں سے کسی ایک کو اس کی جگہ رکھ لیں اور اس کو چھوڑ دیں تو بہتر ہوگا اور بہت ہی بڑا احسان آپ کا ہمارے اوپر ہوگا اور ہم آپ کو نیکوکار مرد نیک دیکھتے ہیں ضرور ہمارے مدعا کو پورا کریں گے کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ ہم میں سے کسی ایک کی جدائی باپ کو اتنا رنج نہیں پہنچائے گی جتنا چھوٹے بھائی کے فراق سے انہیں غم اور ملال ہوگا یہ بات یوسف علیہ السلام نے سن کر یہ جواب دیا کہ یہ بڑے بے انصافی کی بات ہے کہ جس کے سامان میں پیمانہ نکلا ہے اس کی جگہ کسی اور کو رکھا جائے یوسف علیہ السلام نے یہاں یہ پہلو بچا کر گفتگو کی یوں نہیں کہا کہ جس نے چوری کی ہے اس کو روک رکھیں گے بلکہ یوں کہا کہ جس کے سامان میں چوری کا برتن نکلا ہے اسی کو روک رکھیں گے یوسف علیہ السلام نے یہ پہلو اس لئے بچایا کہ اُن کے سوتیلے بھائیوں کو تو چور کہا جا سکتا تھا کہ ان سوتیلے بھائیوں نے باپ کی چوری سے ایک بھائی کو بیچ ڈالا بنیامین کو چور رکھنے کا کوئی سبب نہیں تھا کیونکہ بنیامین کے کجاوہ میں وہ پیمانہ بنیت حیلہ کے طور پر خود یوسف علیہ السلام نے رکھوا دیا تھا۔ معتبر سند سے ترمذی اور ابن ماجہ میں سعدؓ بن ابی وقاص سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں سب سے بڑھ کر مصیبت انبیاء پر پڑا کرتی ہے[1] تاکہ وہ اس مصیبت پر صبر کریں اور عقبیٰ میں اس کا اجر پاویں۔ اس حدیث کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام پر پہلے یوسف علیہ السلام کی جدائی کی اور پھر بنیامین کی جدائی کی مصیبت اس لئے پڑی کہ وہ اس مصیبت پر صبر کریں اور اس کا اجر عقبیٰ میں اُن کو ملے صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوذرؓ کی حدیث گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظلم اللہ تعالیٰ کو بہت ناپسند ہے اس لئے اُس نے ظلم کو اپنی ذات پاک پر بھی حرام ٹھہرا لیا ہے اور اپنے بندوں کو بھی ظلم کی مناہی فرمائی ہے[2] یہ حدیث آخری آیت کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بنیامین کی جگہ کسی دوسرے

[1] الترغیب ص ۴۲۳ ج ۲ الترغیب فی الصبر الخ۔ [2] صحیح مسلم ص ۳۱۹ ج ۲ باب تحریم الظلم۔

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا ۖ قَالَ كَبِيرُهُمْ أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ

پھر جب ناامید ہوئے اس سے اکیلے بیٹھے مشورت کو بولا اُن میں کا بڑا تم نہیں جانتے کہ تمہارے

أَبَاكُمْ قَدْ أَخَذَ عَلَيْكُم مَّوْثِقًا مِّنَ اللَّهِ وَمِن قَبْلُ مَا فَرَّطتُمْ فِي

باپ نے لیا ہے تم سے عہد اللہ کا اور پہلے جو قصور کر چکے ہو

يُوسُفَ ۖ فَلَنْ أَبْرَحَ الْأَرْضَ حَتَّىٰ يَأْذَنَ لِي أَبِي أَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ لِي ۖ وَهُوَ

یوسف کے حال میں سو میں تو سرکوں گا اس ملک سے جب تک کہ حکم دے باپ میرا یا قضیہ چکا دے اللہ میری طرف اور وہ ہے

بے قصور کو غلام بنا کر رکھ لینا ظلم تھا اور ظلم اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بری چیز ہے اس لئے یوسف علیہ السلام نے بنیامین کی جگہ کسی دوسرے شخص بے قصور کو رکھ لینا پسند نہیں کیا بلکہ اس کو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنے کے قابل ایک کام قرار دیا ہے۔

۸۰—۸۲۔ جب یوسف علیہ السلام کے سوتیلے بھائی بنیامین کی رہائی سے ناامید ہو گئے تو صلاح و مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہئے عزیز مصر تو کسی طرح ہماری التجا قبول نہیں کرتا بڑا بھائی جس کا نام روبیل تھا اُس نے یہ کہا کہ تم سب جانتے ہو چلتے وقت تمہارے باپ نے بنیامین کے واپس لانے کے لئے خدا کو درمیان میں دے کر قول قرار لیا تھا اور اس سے پہلے تم سے ایک قصور اور بھی سرزد ہو چکا ہے کہ تم یوسفؑ کو باپ سے جدا کر چکے ہو ایسی حالت میں میری تو غیرت تقاضا نہیں کرتی کہ اب باپ کو منہ دکھاؤں میں تو اب یہاں سے ہلنے کا نہیں جب تک باپ کی اجازت نہیں آئے گی میں یہیں رہوں گا یا لڑ بھڑ کر عزیز مصر سے اپنے بھائی کو واپس لیں گے قتل ہوں گے یا قتل کریں گے اور بغیر بنیامین کے باپ کے پاس نہیں جائیں گے خدا احکم الحاکمین ہے اسی کے ہاتھ میں ہمارا فیصلہ ہے جو تقدیر اس نے نافذ کی ہو گی وہ ہو گی تم اگر مصر جاتے ہو تو باپ کے پاس واپس چلے جاؤ اور یہ ساری حقیقت اُن سے جا کر بیان کرو کہ ہم نے ہر چند اس بات کا قول قرار کیا تھا کہ بنیامین کی حفاظت کریں گے مگر ہمیں غیب کی خبر نہیں تھی کہ یہاں چوری کی علت میں تمہارا بیٹا پکڑا جاوے گا اور ہم نے موافق اپنے دین کے چوری کی سزا بھی بتلا دی اب عزیز مصر بنیامین کو نہیں آنے دیتا اس نے اس جرم میں اسے روک رکھا ہے ہم مجبور ہیں کیا کریں اور آپ کو ہمارے کلام میں کچھ شک و شبہ ہو تو جس گاؤں میں ہم آ کر اُترے ہیں یہاں کے لوگوں سے دریافت کیجئے اور جس قافلہ کے ساتھ ہم مصر میں داخل ہوئے ہیں اُن سے ساری حقیقت معلوم کر لیجئے کہ ہم کہاں تک سچے ہیں وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حَافِظِينَ کی تفسیر بعض مفسروں نے یہ بھی بیان کی ہے کہ ہم رات کے وقت سوتے تھے اُس وقت اس نے چوری کی ہم کو ذرا بھی اس کی خبر نہیں ہوئی اُس کا فعل ہم پر پوشیدہ رہا اس واسطے ہم یہ بھی یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ واقعی اس نے چوری کی یا وہ پیمانہ اس کی خرجی میں کسی نے رکھ دیا تھا اگر وہ پیمانہ اُسی کی خرجی میں سے نکلا اس سے وہ پکڑا گیا قریہ سے مراد وہی قریہ ہے جہاں یہ لوگ جا کر مصر میں مقیم ہوئے تھے اور جہاں غلہ کی بھرتی کی جاتی تھی اور اہل قافلہ کنعان کے باشندوں میں سے چند شخص تھے جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے ہمسایہ میں رہتے تھے وہ بھی مصر غلہ لینے آئے تھے اور بنیامین کا سارا حال سن گئے تھے اس لئے ان سے اپنی تصدیق کے لئے روبیل نے کہا غرض جب یوسف علیہ السلام کے نو سوتیلے بھائی کنعان میں واپس آ کر اپنے پدر عالی قدر سے اس حال کا ذکر کیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اُن سے

خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝٨٠ اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا

سب سے بہتر چکانے والا پھر جاؤ اپنے باپ پاس اور کہو اے باپ تیرے بیٹے نے چوری کی اور ہم

شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ۝٨١ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ

نے وہی کہا تھا جو ہم کو خبر تھی اور ہم کو غیب کی خبر یاد نہ تھی اور پوچھ لے اس بستی سے

الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝٨٢ قَالَ بَلْ

جس میں ہم تھے اور اس قافلے سے جس میں ہم آئے ہیں اور ہم بیشک سچ کہتے ہیں بولا کوئی نہیں

سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ

بنالی ہے تمہارے جی نے ایک بات اب صبر ہی بھلا ہے

یہ بات کہی جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ معتبر سند سے بیہقی میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مدعی کو دعوے کے ثابت کرنے کے لئے گواہی پیش کرنی چاہیئے[1] صحاح میں اور بہت سی حدیثیں ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعیوں سے گواہی لے کر مقدمات کے فیصلے کئے ہیں[2] ان حدیثوں کو آیتوں کی تفسیر میں دخل ہے کس لئے کہ ان حدیثوں کو آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ شرع محمدی میں مدعی سے گواہ لینے کا مسئلہ ملت ابراہیمی کے موافق ہے کیوں کہ ملت ابراہیمی میں اس مسئلہ کے ہونے کے سبب سے روبیل نے اپنے دعوی کے ثابت کرنے کی غرض سے مصر اور کنعانی لوگوں کی گواہی کا ذکر اپنے اس قول میں کیا جس کا تذکرہ ان آیتوں میں ہے۔

۸۳۔ جب یوسف علیہ السلام کے سوتیلے بھائیوں نے کنعان پہنچ کر باپ سے بنیامین کا قصہ بیان کیا تو حضرت یعقوبؑ نے اُن کی بات کو سچا نہیں جانا اور سمجھے کہ جس طرح انہوں نے یوسفؑ کو علیحدہ کیا اُسی طرح بنیامین کو بھی انہوں نے مجھ سے جدا کیا اسی بنا پر کہا کہ یہ بات کوئی بھی ٹھیک نہیں ہے یہ سب من گھڑت ہے تمہارے دل نے یہ سب افترا پردازی کی ہے اور تم نے خود یہ بات ویسے گھڑلی ہے کہاں بنیامین اور کہاں چوری اس سے اور چوری سے کیا علاقہ یا مطلب بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا سے یہ مراد ہے کہ تم بنیامین کو ملک مصر میں بغرض منفعت کے لے گئے تھے اور اس کے عوض منفعت حاصل کرلائے یا یہ مراد ہے کہ تم نے فتویٰ دے دیا کہ چور کو چوری کے عوض میں پکڑ کر رکھ لینا چاہیئے غرض کہ حضرت یعقوب علیہ السلام پیغمبر تھے پیغمبر کی بات کبھی جھوٹ نہیں ہوتی انہوں نے اپنے بیٹوں سے جو یہ کہا کہ تمہارے دل نے یہ بات بنائی ہے واقعی یہی بات تھی کہ یوسفؑ بھی تو آپ کے بیٹے تھے اُنہوں نے چوری کی ترکیب خود نکالی تھی اور بنیامین کو اس تدبیر سے اپنے پاس رکھ لیا اس لئے نبی کے دل نے چوری کے قصہ کو قبول نہیں کیا۔ بہرحال یعقوب علیہ السلام نے کہا خیر کوئی بات بھی ہو اب تو بجز صبر کے کوئی چارہ نہیں صبر جمیل کے معنے پہلے بیان ہو چکے ہیں کہ صبر جمیل وہ صبر ہے جس میں شکوہ و شکایت نہ ہو اور ساری مصیبتیں خدا کی طرف سونپی جائیں۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی حدیث گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مصیبت کے پیش آتے ہی شروع صدمہ کے وقت آدمی صبر کرے تو اس کا بڑا اجر ہے۔ ورنہ

[1] التلخیص الحبیر ص ۳۰۸ کتاب الشہادات [2] صحیح بخاری ص ۷۴۳ ج ۱ باب الصبر عند الصدمۃ الاولیٰ۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾ وَتَوَلّٰى

شاید اللہ لے آوے میرے پاس ان سب کو وہی ہے خبردار حکمتوں والا اور اُلٹا پھرا

عَنْهُمْ وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰي يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ

اُن کے پاس سے اور بولا اے افسوس یوسف پر اور سفید ہو گئیں آنکھیں اُس کی غم سے سو وہ

رفتہ رفتہ مصیبت کا صدمہ کم ہو جانے سے آدمی کو خود صبر آجاتا ہے۔ اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کی جدائی کے شروع صدمہ کے وقت جس طرح صبر جمیل فرمایا وہی بنیامین کی جدائی کے شروع صدمہ کے وقت فرمایا اس لئے اللہ تعالیٰ نے علاوہ عقبیٰ کے اجر کے دنیا میں بھی اُن کے اس صبر کا یہ بدلہ انہیں دکھا دیا کہ اُن کے بیٹوں کو خیریت کے ساتھ اُن سے ملا دیا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو پہلے تو فقط حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی کا رنج تھا جب حضرت یوسف علیہ السلام کے چھوٹے بھائی بنیامین بھی حضرت یعقوب علیہ السلام سے جدا ہو گئے اور اُن کی جدائی سے حضرت یعقوب علیہ السلام کا رنج اور بڑھ گیا اور رنج کی کوئی حد باقی نہ رہی تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے جان لیا کہ دنیا میں عادت الٰہی ہمیشہ سے یوں ہی جاری ہے کہ دنیا کے ہر رنج کے ساتھ خوشی لگی ہوئی ہے اسی واسطے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے دل کو تسکین فرمائی جس کا ذکر اس آیت میں ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب اور اُس خواب کی تعبیر کے سبب سے حضرت یعقوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے توقع تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ہرگز بھیڑیئے نے نہیں کھایا اور اُس خواب کی تعبیر تک ضرور یوسفؑ زندہ رہیں گے آزمائش الٰہی کے طور پر کچھ عرصہ تک آنکھوں سے اوجھل ہو گئے ہیں پھر ضرور ملیں گے اس لئے حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ اللہ کی حکمت سے کچھ دور نہیں جو اللہ تعالیٰ روبیل یوسف بنیامین سب بچھڑے ہوؤں کو اکٹھا ملا دیوے آخر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی توقع کو پورا کیا اور سب بچھڑوں کو سب سے ملا دیا یہ روبیل حضرت یعقوب علیہ السلام کے وہ بڑے بیٹے تھے جو بنیامین کے مصر میں رہ جانے کے بعد شرما کر کنعان نہیں آئے تھے اور مصر میں رہ گئے تھے۔ آیت اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ؁۶:۹۴ میں ہر رنج کے ساتھ خوشی کے لگے رہنے کا ایک ازلی وعدہ الٰہی ہے جس کا اثر یعقوب علیہ السلام کے دل پر تھا اور ہر ایماندار شخص کے دل پر بھی اس کا اثر ہونا چاہیئے یہ آیت اور اس مضمون کی دلیلیں اوپر گزر چکی ہیں۔ گویا اس آیت کی تفسیر ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے ازلی وعدہ کے بھروسہ پر یہ کہا کہ اللہ کے علم اور حکمت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے وہ اپنے علم و حکمت سے اس رنج کے بعد ضرور سامان خوشی کا کر دے گا اور شاید وہ سامان یہی ہو کہ وہ سب بچھڑوں کو ملا دے۔

۸۴—۸۵۔ بنیامین کا قصہ سننے کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کہنے لگے افسوس یوسفؑ پر مطلب یہ کہ اس وقت حضرت یوسفؑ کی یاد اُن کو آگئی اسف کے معنے شدت غم کے ہیں جب حضرت یوسفؑ کا غم حد سے بڑھ گیا اور پھر بنیامین کا حال بیٹوں سے یہ سنا کر بادشاہ مصر نے اُس کو روک رکھا ہے اس سے اور بھی درد چند

۱؎ الترغیب ج۴ ص ۱۸۳۔

كَظِيْمٌ ﴿۸۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ

آپ کو گھونٹ رہا تھا کہنے لگے قسم اللہ کی تو نہ چھوڑے گا یاد یوسف کی جب تک کہ گل جاوے یا ہو جاوے

مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ

مردہ بولا میں تو کھولتا ہوں اپنا احوال اور غم اللہ ہی کے پاس اور جانتا ہوں اللہ کی

مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾

طرف سے جو تم نہیں جانتے

ہوا تو جوش محبت میں یہ کلمہ آپ کی زبان مبارک سے نکل گیا اور آپ بیٹوں کے فراق میں اس قدر روئے کہ آپ کی آنکھیں جاتی رہیں سیاہی سفیدی سے بدل گئی مقاتل کہتے ہیں کہ یہ حالت آپ کی چھ برس تک رہی اور آپ کا یہ رونا اس سبب سے بھی تھا کہ آپ جانتے تھے کہ یوسفؑ زندہ ہیں لیکن آپ کو ان کے دین کی طرف سے خیال پیدا ہوا کہ مصر میں سارے لوگ بت پرست ہیں کبھی اُن کے عقائد میں بھی فرق نہ آئے۔ صحیح بخاری و مسلم میں انسؓ بن مالک سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم کا انتقال ہوا تو آپ روئے اور یہ فرمایا کہ اے ابراہیم تیری جدائی کا مجھ کو رنج ہے[1]۔ اس حدیث کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اولاد کی جدائی کا داغ بہت بڑا داغ ہے اس رنج میں رونا یا اولاد کا نام لے کر رنج کو ظاہر کرنا ملت ابراہیمی اور شرع محمدی دونوں میں اس کی مناہی نہیں ہے۔ ہاں کپڑے پھاڑنے اور منہ پیٹنے اور خلاف شرع کلمے زبان سے نکالنے کی مناہی ہے جس کا ذکر صحیح بخاری و مسلم کی عبداللہؓ بن مسعود کی حدیث[2] اور اس کے اور صحیح حدیثوں میں تفصیل سے ہے کظیم کے معنے دل ہی دل میں رنج و غم کو رکھنا اور زبان پر اس کا ذکر نہ لانا حرض کے معنے جسم اور عقل میں فتور پڑ جانے کے ہیں مطلب یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کے سوتیلے بھائیوں نے فہمائش کے طور پر باپ سے کہا کہ یوسفؑ کو یاد کر کے رنج و غم کرتے کرتے یا تو آپ اپاہج اور دیوانے ہو جاویں گے یا اپنی جان کھو دیں گے۔

۸۶ ۔ صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت سے جو حدیث ہے اُس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبر کے پاس ایک عورت کو روتے ہوئے دیکھ کر منع کیا اس عورت نے آنحضرت کو نہیں پہچانا اور یہ کہنے لگی کہ میری جیسی مصیبت تم پر پڑے تو تم کو میرے دل کا حال معلوم ہو جب لوگوں نے اس عورت کو جتلایا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں تو اُس عورت نے اپنی بیقراری کی عذر خواہی آنحضرت سے کی آنحضرتؐ نے فرمایا کہ بیقراری کے روکنے اور صبر کرنے میں اسی وقت بڑا اجر ہے جب کہ آدمی ابتداء مصیبت کے وقت صبر کرے[3] ورنہ رفتہ رفتہ تو مصیبت کے بعد خود ہی آدمی کو ایک طرح کا قرار حاصل ہو جاتا ہے اس صحیح حدیث کے مضمون اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے حال کو ملا کر دیکھا جاتا ہے تو حضرت یعقوبؑ کے حال میں کوئی بات ایسی نہیں پائی جاتی جس کو اعتراض کے طور پر ذکر کیا جا کر پھر اُس اعتراض کا جواب دیا جاوے کیوں کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھیڑیے کے کھا جانے اور بنیامین کے مصر میں قید ہو جانے کی خبریں حضرت یعقوب علیہ السلام

[1] صحیح بخاری ص ۱۷۴ ج ۱ باب قول النبی صلے اللہ علیہ وسلم انا بک لمحزونون و صحیح مسلم ص ۲۵۴ ج ۲ باب رحمۃ صلے اللہ علیہ وسلم الصبیان والعیال الخ۔

[2] صحیح بخاری ص ۱۷۲-۱۷۳ ج ۱ باب لیس منا من شق الجیوب [3] مشکوٰۃ ص ۱۵۰ باب البکاء علی المیت۔

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ

اے بیٹو جاؤ اور تلاش کرو یوسف کی اور اُس کے بھائی کی اور رحمت ناامید ہو اللہ کے فیض

اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا

سے بیشک ناامید نہیں اللہ کے فیض سے مگر وہی لوگ جو منکر ہیں پھر جب داخل ہوئے

کو پہنچیں تو ابتدائے مصیبت کے وقت حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہی فرمایا کہ صبر بھلا اور کافی ہے پھر بعد میں جس قدر رنج حضرت یعقوب علیہ السلام نے ظاہر کیا ہے صحیحین کی حضرت انسؓ کی حدیث اور صحیح حدیثوں سے آنحضرتؐ کے صاحبزادے ابراہیم کی وفات کے وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اس قدر رنج کرنا ثابت ہے۔ غرض حضرت یعقوب علیہ السلام کے جس قدر رنج اور قلق کا ذکر قرآن شریف میں ہے اس میں کوئی بات ملت ابراہیمی یا شریعت محمدی کے مخالف نہیں معلوم ہوتی اس لئے بعضے مفسروں نے یہاں کچھ کچھ اعتراض کر کے طرح طرح جوابات جو دئیے ہیں اُن کو قرآن شریف کی تفسیر سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جب یوسف علیہ السلام کے سوتیلے بھائیوں نے یعقوب علیہ السلام کو ان سخت لفظوں میں فہمائش کی جس کا ذکر اوپر گزرا تو یعقوب علیہ السلام نے اُن کو یہ جواب دیا کہ میں بے صبری کر کے اللہ تعالیٰ کی آزمائش کی شکایت کسی دوسرے سے کرتا تو تم مجھ کو صبر کی فہمائش کرو میں تو اپنے غم کا حال اسی پاک پروردگار سے عرض کرتا ہوں جس نے آزمائش کے طور کی یہ مصیبت مجھ پر ڈالی ہے۔ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق اس کا مطلب یہ ہے کہ اے بیٹو تم کو معلوم ہو تو نہ ہو مگر مجھ کو تو اللہ کی کریمی کی صفت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو خواب یوسفؑ کو دکھایا ہے اُس کا ظہور میری آنکھوں کے سامنے ہو گا اور میری زندگی میں یوسفؑ ایک دفعہ مجھ سے ضرور ملے گا صحیح بخاری میں ابوہریرہؓ کی روایت سے حدیث قدسی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ[1] جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص مثلاً کوئی التجا بارگاہ الٰہی میں پیش کر کے اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ نیک گمان دل میں رکھے گا کہ وقت مقررہ پر اس شخص کی وہ التجا ضرور قبول ہو گی تو اللہ تعالیٰ اُس کے اس نیک گمان کو ضرور پورا کرے گا۔ صحیح مسلم میں جابرؓ بن عبد اللہ سے روایت ہے جس میں یہ ہے کہ آدمی کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہمیشہ نیک گمان رکھنا چاہئیے[2] ان حدیثوں کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ انبیا کا گمان اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہمیشہ نیک ہوتا ہے اس لئے یعقوب علیہ السلام کو اللہ کی ذات سے توقع تھی کہ اللہ تعالیٰ انہیں یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر دکھائے گا اس واسطے وہ اللہ تعالیٰ سے ہر وقت یہ التجا کرتے تھے کہ یا اللہ تو اس جدائی کی مصیبت کو جلدی راحت سے بدل دے بٹ کے معنے بڑے بھاری غم کا حال بیان کرنے کے ہیں۔

۸۷-۸۸- اوپر کے قصہ کے بعد یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ ادھر ادھر چل پھر کر یوسفؑ اور اُس کے بھائی بنیامین کا پتہ لگاؤ خدا کی رحمت سے کیا بعید ہے کہ وہ دونوں تمہیں مل جائیں خدا پر بھروسہ کر کے کمر ہمت چست باندھو اور اُس کی جستجو میں نکلو اور خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو کیونکہ خداوند عالم کی رحمت سے ناامید ہونا ان لوگوں کا کام ہے جو لوگ خدا پر ایمان نہیں رکھتے اور ہر ایک کام میں اسے قادر مطلق نہیں تصور کرتے اس لئے میں تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہی نیک گمان رکھتا ہوں جو میں

[1] الترغیب ص ۲۶۲ ج ۲ الترغیب فی الرجاء و حسن الظن باللہ تعالیٰ [2] الترغیب ایضاً۔

عَلَيْهِ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ

اُس کے پاس بولے اے عزیز پڑی ہم پر اور ہمارے گھر پر سختی اور لائے ہیں ہم پونجی ناقص

فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾

سو پورا دے ہم کو بھرتی اور خیرات کر ہم پر اللہ بدلہ دیتا ہے خیرات کرنے والوں کو

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾

کہا کچھ خبر رکھتے ہو تم کیا کیا تم نے یوسف سے اور اُس کے بھائی سے جب تم کو سمجھ نہ تھی

لے بیان کیا حضرت یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادے باپ کا حکم پا کر گھر سے چل کھڑے ہوئے اور سیدھے پھر مصر میں داخل ہوئے اور عزیز مصر سے یہ آکر کہا کہ اے عزیز مصر ہم پر اور ہمارے اہل و عیال پر بہت ہی سختی ہے اس قحط کے زمانہ میں نہایت تکلیف سے اوقات بسر ہوتی ہے غرض ان کی اس کلام سے یہ تھی کہ جب ان باتوں سے عزیز مصر کا دل نرم ہو جائے تو پھر بھائی کے واپس کرنے کو ان سے کہیں گے پھر انہوں نے یوسفؑ سے یہ بات کہی کہ اس مرتبہ جو کچھ جاتے گھر میں ناقص مال تھا وہ سب لے کر آئے ہیں آپ اس غلہ کی قیمت میں لے کر ہمیں غلہ بھر دیں اور پوری تول تول دیں ہماری قیمت میں نہ دینے کا کچھ خیال نہ کریں ہمارا حال کچھ ایسا ہی ہو رہا ہے آپ گویا صدقہ ہی سمجھ کر ناقص درہموں کے بدلہ غلہ دے دیں اللہ پاک صدقہ کرنے والوں کو بہت بڑا اجر دیتا ہے جب بھائیوں نے اس طرح کی گفتگو کی تو یوسف علیہ السلام سے گھر کی تکلیف سن کر نہ رہا گیا اور انہوں نے اپنے آپ کو اس طرح سے ظاہر کر دیا جس کا ذکر آگے آتا ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے نیک گمان رکھنے کی حدیث جو اوپر گزر چکی ہے وہی حدیث ان آیتوں کی بھی تفسیر ہیں جس تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ اسی نیک گمان کی بنا پر یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو یوسفؑ اور بنیامین کے ڈھونڈنے کی تاکید کی اب آگے کی آیتوں سے معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے اس نیک گمان کو سچا کیا۔

۸۹ ۔۔۔ ۹۲ ۔ جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کے سامنے اپنے سختی کا حال بیان کیا تو اُن کا دل اُمنڈ آیا باپ کا خیال آیا کہ میرے فراق میں خدا جانے اُن کی کیا حالت ہوگی اور پھر بنیامین اُن سے جدا ہو گیا اس سے اور بھی اُن کو صدمہ پہنچا ہوگا اور قحط سالی کی بلا جدا ہے غرض کہ ان باتوں کو یاد کر کے یوسف علیہ السلام رونے لگے اور بھائیوں سے فرمایا کہ تم نے جو کچھ سلوک یوسفؑ اور اُس کے چھوٹے بھائی کے ساتھ کیا وہ تمہیں خوب معلوم ہے کہ کس طرح مکر و فریب سے ان کو باپ سے جدا کیا اور حقیقت میں تمہاری نادانی نے تمہیں اس بات پر آمادہ کیا تھا جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یہ بات سنی تو تاڑ گئے کہ یہی یوسفؑ ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ یوسف علیہ السلام نے سر سے تاج اتارا اور اپنی پیشانی انہیں دکھلائی ان کی پیشانی پر ایک تل تھا اس کو دیکھ کر انہوں نے پہچان لیا[1] کہ یہ یوسفؑ ہیں اور کہنے لگے کہ کیا سچ مچ تم ہی یوسف ہو فرمایا کہ بیشک میں یوسفؑ ہوں اور یہ میرا چھوٹا بھائی بنیامین ہے خدا نے بڑا فضل اور ہم پر بہت ہی احسان کیا کہ بعد مدت دراز کے ہمیں ایک جگہ کیا جو شخص خدا سے ڈرتا ہے اور مصیبت کے وقت صبر کرتا ہے

[1] تفسیر معالم التنزیل ص ۲۷۳ ج ۲۔

قَالُوٓا۟ أَءِنَّكَ لَأَنتَ يُوسُفُ ۖ قَالَ أَنَا۠ يُوسُفُ وَهَٰذَآ أَخِى ۖ قَدْ مَنَّ ٱللَّهُ

بولے کیا سچ تو ہی ہے یوسف کہا میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی اللہ نے احسان کیا

عَلَيْنَآ ۖ إِنَّهُۥ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ ٱللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿٩٠﴾

ہم پر البتہ جو کوئی پرہیزگار ہو اور ثابت رہے تو اللہ نہیں کھوتا حق نیکی والوں کا

قَالُوا۟ تَٱللَّهِ لَقَدْ ءَاثَرَكَ ٱللَّهُ عَلَيْنَا وَإِن كُنَّا لَخَٰطِـِٔينَ ﴿٩١﴾ قَالَ لَا تَثْرِيبَ

بولے قسم اللہ کی البتہ تجھ کو پسند رکھا اللہ نے ہم سے اور ہم تھے چوکنے والے کہا کچھ الزام نہیں

عَلَيْكُمُ ٱلْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ ٱللَّهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ ٱلرَّٰحِمِينَ ﴿٩٢﴾

تم پر آج بخشے اللہ تم کو اور وہ ہے سب مہربانوں سے مہربان

اُس کا اجر اللہ پاک ضائع نہیں کرتا ہے میرے اوپر کیسی کیسی مصیبت پڑی کنوئیں میں ڈالا گیا قافلہ والوں نے بیچ ڈالا پھر قید کی مصیبت برسوں سہی مگر زبان سے کچھ شکوہ نہیں کیا ہر حالت میں صبر ہی کرتا رہا اللہ پاک نے رحم کھا کر اپنا فضل ہم پر کیا اور مصر کی سلطنت ہمارے قبضہ میں دے دی جب بھائیوں نے دیکھا کہ اللہ اکبر ہم جسے عزیز مصر سمجھے ہوئے تھے وہ تو ہمارا بھائی نکلا جس کو ہم نے حسد کی راہ سے باپ سے جدا کیا تھا مگر اس کی تقدیر کہ یہ اس مرتبہ اور عزت کو پہنچ گیا دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس وقت ہم اس کے قبضہ میں ہیں اگر چاہے تو اپنا بدلہ آسانی سے لے لے اس لئے خدا کی قسم کھا کر ان لوگوں نے کہا کہ اللہ پاک نے تجھے ہر ایک بات میں ہم سے برتر رکھا اور تجھے ہم پر اختیار دیا ہے اور اس سے پہلے جو کچھ برائی ہم سے تمہارے ساتھ کی ہے اُس کا ہم اقرار کرتے ہیں کہ واقعی ہماری خطا تھی اور تو محض بے قصور تھا غرض کہ یوسف علیہ السلام نے ان کی معذرت سن کر ان سے کہا کہ بھائی جو کچھ ہوا جانے دو اس کا خیال کب تک کیا کرو گے آج کے بعد پھر کوئی الزام تم پر نہ لگایا جائے گا اور جو کچھ تم سے خطا بھی واقع ہوئی ہے اللہ پاک وہ معاف کرے گا کیوں کہ وہ ارحم الراحمین ہے۔ سوتیلے بھائیوں کی بدسلوکی کے ذکر میں یوسف علیہ السلام نے مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ کہہ کر بنیامین کو بھی اس ذکر میں جو شریک کیا اس کا سبب اوپر گزرا کہ یوسف علیہ السلام کے بیچ ڈالنے کے بعد یہ سوتیلے بھائی بنیامین سے بھی بے توقیری سے پیش آتے تھے۔ تفسیر سدی میں إِذْ أَنتُمْ جَاهِلُونَ کا یہ مطلب بیان کیا گیا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے إِذْ أَنتُمْ جَاهِلُونَ کہہ کر اُنہیں یہ جتلایا کہ یہ بدسلوکی کے وقت تمہیں اس بدسلوکی کے وبال کا خیال نہ تھا نہ یہ معلوم تھا کہ بدسلوکی میرے حق میں آخر اللہ کی ایک رحمت ہو جائے گی سورت الحجرات میں آوے گا کہ پرہیزگاری اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی عزت کی چیز ہے اور اس مضمون کی صحیح بخاری نسائی اور مستدرک حاکم میں ابوہریرہؓ کی روایتیں بھی ہیں اسی طرح صبر کے اجر کے باب میں بہت سی صحیح حدیثیں ہیں حاصل یہ ہے کہ سورت الحجرات کی آیت إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ اور یہ سب حدیثیں إِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ کی گویا تفسیر ہیں احسان کے معنے خالص دل سے نیک کاموں کے کرنے اور برے کاموں سے بچنے کے ہیں چنانچہ صحیح مسلم کے حوالہ سے حضرت عمرؓ کی ایک حدیث اس معنے کی تفصیل میں گزر چکی ہے يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ کہہ کر یوسف علیہ السلام نے اپنے سوتیلے بھائیوں کے حق میں مغفرت کی دعا کی ہے اور پھر

ل تفسیر ابن کثیر ص ۴۸۷-۴۸۸ ج ۲ تفسیر سورت الحجرات کے الترغیب ص ۲۷۲ ج ۲ الترغیب فی الصبر کے مشکوٰۃ ص ۱۱ کتاب الایمان

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِىْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِىْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِىْ

لے جاؤ یہ کرتہ میرا اور ڈالو منہ پر میرے باپ کے کہ چلا آوے آنکھوں سے دیکھتا اور لے آؤ

بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾

میرے پاس گھر اپنا سارا

اس کو بتلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْن ہے اس کی ذات سے مغفرت کی توقع رکھنی چاہئے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوسعید خدری کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ سب شفاعتوں کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے بہت سے گنہگاروں کو دوزخ سے نکال کر جنت میں ڈالے گا اور یہ فرماوے گا کہ میں ارحم الراحمین ہوں [1] یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے ارحم الراحمین ہونے کی گویا تفسیر ہے۔

۹۳؎ بعضی تفسیروں میں یہ جو حضرت عبداللہ بن عباس کے حوالہ سے روایت لکھی ہے کہ یہ کرتہ جو حضرت یوسف علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو بھیجا تھا اس کے اثر سے چھ برس کی گئی ہوئی آنکھیں منہ پر ڈالتے ہی اچھی ہو گئیں یہ وہ کرتہ تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں ڈالے جانے کے وقت خدا تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبرئیل علیہ السلام جنت سے لائے تھے یہ کرتہ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسحاقؑ کو دیا اور حضرت اسحاقؑ نے حضرت یعقوبؑ کو دیا اور حضرت یعقوبؑ نے اس کرتے کا ایک تعویذ بنا کر حضرت یوسف علیہ السلام کے گلے میں ڈال دیا حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو اس کرتہ کے تعویذ کی خبر نہ تھی ورنہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے کنوئیں میں ڈالنے کے وقت ضرور وہ تعویذ حضرت یوسف علیہ السلام سے چھین لیتے اس کرتے میں جنت کی خوشبو تھی وہی خوشبو حضرت یعقوب علیہ السلام کی ناک میں دور سے آئی کسی معتبر محدث یا مفسر نے اس روایت کی سند کی صحت نہیں بیان کی ہے اس واسطے یہ روایت بھروسے کے قابل نہیں ہے شاید اسی سبب سے شاہ صاحب نے اپنے اردو فائدہ میں اس کرتے کی کچھ تاثیر بیان نہیں کی بلکہ اس کرتے کے ڈالنے سے آنکھیں جو اچھی ہو گئیں اس کو حضرت یوسف علیہ السلام کی کرامت بتلایا ہے لیکن جب کہ قرآن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام قید میں جانے سے پہلے نبی ہو چکے تھے تو اس کرامت کو معجزہ کہنا قرآن شریف کے مضمون کے زیادہ مطابق معلوم ہوتا ہے اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈال کر حضرت یعقوبؑ سے حیلہ کے طور پر یہ بیان کیا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا لے گیا اس وقت بناوٹی خون کے دھبوں کا کرتہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی یہودا نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو دکھایا تھا اسی خیال سے اب یہ خوشخبری کا کرتہ بھی مصر سے یہی یہودا لے گئے تاکہ اس پہلے کے کرتے سے باپ کو جو رنج ہوا تھا اس خوشخبری کے کرتے کے لے جانے میں اس کا کچھ معاوضہ ہو جاوے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے دنیا کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار برس پہلے اللہ تعالیٰ نے وہ سب لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے [2] اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں ہر ایک کام لوح محفوظ کے نوشتہ کے موافق وقت مقررہ پر ہوتا ہے چنانچہ یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں کے اچھے ہو جانے کا اور انہیں یوسف علیہ السلام کے مصر میں

[1] صحیح بخاری ص ۱۱۰۷ ج ۲ باب وجوہ یومئذ ناضرۃ الخ [2] صحیح مسلم ص ۳۳۵ ج ۲ باب حجاج آدم و موسیٰ علیہما السلام

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَن تُفَنِّدُونِ ﴿٩٤﴾

اور جب جدا ہوا قافلہ کہا اُن کے باپ نے میں پاتا ہوں بو یوسف کی اگر نہ کہو کر بوڑھا بہک گیا

قَالُوا تَاللَّهِ إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ ﴿٩٥﴾ فَلَمَّا أَن جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ

لوگ بولے قسم اللہ کی تو ہے اپنی اُسی غلطی میں قدیم کی پھر جب پہنچا خوشخبری والا ڈالا وہ کرتہ

عَلَىٰ وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيرًا ۖ قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ

اُس کے منہ پر تو اُلٹا پھرا آنکھوں سے دیکھتا بولا میں نے نہ کہا تھا تم کو میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے

ہونے کی خبر کے معلوم ہوجانے کا جب وقت مقرر آن پہنچا تو ان باتوں کا سامان خود بخود غیب سے پیدا ہوگیا۔

۹۴۔۹۵۔ جب یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو کرتہ دے کر مصر سے کنعان کی طرف روانہ کیا اور کہا کہ اس کرتہ کو لے جاؤ اور والد بزرگوار کے منہ پر ڈالو اُن کی آنکھیں ابھی ہو جاویں گی پھر تم اپنے سارے گھر کو لے کر میرے پاس چلے آؤ اور یہ قافلہ مصر سے جس وقت روانہ ہوا تو آٹھ دن کے فاصلہ کی راہ سے خداوند عالم کے حکم سے ہوا اس کرتہ کی بو لے کر اُڑی اور حضرت یعقوبؑ تک اُس کو پہنچایا اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ عبداللہ بن عباس کے ایک قول کے موافق یہ کرتہ وہی کرتہ تھا جو حضرت جبرئیل نے ابراہیم علیہ السلام کو جنت سے لاکر دیا تھا اور جس کی برکت سے آگ ان پر گلزار بن گئی تھی اور یہ کرتہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے حصہ میں آکر حضرت یعقوبؑ کو ملا تھا اور آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے گلے میں باندھ دیا تھا اور جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کنوئیں میں ڈالے گئے تھے تو جبرئیل علیہ السلام نے آکر حضرت یوسف کو پہنایا تھا یہ کرتہ جنت کا تھا اس لئے اس کی بو حضرت یعقوب علیہ السلام کی ناک میں اتنی دور و دراز مسافت سے پہنچی اور آپ نے پہچان لیا کہ یہ جنت کی نعمت ہے اس لئے آپ نے اپنے مقام پر بیٹھے بیٹھے اہل کنعان میں سے جو لوگ ان کے پاس حاضر تھے اُن سے اور اپنے پوتوں سے کہا کہ اگر تم لوگ مجھے مجنون اور دیوانہ نہ سمجھو اور ملامت نہ کرو تو میں کہہ سکتا ہوں کہ آج مجھے یوسفؑ کی بو آتی ہے ان لوگوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بات کا یہ جواب دیا کہ واللہ تم اسی خبط میں اب تک پڑے ہو کہاں یوسفؑ اور کہاں اُس کی بو عرصہ ہوا کہ یوسفؑ کا کہیں پتہ نہیں اصل یہ ہے کہ یوسفؑ کے ساتھ تمہیں از حد محبت تھی اور اسی محبت کا یہ تقاضا ہے کہ تم اب تک اُس کے ملنے کی امید رکھتے ہو ہماری سمجھ میں تو یہ بات ہرگز نہیں آتی یہ لوگ دراصل اس بات سے ناواقف تھے کہ قافلہ بشارت دینے والا مصر سے چل چکا ہے اور یوسف علیہ السلام کے بھائی یوسف علیہ السلام کا کرتہ لے کر آ رہے ہیں یہ لوگ اپنے خیال میں یوسف علیہ السلام کو مردہ سمجھے ہوئے تھے اس لئے انہوں نے یہ بات کہی۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث جو گزر چکی اس حدیث کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ لوح محفوظ کے نوشتہ کے موافق اب وہ وقت آگیا تھا کہ یوسف علیہ السلام کے زندہ ہونے کی خبر یعقوب علیہ السلام کو پہنچ جاوے اس لئے مصر کا قافلہ تو ابھی راستہ میں ہی رہا لیکن اللہ تعالیٰ نے ہوا کے ذریعہ سے یوسفؑ کی خبر یعقوبؑ کو پہنچا دی۔

۹۶۔۹۸۔ مجاہد کا قول ہے کہ یہ بشیر حضرت یوسفؑ کے سوتیلے بھائی تھے جن کا نام یہودا تھا پہلے بھی یہی حضرت یوسف علیہ السلام کا خون کا بھرا ہوا کرتہ لائے تھے اور اب بھی یہی کرتہ لے کر آئے تاکہ پہلی بدنامی کا دھبہ جاتا رہے الغرض جس وقت یہ بشیر حضرت

مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٩٦﴾ قَالُوا يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ ﴿٩٧﴾ قَالَ

جو تم نہیں جانتے بولے اے باپ بخشوا ہمارے گناہوں کو بیشک ہم تھے چوکنے والے کہا

سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٩٨﴾ فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ

ابھی بخشواؤں گا تم کو اپنے رب سے وہی ہے بخشنے والا مہربان پھر جب داخل ہوئے

يُوسُفَ آوَىٰ إِلَيْهِ أَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوا مِصْرَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ ﴿٩٩﴾

یوسف پاس جگہ دی اپنے پاس اپنے ماں باپ کو اور کہا داخل ہو مصر میں اللہ نے چاہا تو خاطر جمع سے

یوسفؑ کا کرتہ لایا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرہ مبارک پر ڈالا آپ کی آنکھوں میں روشنی آگئی اور صحیح و تندرست ہو گئے اور بشیر سے پوچھا تو نے یوسفؑ کو کس دین پر چھوڑا ہے کہا اسلام پر اس پر آپ نے بہت خوشی ظاہر کی اور خدا کی نعمت کا شکر ادا کیا اور فرمایا الآن تمت النعمۃ اور پاس والوں اور بیٹوں سے فرمایا کہ میں نہ کہتا تھا کہ میں یوسفؑ کی بو پا رہا ہوں اور تم مجھے دیوانہ سمجھ رہے تھے مجھے تو خدا کی طرف سے اُن اُن باتوں کا علم ہے جو تمہیں نہیں معلوم ہیں تمہاری عقل وہاں تک نہیں پہنچ سکتی میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ یوسفؑ کے خواب کا ظہور ضرور ہو گا پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادوں نے باپ سے معذرت کی اور اپنی خطا کا اقرار کیا کہ بیشک ہم قصوروار ہیں ہم سے آپ کی جناب میں بہت ہی بڑا قصور ہوا آپ ہمیں معاف فرمائیں اور درگاہ الٰہی میں ہمارے واسطے مغفرت کی دعا کیجئے آپ نے فرمایا کہ عنقریب ہم تمہارے لئے دعائے مغفرت کریں گے آپ نے مغفرت کی دعا کرنے میں بخل نہیں کیا بلکہ وعدہ فرمایا کہ بوقت سحر ہم خدا سے تمہارے واسطے دعا کریں گے آپ صبح کے وقت اُٹھ کر نماز پڑھا کرتے تھے اور دعائے صبح زیادہ تر مقبول ہوتی ہے کیونکہ یہ وقت زیادہ مقبولیت کا ہے چنانچہ صحیح بخاری مسلم ترمذی وغیرہ میں ابوہریرہؓ کی روایت سے جو حدیث ہے اُس میں اِس وقت کے مقبول ہونے کا ذکر ہے اور یہ بھی ذکر ہے کہ پچھلی رات کو ہر رات اللہ تعالیٰ اول آسمان پر نزول فرما کر ہر دعا کرنے والے شخص کی دعا کے قبول کرنے کا وعدہ فرماتا ہے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گنہگاروں کے گناہ معاف کرنے کی صفت اللہ تعالیٰ کو یہاں تک پیاری ہے کہ اگر حال کے موجودہ لوگ گناہ نہ کریں تو ان کی جگہ اللہ تعالیٰ گناہ کرنے والے اور لوگ پیدا کرے اور خالص دل سے توبہ کرنے پر ان کے گناہ معاف فرمائے[1] یہ حدیث اِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ کی گویا تفسیر ہے۔

۹۹ ۔ ۱۰۱ ۔ اس آیت میں اللہ پاک نے حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کی ملاقات کا حال بیان فرمایا کہ جب یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا کہ تم کنعان جا کر اپنے کنبہ اور گھر والوں کو یہاں لے آؤ یہ لوگ اپنے سارے رشتہ داروں کو جو مرد و عورت ملا کر ۹۶ آدمیوں کے قریب تھے کنعان سے لے کر چلے اور حضرت یوسف علیہ السلام کو خبر ملی کہ ہمارے والدین آ رہے ہیں اور اب بہت نزدیک آ گئے ہیں تو آپ تخت پر بیٹھ کر اُن کے استقبال کو روانہ ہوئے اور بادشاہ مصر نے اپنے دربار کے اور دوسرے معزز آدمیوں کو بھی ان کے ہمراہ کر دیا۔ بعضے سلف یہ بھی کہتے ہیں کہ خود بادشاہ

[1] الترغیب ص ۳۰۰ ج ۱ الترغیب فی الدعاء فی السجود الخ [2] مشکوٰۃ ص ۲۰۳ باب الاستغفار۔

وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ

اور اونچا بٹھایا اپنے ماں باپ کو تخت پر اور سب گرے اُس کے سجدے میں اور کہا اے باپ یہ بیان ہے

رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۡ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ

میرے اس پہلے خواب کا اُس کو میرے رب نے سچ کیا اور اُس نے خوبی کی مجھ سے جب مجھ کو نکالا

مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْ ۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَ

قید سے اور تم کو لے آیا گاؤں سے بعد اس کے کہ جھگڑا اٹھایا شیطان نے مجھ میں اور

بَيْنَ اِخْوَتِيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

میرے بھائیوں میں میرا رب تدبیر سے کرتا ہے جو چاہے بیشک وہی ہے خبردار حکمت والا

مصر بھی ان کے استقبال کو روانہ ہوا غرض شہر سے نکل کر جب باپ کے پاس پہنچے تو ماں باپ کو اپنے پاس تخت پر جگہ دی اور تخت پر بٹھا کر کہا کہ انشاء اللہ آپ امن سے شہر مصر میں آپ داخل ہوں گے جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے فضل سے یہاں قحط وغیرہ کی شکایت نہیں رہے گی کیوں کہ انہوں نے غلہ کا معقول بندوبست کر رکھا تھا کہ لوگ دور دور دراز سے غلہ لینے یہاں آتے تھے اکثر مفسروں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ آپ کی والدہ کی وفات ہو چکی تھی یہ جو آپ کے والد بزرگوار کے ساتھ تھیں ان کی خالہ تھیں پھر جب یوسف علیہ السلام نے عین شہر میں آکر ماں باپ کو تخت پر بٹھایا تو ان سب گیارہ بھائیوں نے براہ تعظیم ان کے آگے سجدہ کیا یہ سجدہ تعظیم کا پہلا زمانہ تھا زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک اپنے بزرگوں اور معزز آدمیوں کو سجدہ کرنا روا تھا حضرت آدم کو جو فرشتوں نے سجدہ کیا تھا وہ بھی یہی سجدہ تھا مگر شریعت محمدیہ میں یہ سجدہ ناجائز ہے اور سوائے خدا کے اوروں کو سجدہ کرنا قطعی حرام ٹھہرایا گیا ہے۔ معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ معاذؓ ملک شام میں گئے تو وہاں دیکھا کہ لوگ اپنے سرداروں کو سجدہ کرتے ہیں جب معاذ وہاں سے واپس آئے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے سجدہ کیا آپ نے فرمایا کہ اے معاذ یہ کیا بات ہے انہوں نے کہا کہ میں نے ملک شام میں دیکھا ہے کہ وہاں کے لوگ اپنے سرداروں کو سجدہ کرتے ہیں میرے نزدیک آپ سے زیادہ کوئی شخص سجدہ کا مستحق نہیں ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں سوا خدا کے اور کسی کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو بیوی کو کہتا کہ اپنے شوہر کے آگے سجدہ کرے کیوں کہ شوہر کا حق بیوی پر بہت زیادہ ہے یہ معاذ کا قصہ مسند بزار اور طبرانی میں تفصیل سے ہے اور اس کی سند معتبر ہے[1] الغرض یہ سجدہ اُس وقت جائز تھا اس لئے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کے آگے سجدہ کیا اور یوسفؑ نے اپنے والد بزرگوار سے کہا کہ اے والد ماجد میں نے جو بچپن میں ایک خواب دیکھا تھا کہ گیارہ ستارے آسمان سے زمین پر اترے اور ان کے ساتھ چاند سورج بھی تھے اور ان ستاروں نے میرے آگے سجدہ کیا یہ اسی خواب کی تعبیر ہے اور یہی نتیجہ انجام اس خواب کا تھا ہمارے پروردگار عالم نے اس خواب کو سچ کر دکھایا اور ہم اس کا لاکھ لاکھ شکر کرتے ہیں کہ ہمیں طرح طرح کی نعمت دی اور مجھے قید سے نکالا اور آپ کو گاؤں سے یہاں لایا پھر اس کے بعد شیطان کا ذکر کیا کہ

[1] مجمع الزوائد ص ۳۰۱ ج ۴ باب حق الزوج علی المرأۃ و تفسیر ابن کثیر ص ۴۹۱ ج ۲

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ فَاطِرَ

اے رب تو نے دی مجھ کو حکومت اور سکھایا مجھ کو کچھ پھیر باتوں کا اے پیدا کرنے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ

والے آسمان اور زمین کے تو ہی میرا کارساز ہے دنیا میں اور آخرت میں موت دے مجھ کو اسلام پر اور

اس نے جاہ سے اور ہمارے بھائیوں کے درمیان میں جھگڑا ڈالا اگر ہزار ہزار اُس کا شکر ہے کہ اُس نے اس کا تصفیہ کر دیا اور فرمایا کہ میرا رب لطیف ہے لطیف کے معنوں میں بعضے سلف کا قول ہے کہ لطیف وہ ہے کہ جو تجھ کو تیرے کام تک پہنچا دے اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ کے معنے ان ربی ذو لطف و کرم۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے لطف و کرم سے میرے اوپر بڑے بڑے احسان کئے یوسف علیہ السلام نے اس تعبیر میں کنوئیں کا ذکر نہیں کیا تا کہ کنوئیں کا نام سن کر ان کے سوتیلے بھائی شرمندہ نہ ہوں اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مصلحتوں اور ضرورتوں کو خوب جانتا ہے اور اُس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔

۱۰۱۔۱۰۲۔ سترہ برس کی عمر میں حضرت یوسف کو ان کے بھائیوں نے کنوئیں میں ڈالا اور چالیس برس تک پھر باپ سے مصر میں بچھڑے رہے اور چوبیس برس تک پھر حضرت یعقوب کے ساتھ مل کر مصر رہے ہیں اور زلیخا سے نکاح ہوا اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے یہ انجام بخیر ہونے کی دعا کی تھوڑے دنوں بعد مصر میں انتقال فرمایا اہل مصر کو حضرت یوسفؑ سے ایسا اعتقاد ہو گیا تھا کہ ہر ایک محلہ کا سردار اپنے محلہ میں برکت کی نیت سے حضرت یوسفؑ کو دفن کرنا چاہتا تھا یہاں تک نوبت پہنچی کہ قریب تھا کہ اس بات پر اہل مصر میں تلوار چل جاوے پھر آخر یہ صلاح ٹھہری کہ نیل کا پانی سب کے کھیتوں میں جاتا ہے نیل کے کنارہ کسی تہہ پانی میں حضرت یوسفؑ کو دفن کیا مگر دوسرے سال دوسرے کنارہ پر محلے کے سے آثار نظر آئے اس لئے ڈوری سے ناپ کر بیچ نیل میں پھر آپ کی لاش کو دفن کیا چار سو برس کے بعد جب حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے اُس وقت اللہ کے حکم سے موسیٰ علیہ السلام حضرت یوسفؑ کی لاش کا سنگ مرمر کا صندوق ملک شام میں لائے اور حضرت اسحاقؑ کی قبر کے پاس دفن کیا حضرت یوسف علیہ السلام کی لاش کو مصر سے ملک شام میں جو موسیٰ علیہ السلام لائے ہیں تفسیر ابن ابی حاتم اور مستدرک حاکم میں ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت سے ہے اور حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے[1] اسی طرح تفسیر سدی میں ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت حضرت یوسفؑ کو وصیت کی تھی کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق کے مدفن کے پاس اُن کو دفن کیا جاوے چنانچہ انتقال تو حضرت یعقوب علیہ السلام کا مصر ہی میں ہوا لیکن پھر اُن کی وصیت کے موافق حضرت یوسف علیہ السلام نے اُن کی لاش کو ملک شام میں منتقل فرمایا اور بیت المقدس میں دفن کیا حضرت یعقوب کی لاش کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام بھی ملک شام کو آئے تھے جس دن حضرت یعقوب علیہ السلام کی لاش ملک شام میں پہنچی اتفاق سے اسی روز حضرت یعقوب علیہ السلام کے جڑواں بھائی حضرت عیص کا انتقال ہو گیا حضرت یوسف علیہ السلام نے حضرت یعقوب اور حضرت عیص کو ایک قبر میں دفن کیا پھر خود

[1] مستدرک حاکم ص ۵۷۱ ج ۲ نقل عظام یوسف من مصر فی عہد موسیٰ علیہ السلام

أَلْحِقْنِي بِالصّٰلِحِينَ ﴿١٠١﴾ ذٰلِكَ مِنْ أَنۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ ۖ وَمَا كُنتَ

ملا مجھ کو نیک بختوں میں یہ خبریں ہیں غیب کی ہم بھیجتے ہیں تجھ کو اور تو نہ تھا

لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوٓا۟ أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ ﴿١٠٢﴾

اُن کے پاس جب ٹھہرانے لگے اپنا کام اور فریب کرنے لگے

مصر کو چلے آئے[1] حضرت یعقوب اور حضرت یوسف کی لاش کے منتقل ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ ملت ابراہیمی میں لاش کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا بلا خلاف جائز تھا شریعت محمدی میں اگرچہ بعضے علماء نے لاش کی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کو منع کیا ہے لیکن کوئی صاف حدیث اس باب میں موجود نہیں ہے حضرت جابرؓ کی وہ حدیث جس کو سوا صحیح بخاری کے اور کتابوں میں ائمہ صحاح نے روایت کیا ہے کہ احد کے شہیدوں کو بعضے صحابہ نے مدینہ میں دفن کرنے کے لئے لانا چاہا اور آپ نے فرمایا یہ لوگ جہاں شہید ہوئے ہیں وہیں ان کو دفن کرنا چاہئے[2]۔ بعضے علماء نے کہا ہے کہ یہ حکم شہیدوں کے لئے خاص ہے شرطیں میں سعد بن ابی وقاص اور سعید بن زید کا عقیق میں انتقال کرنا اور مدینہ میں لاکر اُن کو دفن کرنے کا[3] اور بخاری میں حضرت جابرؓ کا اپنے باپ عبداللہؓ کو ایک قبر سے دوسری قبر میں دفن کرنے کا جو قصہ[4] ہے اِن قصوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ لاش کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کو جائز جانتے تھے حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں اس کا یہ فیصلہ کیا ہے کہ کسی متبرک جگہ کے دفن کے لئے لاش کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جائے تو جائز[5] ہے اور امام شافعی علیہ الرحمۃ کا قول اس فیصلہ کی تائید میں بیان کیا ہے پھر کہا ہے کہ اگر غرض صحیح شرعی نہ ہو تو لاش کا منتقل کرنا مکروہ قریب حرام کے ہے۔ یوسف علیہ السلام کی لاش کو دوری سے نابکر نیل کے بیچ میں دفن کرنے کا قصہ حضرت عبداللہ بن عباس کے پرورده عکرمہ کے قول کے موافق لکھا گیا ہے تفسیر کے باب میں عکرمہ کے قول کا بڑا اعتبار ہے۔ یوسف علیہ السلام نے اپنی وفات اور انجام بخیر ہونے کی دعا جو کی ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے اُن کی اس دعا اور صحیح بخاری کی انسؓ بن مالک کی اُس حدیث میں کچھ مخالفت نہیں ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی تکلیفوں سے گھبرا کر موت کی تمنا سے منع فرمایا[6] ہے کیوں کہ یوسف علیہ السلام نے دنیا کی کسی تکلیف سے گھبرا کر یہ دعا نہیں کی بلکہ دنیا کی راحت سے عقبیٰ کے کاموں میں خلل پڑ جانے کے خوف سے انہوں نے یہ دعا کی اور پھر حکومت کے کاموں سے بھی علیحدگی اختیار کرلی حاصل یہ ہے کہ ایسی نیت سے موت کی تمنا کی اجازت خود انسؓ بن مالک کی حدیث کے آخری ٹکڑے میں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملت ابراہیمی اور شرع محمدی کا یہ مسئلہ یکساں ہے ملک سے مقصود مصر کی حکومت ہے اور تاویل الاحادیث سے مقصود خوابوں کی تعبیر ہے صالحین سے مقصود حضرت ابراہیمؑ اور اُن کا خاندان ہے آگے فرمایا کہ اے رسول اللہ کے تم بھی ان پڑھ اور تمہاری قوم بھی ان پڑھ اور ابھی مکہ سے باہر جاکر کسی اہل کتاب میں کے عالم سے تمہارا واسطہ نہیں پڑا اس پر بھی تم نے

[1] تفسیر ابن جریر ص ۵۰-۱۶ ج ۱۳ [2] ابوداؤد ص ۱۵۱ ج ۲ باب فی المیت یحمل من ارض الی ارض [3] موطا امام مالک ص ۸۰ ماجاء فی دفن المیت طبع مجتبائی [4] صحیح بخاری ص ۱۸۰ ج ۱ باب ہل یخرج المیت فی القبر واللحد لعلۃ [5] فتح الباری ص ۹۵ ج ۱ لیکن امام شافعی کا قول اس جگہ نہیں مل سکا [6] مشکوٰۃ ص ۱۳۹ باب تمنی الموت وذکرہ وتفسیر ابن کثیر ص ۴۹۲ ج ۲۔

وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾

اور نہیں اکثر لوگ یقین لانے والے اگرچہ تو للچا دے

توراۃ کے موافق جو یہ قصہ لوگوں کے روبرو بیان کر دیا تو اس سے ہر ایک سمجھدار شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ کام بغیر تائید غیبی کے ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ مثلاً یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یوسف کو کنوئیں میں ڈالتے وقت جو مکر و فریب کی باتیں کیں جب تم اُس وقت ان لوگوں کے ساتھ نہیں تھے تو کوئی سمجھدار بتلا دے کہ پھر یہ باتیں بغیر تائید غیبی کے تم کو کیوں کر معلوم ہو گئیں لیکن علم الٰہی میں جو لوگ گمراہ ٹھہر چکے ہیں اُن کی سمجھ ان باتوں کے سمجھنے سے قاصر ہے اِس لئے وہ جس حال پر ہیں آخر کو اُس حال میں دنیا سے اُٹھ جاویں گے اللہ سچا ہے اللہ کا کلام سچا ہے مثلاً بدر کی لڑائی میں جو لوگ شرک کی حالت میں دنیا سے اٹھ جانے والے تھے لڑائی سے پہلے اُن کے نام اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اور اللہ کے رسول نے صحابہ کو بتلا دیئے تھے چنانچہ صحیح مسلم کے حوالہ سے انس بن مالک کی حدیث اِس باب میں ایک جگہ گزر چکی ہے[1] جس میں قسم کھا کر انس بن مالک کہتے ہیں کہ لڑائی سے پہلے جن لوگوں کا نام اور ان لاشوں کے پڑے رہنے کی جگہ جو کچھ اللہ کے رسول نے فرمایا تھا لڑائی کے بعد وہ سب ظہور میں آیا۔

ص اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رنج رفع کرنے کے لئے آپ کی تسلی فرمائی ہے آپ کے رنج کا سبب یہ تھا کہ یہود کے بہکانے سے قریش نے آپ سے یہ دریافت کیا تھا کہ حضرت یعقوب جن کی اولاد یہود کہلاتے ہیں ملک شام کے رہنے والے تھے اگر تم نبی ہو تو یہ بتلاؤ کہ یہود جن کا لقب بنی اسرائیل ہے مصر میں کیوں کر چلے گئے تھے اور ملک شام اُن سے کیوں کر چھوٹ گیا تھا چنانچہ اِس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے غرض اِس سوال کے جواب میں جب اللہ تعالیٰ نے ابتدا سے انتہا تک حضرت یوسفؑ کے مصر میں آنے کا قصہ اور حضرت یوسف کے سبب سے پھر حضرت یعقوبؑ اور اولادِ یعقوبؑ کی مصر میں آن کر بسنے کا حال اِس سورت میں بیان فرمایا اور یہ یہود کو بخوبی معلوم تھا کہ جس کسی کو توریت کا علم نہیں ہے اُس کو یہ تاریخی قصہ ہرگز معلوم نہیں ہے اور یہ بھی معلوم تھا کہ آنحضرت نے نہ توریت پڑھی ہے نہ کسی اہلِ توریت سے آپ کی ایسی رسم ہے کہ جس سے آپ کو یہ قصہ سن کر معلوم ہو گیا ہو رہا اہلِ توریت میں سے عبداللہ بن سلام وغیرہ کا اسلام لانا یہ آپ کے مدینہ میں تشریف لانے کے بعد کا ہے اور قریش نے یہ سوال ہجرت سے پہلے مکہ میں کیا تھا غرض جب آپ نے توریت سے بھی زیادہ تفصیل سے اِس قصہ کو قریش کے روبرو سورت یوسفؑ کے نازل ہوتے ہی بیان فرما دیا تو آپ کو توقع ہوئی کہ اِس امر کو تائید غیبی سمجھ کر اکثر یہود آپ کے سچے نبی ہونے کی شہادت دیویں گے اور اس شہادت کی وجہ سے اکثر قریش ایمان لاویں گے لیکن یہود اور قریش اتنی بڑی تائید غیبی کے دیکھنے کے بعد بھی اپنی سخت دلی سے قائل نہ ہوئے اور اسلام نہ لائے اِس سبب سے آنحضرت کو کمال رنج ہوا اِس رنج کو رفع کرنے کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ بغیر اللہ کی مرضی کے اور بغیر وقت مقررہ کے پہنچ جانے کے فقط تمہاری حرص سے یہ لوگ ایمان نہ لاویں گے اس کا تم کچھ رنج نہ کرو چنانچہ جب وقت مقرر آ گیا تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرما دیا تھا وہی ظہور میں آیا کہ فتح مکہ ہو کر مکہ میں کوئی قریش اور گرد و نواح مدینہ کے یہود کی بستیاں فتح ہو کر کوئی یہود منکر و مخالف باقی نہ رہا صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی ایک حدیث گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کے پیدا ہونے سے

[1] صحیح مسلم ص ۱۰۲ ج ۲ باب غزوۃ بدر۔

وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ﴿۱۰۴﴾ وَكَأَيِّن مِّنْ

اور تو مانگتا نہیں اُن سے اس پر کچھ بدلہ یہ تو اور کچھ نہیں مگر نصیحت سارے عالم کو اور بہتیری نشانیاں

آيَةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ ﴿۱۰۵﴾

ہیں آسمانی اور زمین میں جن پر ہو کر گذرتے ہیں اور اُن پر دھیان نہیں کرتے

پہلے علم الٰہی کے موافق نیک و بد کی چھانٹ کی جا کر ہر ایک کا دوزخ اور جنت کا ٹھکانا بھی قرار پا چکا ہے[1] اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ابتدا اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حرص تھی کہ سارے اہل مکہ دائرہ اسلام میں داخل ہو جاویں لیکن جب قرآن کی اکثر آیتوں سے یہ معلوم ہو گیا کہ جو لوگ علم الٰہی میں دوزخی قرار پا چکے ہیں وہ کسی طرح راہ راست پر نہ آویں گے تو آپ نے بہت سی حدیثوں کے ذریعہ سے یہ مطلب صحابہ کو سمجھایا جو مطلب حضرت علیؓ کی اس حدیث کا ہے۔

۱۰۴۔ جب اللہ پاک نے یوسف علیہ السلام اور اُن کے بھائیوں کا قصہ بیان فرما دیا اور یہ بھی فرما دیا کہ یہ ساری باتیں غیب کی ہیں جو ہم نے تم کو بذریعہ وحی کے بتلائی ہیں جن سے تم اس سے پہلے بالکل ناواقف تھے تمہیں ذرا بھی یہ حال معلوم نہیں تھا اور جس وقت یہ قصہ گزرا اُس وقت تم موجود نہ تھے اور یہ بھی فرمایا کہ تم کو یہ پچھلی باتیں اس لئے بتلائی ہیں کہ لوگ ان سے عبرت پکڑیں جس سے دین و دنیا میں نجات پائیں مگر اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اگرچہ پیغمبر اُن کے ایمان کے لئے حرص بھی کرتے ہیں اب فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو لوگوں کی ہدایت کرتے ہیں اور بہتری و بھلائی کی طرف اُن کو بلاتے ہیں اس کی کوئی مزدوری خلق سے نہیں چاہتے ہیں بلکہ محض خدا کے لئے یہ کام کرتے ہیں کہ دنیا میں یہ باتیں یادگار رہ جائیں اور لوگ اس سے عبرت و نصیحت پکڑ کر راہ یاب ہوں اور اُن کے دونوں جہان دنیا و آخرت سنور جائے اور نجات حاصل کریں۔ اس سے ہر سمجھدار سمجھ سکتا ہے کہ بغیر کسی لالچ کے جو نصیحت کی جاتی ہے وہ سچی اور عام فائدہ کے لحاظ سے ہوتی ہے لیکن یہ اوپر گزر چکا ہے کہ علم الٰہی میں جو لوگ گمراہ ٹھہر چکے ہیں اُن کی سمجھ ان باتوں کے سمجھنے سے قاصر ہے اس لئے وہ جس حال پر ہیں اسی حال میں دنیا سے اٹھ جاویں گے حاصل کلام یہ ہے کہ اہل مکہ میں کے جو لوگ قرآن کی نصیحت سے بھاگتے ہیں وہ اس لئے نہیں بھاگتے کہ ان سے اس نصیحت کے معاوضہ میں کچھ اجرت مانگی جاتی ہے بلکہ وہ اس لئے بھاگتے ہیں کہ ان کے پیدا ہونے سے پہلے علم الٰہی میں یہ بات ٹھہر چکی ہے کہ قرآن کی نصیحت ان لوگوں کے حق میں بیکار ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعری کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی نصیحت کی مثال مینہ کے پانی کی اور اچھے برے لوگوں کی مثال اچھی بری زمین کی بیان فرمائی ہے[2] اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ مینہ کے پانی کی طرح قرآن کی نصیحت سب لوگوں کے حق میں عام ہے لیکن جو لوگ علم الٰہی میں گمراہ ٹھہر چکے ہیں ان کے حق میں وہ نصیحت ایسی رائگاں ہے جس طرح بری زمین میں مینہ کا پانی رائگاں جاتا ہے۔

۱۰۵۔ اس آیت میں اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ آسمان و زمین میں بے شمار نشانیاں ہیں جو اللہ جل جلالہ کی وحدانیت پر دلیل ہیں جس سے خداوند عالم کا خالق رازق ہونا ثابت ہوتا ہے ضحاک کہتے ہیں کہ آسمان کی نشانیاں سورج چاند تارے اور بادل ہیں اور زمین

[1] صحیح بخاری ص ۷۳۸ ج ۲ تفسیر سورت واللیل اذا یغشیٰ [2] صحیح بخاری ص ۱۸ ج ۱ باب فضل من علم وعلم۔

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ ﴿١٠٦﴾

اور نہیں یقین لاتے بہت لوگ اللہ پر مگر اس کے ساتھ شریک بھی کرتے ہیں

کی نشانیاں ساری مخلوق خداوند جل جلالہ کی ہے اور دریا نہریں ندیاں پہاڑ ملک قصبے گاؤں جھیل ٹاپو اور دوسری بہت سی نشانیاں ہیں جن پر انسان کا گزر ہوتا ہے اور دن میں بارہا انسان انہیں دیکھتا ہے مگر اس میں ذرا بھی غور نہیں کرتا بلکہ ان سے غافل رہتا ہے مصحف عبداللہ بن مسعودؓ میں يَمُرُّونَ عَلَيْهَا کی جگہ يَمْشُونَ عَلَيْهَا ہے مراد اس سے یہ ہے کہ پہلی امتوں کے آثار اور ان کی ہلاکت کا حال دیکھتے سنتے ہیں اور پھر بھی اس سے نصیحت و عبرت نہیں حاصل کرتے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث جو اوپر گزر چکی اس کو اس آیت کی تفسیر میں بھی بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ علم الٰہی میں گمراہ ٹھہر چکے ہیں وہ جس طرح قرآن کی نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے اسی طرح اللہ کی قدرت کی اور نشانیوں سے بھی وہ لوگ غافل ہیں جس غفلت کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو انکو اُن کی سب ضرورت کی چیزوں کو پیدا کیا ہے اور وہ لوگ اللہ کی عبادت میں بادرسول کو شریک کرتے ہیں

۱۰۶۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرتؐ سے پوچھا کہ حضرت سب سے بڑا گناہ دنیا میں کونسا ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ نے آدمی کو پیدا کیا ہے پھر آدمی سوا اللہ کے مخلوقات میں سے کسی کو اللہ کا شریک ٹھہراوے تو اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی گناہ نہیں[1] اب ایک تو اللہ کی ذات کے ساتھ جو باتیں خاص ہیں مثلاً عبادت حاجت روائی ان باتوں کا برتاؤ سوا اللہ کے کسی دوسرے سے کرنا جس طرح بت پرست بتوں کو سجدہ کرتے ہیں اور اُن سے اپنی حاجتیں مانگتے ہیں اسی کو بڑا شرک کہتے ہیں سوا اس بڑے شرک کے بعضی صورتیں شرک کی بہت چھپی ہوئی ہیں جن کے چھپے رہنے کی مثال مسند امام احمد کی ابو موسیٰ اشعریؓ کی اور مسند ابی یعلیٰ کی ابوبکر صدیقؓ کی معتبر روایت میں آنحضرتؐ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ پہاڑ پر جس طرح ایک چیونٹی پھرتی ہوئی کسی کو نظر نہیں آتی اسی طرح وہ صورتیں شرک کی نظر نہیں آتیں جس آدمی میں یہ صورتیں ہیں وہ اپنے آپ کو پورا مسلمان گنتا ہے اور دیکھنے والے لوگ مسلمان بھی اس کو پورا اکثر کو مسلمان گنتے ہیں وہ باتیں اس قسم کی ہیں مثلاً اسباب ظاہری دنیا میں خلاف حکم الٰہی کسی تاثیر کا گمان کرنا جس طرح کوئی گنڈا یا تعویذ یا منتر اس عقیدہ سے کرنا کہ ضرور اس میں مستقل اثر ہے یا دین کا کام دنیا کے دکھلانے کو کرنا اسی کو چیونٹی کی مثال دے کر جب چھپا ہوا شرک آپ نے فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بڑا اندیشہ ہوا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ پھر حضرت ایسے چھپے ہوئے شرک سے نجات کیونکر ہے آپ نے فرمایا اللہ سے اس طرح دعا مانگا کرو اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ أُشْرِكَ بِكَ شَيْئًا وَأَنَا أَعْلَمُ بِهِ وَأَسْتَغْفِرُكَ بِمَا لَا أَعْلَمُ بِهِ[2] حاصل معنے اس دعا کے یہ ہیں کہ یا اللہ کھلے چھپے سب طرح کے شرک سے پناہ ہے اور کسی قسم کا شرک دانستہ یا نادانستہ ہو گیا ہو تو معاف فرما غرض چھپی ہوئی قسم کا شرک چھوٹی چھوٹی سی باتوں میں اکثر لوگوں سے ہو جاتا ہے اس واسطے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے کہ کتنے بہت لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں مگر اُن میں شرک کی بو باقی رہتی ہے اس عام مرض کی دوا طبیب ربانی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمائی ہے ہر مسلمان کو چاہیئے کہ اس سے غافل نہ رہے اور اس شرک خفی کے متعلق اپنے آپ میں کوئی بات پاوے تو

[1] مشکوٰۃ ص ۱۶ باب الکبائر و تفسیر ابن کثیر ص ۴۹۴ ج ۲ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۴۹۵ ج ۲ —

أَفَأَمِنُوا أَن تَأْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللَّهِ أَوْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً

کیا نڈر ہوئے ہیں کہ آ ڈھانکے اُن کو ایک آفت اللہ کے عذاب کی یا آ پہنچے قیامت اچانک

وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿١٠٧﴾

اور اُن کو خبر نہ ہو

آیندہ اُس کے چھوڑنے کی کوشش کرے کیونکہ جس گناہ سے آدمی توبہ کرے آیندہ اس گناہ کے چھوڑنے کا ارادہ کرنا بھی شرائط توبہ میں سے ہے چنانچہ اوپر اس کی صراحت آچکی ہے حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ مکہ کے مشرک لوگ اللہ کو خالق و رازق جانتے تھے اور پھر اُس کی عبادت میں بتوں کو شریک کرتے تھے یہی بڑا شرک ہے اور اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ بغیر خالص دل کی توبہ کے اس شرک کی معافی نہیں ہے رہا چھوٹی چھوٹی باتوں کا شرک اس کی معافی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے لیکن یہ صحیح حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کا جو کام دنیا کے دکھاوے کے لئے کیا جائے تو ایسے نیک عمل کا کچھ ثواب عقبیٰ میں نہ ملے گا چنانچہ مسند بزار اور طبرانی کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے[1] کہ قیامت کے دن سربمہر اعمال نامے جب اللہ تعالیٰ کے روبرو کھولے جاویں گے تو اللہ تعالیٰ ریاکاری کے عملوں کو بغیر ثواب کے نامۂ اعمال سے خارج کرنے کا حکم دیوے گا۔

۱۰۷۔ اس سے پہلے اللہ پاک نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ اکثر لوگ ایمان دار ہو کر شرک بھی کرتے ہیں انہیں کے حق میں اب یہ ارشاد ہوا کہ کیا یہ لوگ بالکل اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ خدا کا عذاب اگر اچانک اُن کو ڈھانک لے یا قیامت آجائے اور ان کو مطلق خبر بھی نہ ہو اپنے اپنے کاروبار میں لگ رہے ہوں بازاروں اور گلیوں میں پھر رہے ہوں یا رات کو بستر پر آرام سے سو رہے ہوں اور خدا کا طرح طرح کا عذاب جس طرح پہلی امتوں پر آچکا ہے ان پر بھی آجائے اور اُن کا کام تمام کر دے کہ ذرا بھی دم لینے کی مہلت نہ دے تو پھر یہ لوگ کیا کریں گے پہلے صاحب شریعت نبی نوح علیہ السلام کی قوم سے لے کر فرعون اور اُس کی قوم تک کے قصے سورۃ الاعراف میں گزر چکے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اجڑی ہوئی قوموں کو پہلے تو راہ راست پر آجانے کے لئے کافی مہلت دی گئی اور مہلت کے زمانے میں جب یہ لوگ راہ راست پر نہ آئے تو ان کی غفلت کی حالت میں ایک دفعہ ہی طرح طرح کے عذاب آن کر یہ لوگ ہلاک ہو گئے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰؓ اشعری کی حدیث[2] بھی گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے راہ لوگوں کو پہلے اللہ تعالیٰ کافی مہلت دیتا ہے جب مہلت کے زمانہ میں وہ لوگ راہ راست پر نہیں آتے تو پھر اُن کو اس طرح پکڑ لیتا ہے کہ جس پکڑ سے اُن کا چھٹکارا نہیں ہو سکتا معتبر سند سے طبرانی میں عقبہؓ بن عامر سے روایت ہے[3] جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بازاروں میں ہر طرح کا کپڑا بکتا ہو گا عمارتوں کی مرمتیں ہو رہی ہوں گی کہ یکایک صور کی آواز سے تمام دنیا اجڑ جاوے گی حاصل کلام یہ ہے کہ اس آیت میں دنیوی عذاب اور قیامت کے اچانک آجانے کا جو ذکر ہے پہلی امتوں کی ہلاکت کے قصے اور یہ حدیثیں گویا اس کی تفسیر ہیں۔

۱؎ الترغیب ص ۲۱ ج ۱ الترغیب من الریاء ۲؎ صحیح بخاری ص ۶۷۸ ج ۲ وکذلک اخذ ربک اذا اخذ القری ۳؎ الترغیب ص ۴۹۳ ج ۲ فصل فی النفخ فی الصور الخ۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَ

کہہ دے میری راہ ہے بلاتا ہوں اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر میں اور جو میرے ساتھ ہے اور

سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۰۸ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا

اللہ پاک ہے اور میں نہیں شریک بنانے والا اور جتنے بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے ہیں

۱۰۸۔ اس آیت میں اللہ پاک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ آپ لوگوں سے کہہ دیں ہمارا طریقہ اور جس راہ پر ہم ہیں وہ یہ ہے کہ ہم مخلوق خدا کو اس بات کی نصیحت کر دیں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے دونوں جہان میں اُسی کی خدائی ہے سارے آسمان اور تمام روئے زمین دریا سمندر پر اُسی کا قبضہ و دخل ہے کوئی اُس کے کسی صنعت میں ذرہ برابر شریک نہیں ہے عبادت بھی اسی کو زیبا ہے اور میں جو کسی کو اس راہ پر بلاتا ہوں تو تقلید اور سند کی راہ سے میرا بلانا اس راہ کی طرف بے دلیل نہیں ہے مجھے خدا نے اس کی سوجھ عطا کی ہے اور اس بات کی ہدایت دی ہے اور جو شخص ہمارا پیرو ہے وہ بھی جس کسی کو اس راہ کی طرف بلاتا ہے تو دلیل سے قائل کر کے بلاتا ہے تمام ملائکہ اور جن وانس دونوں جہان جس کی تسبیح کرتی ہیں اور میں بھی اس کی پاکی بیان کرتا ہوں پھر جناب سرور کائنات کو اللہ پاک کا یہ حکم ہوا کہ تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ جس طرح مشرکین خدا کے ساتھ اوروں کو شریک کرتے ہیں اور خالص اُسی کی بندگی نہیں کرتے بتوں کو بھی اُسی کے ساتھ معبود شمار کرتے ہیں میں ان باتوں سے بری ہوں میں اُسی کو ہر ایک امر میں قادر تصور کرتا ہوں اور اکیلا اُسی کی بندگی کرتا ہوں میں مشرکوں میں نہیں ہوں۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعود کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا پھر اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور عبادت میں کسی دوسرے کو شریک کرنا اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی گناہ نہیں[1] آیت میں توحید کی رغبت کے سمجھ بوجھ کی رغبت ہونے کا اور شرک سے بیزاری کا جو ذکر ہے یہ حدیث گویا اس کی تفسیر جس کا حاصل یہ ہے کہ توحید کی دلیل مضبوط اور شرک بالکل بے سند ہے۔ سورۃ انعام کی آیت وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ (۶: ۱۵۳) کی تفسیر میں جو حدیثیں گزر چکی ہیں ان حدیثوں کو بھی آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے۔

۱۰۹۔ اس آیت میں اللہ پاک نے اُن لوگوں کو قائل کیا ہے جو یہ کہتے تھے کہ آسمان سے کوئی فرشتہ رسول بنا کر کیوں نہیں بھیجا گیا اللہ پاک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا کہ عادت الٰہی یوں ہی جاری رہی ہے کہ ہمیشہ انسان ہی کو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اس میں جو کچھ حکمت ہے وہ اللہ خوب جانتا ہے۔ جمہور علما کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ جل جلالہ نے جتنے پیغمبر ہدایت عالم کے لئے بھیجے وہ سب کے سب اول سے آخر تک مرد ہی ہوتے آئے کوئی عورت کسی زمانہ میں نبی یا رسول نہیں ہوئی بعض لوگوں کا اعتقاد یہ ہے کہ چار عورتیں پیغمبر ہوئی ہیں حضرت آسیہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور حضرت مریم والدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام وہ لوگ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ان عورتوں کو بعض اوقات خدا نے بذریعہ فرشتوں کے بشارت بھیجی ہے مثلاً اللہ پاک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی نسبت فرمایا کہ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ (۲۸: ۷) اور حضرت مریم کو فرشتے نے آکر یہ بشارت سنائی وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰۗىِٕكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ (۳: ۴۲) مگر اس سے

[1] جلد ہذا ص ۲۰

رِجَالًا نُّوحِيٓ إِلَيْهِم مِّنْ أَهْلِ الْقُرَىٰٓ ۗ أَفَلَمْ يَسِيرُوا۟ فِى الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا۟

مرد تھے کہ حکم بھیجتے تھے ہم اُن کو اور بستیوں کے رہنے والے سو کیا یہ لوگ نہیں پھرے ملک میں کہ دیکھیں

كَيْفَ كَانَ عَٰقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۗ وَلَدَارُ الْءَاخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ

کیسا ہوا آخر اُن کا جو اُن سے پہلے تھے اور پچھلا گھر تو بہتر ہے پرہیز گاروں

نہیں لازم آتا کہ یہ گروہ مستورات نبی تھا کیونکہ نبی مخلوق کی ہدایت کے لئے ہوتا ہے اور کوئی نہ کوئی شریعت لے کر آتا ہے اور یہ برگزیدہ عورتیں نہ تو علیحدہ کسی شریعت کی بانی تھیں اور نہ کسی شریعت سابقہ کی خلیفہ جس طرح حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ تھے اتنی بات البتہ ثابت ہوتی ہے کہ یہ عورتیں صدیقہ ہوئی ہیں جیسا کہ اللہ پاک نے حضرت مریم بنت عمران کی نسبت خبر دی کہ یہ اشرف عورت تھیں گروہ مستورات ہیں مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ (۵: ۷۵) اس جگہ حضرت مریم کا ذکر اشرف مقام میں تھا اگر نبی ہوتیں تو ان کی نبوت کا بیان ضرور کیا جاتا صرف صدیقیت کا وصف کافی نہ شمار کیا جاتا حضرت عبداللہ بن عباس نے رجال کی تفسیر یہ بیان کیا ہے اس سے مطلب یہ ہے کہ جو منکر نبوت لوگوں کا خیال ہے کہ آسمان کے رہنے والے فرشتوں میں سے کوئی رسول ہو کر کیوں نہیں آیا اس کا جواب اللہ پاک نے یوں دیا ہے کہ کبھی کوئی فرشتہ رسول نہیں بنایا گیا جتنے رسول ہوئے ہیں وہ سب زمین کے چلنے والے تھے اور اسی سرزمین کے بسنے والے ہوئے ہیں اور وہ سب کے سب آدمی جنس بنی آدم سے ہیں حضرت عبداللہ بن عباس کے قول کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے جس میں اللہ پاک نے فرمایا وَمَآ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّآ إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِى الْأَسْوَاقِ (۲۵ : ۲۰) کیونکہ فرشتوں کی شان کھانے پینے اور بازاروں میں چلنے کی نہیں ہے۔ اور قری سے مراد یہ ہے کہ وہ رسول شہر کے باشندے ہوتے ہیں جنگل اور گاؤں کے رہنے والے نہیں ہوتے کیونکہ دیہات والوں کی نسبت شہر کے لوگ زیادہ سمجھدار اور نرم دل ہوتے ہیں پھر اللہ پاک نے اس آیت میں یہ ذکر فرمایا کہ لوگ جھٹلانے والے جو ہمارے رسول کو جھٹلاتے ہیں کیا یہ لوگ روئے زمین کی سیر نہیں کرتے پہلے لوگوں کا حال انہوں نے سنا نہیں کیا یہ بات نہیں معلوم ہے کہ حضرت نوحؑ کی قوم یا حضرت ہودؑ یا حضرت صالحؑ وغیرہ کی امتوں کا کیا حال ہوا کس طرح یہ ہلاک ہوئے اور اسی زمانہ میں جو لوگ مومن تھے اور خدا اور اس کے رسول کے تابع اور فرمانبردار تھے ان کا بال بھی بیکا نہیں ہوا جو کچھ عذاب آیا انہیں کافروں پر آیا خداوند عالم کا طریقہ اسی طرح برابر جاری رہا ہے کہ وہ ہمیشہ دین کا انکار کرنے والوں کے بنیاد اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے اور اپنے خالص اور متقی بندوں کو سایہ رحمت میں لے لیتا ہے اسی واسطے پھر یہ فرمایا کہ جس طرح یہ متقی بندے دنیا میں خدا کے حفظ و امان میں رہ گئے ہیں اسی طرح آخرت میں بھی ان کے واسطے عمدہ عمدہ مکانات تیار کئے گئے ہیں جو مرنے کے بعد انہیں عطا ہوں گے اور جو نعمتیں وہاں انہیں ملیں گی وہ دنیا کی نعمتوں سے بدرجہا بہتر ہوں گی أَفَلَا تَعْقِلُونَ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک موٹی سی بات تھی جو ان لوگوں کے سوال کے جواب میں انہیں سمجھا دی گئی ہے کہ فرشتوں کا اصلی صورت میں دیکھنا تو انسان کی طاقت سے باہر ہے اس لئے کوئی فرشتہ رسول بنا کر بھیجا جاتا تو ضرور انسان کی شکل میں بھیجا جاتا جس سے وہی شبہ ان لوگوں کو باقی رہتا جو اس وقت ہے۔ اس موٹی سی بات پر ان

اتقوا افلا تعقلون ﴿۱۰۹﴾ حتی اذا استیئس الرسل وظنوا انھم

کو اب کیا تم نہیں بوجھتے یہاں تک کہ جب ناامید ہونے لگے رسول اور خیال کرنے لگے کہ

لوگوں کو غور و فکر کرنا اور یہ جان لینا چاہئے کہ اس نادانی کے شبہ نے پہلی امتوں کو دین و دنیا کی خرابی میں ڈال دیا دنیا میں وہ طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک ہوئے اور عقبیٰ میں جنت کی نعمتوں کو ہاتھ سے دے کر دوزخ کے عذاب میں پکڑے گئے ان اجڑی ہوئی امتوں کی طرح اس موٹی سی بات پر غور و فکر کرنے میں ان لوگوں نے کوتاہی کی اور اللہ کے رسول کے جھٹلانے پر اڑے رہے تو وہی انجام ان کا ہوگا جو ان سے پہلے لوگوں کا ہوا اللہ سچا ہے اللہ کا کلام سچا ہے اس نادانی کے شبہ پر اڑے رہنے والے بڑے بڑے قریش کے سرداروں کا دین و دنیا میں جو انجام ہوا وہ صحیح مسلم کی انسؓ بن مالک کی حدیث کے حوالہ سے گزر چکا ہے[1] جس کا حاصل یہ ہے کہ بدر کی لڑائی کے شروع ہونے سے ایک رات پہلے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش میں کے ان سرکشوں کے نام بتلا دئے جو اس لڑائی میں مارے جانے والے تھے بلکہ مارے جانے کے بعد جہاں جہاں ان لوگوں کی لاشیں پڑی تھیں وہ مقامات بھی جتلا دئے تھے۔ انسؓ بن مالک قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ان لوگوں کی لاشوں کو لڑائی کے بعد انہی مقامات پر ہم لوگوں نے پایا یہ تو ان سرکشوں کی دنیا کی خرابی کا حال ہوا کہ عقبیٰ میں ان کا یہ حال ہوا کہ مرنے کے ساتھ ہی سخت عذاب نے ان کو آن گھیرا جو عذاب اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو نظر آیا اور اللہ کے رسول نے اس عذاب کا حال جتلانے کے لئے ان لوگوں کی لاشوں پر کھڑے ہو کر یہ فرمایا کہ اب تو تم لوگوں نے عذاب الٰہی کے وعدہ کو سچا پا لیا چنانچہ مسند امام احمد صحیح بخاری و مسلم کی انسؓ بن مالک کی حدیث کے حوالہ سے یہ ذکر بھی گزر چکا ہے[2]۔

۱۱۰۔ اوپر کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے پچھلی امتوں کا یہ حال عبرت کے طور پر قریش کو یاد دلایا تھا کہ حضرت نوحؑ کے زمانہ سے فرعون کے زمانہ تک جن جن امتوں نے انبیاء سے مخالفت کی اور بت پرستی اور اپنی سرکشی سے باز نہ آئے وہ سب لوگ طرح طرح کے عذاب سے ایک دم میں غارت ہو گئے مکہ سے شام کے ملک کا سفر تجارت کے لئے اکثر قریش کو پیش آتا رہتا ہے اس راستہ میں بہت بستیاں اور مکانات ایسے لوگوں کے کھنڈر ہوئے پڑے ہیں ان کو دیکھ کر عبرت پکڑیں اور جان لیں کہ ان کی سرکشی کا بھی یہی انجام ہونے والا ہے اس سے اس وقت کے مسلمانوں کے جی میں یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ آخر قریش کی سرکشی اور مخالفت بھی تو قریب قریب پچھلی امتوں کے پہنچ گئی ہے ان پر عذاب کیوں نہیں نازل ہوتا اس خیال کو اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے رفع فرمایا ہے کہ عادت الٰہی پہلے سے یوں ہی ہے یکایک ان امتوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے غارت نہیں کیا ان کو بھی یہاں تک مہلت دی گئی کہ اس وقت کے نبی تنگ آ گئے اور اپنی کامیابی میں ان کو مایوسی ہو گئی اور مخالف لوگوں نے پورا گمان کر لیا کہ عذاب کا وعدہ جو انبیاء نے کیا تھا وہ فقط ڈراوا تھا پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مخالفوں کو پکڑا اور ایک دم میں غارت کر دیا گھبرانا نہیں چاہئے اب بھی ویسا ہی ہونے والا ہے وقت مقرر کی دیر ہے چنانچہ پھر ویسا ہی اللہ کے وعدہ کے موافق ہوا جس کی تفصیل صحیح بخاری و مسلم کی انسؓ بن مالک کی روایت کے حوالہ سے اوپر کی آیت کی تفسیر میں گزر چکی ہے[3] کذبوا میں دو قراءتیں ہیں ایک ذال کی تشدید سے ہے اور دوسری

[1] جلد ہذا ص ۳۰۲ [2] صحیح بخاری ص ۵۶۷ ج ۲ باب قتل ابی جہل [3] صحیح بخاری ص ۶۸۰ ج ۲ باب قولہ حتی اذا استیئس الرسل۔

قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُنَا عَنِ

ان سے جھوٹ کہا تھا پہنچی اُن کو مدد ہماری پھر بچا دیا جن کو ہم نے چاہا اور پھیری نہیں جاتی آفت ہماری

الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۰﴾

قوم گنہگار سے

بغیر تشدید کے۔ صحیح بخاری میں عروہ سے جو روایت ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بغیر تشدید کی قرأت سے سخت انکار کیا ہے کیونکہ انہوں نے اِس قرأت کے یہ معنے خیال کئے ہیں کہ خود رسولوں نے یہ گمان کیا کہ مخالفوں کے عذاب اور رسولوں کی کامیابی اور مدد کا وعدہ جو اللہ کی طرف سے ہوا ہے وہ دنیا میں پیش نہ آوے گا اور یہ گمان رسولوں کی شان سے بعید تھا اس واسطے حضرت عائشہؓ نے اِس قرأت سے انکار کیا لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ عبداللہ بن مسعودؓ اور رکن صحابہ نے اِس قرأت کو اختیار کیا ہے اُن کا مطلب اِس قرأت سے وہ نہیں ہے جو مطلب حضرت عائشہؓ نے خیال کیا ہے چنانچہ نسائی میں سعید بن جبیر کی جو روایت حضرت عبداللہ بن عباس سے ہے اُس میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اِس قرأت کے معنے بتلا دیئے ہیں کہ مخالف لوگوں نے عذاب کے نزول میں دیر ہونے سے یہ گمان کیا کہ عذاب کے وعدہ میں ہم نے رسولوں کو جھٹلا لیا اس واسطے باوجود حضرت عائشہؓ کے انکار کے یہ قرأت مشہور ہے تمام کوفہ کے قاریوں نے اور حسنؒ بصری اور اکثر تابعین نے اس قرأت کو اختیار کیا ہے اس صورت میں دونوں قرأتوں کے معنے ایک ہی ہیں کچھ فرق نہیں ہے۔ خلفائے اربعہ عبداللہ بن عباسؓ عبداللہ بن مسعودؓ ابی بن کعبؓ زید بن ثابتؓ ابو موسیٰ اشعریؓ عبداللہ بن زبیرؓ یہ دس صحابہ علم تفسیر میں مشہور ہیں اور ان مشہور مفسر صحابہؓ میں سے دو صحابیوں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کا بغیر تشدید کی قرأت پر اتفاق ہے اِس لئے یہ قرأت بڑی معتبر قرأت ہے۔ یہاں تو اللہ تعالیٰ نے مختصر طور پر فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ فرمایا ہے لیکن جہاں پہلی امتوں کے تفصیلی قصے ہیں وہاں اِس مختصر ارشاد کا یہ تفصیلی مطلب بیان فرما دیا ہے کہ ہر ایک نبی اور اُن کے پیرو لوگوں کو عذاب سے بچا دیا جا کر باقی کے نافرمانوں کو طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک کر دیا گیا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰؓ اشعری کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لوگوں کو جب تک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو مہلت دیتا ہے آخر انہیں پکڑتا ہے تو بالکل ہلاک کر دیتا ہے۔ یہ حدیث آیت کے ٹکڑے وَلَا يُرَدُّ بَأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ کی گویا تفسیر ہے صحابہ میں اس آیت کے معنے میں اختلاف پڑ جانے سے تابعین اور تبع تابعین میں اس آیت کے صحیح معنے حل کرنے کا بڑا چرچا تھا اور اس آیت کے معنے کے حل کرنے کو وہ لوگ بڑا اہم مطلب خیال کرتے تھے چنانچہ مسلم بن یسارؒ نے سعید بن جبیرؒ سے جب اس آیت کے معنے پوچھے اور اُنہوں نے وہی معنے بتلائے جو نسائی کی روایت سے اوپر بیان ہوئے تو مسلم بن یسارؒ نے سعید بن جبیرؒ سے کہا کہ جس طرح تم نے میری مشکل حل کی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہاری سب مشکلیں حل کرے اور خوشی میں آکر مسلم بن یسارؒ نے سعید بن جبیرؒ سے معانقہ بھی کیا یہ مسلم بن یسار سعید بن جبیرؒ کے شاگردوں میں ہیں تبع تابعی قدیم مفسروں میں ان کا شمار ہے اور ضحاک بن مزاحمؒ نے جو مشہور مفسر ہیں جب سعید بن جبیرؒ سے آیت کے وہ معنے سنے جن کا ذکر اوپر گزرا تو ضحاکؒ نے یہ کہا کہ معنے میں

لہ تفسیر ابن کثیر ص ۴۹۷ ج ۲ ۔ سہ فتح الباری ص ۲۲۰ ج ۴ کتاب التفسیر ۔ سہ جلد ہذا ص ۲۰۵

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ

البتہ اُن کے احوال سے اپنا قیاس کرنا ہے عقل والوں کو کچھ بات بنائی ہوئی نہیں

وَلَٰكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى

لیکن موافق اس کے کلام کے جو اس سے پہلے ہے اور کھولنا ہر چیز کا اور راہ سوجھائی

وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿١١١﴾

اور مہربانی اُن لوگوں کو جو یقین لاتے ہیں

کا سفر بھگت کر بھی مجھ کو حاصل ہو جاتی تو میں جانتا بڑی آسانی سے مجھ کو ایک بیش قیمت چیز مل گئی۔ اوپر بخاری کی روایت کا ذکر ہو چکا ہے کہ عروہ بن زبیرؓ تابعی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس آیت کی قرأت اور معنی پوچھے اس آیت میں گمان کا جو ذکر ہے اس میں بھی علماء مفسرین نے اختلاف کیا ہے بعضے کہتے ہیں خود رسولوں نے مدد الٰہی کی دیر کے سبب سے یہ گمان کیا کہ مخالف لوگ اب ہم کو جھٹلانے کا اچھا موقع پاویں گے بعضے کہتے ہیں کہ انبیاء کے ساتھ جو کچھ لوگ تھے انہوں نے گمان کیا کہ مخالفوں کو اب رسولوں کے جھٹلانے کا موقع ہاتھ آیا بعضے کہتے ہیں کہ مخالف لوگوں نے گمان کیا کہ عذاب کے وعدہ کو اور اس وعدہ کے ظاہر کرنے والے رسولوں کو ہم جھٹلا چکے اسی اختلاف مفسرین کے سبب سے ترجموں میں اختلاف ہے مگر مفسر صحابہ میں کے دو جلیل القدر مفسر صحابہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول ہے کہ گمان کرنے والے مخالف لوگ تھے اسی قول کو شاہ ولی اللہؒ نے فارسی ترجمہ میں اختیار کیا ہے اور یہی قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔

۱۱۱۔ اللہ پاک نے اس آیت میں اس بات کا ذکر کیا کہ پہلی امتوں کے اور حضرت یعقوبؑ اور اُن کے صاحبزادے یوسف علیہ السلام اور اُن کے بھائیوں کے قصے میں عقلمندوں کے واسطے یہ ایک بہت ہی بڑی عبرت ہے کہ وہ ان قصوں کو سن کر یہ سمجھتے ہیں کہ پہلی امتوں میں وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا اور باوجود ظاہر نشانیوں کے خدائے وحدہ لاشریک کی وحدانیت کو نہیں مانا وہ اس کردار بد کی وجہ سے صفحہ دنیا سے ایسے نیست و نابود کئے گئے کہ جس کا کچھ ٹھکانا نہیں اور جن لوگوں نے رسولوں کی تصدیق کی اور جو احکام وہ خدا کی طرف سے لائے اُس کے مان لینے میں ذرا بھی تامل نہیں کیا اور خدائے وحدہ لاشریک کو ایک جانا خدا نے اُن کو اپنی حفظ و امان میں رکھا پھر قرآن مجید کی نسبت یہ ارشاد کیا کہ یہ کتاب کوئی بنائی ہوئی بات نہیں ہے اور نہ خدا پر جھوٹ باندھا گیا ہے بلکہ جس طرح اور کتابیں پہلے رسولوں پر توریت انجیل وغیرہ نازل ہوتی گئیں اسی طرح یہ قرآن مجید بھی خدا کی طرف سے رسول مقبول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ وحی کے نازل ہوا ہے اور ساری پہلی کتابوں کی یہ قرآن مجید تصدیق کرتا ہے اور جو باتیں ان کتابوں کی صحیح ہیں ان کو علیحدہ کر کے بتلاتا ہے اور جو غلطیاں اُن میں اہل کتاب نے ڈال دی ہیں اُن کو جدا کر دیتا ہے اور بہت سی باتیں اُن کتابوں کی تمام رکھتا ہے اور بہت سے احکام کو منسوخ ٹھہراتا ہے غرض کہ اس میں ہر ایک بات کی کامل تفصیل ہے حلال حرام مباح مکروہ سب کو علیحدہ علیحدہ بتلاتا ہے اسی واسطے یہ قرآن پاک ہدایت و رحمت ہے جو لوگ اس کے احکام کے تابع ہیں اور قدم بقدم اس کی نصیحت پر چلتے ہیں ضرور وہ مراد کو پہنچیں گے اور خداوند جل شانہ ان پر اپنی خاص رحمت نازل فرمائے گا اور وہ گمراہی کی راہ سے بالکل علیحدہ رہیں گے اور صراط مستقیم کی طرف متوجہ رہ کر

آیاتہا ۴۳ (۱۳) سُورَةُ الرَّعْدِ مَدَنِيَّةٌ (۹۶) رکوعاتہا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

الٓمّٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ

یہ آیتیں ہیں کتاب کی اور جو کچھ اترا تجھ کو تیرے رب سے سو تحقیق ہے لیکن

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ①

بہت لوگ نہیں مانتے

ایمان دار بندوں کی پوری پوری صفت حاصل کریں گے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوا اور معجزوں کے مجھ کو قرآن کا ایک ایسا معجزہ دیا گیا ہے جس کی ہدایت کے سبب سے مجھ کو امید ہے کہ قیامت کے دن بہ نسبت اور امتوں کے میری امت کے نیک لوگوں کی تعداد زیادہ ہوگی۔ آیت میں قرآن کو ہدایت اور رحمت الٰہی کا سبب جو فرمایا ہے یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اور معجزوں کا اثر تو اپنے وقت پر ہوا لیکن قرآن شریف کی نصیحت کا اثر قیامت تک باقی رہے گا جس اثر کے سبب سے امت محمدیہ کے لوگوں کی تعداد قیامت کے دن اور امتوں کے نیک لوگوں سے زیادہ ہوگی۔

اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے بعض مفسروں نے اس کو مکی کہا ہے اور بعضے مدنی کہتے ہیں لیکن اس سورت کے شروع کی آیتیں سب کے نزدیک مکی ہیں اور یہ ایک جگہ گزر چکا ہے کہ جس سورت کے شروع کی آیتیں مکی ہوں وہ سورت مکی کہلاتی ہے۔

۱؎ الٓمٓر حروف مقطعات میں سے ہے جو متشابہات میں داخل ہیں۔ متشابہات کی تفسیر کے باب میں سلف کا طریقہ سورت بقرہ اور سورت آل عمران میں گزر چکا ہے۔ جو سورت حروف مقطعات سے شروع کی جاتی ہے اس میں قرآن مجید کی عظمت کا بیان ہوتا ہے اس لئے الٓمٓر کے بعد اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ اس سورت کی آیتیں اور اس کے سوا جو تمام قرآن کی آیتیں تم پر اتاری گئی ہیں وہ حق ہیں لیکن بہت لوگ اس کو نہیں مانتے اور اس پر ایمان نہیں لاتے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اور معجزوں کے علاوہ مجھ کو قرآن شریف ہی کا ایک ایسا معجزہ دیا گیا ہے جس کے سبب سے قیامت کے دن میری امت کے نیک لوگوں کی تعداد اور امتوں کے نیک لوگوں سے زیادہ ہوگی صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث بھی گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ دنیا میں قیامت تک ہونے والا تھا اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کے موافق وہ سب لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے[1]۔ صحیح بخاری اور مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث بھی گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ علم الٰہی میں دوزخی قرار

[1] صحیح بخاری ص ۳۴۴ ج ۲ باب کیف نزل الوحی و مشکوٰۃ ص ۵۱۱ باب فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم [2] جلد ہذا ص ۱۹۶۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ

اللہ وہ ہے جس نے اونچے بنائے آسمان بن ستون کے پھر قائم ہوا عرش پر

پاچکے ہیں وہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد کام بھی ویسے ہی کرتے ہیں۔ صحیح بخاری اور مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعری کی حدیث بھی گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کی نصیحت کی مثال مینہ کے پانی کی اور اچھے برے لوگوں کی مثال اچھی بری زمین کی فرمائی ہے۔ ان حدیثوں کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن شریف کی نصیحت کی تاثیر تو ایسی ہے جس کے سبب سے قیامت کے دن امت محمدیہ کے نیک لوگوں کی تعداد اور امتوں کے نیک لوگوں سے زیادہ ہوگی لیکن علم الٰہی میں جو لوگ دوزخی قرار پاکر لوح محفوظ میں دوزخی لکھے جاچکے ہیں ان کے حق میں قرآن کی نصیحت اسی طرح رائگاں ہے جس طرح بری زمین میں مینہ کا پانی رائگاں جاتا ہے اس لئے ایسے لوگ اپنی تمام عمر دوزخیوں کے سے کاموں میں گزارتے ہیں۔

۲؎ اگرچہ مجاہد اور عکرمہ اور ایک روایت میں عبداللہ بن عباس سے بعضی تفسیروں میں اس آیت کے معنے بیان کئے گئے ہیں کہ قاف پہاڑ پر ایک ستون ہے اس پر اس طرح آسمان قائم ہے جس طرح ایک چوبہ ڈیرہ چوب پر قائم ہوتا ہے اور وہ ستون اہل دنیا کو نظر نہیں آتا اس لئے یہ فرمایا ہے کہ آسمان بغیر ایسے ستون کے بلند کیا جس کو تم دیکھ نہیں سکتے لیکن صحیح معنے آیت کے یہی ہیں کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے کی بات ہے کہ آسمان بلا ستون کے اللہ تعالیٰ نے بلند کیا ہے کیونکہ ستون ہوتا تو آخر تم کو نظر آتا غرض سورہ الحج کی آیت وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ (۲۲: ۶۵) میں اور سورۃ الفاطر کی آیت إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا (۳۵: ۴۱) میں اللہ تعالیٰ نے آسمان کا تھامنا اپنی ذات پاک کی طرف منسوب فرمایا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بلا کسی روک تھام کے محض اللہ کی قدرت سے آسمان تھما ہوا ہے۔ سورۃ اعراف میں گزر چکا ہے کہ آیت ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ صفات الٰہی کی متشابہ آیتوں میں سے ہے اور صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت عائشہؓ کی حدیث بھی گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متشابہ آیتوں کی تاویل سے منع فرمایا ہے اس واسطے ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ کی تفسیر یہی ہے کہ جس طرح سے اللہ تعالیٰ کا عرش پر ہونا اللہ تعالیٰ کی شان کے مناسب ہے اسی طرح سے بلا مشابہت دنیا کے بادشاہوں کی تخت نشینی کے اللہ تعالیٰ عرش پر ہے جس کی تفصیلی کیفیت اللہ کو ہی معلوم ہے محکم اور متشابہ آیتوں کی صحیح تعریف یہ ہے کہ جس آیت کا مطلب از خود یا کسی دوسری آیت یا حدیث کے ذریعہ سے معلوم ہو سکے وہ آیت محکم ہے نہیں تو متشابہ جو علماء کہتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے متشابہ آیت کا مطلب محکم آیت یا حدیث کے ذریعہ سے معلوم کیا جائے ان کا مقصود متشابہ کے لفظ سے وہ مبہم آیت ہے جس کے مطلب کا معلوم کرنا کسی دوسری محکم آیت یا حدیث پر منحصر ہے اور حقیقت میں اس طرح کی آیتیں محکم آیتوں کی ایک قسم ہے کیونکہ اوپر کی صحیح تعریف کے موافق اصل متشابہ آیت کا مطلب کسی دوسری آیت یا حدیث سے نہیں معلوم ہو سکتا دوسری آیت یا حدیث سے مبہم آیتوں کا مطلب ہو جانے کی مثالیں سورۃ آل عمران میں گزر چکی ہیں وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اس کا مطلب یہ ہے کہ سورج چاند کے طلوع اور غروب کے جو وقت مقرر ہیں وہ ان وقتوں کے تابع ہیں كُلٌّ يَجْرِيْ سے سورج کی

۱؎ جلد ہذا ص ۲۰۲ ۲؎ جلد ہذا ص ۲۰۲ ۳؎ تفسیر ہذا جلد اول ص ۲۲۲۔

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُسَمًّى ۚ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ

اور کام لگایا سورج اور چاند کو ہر ایک چلتا ہے ایک ٹھہری مدت تک تدبیر کرتا ہے کام کی کھولتا ہے

الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ ﴿۲﴾ وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ

نشانیاں شاید تم اپنے رب سے ملنا یقین کرو اور وہی ہے جس نے پھیلائی زمین اور رکھے

ذاتی گردش ثابت ہوتی ہے جس سے اُن اہل ہیئت کے قول کا ضعف نکلتا ہے جو سورج کی ذاتی گردش کے قائل نہیں ہیں بلکہ سورج کی گردش کو آسمان کی گردش کا تابع بتلاتے ہیں صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ نے سب لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے[۱] معتبر سند سے شعب الایمان بیہقی تفسیر ابن ابی حاتم اور مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ لوح محفوظ میں تمام دنیا کا حال جو لکھا ہوا ہے اس میں سے ہر شب قدر کو ایک سال کے انتظامات کی نقل فرشتوں کو دنیا کا سال بھر کا کام چلانے کے لئے مل جاتی ہے[۲] یہ حدیث یُدَبِّرُ الْاَمْرَ کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ازلی تدبیر اور اُس کے انتظامات کے موافق ہوتا ہے اس تفسیر سے طبیعات والوں کے اُس قول کا ضعف نکلتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ طبیعتوں کے اثر سے ہوتا ہے اللہ کی قدرت کا اس میں کچھ دخل نہیں ہے علاوہ اس کے طبیعات والوں کا یہ قول عقلی طور پر بھی یوں ضعیف معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں بہت سے کام خلاف طبیعت نظر آتے ہیں کیونکہ مثلاً سورج کی طبیعت ہر چیز کا سکھا دینا ہے اب اناج میں تو سورج کا کام طبیعت کے موافق ہے اور اکثر میوہ جات میں طبیعت کے برخلاف سورج سے کام لیا جاتا ہے کہ دھوپ سے مثلاً آم میں رس اور انگور میں گودا پیدا ہوتا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ طبیعتیں ایک صاحب قدرت کے حکم کی تابع ہیں ورنہ طبیعتوں میں یہ شعور کہاں ہے کہ وہ مختلف کام انجام دے سکیں آخر کو فرمایا کہ یہ قدرت کی نشانیاں انسان کو تفصیل وار اس لئے سمجھائی جاتی ہیں کہ وہ ان نشانیوں سے قدرت والے کو پہچانے اور اُس کے احکام کو مانے اور یہ جان لیوے کہ ایک دن ہر انسان کو نیک اور بد کے حساب کے لئے اللہ کے روبرو کھڑا ہونا پڑے گا مسند بزار اور طبرانی کے حوالہ سے معاذ بن جبل کی معتبر روایت ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ہر شخص کو چار باتوں کی جوابدہی کے لئے ضرور اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑا ہونا پڑے گا (۱) تمام عمر کس کام میں لگا رہا (۲) جوانی میں کیا کیا (۳) کیونکر کمایا اور کہاں کہاں خرچ کیا (۴) جو کچھ علم دین سیکھا تو اُس پر کیا عمل کیا[۳] یہ حدیث اللہ تعالیٰ سے ملنے اور اُس کے سامنے کھڑے ہونے کی گویا تفسیر ہے۔

۳ — ۴ — اس سے اوپر کی آیت میں اللہ جل شانہ نے آسمان کا حال بیان فرمایا تھا اس آیت میں زمین میں اپنی قدرت کا حال بیان فرمایا کہ اللہ نے زمین کو پھیلا دیا لمبائی اور چوڑائی میں پہاڑوں کے بوجھ رکھ دئے اور اُس میں جا بجا نہریں اور ندیاں دریا سمندر جاری کئے تاکہ زمین کی پیداوار کو مناسب مناسب موقع پر پانی پہنچتا رہے اور ہر طرح کے پھل میوے الگ الگ رنگ کے علیحدہ ذائقہ کے پیدا ہوں جس میں کوئی سرخ ہے تو کوئی زرد کوئی سیاہ کسی کا منہ پھیکا ہے کسی کا میٹھا کسی کا کڑوا کسی کا کسیلا پھر رات تمام ہوئی اور دن آن موجود ہوا یہ سب خدا کی ایسی قدرت ہے کہ جو اس میں غور اور فکر کرتا ہے اسے خدا کی ہستی کا یقین ہو جاتا ہے پھر فرمایا کہ زمین

[۱] جلد ہذا ص ۲۱۱ [۲] تفسیر الدر المنثور ص ۲۴ ج ۶ تفسیر سورۃ الدخان [۳] تفسیر ہذا جلد دوم ص ۲۲۳

فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَارًا ۖ وَمِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ

اُس میں بوجھ اور ندیاں اور ہر میوے کے رکھے اُس میں جوڑے دو دو ہرے

يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٣﴾ وَفِي الْأَرْضِ

ڈھانکتا ہے دن پر رات اُس میں نشانیاں ہیں اُن کو جو دھیان کرتے ہیں اور زمین میں

قِطَعٌ مُّتَجَاوِرَاتٌ وَجَنَّاتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَزَرْعٌ وَنَخِيلٌ صِنْوَانٌ وَغَيْرُ

کئی کھیت ہیں لگتے ہوئے اور باغ ہیں انگور کے اور کھیتی اور کھجوریں جڑ ملے اور بن ملے

صِنْوَانٍ يُسْقَىٰ بِمَاءٍ وَاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ

ملے پاتے ہیں ایک پانی اور ہم زیادہ کرتے ہیں ایک کو ایک سے میووں میں اس میں

لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٤﴾ وَإِن تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ أَإِذَا كُنَّا تُرَابًا

نشانیاں ہیں اُن کو جو بوجھتے ہیں۔ اور اگر تو اچنبے کی بات چاہے تو اچنبا ہے اُن کا کہنا کیا جب ہو گئے ہم مٹی

کو دیکھو ایک ٹکڑا ایک سے ملا ہوا ہے اس پر بھی کوئی ٹکڑا زمین کا شور ہوتا ہے اور کوئی پاکیزہ ہوتا ہے کہیں طرح طرح کے باغ ہوتے ہیں جن میں انگور کھجوروں کے مختلف قسم کے درخت ہوتے ہیں بعض درخت ایسے ہوتے ہیں جن کی جڑ آپس میں ملی ہوئی ہوتی ہے اور بعض درخت علیحدہ علیحدہ ہیں کسی زمین میں کھیتی کی جاتی ہے جہاں طرح طرح کے اناج پیدا ہوتے ہیں جس پر انسان کی زندگی کا دارومدار ہے ان درختوں اور کھیتوں کو ایک پانی سے سرسبز و شاداب کیا جاتا ہے اور ایک ہی زمین میں ہوتے ہیں پھر بھی قسم قسم کے طرح طرح کے پھل پھول میوے ترکاریاں اور اناج ہیں کھانے میں ایک کا مزہ ایک سے بڑھ کر ہوتا ہے سب کا ذائقہ جدا ہے کوئی کسی کے مزہ کو نہیں پہنچتا یہ سب اُس کی ادنیٰ قدرت ہے اس لئے فرمایا کہ عقل مند آدمی کے واسطے خدا کے پہچاننے کے لئے یہ بہت بڑی نشانیاں ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث[1] ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس طرح اب مینہ برسنے سے ہر طرح کی پیداوار تیار ہو جاتی ہے اسی طرح دوسرے صور سے پہلے ایک مینہ برسے گا جس سے سب مرے ہوئے آدمیوں کے جسم تیار ہو جاویں گے پھر ان جسموں میں روحیں پھونک دی جاویں گی۔ قرآن شریف میں جگہ جگہ کھیتی کے ذکر کے بعد حشر کا تذکرہ جو آیا ہے یہ حدیث گویا اُس کی تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ منکرین حشر کے نزدیک حشر ایک دشوار چیز ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو حشر اور ہر سال کی کھیتی کی پیداوار دونوں یکساں ہیں۔

۵۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منکرین حشر کا یہ قول کہ مٹی ہو کر پھر کیوں کر جئیں گے ضعیف ٹھہرایا اس واسطے فرمایا کہ دنیا بھر میں کسی کو تعجب کی بات سنی ہو تو ان کا یہ قول سنے کیوں کہ ہر عقلمند جانتا ہے کہ پہلے پہل ہر کام مشکل ہوتا ہے ایک دفعہ جو کام ہو چکا اور اُس کا راستہ پڑ گیا پھر دوبارہ اُس کا ہو جانا کیا دشوار ہے دنیا کو جب ناپید حالت سے اللہ تعالیٰ نے موجود کر دیا تو اب دوبارہ ناپید کر کے پھر موجود کر دینا اُس کو کیا مشکل ہے اور دنیا بھر میں وہ کون سی عقل ہے جس عقل سے اس بات کو

[1] مشکوٰۃ ص ۴۸۱ باب النفخ فی الصور

ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ

ہم نئے بنیں گے وہی ہیں جو منکر ہوئے اپنے رب سے اور وہی ہیں کہ طوق ہیں

فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۵﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ

اُن کی گردنوں میں اور وہ ہیں دوزخ والے وہ اس میں رہا کریں گے اور شتاب چاہتے ہیں

بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ

تجھ سے برائی آگے بھلائی سے اور ہو چکی ہیں اُن سے پہلے کہاوتیں اور تیرا رب

لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۶﴾

معاف بھی کرتا ہے لوگوں کو اُن کی گنہگاری پر اور تیرے رب کی مار بھی سخت ہے

دشوار کہا جا سکتا ہے اور دنیا بھر کے عقلوں سے نرالی یہ ایک بات منکرین حشر کہتے ہیں اس لئے دنیا بھر کی باتوں سے بڑھ کر اُن کی بات تعجب کے قابل ہے صحیح بخاری کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث قدسی ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا سب کی آنکھوں کے سامنے جب کہ اللہ نے انسان کو پیدا کر دیا تو منکرین حشر کی یہ نادانی ہے کہ وہ اللہ کے کلام کو جھٹلاتے اور حشر کا انکار کرتے ہیں[1] یہ حدیث ان آیتوں کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ پہلی پیدائش کو آنکھوں سے دیکھ کر جو یہ لوگ دوسری دفعہ کی پیدائش کو اللہ کی قدرت سے باہر گنتے ہیں تو ان کا اللہ کی شان میں ایک کفر ہے جس کی سزا یہ ہے کہ قیامت کے دن سخت جرم کے مجرموں کی طرح ان کے گردنوں میں آگ کے طوق ڈالے جاویں گے تاکہ یہ سر نہ اُٹھا سکیں اور دوزخ کی آگ میں ہمیشہ ان کو رہنا پڑے گا یہاں مختصر طور پر فقط طوق کا ذکر ہے سورت غافر میں طوقوں کے ساتھ زنجیروں کا بھی ذکر ہے جن زنجیروں سے ایسے لوگوں کو جکڑا جاوے گا۔

بت پرستی کی مذمت اور توحید اور احوال قیامت اس قسم کی آیتیں جب نازل ہوتیں اور آنحضرت قریش وہ آیتیں سناتے تو قریش لوگ سرکشی سے صاف کہہ دیتے تھے کہ ہم تو تمہاری ایک نہیں سنتے اگر تم سچے نبی ہو تو اللہ کی طرف سے ہم پر عذاب لے آؤ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمادیا کہ رسول سے مخالفت کرنے والوں پر عذاب الٰہی کا نازل ہو جانا کوئی نئی بات نہیں ان سے پہلے بہت سی امتیں رسولوں کی مخالفت کے سبب سے غارت ہو چکی ہیں بجلئے فرمانبرداری کے یہ لوگ جو سرکشی کر کے عذاب کی جلدی کرتے ہیں ان کو یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ میں رحم اور قہر دونوں صفتیں ہیں اور اب تک اللہ تعالیٰ نے اپنی رحم کی صفت کے تقاضے سے ان کو چھوڑ رکھا ہے جس دن قہر کی صفت کا تقاضا ہو گیا تو پھر پہلے کی اجڑی ہوئی امتوں کی طرح سے ان کا کہیں ٹھکانا بھی نہ لگے گا۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰؓ اشعری کی حدیث گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جب تک چاہتا ہے سرکش لوگوں کو مہلت دیتا ہے پھر جب اُن کی سرکشی کی سزا میں انہیں پکڑ لیتا ہے تو کسی کا اُن میں سے چھٹکارہ نہیں ہو سکتا[2] اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہجرت سے پہلے بارہ تیرہ برس تک اہل مکہ کو مہلت دی جب

[1] مشکوٰۃ ص ۱۴ کتاب الایمان [2] جلد ہذا ص ۵۰۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۗ إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ ۖ

اور کہتے ہیں منکر کیوں نہ اُتری اُس پر کوئی نشانی اُس کے رب سے تو تو ڈر سنانے والا ہے

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ⑦

اور ہر قوم کو ہوا ہے راہ بتانے والا

اس مہلت کے زمانہ میں اُن میں کے سرکش لوگ اپنی سرکشی سے باز نہیں آئے اور مسخراپن کے طور پر عذاب کی جلدی کرتے رہے تو بدر کی لڑائی میں یہ بڑے بڑے سرکش نہایت ذلت سے مارے گئے اور مرتے کے ساتھ ہی آخرت کے عذاب میں گرفتار ہوئے اور وہاں کے عذاب کا حال لوگوں کو جتلانے کے لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی لاشوں پر کھڑے ہو کر یہ فرمایا کہ اب تو تم لوگوں نے عذاب الٰہی کے وعدہ کو سچا پایا چنانچہ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انس رضی بن مالک کی روایتیں اس باب میں ایک جگہ گزر چکی ہیں[1] مُثلات کے معنے وہ عذاب جس کا تذکرہ مثال اور کہاوت کے طور پر باقی رہے اسی واسطے شاہ صاحب نے مثلات کا مرادی ترجمہ کہاوتیں کیا ہے۔

یہ مشرکوں کا وہی پرانا سوال ہے جس کو بار بار وہ کہہ چکے تھے کہ اگلے رسولوں کو تو بڑی بڑی نشانیاں ملی تھیں حضرت موسیٰ کو عصا اور ید بیضا ملا تھا حضرت صالح کے وقت میں اونٹنی پیدا ہوئی تھی عیسےٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے آپ بھی کوئی نشانی دکھلائیے اس صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دیجئے یا یہ پہاڑیاں یہاں سے اکھڑ کر کہیں دور چلا جاوے اور یہاں ایک خوشنما باغ لگ جائے اگر آپ ایسا کریں گے تو ہم آپ کو سچا سمجھیں گے اور ایمان لائیں گے اللہ جل شانہ نے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ تم اُن کے سوال کے پورا ہونے کی زیادہ خواہش نہ کرو تمہارے متعلق تو صرف اتنی بات ہے کہ تم اُن لوگوں کو نصیحت کر دو کیونکہ رسول تو فقط خدا کے خوف سے لوگوں کو ڈرانے والے ہیں اور حق کا رستہ دکھانا اللہ کے اختیار میں ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے[2] جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کے موافق ہر شخص کا دوزخ یا جنت میں ٹھکانا مقرر ہو چکا ہے اس لئے دنیا میں پیدا ہونے کے بعد ہر کوئی اپنے مقررہ ٹھکانے میں جانے کے قابل کام کرتا ہے یہ حدیث اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آیت کے اس ٹکڑے کے مطلب کو اللہ کے رسول نے اس حدیث کے ذریعہ سے امت کے لوگوں کو یوں سمجھا دیا کہ رسولوں کا کام فقط نصیحت کا کر دینا ہے اور اس نصیحت کا اثر اللہ کے علم ازلی کے نتیجہ پر منحصر ہے جو اللہ کے اختیار میں ہے زوائد مسند امام احمد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو جو ہادی فرمایا ہے اس حدیث کی سند معتبر ہے[3] اور مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ علم الٰہی میں جو لوگ راہ راست پر آنے کے قابل قرار پا چکے ہیں اس طرح کے بہت سے لوگ

[1] جلد ہذا ص ۲۰۲ و ۲۰۳۔ [2] جلد ہذا ص ۱۷۸ و ۳۰۴۔ [3] یہ درست نہیں حافظ ابن کثیر رحمہ کہتے ہیں یہ بہت ہی بری روایت ہے فیہ نکارۃ شدیدۃ (ص ۵۰۲ ج ۲) امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں یہ بالکل موضوع اور جھوٹی روایت ہے ھذا کذب موضوع باتفاق اھل العلم بالحدیث منہاج السنۃ ص ۲۳۰ ج ۴ صحیح مطلب آیت کا وہی ہے جو امام ابن جریرؒ نے تفسیر سلف کے خلاصہ کے طور پر لکھا ہے کہ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منذر و ہادی کے منصب پر فائز کئے گئے ہیں ایسے ہی ہر قوم میں ہادی مبعوث کرنا اللہ تعالیٰ کی سنت ہے انما محمد ہو المنذر من ارسل الیہ بالانذار ولکل قوم ہاد یا یہدیہم فیتبعوہ وما تمون بہ (تفسیر ابن جریر ص ۱۰۹ ج ۱۳) اس تفسیر کو امام ابن تیمیہؒ نے اختیار کیا ہے اور مفصل و مدلل کیا ہے (منہاج ص ۲۹۰ ج ۲) ۔ ح ۔ د ۔

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ
اللہ جانتا ہے جو پیٹ میں رکھتی ہے ہر مادہ اور جو سکڑتے ہیں پیٹ اور بڑھتے ہیں اور ہر

شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ﴿۸﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ﴿۹﴾
چیز کی اُس پاس ہے گنتی جاننے والا چھپے اور کھلے کا سب سے بڑا اوپر

حضرت علیؓ کے ذریعہ سے بھی ہدایت پادیں گے کیوں کہ حضرت علیؓ کی صحیح روایت جو اوپر گزری اُس کے موافق اس دوسری روایت کا صحیح مطلب یہی قرار پا سکتا ہے جو بیان کیا گیا۔

۸؎ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے جو روایت ہے اُس میں اس آیت کی تفسیر آنحضرتؐ نے فرمائی ہے کہ عورت کے رحم میں جب نطفہ ٹھہرتا ہے تو ایک چلہ تک اپنی اصلی حالت پر رہتا ہے پھر جما ہوا خون بن جاتا ہے پھر گوشت کا لوتھڑا ہو جاتا ہے پھر پتلا بن جاتا ہے اور اُس میں روح پھونکی جاتی ہے اور اللہ کے حکم سے ایک فرشتہ آتا ہے اور عمر رزق جس طرح کے عمل یہ پتلا پیدا ہونے کے بعد کرے گا یہ سب کچھ وہ فرشتہ لکھ لیتا ہے مجاہدؒ کا قول ہے کہ مدت حمل سے کم میں بچہ کا پیدا ہو جانا یہ رحم کے گھٹاؤ کی حالت ہے اور مدت حمل میں زیادتی کا ہو جانا یہ رحم کے بڑھاؤ کی حالت ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ یہ فرماتے ہیں کہ حمل کے زمانہ میں اگر عورت کو حیض آجاوے تو جتنے دن حیض آوے گا اتنے ہی دن نو مہینے کے اوپر ہو جاویں گے جب بچہ پیدا ہوگا یہی مدت حمل کی زیادتی کی صورت ہے اور نو مہینے کے اندر بچہ کا پیدا ہو جانا یا اسقاط حمل کا ہو جانا یہ رحم کے گھٹاؤ کی صورتیں ہیں وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ کی تفسیر میں قتادہ کا قول ہے کہ ہر بچہ کے مدت حمل کی کمی بیشی اُس کی عمر اُس کا رزق اُس کی نیکی بدی علم الٰہی کے اندازہ اور گنتی کے موافق ہے۔ عبد اللہ بن مسعودؓ کی صحیح حدیث جو اوپر گزری اُس سے قتادہ کے اس قول کی پوری تائید ہوتی ہے کیونکہ اس حدیث میں بھی علم الٰہی کے موافق ان باتوں کے لکھے جانے کا ذکر ہے منکرین حشر کا ذکر اوپر فرما کر اس آیت میں انہیں انسان کی پہلی پیدائش کا حال یاد دلایا گیا ہے اور یہ تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ انسان کی پہلی پیدائش سے جو کوئی قدرت الٰہی کو جان لیوے گا اُس کو پھر حشر کے انکار کا موقع باقی نہیں رہ سکتا۔

۹؎ اس آیت میں اللہ پاک نے اپنے علم کامل کا بیان فرمایا ہے کہ لوگ جس چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اُس کو بھی خدا جانتا ہے اور جو چیزیں اُن سے غائب ہیں اُن کی نظروں کے سامنے نہیں ہیں اُن کو بھی خدا جانتا ہے اُس پر ظاہر اور پوشیدہ سب یکساں ہے کیونکہ اُس کا علم ہر شئے کو چھوٹی ہو یا بڑی نظر سے غائب ہو یا سامنے سب کو گھیرے ہوئے ہے اور اُس کی ذات ہر ایک شئے سے بڑی ہے اور ہر چیز پر غالب ہے۔ اوپر ذکر تھا کہ بچہ کے پیدا ہونے سے پہلے اُس کی عمر اُس کا رزق اُس کی نیکی بدی یہ سب ناموجود باتیں اللہ کا فرشتہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے لکھ لیتا ہے اس آیت میں اُس کی یہ تفصیل فرمائی کہ ناموجود اور موجود سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے علم میں موجود ہیں کوئی چیز اُس کے علم سے باہر نہیں ہے اس واسطے بچہ کے پیدا ہونے کے پہلے فرشتہ سے اُن ناموجود چیزوں کا لکھوا دینا اللہ کے علم غیب کے آگے کوئی بڑی بات نہیں ہے منکرین حشر یہ جو کہتے تھے کہ مرنے کے بعد اُن کی خاک سوال و دوال ہو جاوے گی پھر وہ خاک کیوں کر

لہ اس پر بجا سوال ہو سکتا ہے کہ سب صحابہؓ خصوصاً یہ سب صدیق اکبر فاروق اعظمؓ میں حضرت علیؓ کی تخصیص کی وجہ کیا دوسرے صحابہ ذریعہ ہدایت نہیں تھے، دراصل صحیح تفسیر ابن جریر کی اختیار کردہ ہے (م۔ ح) سے تفسیر ابن کثیر ص ۵۰۲ ج ۲۔

سَوَآءٌ مِّنۡكُمۡ مَّنۡ اَسَرَّ الۡقَوۡلَ وَمَنۡ جَهَرَ بِهٖ وَمَنۡ هُوَ مُسۡتَخۡفٍۢ بِالَّيۡلِ

برابر ہے تم میں جو چپکی بات کہے اور جو کہے پکار کر اور جو چھپ رہا ہے رات میں

وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ﴿۱۰﴾ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَمِنۡ خَلۡفِهٖ يَحۡفَظُوۡنَهٗ

اور گلیوں میں پھرتا ہے دن کو اس کے پہرے والے ہیں بندے کے آگے سے اور پیچھے سے اس کو بچاتے ہیں

جمع ہو گی اور اس کا پتلا کیوں کر بنے گا آیت کے اس ٹکڑے میں ان لوگوں کو یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ وہ خاک ڈال ڈال ہو کر انسان کے علم سے باہر ہو جاتی ہے مگر اللہ کے علم سے باہر نہیں ہو سکتی اس لئے وقت مقررہ پر وہ خاک جمع کی جاوے گی اور اس کا پتلا بنے گا سورت قٓ میں اس کی تفصیل زیادہ آوے گی صحیح بخاری مسلم نسائی اور موطا میں ابوہریرہؓ اور ابوسعیدؓ خدری سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ ایک گنہگار شخص نے اللہ تعالیٰ کے خوف سے اپنی اولاد کو یہ وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد اس کی لاش کو جلا کر خاک کر دیا جاوے اور وہ خاک کچھ ہوا میں اڑا دی جاوے اور کچھ دریا میں بہا دی جاوے اس شخص کے مرنے کے بعد اس کی وصیت کے موافق عمل کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے جنگل اور دریا کو اس خاک کے حاضر کرنے کا حکم دیا اور فوراً وہ خاک حاضر ہو گئی اور اللہ کے حکم سے اس کا پتلا بنا اور اس پتلے میں روح پھونکی جا کر اس سے پوچھا گیا کہ وہ وصیت تو نے کس نیت سے کی تھی اس نے جواب دیا یا اللہ کوئی چیز تیرے علم سے باہر نہیں ہے میں نے جو کچھ کیا تھا وہ فقط تیرے خوف سے کیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ جواب سن کر اس کے قصور کو معاف کر دیا[1] حشر کے دن رواں دواں خاک کے جمع ہو جانے کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے۔

۱۰۔ اس آیت کے اس ٹکڑے میں فرمایا کہ لوگوں کے آہستہ آہستہ باتیں کرنے کو بھی سنتا ہے خواہ کوئی چلا کے باتیں کرے یا چپکے سے اور جو شخص اندھیری رات میں اپنے گھر کے تہ خانہ میں بیٹھ کر بولے یا دن کے وقت روشنی میں سر راہ کھلم کھلا باتیں کرے سب اس کے نزدیک برابر ہے غرض کہ اللہ کا علم بہت ہی وسیع ہے کوئی بات کسی قسم کی اس سے پوشیدہ نہیں مسند امام احمد صحیح بخاری مسلم وغیرہ کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعود کی حدیث گذر چکی ہے جس میں عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں مشرکین مکہ میں کے تین شخصوں نے ایسے چپکے سے چھپا باتیں کعبہ میں کریں کہ ہم نے وہ باتیں نہیں سنیں مگر اللہ تعالیٰ نے وہ باتیں سن کر حم سجدہ کی چند آیتیں نازل فرمائیں[2] معتبر سند کی انسؓ بن مالک کی حدیث مسند بزار اور طبرانی کے حوالہ سے گزر چکی ہے جس میں یہ ہے کہ بعضے عملوں کی ریاکاری کا حال نامہ اعمال لکھنے والے فرشتوں کو بھی معلوم نہ ہو گا لیکن اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان عملوں کو نامۂ اعمال سے خارج کرنے کا حکم دے کر فرما دے گا کہ یہ عمل خالص نیت کے نہیں تھے[3] اللہ تعالیٰ کے لوگوں کی آہستہ باتیں سننے اور ان کا پوشیدہ حال جاننے کی یہ حدیثیں گویا تفسیر ہیں۔

۱۱۔ صحیحین میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر شخص کی حفاظت کے لئے رات اور دن کے الگ الگ فرشتے ہر انسان پر خدا کی طرف سے مقرر ہیں صبح کی نماز کے وقت دن کے فرشتے اور عصر کی نماز کے وقت رات کے فرشتے ان کی جگہ کی بدلا کرتے ہیں[4] معتبر سند سے تفسیر ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حفاظت کے فرشتے ان سب صدموں اور آفتوں سے آدمی کی حفاظت کرتے ہیں جن صدموں اور آفتوں سے اس کی قسمت میں بچنا لکھا ہے اور جب تقدیری کوئی آفت آنے والی

[1] صحیح بخاری ص ۹۵۹ ج ۲ باب الخوف من اللہ [2] صحیح بخاری ص ۷۱۳ ج ۲ تفسیر سورۃ حم السجدہ [3] الترغیب ص ۲۱ ج ۱ الترہیب من الریاء [4] صحیح بخاری ص ۱۱۰۵ ج ۲ باب قول اللہ تعرج الملئکۃ والروح الیہ ص ۱۱۱۵ ج ۲ باب کلام الرب مع جبرئیل الخ۔

مِّنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَاۤ

اللہ کے حکم سے اللہ نہیں بدلتا جو ہے کسی قوم کو جب تک وہ نہ بدلیں جو اپنے جی میں ہے اور جب

اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ﴿۱۱﴾

چاہے اللہ کسی قوم پر برائی پھر وہ نہیں پھرتی اور کوئی نہیں ان کو اس بن مددگار

ہوتی ہے جس سے حفاظت کرنے کا کوئی حکم اللہ کا نہیں ہوتا تو ایسے حالت میں فرشتے حفاظت چھوڑ دیتے ہیں تفسیر ابن جریر[۱] میں کنانہ عدوی کی روایت سے حضرت عثمانؓ کا سوال اور آنحضرتؐ کا جواب جو مذکور ہے اُس کا حاصل یہ ہے کہ دس فرشتے دن کو اور دس رات کو ہر انسان پر تعینات ہیں دو فرشتے نیکی بدی کے لکھنے والے اور دو تمام جسم کی حفاظت کرنے والے اور دو خاص کر درود شریف کا ثواب لکھنے والے دونوں ہونٹوں پر مقرر ہیں اور دو خاص آنکھوں کی نگرانی رکھتے ہیں اور ایک منہ پر تعینات ہے تاکہ سانپ بچھو یا اور کوئی موذی جانور منہ میں گھسنے نہ پاوے اور ایک فرشتہ ہر آدمی کی پیشانی پکڑے رہتا ہے جب تک آدمی انسانیت کے جامہ میں رہتا ہے اُس وقت تک وہ فرشتہ کچھ نہیں کرتا اور جب آدمی انسانیت کے جامہ سے باہر ہو کر کوئی تکبر کرتا ہے تو وہی فرشتہ اس تکبر کرنے والے آدمی کی پیشانی پکڑ کر ایک پٹخنی دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مغرور آدمی کو ایک نہ ایک ذلت پہنچتی ہے اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ نیکی لکھنے والا فرشتہ بدی لکھنے والے پر سردار ہے جب کوئی آدمی بُرا کام کرتا ہے تو بدی لکھنے والا فرشتہ تین دفعہ نیکی کے فرشتہ سے اس بدی کے لکھنے کی اجازت چاہتا ہے وہ ہر دفعہ یہی کہتا ہے ذرا اور ٹھہر جاؤ شاید یہ شخص توبہ و استغفار کرے جب یہ شخص گناہ کرتے ہی توبہ و استغفار کر لیتا ہے تو وہ بدی نہیں لکھی جاتی حافظ عماد الدین ابن کثیر[۲] نے اس حدیث کو غریب کہا ہے لیکن ابن جریر نے جو سند اس حدیث کی بیان کی ہے اس سند میں کوئی راوی بالکل متروک نہیں ہے اس لئے صحیحین کی حدیثوں میں جو مجمل طور پر فرشتوں کا ذکر ہے اُس مجمل ذکر کی صراحت اس حدیث سے کی جاوے تو کچھ حرج نہیں ہے اسی واسطے حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ابن جریر کی اس روایت کو نقل کر کے اس کی سند پر کچھ اعتراض نہیں کیا۔ صحیح بخاری اور ابوداؤد میں ابوموسیٰ اشعریؓ سے اور معتبر سند سے مسند امام احمد اور مستدرک حاکم میں عبداللہ بن عمرؓ اور انسؓ بن مالک سے جو روایتیں ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ عبادت الٰہی میں مصروف رہنے والا کوئی شخص جب بیمار ہو جاتا ہے اور بیماری کے سبب سے اُس کی عبادت میں کمی ہو جاتی ہے تو نیکی لکھنے والے فرشتہ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے کہ بیماری کے زمانے تک اس بیمار آدمی کی عبادت اتنی لکھی جاوے جتنی عبادت یہ شخص تندرستی کے زمانے میں کرتا تھا[۳] فرشتوں کی تعیناتی کے باب میں ابوہریرہؓ کی مجمل حدیث جو اوپر گزر چکی ان روایتوں سے بھی اُس کی یہ صراحت ہو سکتی ہے کہ ان فرشتوں میں نیکی بدی کے لکھنے والے فرشتے بھی ہیں۔ زیادہ تفصیل ان نیکی بدی کے فرشتوں کی اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ میں آوے گی اب آگے فرمایا کہ فرشتوں سے انسان کی حفاظت کا انتظام انسان کے رزق و صحت کا انتظام سوا اس کے انسان کے حق میں اللہ کی اور جو جو نعمتیں ہیں جب تک انسان کوئی ناشکری نہ کرے تو اللہ تعالیٰ

---

[۱] [۱] تفسیر ابن جریر ص ۱۱۵ ج ۱۳ [۲] تفسیر ابن کثیر ص ۵۰۴ ج ۲

[۲] [۳] الترغیب ص ۲۶۷ ج ۲ الترغیب فی الصبر الخ

هُوَ الَّذِي يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿۱۲﴾ وَيُسَبِّحُ

وہی ہے جو تم کو دکھاتا ہے بجلی ڈر کر امید کو اور اُٹھاتا ہے بدلیاں بھاری اور پڑھتے ہیں

الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ

گرج خوبیاں اُس کی اور سب فرشتے اُس کے ڈر سے اور بھیجتا ہے کڑاکے پھر ڈالتا ہے

اپنی نعمتوں کو نہیں بدلتا اور کسی ناشکری کے سبب سے اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کو بدلنا چاہے تو سوا اللہ کے کسی دوسرے کی مدد سے وہ نعمتیں قائم اور بحال نہیں رہ سکتیں۔ اس آیت میں بھی منکرین حشر کو یہ تنبیہ ہے کہ یہ لوگ تو اپنی نادانی سے عقبیٰ کی سزا و جزا کے منکر ہیں لیکن انتظام الٰہی میں عقبیٰ کی سزا و جزا کے لئے ہر شخص کے ساتھ اللہ کے دو روزنامچہ نویس لگے ہوتے ہیں جو انسان کا ہر قول و فعل رات دن لکھتے ہیں۔

۱۲۔ اس آیت میں اللہ پاک نے یہ ذکر کیا کہ بجلی بھی خدا کے حکم کے تابع ہے وہ جب چاہتا ہے بڑے بڑے ابر کے ٹکڑوں کے ساتھ بجلی کو بھیج دیتا ہے جس کو تم لوگ دیکھتے ہو اور بعضے خوف کرنے لگتے ہیں اور بعضے طمع کرتے ہیں مطلب یہ ہے کہ مسافر جو راستہ چلتا ہوا ہوتا ہے رعد کی کڑک اور بجلی کی چمک دیکھ کر ڈر جاتا ہے کہ اب راستہ کیوں کر طے ہوگا کس طرح منزل پر پہنچیں گے اور جو لوگ اپنے گھروں میں ہوتے ہیں اُن کو ایک گونہ خوشی ہوتی ہے کہ بادل اگر برس گیا تو بڑا فائدہ ہے غلہ خوب پیدا ہوگا رزق میں زیادتی ہو جائے گی۔ غرض اللہ تعالیٰ ہوا کے ذریعہ سے پانی کے بھرے ہوئے بادل پیدا کر دیتا ہے اور جہاں حکم ہوتا ہے وہاں مینہ برستا ہے۔ سورت الروم میں آوے گا کہ پہلے اللہ کے حکم سے ہوا چلتی ہے جو بادلوں کو ابھارتی اور پھیلاتی ہے اور اُن کو تہ بہ تہ کر دیتی ہے پھر ان بادلوں میں سے مینہ برستا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے[1] زید بن خالد جہنی کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک دفعہ رات کو مینہ برسا اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو لوگ صبح اٹھ کر یہ کہیں گے کہ اللہ نے اپنے فضل سے یہ مینہ برسایا وہ اللہ کی نعمت کی شکر گزاری ادا کریں گے اور جو لوگ یہ کہیں گے کہ تاروں کی گردش کے اثر سے یہ مینہ برسا وہ اللہ کی نعمت کے ناشکر گزار ہیں۔ اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ منکرین حشر کچھ فقط حشر کے باب میں ہی اللہ کی قدرت کے منکر نہیں ہیں بلکہ اللہ کی قدرت کی اور باتوں میں بھی ان کو شیطان نے بہکا رکھا ہے۔ مثلاً مینہ تو اللہ کی قدرت سے برستا ہے اور یہ لوگ اس کو تاروں کی گردش کا اثر بتلاتے ہیں یہ نہیں جانتے کہ تاروں کو اور ان کی گردش کو آخر کس نے پیدا کیا ہے بغیر اُس کے حکم کے تاروں میں اثر کہاں سے آسکتا ہے۔

۱۳۔ معتبر سند سے سورت رعد کی تفسیر میں ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عباس سے یہ روایت بیان کی ہے کہ ایک روز یہود نے آن کر آنحضرت سے چند باتیں پوچھیں اُن میں رعد اور چمک اور کڑک کو بھی پوچھا آنحضرت نے فرمایا رعد اس فرشتہ کا نام ہے جو بادلوں کے چلانے پر مقرر ہے اور کڑک اُس فرشتہ کی آواز ہے جو آواز بادلوں کے ہانکنے کے وقت اس فرشتہ کے منہ سے نکلتی ہے اس فرشتہ کے پاس آگ کا ایک کوڑا ہے جس سے وہ بادلوں کو ہانکتا ہے یہ چمک اُسی کی ہے یہ جواب آپ کا توریت کے موافق تھا اس واسطے یہود نے آپ کے جواب کی تصدیق کی حضرت عبداللہ بن عباس کی یہ روایت مسند امام احمد اور نسائی

[1] صحیح بخاری ص ۱۴۰ ج ۱ باب قول اللہ عزوجل وتجعلون رزقکم انکم تکذبون ۔ ۲ جامع ترمذی ص ۱۴۸ ج ۲ تفسیر سورت رعد۔

بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ۝۱۳

جس پر چاہے اور یہ لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کی بات میں اور اس کی آن سخت ہے

میں بھی ہے[1]۔ معتبر سند سے طبرانی میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ کڑک کے وقت جو شخص اللہ کا ذکر کرے وہ بجلی کے صدمہ سے امن میں رہتا ہے[2]۔ تفسیر ابن جریر میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ کڑک کے وقت آنحضرت سبحان من یسبح الرعد بحمدہ پڑھا کرتے تھے[3]۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بجلی عذاب الٰہی ہے جس مکان یا انسان یا جانور کو اللہ تعالیٰ عذاب کے قابل جانتا ہے اس پر اسی دوزخ کی آگ کے کوڑے میں سے جس سے رعد فرشتہ بادلوں کو ہانکتا ہے ایک شعلہ عذاب کے طور پر ڈال دیتا ہے حال کے زمانہ میں جو آخری زمانہ ہے گنہگاری کی کثرت کے سبب سے بجلی کا صدمہ زیادہ ہے چنانچہ معتبر سند مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا آخری زمانہ میں بجلی کا صدمہ بہت ہو گا یہاں تک کہ لوگوں میں یہ چرچا ہوا کرے گا کہ بجلی کے صدمہ سے اس قدر آدمی ہلاک ہوئے[4] معتبر سند سے اسی مسند امام احمد اور مستدرک حاکم میں حضرت ابوہریرہؓ سے حدیث قدسی کی روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وبال کے طور پر دن بھر ابر کا گھرا رہنا اور کڑک چمک کا ہونا لوگوں کی نافرمانی کے سبب سے ہے اگر لوگ فرمانبرداری کریں تو رات کو بغیر کڑک چمک کے چپ چاپ ایسا مینہ برسے کہ لوگوں کو کچھ خبر بھی نہ ہو[5] الادب المفرد بخاری ترمذی نسائی اور مستدرک حاکم میں عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ کڑک کی آواز سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے کہ یا اللہ اپنے غصہ اور عذاب سے ہمیں بچا[6]۔ اوسط اور کبیر طبرانی میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت سے شان نزول اس آیت کی جو بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ دو شخص کافر جن میں ایک کا نام عامر بن طفیل اور دوسرے کا نام اربد بن ربیعہ تھا آنحضرت کو شہید کرنے کے ارادہ سے آئے اربد بن ربیعہ نے عامر سے راستہ میں یہ صلاح کی کہ میں تو محمد کو باتوں میں لگاؤں گا اور تو پیچھے سے تلوار کھینچ کر محمد کا کام تمام کر دیجیو جب یہ دونوں آنحضرت کے پاس آئے تو راستہ کے مشورہ کے موافق اربد بن ربیعہ نے آنحضرت کو باتوں میں لگایا اور کہنے لگا کہ اپنی آدھی نبوت مجھ کو دے دو آنحضرت نے فرمایا کہ نبوت اللہ کی ہے وہ جس کو چاہے دیوے اربد نے یہ جواب دیا کہ معلوم نہیں تمہارا اللہ سونے چاندی کا ہے یا پیتل تانبے کا ہے غرض اربد بن ربیعہ اور آنحضرت کی تو یہ باتیں ہوتی رہیں عامر نے موقع پا کر تلوار کے قبضہ پر ہاتھ ڈالا اس کا ہاتھ خشک ہو گیا اربد نے جانا عامر نے سستی کر کے اب تک تلوار نہیں کھینچی اس لئے اربد نے اشارہ کے طور پر عامر کی طرف دیکھا آنحضرت نے بھی عامر کی طرف پھر کر دیکھا جب ان دونوں نے جانا کہ آنحضرت اب ہوشیار ہو گئے تو یہ دونوں آنحضرت کے پاس سے چل دیئے اپنے مقام پر نہیں پہنچنے پائے کہ بجلی گر کر اربد بن ربیعہ کی کھوپڑی اڑ گئی اور عامر کے ایک پھوڑا نکلا جس سے وہ تڑپ تڑپ کر مر گیا اربد بن ربیعہ کے بجلی گرنے پر مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[7]۔ طبرانی کی سند میں ایک راوی عبد العزیز بن عمران ضعیف ہے[8] لیکن یہ شان نزول تفسیر ابن جریر میں بھی ہے جس کی سند میں عبد العزیز بن عمران نہیں

[1] تفسیر فتح البیان ص ۷۰ ج ۵ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۵۰۵ ج ۲ [3] تفسیر ابن جریر ص ۱۲۴ ج ۱۳ [4] تفسیر ابن کثیر ص ۵۰۵ ج ۲ [5] تفسیر ابن کثیر ص ۵۰۵ ج ۲ [6] تفسیر فتح البیان ص ۷۶ ج ۵ [7] مجمع الزوائد ص ۴۱-۴۲ ج ۷ تفسیر سورت رعد [8] ایضاً

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ

اسی کا پکارنا سچ ہے اور جن کو پکارتے ہیں اُس کے سوائے نہیں پہنچتے اُن کے کام پر

بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَاۗءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ۭ وَمَا

کچھ مگر جیسے کوئی پھیلا رہا ہو دو ہاتھ طرف پانی کے کہ آ پہنچے اُس کے منہ تک اور وہ کبھی نہ پہنچے گا اور جتنی

لئے حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ یہ مشرک لوگ اللہ تعالیٰ کی شان میں شرک کی باتیں جو کرتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ تو اپنے فضل سے مینہ برساتا ہے اور یہ لوگ اُس کو تاروں کی گردش کا اثر بتلاتے ہیں ایسی باتوں پر اللہ سے ڈر کر رعد اور فرشتے اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں اور اللہ بڑا صاحب قدرت ہے وہ جس کو چاہتا ہے اربد بن ربیعہ کی طرح بجلی سے ہلاک کر دیتا ہے اس لئے اللہ کی شان میں اربد بن ربیعہ کی سی باتوں سے ہر شخص کو ڈرنا چاہیئے مجاہد کے قول کے موافق محال کے معنے قوت کے ہیں اسی واسطے شاہ صاحب نے محال کا ترجمہ آن کیا ہے۔ کیونکہ اردو میں قوت اور شوکت کی جگہ آن بان کا لفظ بولتے ہیں۔

۴ اللہ پاک اس آیت میں ان لوگوں کی مثال بیان فرماتا ہے جو خدا کے سوا اوروں کی عبادت کرتے ہیں فرمایا کہ خدا ہی کو ہر ایک کام میں پکارنا اور اسی سے ہر ایک مشکل میں مدد کا چاہنا حق ہے اور جو لوگ خدا کو چھوڑ کر اور کسی کو پکارتے ہیں اور مدد چاہتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص ہاتھ کو پانی کی طرف بڑھا کر کہے کہ اے پانی تو میرے منہ میں آ جا حالانکہ ایسی حالت میں نہ اسکے منہ تک پانی آ سکتا ہے نہ اس کا مطلب حاصل ہو سکتا ہے۔ اسی طرح مشرکین جو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے ہیں ان کو کوئی فائدہ دنیا یا آخرت میں نہ ہو گا اسی واسطے فرمایا کہ کافروں کی دعا جو یہ خدا کے سوا اوروں سے کرتے ہیں بالکل ضائع جاتی ہے اور بالکل گمراہی ہے حضرت عبداللہ بن عباس نے دَعْوَةُ الْحَقِّ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعود کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کو سب گناہوں سے بڑا گناہ فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بہ نسبت اور گناہوں کے شرک میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور شیطان کی پیروی زیادہ ہے کیونکہ اور گناہوں میں شیطان اپنی پوجا نہیں کراتا شرک میں بتوں کے نام سے وہ اپنی پوجا کراتا ہے اور پوجا کرنے والوں کو اُس نے یہ دھوکہ دے رکھا ہے کہ اس پوجا سے وہ نیک لوگ ان بت پرستوں کی دین و دنیا میں مدد کریں گے جن نیک لوگوں کی مورتوں کی یہ بت پرست پوجا کرتے ہیں حدیث اور آیت کے ملانے سے آیت کی یہ تفسیر قرار پائی کہ جس طرح کوئی پیاسا آدمی پانی سے دور کھڑا ہو کر اس دھوکے میں رہے کہ خود بخود پانی اُس کے منہ میں آ جاوے گا انجام اس دھوکے کا یہی ہو گا کہ پانی خود بخود اُس کے منہ تک نہ آوے گا اور وہ پیاسا کا پیاسا ہی رہے گا یہی حال ان بت پرستوں کے دھوکے کا ہے کس لئے کہ انسان کو انسان کی سب ضرورت کی چیزوں کو تو اللہ تعالیٰ نے اس طرح پیدا کیا کہ اس میں کوئی اُس کا شریک نہیں پھر ان مورتوں یا مورتوں کی اصل صورتوں کو یہ اختیار کہاں سے مل گیا کہ وہ بغیر مرضی الٰہی ان چیزوں میں اپنا کچھ اختیار چلا دیں گے اور ان چیزوں کے دینے میں کسی کی

لے تفسیر ابن جریر ص ۱۲۶ و ۱۲۷ ج ۱۳ و اسد جلد ہذا ص ۲۰۴ و ۲۰۶

دُعَاءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا

پکار ہے منکروں کی سب گمراہی ہے ۔ اور اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی ہے آسمان و زمین میں خوشی سے

وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اور زور سے اور اُن کی پرچھائیاں صبح ۔ اور شام پوچھ کون ہے رب آسمان اور زمین کا

پھر مدد کیں گے ۔ مکہ کے قحط کے وقت کیا یہ بت پرست اِس بات کی آزمائش نہیں کر چکے کہ ان کے بتوں سے کچھ نہیں ہو سکا آخر اللہ کے رسول کی دعا سے مینہ برسا۔

۱۵۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی عظمت کی خبر دیتا ہے کہ زمین و آسمان کے سارے جن انسان فرشتے سب خدا ہی کو سجدہ کرتے ہیں یہاں تک کہ صبح ہوتے ہی جب آفتاب پورب سے چمکنے لگتا ہے اور شام کو جب سورج غروب ہونے لگتا ہے تو سب چیزوں کے سائے خدا کے سجدہ میں گرتے ہیں طوعاً وکرہاً کا مطلب مفسروں نے یہ بیان کیا ہے کہ ہر ایماندار شخص صحت کی حالت میں خوشی خوشی اُس کی عبادت کرتا ہے اور بیماری اور تکلیف کے وقت کسی قدر تکلیف برداشت کر کے عبادت کو کھڑا ہوتا ہے بعضے مفسروں نے سجدہ کے معنے فرمانبرداری کے لئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک امر میں ہر شخص کافر ہو یا مومن خدا ہی کے حکم کا تابع ہے جیسے صحت مرض موت حیات فقیر ہونا تو نگر ہونا تو جو لوگ مومن ہیں وہ خدا کے حکم کے ہر حال میں بخوشی مطیع ہیں اور کفار بھی ان سب باتوں میں خدا ہی کے تابع ہیں مگر ان کا تابع ہونا ناخوشی کے ساتھ ہے کیوں کہ ان کو چارہ کب ہے کہ خدا کے حکم کی نافرمانی کریں وہ جب چاہتا ہے اُن کو بیمار ڈال دیتا ہے جب چاہتا ہے تندرست کر دیتا ہے جس کو چاہتا ہے مال و دولت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے فقیر بنا دیتا ہے بعضے مفسروں نے یہ بیان کیا ہے کہ مومن اور ان کے سائے ہر حال میں خدا ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور کفار خود تو بتوں کو سجدہ کرتے ہیں مگر ان کے سائے خدا کو سجدہ کرتے ہیں بعضے مفسروں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس آیت کو کفار سے کوئی علاقہ نہیں مسلمانوں اور منافقوں کی شان میں یہ آیت اتری ہے مومن تو اپنی خوشی سے سجدہ کرتے ہیں اور جو منافق ہیں وہ تلوار کے خوف سے سجدہ کرتے ہیں اس آیت کے پڑھنے اور سننے والے دونوں کو سجدہ کرنا چاہئے یہاں سجدہ مسنون ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوذر رضی کی حدیث قدسی ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمام دنیا کے جنات اور انسان پرہیزگار بن جاویں تو اس سے اللہ کی بادشاہت میں کچھ بڑھ نہ جاوے گا اسی طرح یہ سب اگر اللہ کی عبادت چھوڑ دیویں تو اس سے اُس کی بادشاہت میں سے کچھ گھٹ نہ جاوے گا اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے اُس کا حاصل یہ ہے کہ ان مشرکوں کو خالص عبادت الٰہی کی جو ہدایت کی جاتی ہے وہ ان ہی کی بہتری اور ان ہی کو شیطان کے دھوکے سے بچانے کے لئے ہے ورنہ اللہ کی شان تو وہ ہے کہ تمام دنیا کے جنات اور انسان ان جیسے ہو جاویں جب بھی اس کو کچھ پروا نہیں۔

۱۶۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ مشرک بھی اس بات کے قائل ہیں کہ خدا کے سوا کوئی خالق ورازق نہیں پھر ان کو کہہ کہ تم خدا کے

لہ تفسیر ہذا جلد دوم ص ۲۰۰۔

قُلِ اللّٰهُ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا

کہہ اللہ ہے پھر تم نے پکڑے ہیں اللہ کے سوائے حمایتی جو مالک نہیں اپنے بھلے

وَّلَا ضَرًّا ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ڏ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ

برے کے کہہ کوئی برابر ہوتا ہے اندھا اور دیکھتا یا کہیں برابر ہے اندھیرا

وَالنُّوْرُ ڬ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۭ

اور اجالا ٹھہرائے ہیں انہوں نے اللہ کے شریک کہ انہوں نے کچھ بنایا جیسے بنایا اللہ نے پھر مل گئی

قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿١٦﴾ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً

پیدائش اُن کی نظر میں کہہ اللہ ہے بنانے والا ہر چیز کا اور وہی ہے اکیلا زبردست اُتارا آسمان سے پانی

فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۭ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ

پھر بہے نالے اپنے اپنے موافق پھر اوپر لے آیا وہ نالا جھاگ پھولا ہوا اور جس چیز کو

سوا ایسے معبود کیوں ٹھہراتے ہو جن کو خود اپنی جان کے نفع نقصان کا ذرہ برابر اختیار نہیں ہے پھر فرمایا کہ جو لوگ خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں وہ گویا دل کے اندھے ہیں کہ ان کے دلوں پر تاریکی ہے اور جو لوگ خالص خدا کے ماننے والے ہیں اُن کے دلوں میں ایمان کی روشنی ہے اس لئے فرمایا کہ بینا اور نابینا یکساں نہیں ہوتا اور نہ روشنی اور تاریکی یکساں ہوتی ہے ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے پھر فرمایا کہ مشرکوں نے جن کو اپنا معبود ٹھہرا لیا کس سند اور کس دلیل سے کیا ان معبودوں نے بھی خدا کی طرح مخلوق پیدا کی آسمان زمین بنائے سورج چاند بنائے جس سے یہ لگتا کہ ان بت پرستوں کو بتوں کے خالق و رازق ہونے کا شبہ پڑ گیا پھر فرمایا ان بت پرستوں سے کہہ دیا جاوے کہ ہر شے کا خالق وہی خدا ہے جو تنہا اور اکیلا ہے اور بڑے قہر والا ہے اُس کے سامنے کسی کی کچھ نہیں چلتی صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعری کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے برے لوگوں کو اللہ تعالیٰ جب تک چاہتا ہے اپنی رحمت سے مہلت دیتا ہے اور جب پکڑتا ہے تو اُس کی پکڑ ایسی زبردست ہے کہ پھر اُس کی پکڑ سے چھٹکارا دشوار ہے۔ اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ مشرک لوگ اللہ کو خالق رزاق جان کر جو شیطان کے بہکانے سے شرک میں گرفتار ہیں تو یہ ان کو معلوم رہے کہ اللہ کی صفت قہاری کی بھی ہے جب وہ اپنی صفت کے موافق پکڑے گا تو بالکل ہلاک کر دے گا اللہ سچا ہے اللہ کا کلام سچا ہے بدر کی لڑائی کے وقت اس صفت قہاری کا ظہور جو کچھ ہوا صحیح بخاری و مسلم کے انسؓ بن مالک کی روایتوں کے حوالہ سے اس کا ذکر گزر چکا ہے[1]

[2] اللہ پاک نے اس آیت میں دو مثالیں بیان کیں جس سے حق و ناحق کو سمجھایا فرمایا کہ جب ہم آسمان سے مینہ برساتے ہیں تو وہ زمین پر برستا ہے اور تالاب ندی نالے اپنی حیثیت کے موافق پانی لے لیتے ہیں کوئی زیادہ کوئی کم اسی طرح انسان کے دل میں یہی فرق ہے کسی کا دل زیادہ علم دین حاصل کرنے کی گنجائش رکھتا ہے اور کوئی دل کم پھر فرمایا کہ اس ندی نالے کے

[1] جلد ہذا ص ۵۰۔ [2] جلد ہذا ص ۲۰۲، ۲۰۸۔

عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ

دہکاتے ہیں آگ میں واسطے زیور کے یا اسباب کے اس میں بھی جھاگ ہے ویسا ہی یونہی ٹھہراتا ہے اللہ

الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ

صحیح اور غلط کو سو وہ جو جھاگ ہے سو جاتا ہے سوکھ کر اور وہ جو کام آتا ہے لوگوں کے

فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ؕ﴿۱۷﴾ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا

سو رہتا ہے زمین میں یوں بتاتا ہے اللہ کہاوتیں جنہوں نے مانا

لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؕ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ

اپنے رب کا حکم بھلائی ہے اور جنہوں نے اُس کا کہا نہ مانا اگر اُن پاس ہو جتنا کچھ زمین میں ہے

پانی میں جھاگ اٹھتا ہے یہ ایک مثل ہے اور سونا چاندی وغیرہ گلانے کے وقت بھی جھاگ اٹھتا ہے اسی طرح حق و ناحق ہے کہ پانی سے جس طرح زمین کو فائدہ پہنچتا ہے اور سونا چاندی کام میں آتے ہیں اور ان دونوں کا جھاگ سوکھ سوکھ کر جاتا رہتا ہے اُس کو قیام نہیں رہتا اسی طرح حق بات ہمیشہ قائم رہتی ہے اور ناحق بات کو کوئی قیام نہیں جھاگ کی طرح کبھی وہ ٹھہر نہیں سکتی اور حق بات سے ہمیشہ لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں ناحق سے کوئی فائدہ نہیں حاصل ہو سکتا صحیحین میں ابو موسیٰ اشعریؓ سے ایک حدیث ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو علم و ہدایت خدا نے دے کر مجھے بھیجا ہے اُس کی مثال ایسی ہے جیسے مینہ کسی پر برسا اور زمین نے اُس کو قبول کر لیا اور اُس سے سبزو گھاس وغیرہ اُگے اور بعض زمین ناہموار تھی اُس نے پانی کو روک رکھا اس پانی سے انسان نے فائدہ اٹھایا اور بعض زمین ایسی تھی نہ پانی کو روکا نہ جانوروں نے پیا نہ گھاس اُگا نہ سبزہ یہی مثال اس علم اور ہدایت کی ہے بعضوں نے اپنی طاقت اور ذہن کے موافق اُس کو سمجھ کر عمل کیا اور بعضوں نے دوسروں کو بھی تعلیم دی اور بعضے ایسے ہیں جنہوں نے اُس کی طرف مطلق توجہ نہیں کی اور جو علم ہدایت میں لے کر آیا ہوں اُس کو قبول نہیں کیا[1] گویا یہ چکنے پتھر کی طرح ہیں کہ اس پر پانی ٹھہرتا ہی نہیں آیت اور حدیث کی مثالوں کے ملانے سے آیت کا یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ قرآن کی برحق نصیحت کے اثر سے سب ناحق باتیں پانی اور سونے چاندی کے جھاگ کی طرح جزیرہ عرب سے اٹھ کر دین حق قائم ہو گیا اور ناہموار زمین کی طرح کے ناہموار لوگ بڑے ٹوٹے میں رہے۔

۱۸۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ خدا کے فرمانبردار اور رسول کے تابعدار ہیں اُن کے واسطے اچھے اچھے انعام ہیں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کہتے ہیں الحسنیٰ سے مراد جنت ہے یعنے ان لوگوں کے لئے جنت ہے اور جن لوگوں نے خدا کو نہیں مانا رسول کی پیروی نہیں کی اگر یہ لوگ ساری دنیا کے برابر دولت تاوان میں دیں یا اس سے بھی دو گنا دیں جب بھی قبول نہ ہوگا اور عذاب سے نہ چھوٹیں گے بلکہ ہر ہر گناہ پر اُن سے سوال ہوگا اور کوئی مشرک بخشا نہیں جائے گا۔ اوپر کی آیت میں دو مثالیں جو بیان فرمائی تھیں یہ آیت ان مثالوں کا نتیجہ ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی حدیث ایک جگہ

[1] صحیح بخاری ص ۱۰ باب فضل من علم وعلّم۔

جَمِيعًا وَّمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ سُوْۗءُ الْحِسَابِ ڏ وَ

سارا اور اس کے برابر اس کے ساتھ سب دیں اپنی چھڑوائی میں اُن لوگوں کے لئے ہے بُرا حساب اور

مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۸﴾ اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ

ٹھکانا اُن کا دوزخ ہے اور بُری ہے تیاری بھلا جو شخص جانتا ہے کہ جو کچھ اترا تجھ کو تیرے

رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ۭ

رب سے تحقیق ہے برابر ہوگا اُس کے جو اندھا ہے

گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن بڑے بڑے مالدار نافرمانوں کو جب دوزخ میں ڈالا جاوے گا تو دوزخ کے پہلے ہی جھونکے کے بعد فرشتے اُن سے پوچھیں گے کہ دنیا کے جس مال و متاع نے تم کو عقبیٰ سے غافل رکھا آج وہ تم کو مالداری کا عیش و آرام کچھ یاد ہے اس پر یہ لوگ قسمیں کھا کر کہویں گے کہ اس عذاب کے آگے ہم کو وہ عیش و آرام کچھ یاد نہیں۔[۱] اس حدیث اور آیت کے ملانے سے اوپر کی مثالوں کا اور اس آیت کا یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ اصل پانی اور سونے چاندی کی سی پائدار قرآن کی نصیحت کے پابند تنگ دست لوگوں کا انجام کیا ہوا اور جن مالدار نافرمان لوگوں کا مدار زندگی دنیا کا عیش و آرام اور جھاگ کی سی ناپائدار اور بڑوں کی رسموں کے مقابلہ میں قرآن کی نصیحت کو جھٹلانا رات دن ان کا کام تھا ایسے لوگوں کا انجام کیا ہوا۔

۱۹- اس آیت میں یہ ارشاد ہے کہ اللہ پاک نے جو کچھ اپنے نبی پر حق پر اتارا ہے اُس پر جو شخص ایمان لاتا ہے اور اُس کی تصدیق کرتا ہے اور خدا کے سارے امر و نہی کو پورے عدل و انصاف پر سمجھتا ہے اُس کے برابر کبھی وہ شخص نہیں ہو سکتا جو اُس کو جھٹلاتا ہے اور اُس کی پیروی نہیں کرتا مفسروں نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت حمزہ بن عبد المطلب و ابوجہل کی شان میں نازل ہوئی ہے حمزہ آپ پر ایمان لائے تھے وہ مومن تھے اور ابوجہل مرتے وقت تک کافر رہا۔ اللہ پاک نے انہی دونوں کے درمیان میں فرق بیان کیا کہ حمزہؓ راہِ حق پر ہیں اور ابوجہل گمراہی میں ہے یہ دونوں کبھی برابر نہیں ہو سکتے مگر یہ آیت عام ہے اس لئے اس کا حکم بھی عام ہے ہر ایک مومن اور کافر کے واسطے اس کا فیصلہ قائم ہے۔ صحیح بخاری میں انسؓ بن مالک سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن شہیدوں کو جب جنت کے اعلیٰ درجے ملیں گے تو وہ خواہش کریں گے کہ اُن کو دوبارہ دنیا میں بھیجا جاوے تاکہ وہ پھر شہید ہوں اور اعلیٰ درجہ پاویں۔[۲] معتبر سند سے طبرانی میں حضرت علیؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہؓ بن المطلب کو شہیدوں کا سردار فرمایا ہے۔[۳] اب یہ تو ظاہر ہے کہ جب اور شہیدوں کو وہ درجے ملیں گے جن کا ذکر انسؓ بن مالک کی حدیث میں ہے تو شہیدوں کے سردار حضرت حمزہؓ کا مرتبہ قیامت کے دن کیا کچھ ہو گا اور

[۱] مشکوٰۃ ص ۵۰۲ باب صفۃ النار و اہلہا [۲] صحیح بخاری ص ۵ ۹ ۳ ج ۱ باب تمنی المجاہد ان یرجع الی الدنیا [۳] مجمع الزوائد ص ۲۶۸ ج ۹ باب ما جاء فی فضل حمزۃ الخ

إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿١٩﴾ الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنْقُضُونَ

سمجھتے ہیں جن کو عقل ہے وہ جو پورا کرتے ہیں قرار اللہ کا اور نہیں توڑتے

الْمِيثَاقَ ﴿٢٠﴾ وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ

قرار اور وہ جو جوڑتے ہیں جس کو اللہ نے فرمایا اور ڈرتے ہیں

کے انجام میں صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی روایتیں گزر چکی ہیں کہ ابوجہل اور اس کے ساتھیوں پر مرتے ہی عذاب شروع ہو گیا اور اللہ کے رسول نے ان لوگوں کی لاشوں پر کھڑے ہو کر یہ فرمایا کہ اب تو تم لوگوں نے اللہ کے وعدہ کو سچ پایا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ آیت کا حکم اگرچہ عام ہے لیکن حمزہؓ بن عبد المطلب اور ابوجہل کا عقبیٰ کا انجام جو اوپر بیان کیا گیا اس سے آیت کا یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ حمزہ بن عبد المطلب اور ابوجہل کی حالت کے دو شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک برابر نہیں ہو سکتے ابوجہل کی حالت کے لوگوں کو عقبیٰ کی بھلائی برائی نظر نہیں آتی اس لئے ایسے لوگوں کو اندھا فرمایا۔

۲۰-۲۱ سا وپر اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کے ذکر میں دو مثالیں بیان فرما کر ان آیتوں میں فرمایا ہے کہ اگرچہ ہر طرح کی نصیحت قرآن شریف میں ہے لیکن وہ نصیحت اُن ہی لوگوں کے دل پر اثر کرتی ہے جن کو اللہ تعالیٰ کے عہد کا خیال ہے کہ شریعت میں جس چیز کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے اُس کو بجالانے کا عہد اور جس سے باز رہنے کا ارشاد فرمایا ہے اُس سے باز رہنے کے عہد کو وہ لوگ پورا کرتے ہیں اور جس طرح یوم المیثاق میں اللہ تعالیٰ نے توحید پر قائم رہنے کا اور رسولوں کی فرمانبرداری کرنے کا اور کتب آسمانی کے پابندی کرنے کا عہد لیا ہے شریعت کو اس عہد کے یاد دلانے والی ایک چیز جان کر منافقوں کی طرح ان لوگوں کی یہ عادت ہے کہ زبان سے تو شریعت کی پابندی کا اقرار ہے اور دل میں اس اقرار کا کچھ بھی اثر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے اور حساب کتاب ہونے سے ڈر کر جو کچھ کرتے ہیں اُس کا اثر دل و زبان دونوں پر یکساں ہے اور نہ ان لوگوں کی عادت ریاکاروں کی سی ہے کہ شریعت کا کام دنیا کے دکھاوے کو کریں بلکہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ کی خوشنودی اور ثواب آخرت کی نیت سے کرتے ہیں اور کوئی برا کام شامت نفس سے چھوٹا یا بڑا ہو جاوے تو بڑے گناہ کو توبہ استغفار سے اور چھوٹے گناہ کو آیندہ کی نیکی سے غرض ہر طرح اُس برائی کے دھبہ کو مٹا دیتے ہیں کوئی مصیبت آزمائش کے طور پر خدا کی طرف سے آوے تو اُس کے جھیلنے میں اور گناہ کی طرف جی للچاوے تو جی کے روکنے میں اور امر الٰہی کے بجالانے میں کسی طرح کی تکلیف پیش آوے تو اس تکلیف کی برداشت کرنے میں صابر رہتے ہیں اسی طرح آٹھ نو صفت ایسے لوگوں کے ذکر فرما کر پھر فرمایا کہ اہل جنت یہی لوگ ہیں اور پھر جنت کی نعمتیں ذکر فرمائیں اور ان اہل جنت کی عادتوں کے برخلاف عادت کے جو لوگ دنیا میں ہیں اخیر رکوع تک پھر اُن کا ذکر فرمایا غرض ان آیتوں میں اچھی اور بری دونوں عادتوں کا ذکر ہے قرآن شریف کی تلاوت اور قرآن شریف کا ترجمہ پڑھتے وقت ہر شخص کو چاہیے کہ اپنی حالت پر ذرا خیال جماوے کہ اُس میں ان عادتوں میں سے کون سی عادتیں ہیں اور کوئی عادت بری ہو تو اس کے چھوڑنے کی کوشش کرے اور اچھی عادت پر قائم رہنے میں مضبوط رہے۔ معتبر سند سے ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالہ سے شدادؓ بن اوس کی حدیث گزر چکی ہے[2] جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

؎۱ جلد ہذا ص ۲۰۲ و ۲۰۸-۲۰۷ ؎۲ تفسیر ہذا جلد دوم ص ۲۲۳۔

رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾ وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ

اپنے رب سے اور اندیشہ رکھتے ہیں بڑے حساب کا اور وہ جو ثابت رہے چاہتے توجہ اپنے رب کی

وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَيَدْرَءُونَ

اور کھڑی رکھی نماز اور خرچ کیا ہمارے دئیے میں سے چھپے اور کھلے اور دور کرتے ہیں

بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا

برائی کے مقابل بھلائی ان لوگوں کو ہے پچھلا گھر باغ ہیں رہنے کے داخل ہوں گے

نے فرمایا عقلمند وہ شخص ہے جو موت سے پہلے موت کے مابعد کے لئے کچھ سامان کر لیوے صحیح بخاری مسلم کے حوالہ سے معاذؓ بن جبل کی حدیث بھی گزر چکی ہے کہ اللہ کا حق ہر ایک بندہ پر توحید کے عہد کو پورا کرنا اور بندوں کا حق اللہ پر ایسے لوگوں کو جنت میں داخل کرنا ہے[1] صحیح بخاری و مسلم میں ابو ایوبؓ انصاری کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صلہ رحمی کرنے والوں کو جنتی فرمایا ہے[2] اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑے ہونے کے خوف سے جس شخص نے اپنی لاش کے جلانے اور آدھی خاک کو ہوا میں اڑانے اور آدھی کو دریا میں بہا دینے کی وصیت کی تھی اُس کی مغفرت کے باب میں صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو سعیدؓ خدری کی حدیث بھی ایک جگہ گزر چکی ہے[3] آیتوں میں ترتیب وار جن لوگوں کا ذکر ہے یہ حدیثیں اُن لوگوں کے حال کی گویا تفسیر ہیں رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کو صلہ رحمی کہتے ہیں اسی صلہ رحمی کا ترجمہ شاہ صاحب نے جوڑنا کیا ہے جس سے مطلب رشتہ داروں کے ساتھ میل جول اور حسن سلوک کا ہے۔

۲۲—۲۴۔ ان آیتوں میں ارشاد ہے کہ جو لوگ بُرے کاموں سے صرف خدا کی خوشنودی کے واسطے الگ رہے اور جن لوگوں نے پنجگانہ نماز قائم کی اور جو کچھ خدا نے اُن کو دیا اس میں سے حق دار کو مال بچوں رشتہ داروں کو فقرا اور مساکین کو دیا غرض کہ جو جو موقع خرچ کا خدا نے بتلایا ہے اُس کے مطابق کھلم کھلا یا چھپ کر خرچ کیا اور برائی کے عوض بھلائی کرتے رہے اگر کسی نے اُن کو تکلیف دی یا ستایا تو صبر کر کے چپ ہو رہے اُس کے بدلے کے پیچھے نہ پڑے تو آخرت کا گھر انہیں نیک بختوں کے واسطے بنایا گیا ہے مفسروں نے یہ بیان کیا ہے عدن ایک محلہ ہے جنت کا اور بعضوں نے کہا ہے ایک شہر ہے جنت میں غرض کہ یہ خود بھی وہاں جائیں گے اور ان کے بال بچے باپ ماں بھی اگر نیک بخت ہیں تو انہیں کے ساتھ رہیں گے اور فرشتے ہر ہر دروازے سے آکر ان کو سلام کریں گے اور کہیں گے کیا اچھا آخرت کا گھر تمہارے صبر کے بدلے میں ملا ہے معتبر سند سے مستدرک حاکم میں عبد اللہ بن عمرو بن العاص کی ایک حدیث ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ جانتے ہو کہ سب سے پہلے کون جنت میں داخل ہوگا لوگوں نے کہا خدا اور خدا کا رسول جانتا ہے آپ نے فرمایا فقرا مہاجرین کہ ان میں سے کسی کی کوئی حاجت بھی ہوتی ہے تو مرتے وقت وہ اپنے دل میں لے جاتا ہے اللہ پاک اپنے فرشتوں سے کہے گا تم جا کر اس بندے سے سلام کہو وہ کہیں گے ہم تیری بہتر مخلوق ہیں آسمان کے رہنے والے ہیں تو ہم کو ان کے پاس جا کر سلام کہنے کا حکم فرماتا ہے اللہ پاک فرمائے گا یہ میرے وہ بندے ہیں جنہوں نے خاص میری عبادت کی ہے اور کسی کو میرا شریک نہ ٹھہرایا ان کی کوئی حاجت بھی ہوتی تو وہ

[1] صحیح بخاری ص ۸۰۲ ج ۲ آخر کتاب اللباس [2] صحیح بخاری ص ۸۸۵ ج ۲ باب فضل صلۃ الرحم [3] جلد ہذا ص ۲۱۸

وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ

اُن میں وہ لوگ جو نیک ہوئے اُنکے باپ دادوں میں اور جوروؤں اور اولاد میں اور فرشتے آتے ہیں اُن پاس ہر

عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾

دروازے سے کہتے ہیں سلامتی ہے تم پر بدلے اُس کے کہ تم ثابت رہے سو خوب ملا پچھلا گھر

وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ

اور جو لوگ توڑتے ہیں قرار اللہ کا پکا کر کر اور کاٹتے ہیں جو چیز کہا

پوری نہیں ہوتی تھی مرتے وقت اُس کو اپنے دل میں لے کر آئے ہیں اس کے بعد فرشتے اُن کے پاس جنت میں ہر دروازہ سے جائیں گے اور کہیں گے سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ معتبر سند سے تفسیر ابن منذر اور تفسیر ابن مردویہ میں[1] انس بن مالک سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال کے شروع میں شہیدوں کی قبروں پر جاتے تھے اور یہ کہتے تھے سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ[2] ایک صبر تو احکام شرع کی تکلیفوں پر آدمی کو کرنا پڑتا ہے جیسے مثلاً روزہ میں بھوک پیاس کی تکلیف پر صبر کرنا یا جاڑے میں ٹھنڈے پانی سے وضو کرنے کی تکلیف پر صبر کرنا ایک صبر جانی یا مالی مصیبت پر کرنا پڑتا ہے غرض ہر طرح کا صبر اللہ تعالیٰ کی خوشی اور عقبیٰ کے ثواب کی نیت سے ہونا چاہیے دنیا کی کسی غرض کا لگاؤ اُس میں نہ ہو صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ، کا یہی مطلب ہے وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ کی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس کے صحیح قول کے موافق زکوٰۃ کی ہے اِس سے اُن علما کے قول کی بڑی تائید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ زکوٰۃ مکہ میں فرض ہوئی ہے اور اُس کے وصول کا انتظام مدینہ میں آنے کے بعد شروع ہوا ہے۔ معتبر سند سے ترمذی اور مسند امام احمد میں[3] ابوذر اور معاذ بن جبل کی روائتیں ہیں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی سے کوئی گناہ ہو جاوے تو اُس کو اُس گناہ کے کفارہ کے لئے کچھ نیک کام کرنا چاہئے[4] مسند امام احمد میں عقبہ بن عامر کی معتبر حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص پر کوئی زیادتی کرے اور وہ درگزر کرے تو اس کا بڑا اجر ہے[5] وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ کی یہ حدیثیں گویا تفسیر ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ ان لوگوں سے خود کوئی برائی ہو جاوے تو اُس کے کفارہ کے لئے یہ لوگ نیک کام کرتے ہیں اور اگر کوئی دوسرا شخص اُن کے ساتھ برائی سے پیش آوے تو یہ لوگ درگزر سے کام لیتے ہیں۔

۲۵۔ نیک بختوں کا حال بیان کر کے اب بدبختوں کا انجام بیان کیا کہ جس طرح دنیا میں بدبختوں کی خصلتیں نیک بختوں کے برخلاف ہیں نیک بخت وعدہ وفا کرتے ہیں بدبخت نہیں وفا کرتے قول کرنے کو کر لیتے ہیں مگر پورا کرنا نہیں جانتے رشتہ داروں کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آتے ہیں زمین میں کفر و شرک کا اور طرح طرح کا فتنہ و فساد اُٹھاتے رہتے ہیں امانت میں خیانت کرتے ہیں اسی طرح آخرت میں بھی اِن کا ٹھکانا نیک بختوں سے الگ ہو گا جس طرح دنیا میں لوگ

[1] تفسیر فتح البیان ص ۷۰ ج ۵ و تفسیر ابن کثیر ص ۵۱۰ ج ۲ [2] تفسیر الدر المنثور ص ۵۸ ج ۴ [3] الترغیب ص ۱۳۱ ج ۲ باب الترغیب فی صلۃ الرحم و مجمع الزوائد ص ۱۸۸ ج ۸ باب مکارم الاخلاق والعفو عن ظلم [4] الترغیب ص ۱۵۰ ج ۲ باب الترغیب فی الخلق الحسن الخ نیز دیکھئے شرح خمسین از حافظ ابن رجب، ص ۱۱۱ طبع امرتسر۔

اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ

اللہ نے اُن کو جوڑنا اور فساد اُٹھاتے ہیں ملک میں ایسے لوگ اُن کو ہے لعنت اور اُن کو

سُوْۗءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ

ہے بُرا گھر اللہ کشادہ کرتا ہے روزی جس کو چاہے اور تنگ اور وہ ریجھے ہیں دنیا کی

الدُّنْيَا ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾

زندگی پر اور دنیا کی زندگی کچھ نہیں آخرت کے حساب میں مگر برتنا

اُن پر لعنت کرتے ہیں وہاں بھی ان پر لعنت ہوگی اور دوزخ میں جھونکے جائیں گے۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے کہ منافق کی تین علامتیں ہیں جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو خلاف کرے اور اُس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے[1]۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص کی صحیح بخاری و مسلم کی روایت میں یہ بات اور زیادہ ہے کہ جب عہد کرے تو بدعہد ہو جاوے اور جب جھگڑے تو گالی گلوچ کرے[2]۔ اسی واسطے خدا نے فرمایا کہ یہ لوگ اللہ کی رحمت سے دور ہیں اور ان کے لئے بہت ہی بُرا گھر ہے۔ اصل فتنہ و فساد تو شرک ہے جس کا ذکر قرآن میں جگہ جگہ ہے لیکن یہ حدیثیں شرک کے سوا اور فتنہ و فساد کی باتوں کی گویا تفسیر ہیں۔

۲۶-۲۵ اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نیک خصلت اور بدخصلت لوگوں کا ذکر فرمایا اور نیک خصلت لوگوں کا ذکر فرمایا اور نیک خصلت لوگوں سے اپنی رضامندی ظاہر فرمائی اور اُن سے جنت کا وعدہ فرمایا اور بدخصلت لوگوں سے ناخوشنودی ظاہر فرمائی اور دوزخ اُن کا ٹھکانا فرمایا۔ اس پر یہ خیال دل میں گزر سکتا تھا کہ دنیا میں اکثر ایسے بدخصلت لوگ جن کا ذکر آیت میں ہے بڑی آسائش اور خوشحالی سے بسر کرتے ہیں اور نیک خصلت لوگ تنگ حال ہیں پھر جن لوگوں سے اللہ راضی نہیں اُن کو اللہ تعالیٰ نے آسائش کس مصلحت اور حکمت سے دے رکھی ہے اُس خیال کو اللہ تعالیٰ نے رفع فرما دیا کہ دنیا کی فارغ البالی نیک عملی اور بدعملی پر موقوف نہیں ہے نیک عملی اور بدعملی کے موافق جزا اور سزا تو خاص آخرت میں اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے دنیا میں بعضی مصلحت اور بعضی حکمت کے موافق اللہ تعالیٰ نے نیکوں کو تنگ حال اور بعضے بدوں کو خوشحال رکھا ہے اور اُس مصلحت اور حکمت کا بھید اللہ کو ہی معلوم ہے لیکن اتنا خلاصہ تم کو بتلا دیا جاتا ہے کہ نہ خود دنیا کو قیام ہے نہ دنیا کی خوشحالی اور تنگ حالی کو قیام ہے اس لئے ان نیک خصلت لوگوں کے لئے عقبیٰ میں ہمیشہ کی راحت رکھی گئی ہے اُن کو اگر دنیا میں چند روزہ کوئی تکلیف ہو تو وہ خیال کرنے کے قابل نہیں ہے اسی طرح کسی بدخصلت کی چند روزہ زندگی اگر آسائش سے گزری تو وہ بھی اس سبب سے کہ ایسے لوگوں کے لئے دائمی تنگ حالی اور ذلت عقبیٰ میں رکھی گئی ہے خیال کرنے کے لائق نہیں ہے اور دنیا کی خوشحالی پر اترانا اور خوش ہونا انہی لوگوں کا کام ہے جو عقبیٰ کے منکر ہیں صحیح سند سے ترمذی مسند امام احمد بن حنبل اور ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ بوریئے پر سوئے اور اُس بوریئے کے نشان آپ کے جسم مبارک پر پڑ گئے ہم لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت آپ فرماتے

[1] مشکوٰۃ ص ۱۷ باب الکبائر و علامات النفاق۔ [2] مشکوٰۃ ایضاً۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۗ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ

اور کہتے ہیں منکر کیوں نہ اتری اُس پر کوئی نشانی اُس کے رب سے کہہ اللہ بھٹکاتا ہے جس کو

مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ ﴿٢٧﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم

چاہے اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع ہوا وہ جو یقین لائے اور چین پکڑتے ہیں اُن کے دل

تو ہم لوگوں میں سے کوئی شخص بچھونا بچھا دیتا آپ نے فرمایا مجھے دنیا سے کیا لینا ہے میں دنیا کو اتنی ضرورت کی چیز سمجھتا ہوں جیسے ایک مسافر ایک پیڑ کی چھاؤں میں تھوڑی دیر ٹھہرا اور اپنے راستہ لگ[1] صحیح سند سے صحیح ابن حبان مستدرک حاکم اور ترمذی میں کعب بن عیاض سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر امت دنیا کی ایک چیز سے خرابی میں پھنسی ہے میری امت کی خرابی میں ڈالنے والی چیز دنیا کا مال و متاع ہے[2]۔ اب آگے فرمایا دنیا کے مال و متاع والے لوگ دنیا کی زندگی پر فریفتہ ہیں اور عقبیٰ سے غافل ہیں لیکن عقبیٰ کی ہمیشہ کی زندگی کے آگے دنیا کی چند روزہ زندگی کوئی چیز نہیں ہے۔ موت کے ذبح کئے جانے اور جنتیوں اور دوزخیوں کو ہمیشہ کی زندگی سے آگاہ کئے جانے کی ابو سعید خدری کی حدیث[3] صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ایک جگہ گزر چکی ہے جو عقبیٰ کی ہمیشہ کی زندگی کی بابت آیت کے آخری ٹکڑے کی گویا تفسیر ہے۔

۲۷—۲۹۔ یہ وہی پرانا سوال ہے جو کفار حضرت سے کیا کرتے تھے کہ تم پر کوئی نشانی ایسی کیوں نہیں اتری جیسے موسیٰ کو عصا اور ید بیضا ملا تھا اور صالح علیہ السلام کو اونٹنی ملی تھی تم بھی صفا پہاڑ کو سونا بنا دو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کے سوال کا یہ جواب ملا کہ اے رسول تم کہہ دو خدا جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو اُس کی طرف رجوع کرتا ہے اُسے وہ ہدایت کرتا ہے اگر کل نشانیاں تمہاری فرمائش کے موافق بھی آجائیں تو بھی تم ایمان نہیں لاؤ گے ہدایت تو وہی شخص پاتا ہے جو خدا کی طرف مائل ہوتا ہے اور جس کا دل اُس کی یاد سے ٹھنڈا ہوتا ہے علم الٰہی میں جو لوگ ایسے نہیں قرار پائے وہ کسی معجزہ کو دیکھ کر ایمان نہ لاویں گے۔ مفسروں نے ذکر اللہ سے قرآن مجید مراد لیا ہے کیونکہ اکثر جگہ خدا نے اپنے کلام میں ذکر کا لفظ ارشاد کیا ہے اور وہاں قرآن مجید سمجھا جاتا ہے جیسے هٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ أَنزَلْنَاهُ ‎(۲۱: ۵۰) تو مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ ایماندار قرآن کو پڑھتے ہیں یا دوسروں کو پڑھتے ہوئے سنتے ہیں تو اُن کے دل کو نہایت اطمینان ہوتا ہے کیوں کہ جن باتوں پر آدمی کو پورا یقین ہو جاتا ہے تو اُن باتوں سے اُس کا اطمینان ہو جاتا ہے اس لئے جن لوگوں کو قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا یقین نہیں قرآن کی باتوں سے اُن کا اطمینان نہیں ہو سکتا یہاں ایک شبہ ہوتا ہے کہ سورۃ انفال کی آیت إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ‎(۲) میں ہے کہ خدا کے ذکر کے وقت مومنوں کے دل بھر آتے ہیں اور ڈر جاتے ہیں تو یہ آیت اس آیت کے خلاف ہے کیونکہ اس آیت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے وقت ایمانداروں کے دل میں اطمینان پیدا ہو جاتا ہے اس لئے ضرور ہے کہ ان دونوں آیتوں میں فرق معلوم کر لیا جائے سورۃ انفال کی آیت میں خدا کے عذاب کی یاد اور ذکر مراد ہے اور یہاں اُس کی رحمت اور جنت و انعام کے وعدے مراد ہیں اس لئے اُس آیت میں خوف کا ذکر کیا گیا اور اس آیت میں خوشی

(۱) تفسیر فتح البیان ص ۵۰۹ ج ۲ و الترغیب ص ۲۴۲ ج ۲ باب الترغیب فی الزہد فی الدنیا الخ (۲) جامع ترمذی ص ۵۷ ج ۲ باب ماجاء ان فتنۃ ہذہ الامۃ فی المال و الترغیب ص ۲۳۹ ج ۲ باب ایضاً (۳) صحیح بخاری ص ۶۹۱ ج ۲ باب قولہ وانذرھم یوم الحسرۃ۔

بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

اللہ کی یاد سے سنتا ہے اللہ کی یاد ہی سے چین پاتے ہیں دل جو یقین لائے اور کیں

الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾ كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ

نیکیاں خوبی ہے اُن کو اور اچھا ٹھکانا اسی طرح تجھ کو بھیجا ہم نے ایک امت میں

اور اطمینان کا بیان کیا گیا پھر فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کئے اُن کے لئے خوشی ہے اور اچھی جگہ ہے طُوبیٰ کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ رحمت اور آنکھوں میں ٹھنڈک قتادہ کے نزدیک یہ معنے ہیں کہ آخرت میں اُن کو بہتری ہوگی مگر راجح قول طوبیٰ کی تفسیر میں یہ ہے کہ طوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے۔ معتبر سند سے مسند امام احمد تفسیر ابن ابی حاتم بیہقی وغیرہ میں عتبہ بن عبد سے ایک حدیث ہے کہ ایک اعرابی نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر پوچھا کہ کیا جنت میں میوے ہوں گے آپ نے فرمایا ہاں جنت میں ایک درخت ہے جس کا نام طوبیٰ ہے اُس کے انگور کے خوشے بڑے بڑے ہیں[1] صحیحین میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جنت میں ایک درخت ہے جس کے سایہ میں سوار سو برس تک بھی چلا جائے تو سایہ ختم نہ ہو[2] ابو ہریرہؓ سے بھی ایسی ہی ایک حدیث صحیح بخاری و مسلم میں[3] ہے مکہ کے اطراف میں جو میدان ہیں اُن میں درخت نہیں ہیں اس واسطے اہل مکہ کو سایہ دار درختوں کی بڑی قدر ہے اُس بنا پر میوہ کے ذکر کے ساتھ آپ نے طوبیٰ کے سایہ کا ذکر فرمایا صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کے موافق لوح محفوظ میں یہ لکھ لیا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد کون شخص جنت میں جانے کے قابل کام کرے گا اور کون شخص دوزخ میں جانے کے قابل اس حدیث کو ان آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب قرار پایا کہ راہ راست پر آنا اور نہ آنا کچھ معجزوں کے دیکھنے اور نہ دیکھنے پر منحصر نہیں ہے بلکہ علم الٰہی میں جو لوگ جنت میں جانے کے قابل ٹھہر چکے ہیں نیک کاموں کی طرف وہ خود مائل ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اُن کو نیک کاموں کی توفیق بھی دیتا ہے اور جو لوگ علم الٰہی میں دوزخی ٹھہر چکے ہیں نہ اُن کو کسی معجزہ سے ہدایت ہو سکتی ہے نہ قرآن کی نصیحت سے اور کسی کو مجبور کرکے راہ راست پر لانا انتظام الٰہی کے برخلاف ہے اس لئے ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ کا یہی مطلب ہے۔

۳۰۔ اس آیت میں یہ ارشاد ہے کہ جس طرح ہم نے پہلی امتوں میں رسول بھیجے اسی طرح اس امت کے لئے ہم نے تم کو رسول بنا کر بھیجا تاکہ جو باتیں ہم نے وحی کے ذریعہ سے بھیجی ہیں وہ سب تم ان لوگوں کو سناؤ اور ان سے کہہ دو کہ تم لوگ انکار کرتے ہو کہ خدا کا نام رحمٰن نہیں لیکن اُس کا نام رحمٰن ہے اور وہ میرا اور سب کا رب ہے اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے میرا تو اُسی پر بھروسہ ہے اور سب کا وہی ٹھکانا ہے ایک روز سب کے سب اسی کی طرف پھر کر جانے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

[1] تفسیر فتح البیان ص ۵۹۰ ج ۲ و تفسیر ابن کثیر ص ۵۱۲ ج ۲ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۵۱۲ ج ۲ [3] صحیح بخاری ص ۴۲۲ ج ۲ باب قولہ وظل ممدود [4] مشکوٰۃ جلد عہ ص ۲۰۲

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَا أُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ الَّذِىٓ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ وَهُمْ

گزر چکی ہیں اس سے پہلے امتیں تا سناوے تو ان کو جو حکم بھیجا ہم نے تیری طرف اور وہ

يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَٰنِ ۚ قُلْ هُوَ رَبِّى لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ

منکر ہوتے ہیں رحمٰن سے تو کہہ وہی رب میرا ہے کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف

مَتَابِ ﴿٣٠﴾ وَلَوْ أَنَّ قُرْءَانًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ

آتا ہوں چھوٹ کر اور اگر کوئی قرآن ہوا ہوتا کہ چلے اس سے پہاڑ یا ٹکڑے ہووے اس سے زمین یا

خدا کا نام رحمٰن کہتے تھے تو کفار مکہ آپس میں کہنے لگتے تھے کہ انہوں نے خدا کے سوا ایک معبود اور مقرر کر لیا جس کا نام رحمٰن رکھ چھوڑا ہے چنانچہ قتادہؒ کہتے ہیں کہ جب تک حدیبیہ میں سہل بن عمرو حضرت کے پاس صلح کا پیغام لے کر آئے اور صلح نامہ لکھا جانے لگا تو حضرت نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پہلے لکھنے کو کہا سہل بن عمرو نے کہا ہم نہیں جانتے رحمٰن کیا شے ہے رحمٰن تو مسیلمہ کذاب کا نام ہے جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا ہے اسی وقت یہ آیت اتری اس لئے وہ (قتادہؒ) اس آیت کو مدنی کہتے ہیں کیونکہ صلح حدیبیہ ہجرت کے بعد ہوئی ہے قتادہؒ کے قول کے موافق صلح حدیبیہ کے وقت بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنے نہ لکھنے کا قصہ صحیح بخاری میں بھی مسور بن مخرمہؓ اور مروانؒ بن الحکم کی حدیث[1] میں ہے لیکن اس میں آیت کے نازل ہونے کا ذکر نہیں ہے بعضے مفسروں کا قول ہے کہ ابوجہل نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یا اللہ یا رحمٰن کہتے سنا تو اور مشرکوں کے پاس جا کر یہ بیان کیا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو خدا کا نام لے کر پکارتا ہے اور ایک اور نام بھی لیتا ہے رحمٰن اور ہم نہیں جانتے کہ رحمٰن کیا چیز ہے ہم تو مسیلمہ کذاب کو رحمٰن سمجھتے ہیں اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور یہ آیت بھی اتری۔ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ الخ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ضحاک یہ نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت کفار قریش کی شان میں اتری ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کہا اسْجُدُوا لِلرَّحْمٰنِ تم خدا کو سجدہ کرو جس کا نام رحمٰن ہے تو ان لوگوں نے کہا کہ یہ رحمٰن کیا شے ہے تو اللہ جل شانہ نے حکم کیا کہ کہہ دو رحمٰن وہ ہے جو رب ہے میرا اور کل جہان کا اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں حاصل کلام یہ ہے کہ جب مسورؓ بن مخرمہ اور مروان بن الحکمؒ کی صحیح بخاری کی روایت میں حدیبیہ کے قصہ کے وقت آیت کے نازل ہونے کا ذکر نہیں ہے تو آیت کی شان نزول کا اختلاف یوں رفع ہو سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق آیت کو مکی قرار دیا جا کر یہ کہا جاوے کہ قریش کو ہجرت سے پہلے رحمٰن کے اسم الٰہی ہونے کا جس طرح انکار تھا دہی انکار ان لوگوں نے حدیبیہ کی صلح کے وقت بھی پیش کیا لیکن اس وقت کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے مغیرہؓ بن شعبہ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انجانی کا عذر اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل قبول ہے اسی واسطے اس نے آسمانی کتابیں دے کر رسول بھیجے تا کہ کسی کو انجانی کا عذر باقی نہ رہے[2]

۳۱۔ تفسیر سفیان ثوری اور شعبی اور تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں حضرت عبداللہؓ بن عباس اور حضرت ابوسعیدؓ خدری سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ اور چند مشرکین قریش ایک دن حرم

[1] صحیح بخاری ص ۶۰۰-۶۰۱ ج ۲ باب غزوۃ الحدیبیہ [2] تفسیر ہذا جلد دوم ص ۲۳۱۔

كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا اَفَلَمْ يَايْئَسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ

بولیں اس سے مردے بلکہ اللہ کے ہاتھ میں ہیں سب کام سو کیا خاطر جمع نہیں ایمان والوں کو اس پر

لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا

کہ اگر چاہے اللہ راہ پر لادے سب لوگ اور پہنچتا رہے گا منکروں کو اُن کے کئے پر کھڑ

صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ اِنَّ

کا یا اترے گا نزدیک اُن کے گھر سے جب تک پہنچے وعدہ اللہ کا بیشک

اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۳۱﴾

اللہ خلاف نہیں کرتا وعدہ

ع ۵ ۱۰

شریف میں بیٹھے تھے اتفاقاً آنحضرت بھی وہاں تشریف لائے اور آپ نے ان لوگوں کو اسلام لانے کی رغبت دلائی اس کے جواب میں ابو امیہ نے آنحضرت سے کہا کہ اگر آپ کو ہمارا اسلام منظور ہے تو ہم چند باتیں چاہتے ہیں ایک تو یہ کہ مکہ کے چاروں طرف پہاڑ سبو گھرے ہوئے ہیں جس سے کھیتی کرنے کو بالکل زمین نہیں ہے اگر تم سچے نبی ہو تو جس طرح حضرت داؤد کے زبور پڑھنے سے پہاڑ چلنے لگتے تھے اسی طرح تم قرآن پڑھ کر ان پہاڑوں کو مکہ سے ہٹا دو تاکہ ہمیں کھیتی کرنے کو زمین نکل آوے دوسرے مکہ میں پانی کی بہت کمی ہے کچھ نہریں اور چشمے ایسے بہا دو جس سے پانی کی تکلیف جاتی رہے تیسرے جس طرح حضرت سلیمانؑ کے کہنے میں ہوا تھی اسی طرح ہوا کو ہمارا تابعدار کرا دو تاکہ شام کے ملک سے ہم ضرورت کی چیزیں جلدی سے لے آیا کریں چوتھے جس طرح حضرت عیسےٰ مردوں کو جلا دیتے تھے اسی طرح اہل عرب میں کے کسی بڑے بوڑھے کو جلا دو کہ وہ آن کر تمہارے نبی ہونے کی تصدیق کر دیوے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[1] حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ علم الٰہی میں یہ بات ٹھہر چکی ہے کہ بعضے ان اہل مکہ میں سے کفر کی حالت میں مریں گے اور بعضے اسلام لاویں گے مگر ابھی نہیں جب اللہ کی طرف کا وقت مقررہ آوے گا پھر ٹھٹھے کے طور پر جو باتیں یہ لوگ چاہتے ہیں سر ایماندار کو یہ اعتقاد دل میں رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان سب باتوں کے کر دینے پر قادر ہے لیکن ان باتوں کے ہو جانے کے بعد یہ توقع رکھنا کہ یہ سب اسی وقت مسلمان ہو جاویں گے یہ بغیر مرضی اللہ کے ممکن نہیں کیونکہ اللہ کی مرضی تو یہ ہے کہ علم الٰہی میں ان میں کے جو سرکش قرار پا چکے ہیں ان سرکشوں کے بعضے سرگروہوں پر آفت آوے جس سے باقی کے لوگوں کو عبرت ہو اتنے میں اللہ کا وقت مقررہ آجاوے اور فتح مکہ ہو کر یہ سب مسلمان ہو جاویں اللہ کا وعدہ سچا ہے جس طرح اللہ نے کئی برس پہلے اس آیت میں فرمایا تھا کئی برس کے بعد وہی نتیجہ سب کی آنکھوں کے سامنے آگیا کہ بدر کی لڑائی میں ان میں کے بڑے بڑے سرکش مارے گئے اور مرتے ہی آخرت کے عذاب میں گرفتار ہو گئے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی لاشوں پر کھڑے ہو کر یہ کہا کہ اب تو تم لوگوں نے اللہ کے وعدہ کو سچا پایا چنانچہ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی روایتیں اس باب میں اوپر گزر چکی ہیں اس کے بعد یہ ہوا کہ جن تیروں کی حمایت میں یہ مکہ کے سرکش اللہ تعالیٰ کی شان میں بے ادبی کے لفظ زبان پر

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۵۱۸ ج ۲ و ۱۳۵ جلد نہ اس. ۲۰۷ و ۲۰۸ و ۲۰۹ و ۲۲ و ۲۷.

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ

اور ٹھٹھا کر چکے ہیں کتنے رسولوں سے تجھ سے آگے سو ڈھیل دی میں نے منکروں کو پھر اُن کو پکڑا

فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾ أَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَ

تو کیسا تھا میرا بدلہ بھلا جو شخص لئے کھڑا ہے ہر کسی کے سر پر اُس کا کیا اور

جَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ قُلْ سَمُّوهُمْ أَمْ تُنَبِّئُونَهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ

ٹھہراتے ہیں اللہ کے شریک کہہ اُن کا نام لو یا اللہ کو جتلاتے ہو جو وہ نہیں جانتا زمین میں

لانے کو مستعد ہو جاتے تھے فتح مکہ کے وقت اللہ کے رسول نے لکڑی مار مار کر ان بتوں کو گرا دیا اور مکہ بھر میں ان بتوں کا کوئی حمایتی کھڑا نہ ہوا چنانچہ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعودؓ اور ابوہریرہؓ کی روایتیں[1] اس باب میں گزر چکی ہیں حاصل یہ ہے کہ آیت کے آخری ٹکڑے کی یہ حدیثیں گویا تفسیر ہیں۔

۳۲۔ اوپر کی آیت کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ مشرکین مکہ نے حضرت سے کہا تھا کہ یہاں کے پہاڑ اکھڑ کر علیحدہ ہو جائیں اور یہاں ایک باغ و گلستان ہو جائے اور آپ ہمارے کسی مردے کو جلا دیں تاکہ ہم اس سے پوچھیں کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں وہ سچ ہے یا جھوٹ ہے اور ہوا کو ہمارے قبضہ میں کر دیں جس طرح سلیمانؑ کے قبضہ میں تھی ہم جہاں چاہیں گے چلے جایا کریں گے تو اس وقت اس سے اوپر کی آیت اتری تھی اور اصل میں یہ سوال اُن کا دل لگی کے طور پر تھا جس سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک قسم کا ملال ہوا تھا اس لئے اللہ جل شانہ نے آپ کی تسلی کے لئے یہ آیت اتاری کہ تم سے پہلے جو رسول گزرے ہیں ان سے بھی پہلے لوگوں نے مسخرا پن کیا تھا اور ہم نے ڈھیل دی آخر اس طرح پکڑا کہ وہ جانبر نہ ہو سکے تم نے سنا ہو گا کہ آخر کیا نتیجہ ہوا۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعری کی حدیث گزر چکی ہے کہ اللہ پاک ظالموں کو مہلت دیتا ہے کہ وہ خوب عیش و آرام کرتے ہیں پھر جب پکڑ لیتا ہے تو نہیں چھوڑتا اُس کی پکڑ بہت سخت ہے اور نہایت دردناک ہے[2]۔ یہ حدیث اور پہلی امتوں کی طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک ہو جانے کے قصے یہ سب گویا اس آیت کی تفسیر ہیں۔

۳۳۔ اس آیت میں اللہ پاک نے مشرکوں کو جتلایا کہ اللہ پاک ہر شخص اور ہر چیز کا نگہبان اور مالک ہے اور ہر شخص کے کام کو دیکھتا بھالتا اور جانتا ہے اور مشرکین جن بتوں کی عبادت کرتے ہیں وہ اس صفت کے نہیں اس لئے فرمایا کہ انہوں نے جو خدا کے سوا اوروں کی عبادت اختیار کی ہے اور اُن کو اپنا شفیع سمجھ رکھا ہے تو اُن کے نام بتلائیں کہ وہ کون ہیں اور کیا صفت رکھتے ہیں یہ پتھر ہی تو ہیں آخر کیا ہیں کیوں کہ یہ سب چیزیں اور کل مخلوق خدا کے قبضے میں ہیں اور اُس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں اور فی الحقیقت ان کے معبود کوئی ہستی نہیں ہیں فقط ان کے خیال ہی خیال ہیں تو یہ ایسی بات ہے کہ جس چیز کا زمین و آسمان میں کہیں پتہ نہیں پھر فرمایا کہ ان کافروں کے اپنے مکر اور کفر کی زینت کر رکھی ہے یا ان کو شیطان نے گمراہ بنا رکھا ہے یہ راہ راست سے روک دئے گئے ہیں کسی طرح ہدایت نہیں پا سکتے کیونکہ خدا جس کو گمراہ کرتا ہے اُس کا کوئی راہ نما نہیں ہو سکتا۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے

[1] صحیح بخاری ص ۶۱۸ ج ۲ باب قولہ و قل جاء الحق و زھق الباطل الخ و تفسیر ہذا جلد ۲ ص ۔۔۔ [2] ص ۱۰۵ و ۲۲ جلد ہذا ص ۲۲۲،۲۰۲۔

اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ

یا کرتے ہیں اوپر اوپر باتیں کوئی نہیں یہ بھلی سوجھائی ہیں منکروں کو اُن کے فریب اور روکے گئے

السَّبِيْلِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ

راہ سے اور جس کو بچلاوے اللہ سو کوئی نہیں اُس کو بتلانے والا اُن کو مار پڑتی ہے دنیا کی

الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾ مَثَلُ

زندگی میں اور آخرت کی مار تو بہت سخت ہے اور کوئی نہیں اُن کو اللہ سے بچانے والا احوال

اپنے علم ازلی کے موافق لوح محفوظ میں یہ لکھا یا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد کون شخص جنت میں جانے کے قابل کام کرے گا اور کون شخص دوزخ میں جانے کے قابل ۔ مسند امام احمد اور مستدرک حاکم کے حوالہ سے ابو سعید خدری کی یہ معتبر حدیث بھی گزر چکی ہے[1] کہ جب شیطان آسمان سے نکالا جانے لگا تو اس نے بنی آدم کے ہر طرح سے بہکانے کی قسم اللہ تعالیٰ کے روبرو کھائی ہے صحیح بخاری کے حوالہ سے حضرت عبد اللہ بن عباس کی یہ روایت بھی گزر چکی ہے کہ قوم نوح میں کے کچھ نیک لوگ مرگئے تھے جن کے مرنے کا رنج اُن کے رشتہ داروں اور معتقدوں کو بہت تھا شیطان نے موقع پا کر اسی قسم کے موافق ان لوگوں کو یہ بہکایا کہ اُن مرے ہوئے آدمیوں کی مورتیں بنالی جاویں تاکہ ان مورتوں کے دیکھنے سے ان مرے ہوئے آدمیوں کی صورتیں تمہاری آنکھوں کے سامنے رہیں شیطان کے بہکانے سے ان لوگوں نے وہ مورتیں بنائیں اور رفتہ رفتہ اُن مورتوں کی پوجا ہو کر دنیا میں بت پرستی پھیل گئی ۔ ان حدیثوں کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مکہ کے قحط کے وقت اگرچہ مشرکین مکہ کو یہ خوب معلوم ہو گیا کہ ان کے بت بالکل بے اختیار ہیں لیکن شیطان کے بہکاوے سے ہر طرح کے بُرے کام ان لوگوں کو اچھے نظر آتے ہیں اس لئے یہ لوگ بت پرستی پر اڑے ہوئے ہیں اور علم الٰہی میں یہ لوگ گمراہ ٹھہر چکے ہیں اس واسطے مجبور کر کے ان کو راہِ راست پر لانا اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں ہے کیونکہ دنیا نیک و بد کے امتحان کے لئے پیدا کی گئی ہے مجبوری کی صورت میں وہ امتحان کی حالت باقی نہیں رہتی ۔

۳۴ ــ ۳۵ ــ اللہ جل شانہ اس سے اوپر کی آیتوں میں مشرکین کا حال جب بیان فرما چکا تو اب یہ بات بیان فرمائی کہ ان لوگوں کے لئے دنیا میں اور آخرت میں دونوں جگہ عذاب ہے دنیا کا عذاب تو مثلاً مکہ کا سخت قحط جس کا ذکر صحیح بخاری میں عبد اللہ بن مسعود کی روایت میں تفصیل سے ہے[2] اور آخرت کا عذاب وقت مقرر پر اس سے بھی سخت ہے اور پھر کوئی اس سے بچانے والا بھی نہیں ۔ اس کے بعد اللہ جل شانہ نے جنت کی مثال بیان کی کہ وہ جنت جس کا وعدہ خدا پر ایمان لانے والوں اور اُس کے خوف سے ڈرنے والوں سے کیا گیا ہے اس میں یہ خوبیاں ہیں کہ جا بجا اُس میں نہریں جاری ہیں اور اُس کی نعمتیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہیں کبھی کم نہیں ہوں گی اور سایہ بھی وہاں ہمیشہ ہے گا دنیا میں جس طرح سایہ صبح و شام ہوتا ہے دوپہر کو جلتی دھوپ ہوتی ہے وہاں یہ بات نہیں وہاں تو ہمیشہ ہمیشہ ہر وقت چھاؤں ہی چھاؤں ہے کیونکہ وہاں سورج نہیں ہے ۔ صحیحین میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت

[1] تفسیر ہذا جلد اول ص ۳۰۸ و جلد دوم ص ۱۳۔ [2] صحیح بخاری ص ۷۳۲ ج ۲ تفسیر سورت نوح و ص ۷۱۲ و ص ۷۱۵ ج ۲ تفسیر سورت الدخان ۔

الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ أُكُلُهَا دَائِمٌ وَظِلُّهَا

جنت کا جو کہ وعدہ ملا ہے ڈر والوں کو بہتی ہیں اُس کے نیچے نہریں میوہ اُس کا ہمیشہ ہے اور سایہ

تِلْكَ عُقْبَى الَّذِينَ اتَّقَوا وَّعُقْبَى الْكَافِرِينَ النَّارُ ﴿٣٥﴾ وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ

یہ بدلہ ہے اُن کا جو بچتے رہے اور بدلہ منکروں کا آگ ہے اور جن کو ہم نے دی ہے

الْكِتَابَ يَفْرَحُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمِنَ الْأَحْزَابِ مَن يُنكِرُ بَعْضَهُ قُلْ

کتاب خوش ہوتے ہیں اس سے جو اترا تیری طرف اور بعضے فرقے نہیں مانتے اُس کی بعضی بات کہہ

سے ایک حدیث ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گہن کی نماز میں ایک روز آگے کی طرف ہاتھ بڑھایا بعد نماز کے صحابہ نے آپ سے پوچھا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے ہاتھ بڑھا کر کسی شی کو لینا چاہا پھر رک گئے آپ نے فرمایا مجھے بہشت دکھائی گئی تھی میں نے اُس میں سے ایک خوشہ انگور کا لینا چاہا تھا اگر وہ خوشہ لے لیتا تو جب تک دنیا باقی رہتی وہ انگور تم کھایا کرتے وہ خوشہ کبھی گھٹتا نہیں مسلم میں جابرؓ سے بھی اسی قسم کی ایک حدیث ہے یہ حدیثیں اُکُلُهَا دَائِمٌ کی گویا تفسیر ہیں اور جنت کے سایہ کی تفسیر میں صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوسعیدؓ خدری اور انس بن مالکؓ کی حدیثیں گزر چکی ہیں کہ جنت کے ایک درخت کا سایہ گھوڑے کا سوار بھی سو برس میں طے نہ کر سکے گا جنت کے نہروں کی تفسیر سورت محمد میں تفصیل سے آوے گی صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن کم سے کم دوزخ کا عذاب ابوطالب پر ہوگا کہ ابوطالب کے پیروں میں آگ کی جوتیاں پہنادی جاویں گی جس سے ابوطالب کا بھیجا پگل کر نکل پڑے گا۔[3] اس حدیث سے دوزخ کے عذاب کی سختی کا حال اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔ شروع آیت میں دوزخ کے عذاب اور جنت کی نعمتوں کا ذکر فرما کر پھر آخر آیت میں بطور نتیجہ کے فرمایا ہے کہ ان میں ایک ٹھکانہ خدا سے ڈرنے والوں کا ہے اور ایک عقبی کے منکر لوگوں کا۔

۳۶ سے ۳۷۔ اس آیت کی تفسیر میں سلف کے دو قول ہیں ایک تو یہ ہے کہ جن لوگوں کو کتاب دی گئی۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ کتاب قرآن ہے اور وہ لوگ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں یہ لوگ ان باتوں سے بہت خوش ہوتے ہیں جو حضرت پر اتاری گئی ہیں کہ خالص خدا کی عبادت کی جائے اور کسی کو اُس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے اور احزاب سے یہود و نصاری مراد ہیں جو قرآن کا پورا انکار نہیں کرتے ہیں کیونکہ قرآن میں بعضی بعضی باتیں ایسی بھی ہیں جس کے یہود و نصاری بھی قائل ہیں جیسے خدا کی ہستی اور اُس کی قدرت اور انبیاء علیہم السلام کے قصے جس کو یہ لوگ مانتے ہیں اسی لئے فرمایا کہ بعض فرقے قرآن کی بعض باتوں کو نہیں مانتے انکار کرتے ہیں قتادہؒ اسی قول کے قائل ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی وہ یہود و نصاری ہیں کہ وہ لوگ ہیں جو حضرت پر ایمان لا چکے ہیں وہ قرآن کے اترنے سے بہت خوش ہوئے کیونکہ وہ تورات و انجیل میں قرآن کی پیشین گوئی پڑھ چکے تھے اور احزاب سے باقی اہل کتاب مراد ہیں جو حضرت پر ایمان نہیں لائے مگر اس دوسرے قول میں کتاب کا مطلب تورات اور انجیل ہے بعض مفسروں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ شروع شروع قرآن پاک میں رحمٰن کا لفظ

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۵۱۶ ج ۲۔ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۵۱۷ ج ۲۔ [3] صحیح مسلم ص ۱۱۵ جلد اول باب شفاعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لابی طالب الخ۔

إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَا أُشْرِكَ بِهِ إِلَيْهِ أَدْعُوا وَإِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾

مجھ کو یہی حکم ہوا کہ بندگی کروں اللہ کی اور شریک نہ کروں اس کے ساتھ اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف میرا ٹھکانا

وَكَذٰلِكَ أَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاءَكَ

اور اسی طرح اتارا ہم نے یہ کلام حکم عربی زبان میں اور اگر تو چلے ان کی خواہش کے بعد اس علم

مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾

کے جو تجھ کو پہنچا کوئی نہیں تیرا اللہ سے حمایتی اور نہ بچانے والا

بہت کم اترتا تھا پھر جب عبداللہ بن سلامؓ اور ان کے ساتھی جو ایمان لائے تھے وہ اپنے دل میں اس بات سے کسی قدر فکر مند ہوئے کہ قرآن میں رحمٰن کا ذکر کیوں کم ہے توریت میں تو اکثر جگہ ہے اس پر اللہ پاک نے قرآن مجید میں بھی اکثر جگہ رحمٰن کا لفظ بیان فرمایا تو یہ لوگ بہت خوش ہوئے اور یہ آیت خدا نے اتاری کہ جو لوگ اہل کتاب ہیں تم پر قرآن کے نازل ہونے سے بہت خوش ہوتے ہیں اور بعضے فرقے قرآن کی بعض باتوں کا بالکل انکار کرتے ہیں جیسے مشرکین مکہ کہ حدیبیہ کا صلح نامہ لکھنے کے وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو دیکھ کر کہنے لگے کہ ہم تو رحمٰن کو نہیں جانتے کیا شے ہے رحمٰن تو مسیلمہ کذاب کا نام ہے پھر ان باتوں کے بیان کرنے کے بعد جن میں خدا کی پہچان بیان کی گئی ہے فرمایا کہ اے رسول تم لوگوں سے کہہ دو ہمیں تو یہ حکم ہوا ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں اس میں کسی کو شریک نہ کریں کیونکہ جو نبی ہم سے پہلے آئے ان سب کا یہی دین ایمان رہا ہے اس واسطے ہم بھی لوگوں کو اسی خدائے وحدہ کی طرف بلاتے ہیں آخرت میں اسی کی طرف پھر کر ہمیں جانا ہے پھر فرمایا کہ جس طرح پہلے رسولوں پر ہم نے کتابیں انہیں کی زبان میں اتاری ہیں اسی طرح یہ قرآن بھی اے رسول ہم تم پر عربی زبان میں اتارتے ہیں جو تمہاری اور تمہاری قوم کی زبان ہے تاکہ اس کے سمجھنے اور سمجھانے میں دقت نہ ہو اور یہ قرآن ایسی کتاب ہے جس میں شریعت کے کل احکام بیان کر دئے گئے ہیں اور اس شریعت میں بعضے احکام پہلی کتابوں کے موافق نہیں ہیں اگر تم اس کی خواہش کرو گے کہ ہم اُن کی شریعت کی تابعداری کریں تو اچھا نہ ہوگا اللہ نے ساری باتیں تمہیں بتلادی ہیں اس کے بعد اُن کی پیروی کرنے سے اللہ تعالیٰ کی خفگی ہوگی جس سے کوئی بچانے والا اور مددگار نہیں ہے۔ بعض مفسروں نے وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ کی تفسیر یہ بھی بیان کی ہے کہ مشرکین مکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ترغیب دیتے تھے کہ تم اپنے بزرگوں کی قدیم ملت پر آجاؤ اس پر اللہ پاک نے فرمایا کہ اگر تم ان کی خواہش کی پیروی کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی خفگی ہوگی۔ ان آیتوں میں بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ فرما کر قرآن شریف کا ذکر جدا فرما دیا گیا ہے کتاب کا لفظ جو بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ سے پہلے ہے اُس کے معنے توراۃ اور انجیل کے سمجھا دیں اس صورت میں حاصل مطلب پہلی آیت کا یہ ٹھہرے گا کہ یہود میں سے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اُن کے ساتھی اور نصاریٰ میں سے مثلاً چالیس آدمی نجران کے جو قرآن کو وہی قرآن جانتے ہیں جس کی پیشین گوئی توراۃ اور انجیل میں انہوں نے دیکھی ہے وہ قرآن کی تمام آیتوں کے نازل ہونے سے اسی طرح خوش ہوتے ہیں جس طرح مکہ والوں میں سے اہل اسلام قرآن کی نئی آیتوں کے نازل ہونے سے خوش ہیں اور باقی کے اہل کتاب یہی آخر الزمان کی اوصاف کی قرآن کی آیتوں کے اور خلاف مرضی آیتوں کے منکر ہیں سو اس تفسیر کی بنا پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق ان آیتوں کو مدنی کہنا پڑے گا کیونکہ عبداللہ بن اسلام اور

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۭ وَمَا

اور بھیج چکے ہیں ہم نے کتنے رسول تجھ سے آگے اور دی تھیں اُن کو جورویں اور لڑکے اور نہ تھا

كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ

کسی رسول کو کہ لے آوے کوئی نشانی مگر اللہ کے اذن سے

بخرانی نصرانیوں کا اسلام ہجرت کے بعد ہے۔ معتبر سند سے مسند امام احمد اور صحیح ابن حبان میں جابرؓ بن عبداللہ اور عبداللہ بن عباس سے جو روایتیں ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ عمرؓ نے تورات کی بعض باتیں سن کر ان باتوں کے لکھنے کی اجازت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چاہی تھی آپ حضرت عمرؓ کی یہ بات سن کر خفا ہوئے اور یہ فرمایا کہ آج حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو وہ بھی اس آخری شریعت کی پیروی کرتے[1] اس حدیث کو آخری آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر زمانہ کی مصلحت کے موافق ایک شریعت قرار دی ہے اور اُس مصلحت کی پابندی یہاں تک ضروری ہے کہ اس آخری زمانہ میں پہلا کوئی نبی زندہ ہوتا تو اس آخری شریعت کی پیروی اُس پر لازم ہوتی ہے اسی لئے آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مخاطب ٹھہرا کر امت کے لوگوں کو سنایا ہے کہ جو کوئی اس آخری شریعت کو چھوڑ کر کسی اور طریقہ پر چلے گا تو اللہ تعالیٰ کی اُس پر ایسی خفگی ہوگی جس سے اُس کو کوئی بچا نہ سکے گا۔

۳۸۔ مشرکین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت یہ کہا کرتے تھے کہ یہ کیسے رسول ہیں جن کے بیویاں بھی ہیں اور بچے بھی ہیں اور یہ بھی کہتے تھے کہ اگر یہ خدا کی طرف سے رسول ہوتے تو جو معجزہ ہم ان سے طلب کرتے ہیں وہ فوراً کر دکھاتے انہیں دونوں باتوں کا جواب اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دیا کہ جتنے رسول ہوئے ہیں وہ سب کے سب بشر تھے کوئی فرشتہ نہ تھا انہیں کی طرح یہ رسول بھی بشر ہیں کھاتے بھی ہیں پیتے بھی ہیں چلتے پھرتے بھی ہیں بیویاں بچے بھی ان کے ہیں جیسے پہلے رسولوں کے تھے چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تین سو بیویاں اور سات سو کنیزیں تھیں اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں پھر ان کے بھی اگر بیویاں اور بچے ہیں تو کیا نقصان ہے کچھ یہ رسالت کے خلاف نہیں ہے معتبر سند سے تفسیر ابن ابی حاتم میں[2] سعد بن ہشام سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ کے پاس جا کر کہا کہ میرا ارادہ یہ ہے کہ میں نکاح نہ کروں فرمایا تو ایسا نہ کر کیا تو نے خدا کا یہ کلام نہیں سنا ہے۔ اس کے بعد حضرت عائشہؓ نے یہی آیت پڑھی معتبر سند سے دوسری حدیث[3] ترمذی ابن ماجہ اور طبرانی وغیرہ نے سمرہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجرد رہنے سے منع فرمایا ہے اور اکثر حدیثوں میں نکاح کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے اور مجرد رہنے سے منع کیا گیا ہے۔ مسند امام احمد اور ترمذی میں[4] معتبر سند سے ابو ایوبؓ سے ایک حدیث ہے جس میں یہ ہے کہ نکاح سب پیغمبروں کی سنت ہے۔ صحیحین میں[5] حضرت انسؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں سوتا بھی

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۶۷ ج ۲ و مجمع الزوائد ص ۱۷۴۔۱۷۳ ج اول لیکن بجائے ابن عباس کے ابن ثابت و ابو الدرداءؓ مسلم [2] تفسیر فتح البیان ص ۵۹۰ ج ۲ [3] جامع ترمذی ص ۱۲۸ ج ۱ باب ما جاء فی النہی عن التبتل [4] تفسیر ابن کثیر ص ۵۱۹ ج ۲ والترغیب ص ۳۹ ج ۲۔

لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ ﴿٣٨﴾ يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ ۖ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ ﴿٣٩﴾

ہر وعدہ لکھا ہوا مٹاتا ہے اللہ جو چاہے اور رکھتا ہے اسی پاس اصل کتاب

ہوں اور اللہ کر نماز بھی پڑھتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں جس نے میری سنت سے منہ پھیرا وہ میری سنت کا پابند نہیں ہے[1] پھر اللہ جل شانہ نے مشرکین مکہ کی دوسری بات کا یہ جواب دیا کہ رسول کے بس کا یہ کام نہیں ہے کہ تمہاری ہر فرمائش کے مطابق معجزہ دکھائے یہ تو خدا ہی کا کام ہے جب وہ چاہتا ہے کوئی معجزہ ظاہر کرتا ہے جب نہیں چاہتا نہیں ظاہر کرتا رسول کچھ خود مختار نہیں ہیں کہ جو چاہیں کر گزریں جتنے رسول ہوئے ہیں سب خدا کے حکم کے تابع رہے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے جب جیسا مناسب سمجھا معجزہ ظاہر کرایا تھا ایسے ایمان لاتے تو ایک شق القمر کا معجزہ بھی کافی تھا۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کے موافق لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد کتنے آدمی فرمانبرداری اور جنت میں جانے کے کام کریں گے اور کتنے آدمی نافرمانی اور دوزخ میں جانے کے کام کریں گے اور اس کے موافق ہر ایک شخص کا جنت اور دوزخ میں ٹھکانا ٹھہر چکا ہے اس حدیث کو آیت کے آخری ٹکڑے کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ لوح محفوظ میں جہاں ان نافرمان لوگوں کے اور نافرمانی کے کام لکھے گئے ہیں وہاں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ ان نافرمان لوگوں کی معجزوں کی خواہش کچھ راہ راست پر آنے کی نیت سے نہ ہوگی بلکہ مسخراپن کے طور پر ہوگی اس لئے معجزہ کا ظہور اللہ تعالیٰ نے اپنی مصلحت پر منحصر رکھا ہے ایسے نافرمان لوگوں کی خواہش پر نہیں رکھا کیونکہ یہ بات علم الٰہی میں ٹھہر چکی ہے کہ ایسے لوگوں کے حق میں کوئی معجزہ کچھ مفید نہ ہوگا۔

۳۸-۳۹- جب قریش نے آنحضرتؐ سے وہ معجزے چاہے جن کا ذکر اوپر کی آیتوں میں گزرا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کا اوپر کا ٹکڑا نازل فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی معجزہ کا ظاہر کر دینا رسول کا کام نہیں ہے مصلحت وقت کے موافق اللہ کی درگاہ میں ہر کام کے لئے وقت مقرر ہو کر لکھا جا چکا جب تک وہ وقت مقررہ پہنچ نہ جاوے اور اللہ کا حکم نہ ہو کوئی کام نہیں ہو سکتا یہ سن کر قریش نے آپس میں چرچا کیا کہ محمد ہر وقت عذاب الٰہی سے جو ڈراتے تھے اب معلوم ہو گیا کہ ان کے اختیار میں کچھ نہیں ہے ہر کام کا لکھا ہوا وقت جب تک نہ آوے کچھ نہیں ہو سکتا اسی طرح جب ایک آیت اتر کر پھر وہ منسوخ ہو جاتی اور اسی کی جگہ دوسرا حکم آ جاتا تو قریش یہ بھی چرچا کرتے تھے کہ قرآن اللہ کی طرف سے ہوتا تو یہ گھڑی گھڑی کا ردو بدل اس میں نہ ہوتا معلوم ہوتا ہے کہ محمد اپنی طرف سے ایک بات کہہ دیتے ہیں پھر جب جی چاہتا ہے تو اس کی جگہ دوسری بات کہہ دیتے ہیں اُن کے ان چرچوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ ٹکڑا آیت کا نازل فرمایا حاصل معنے اس کے یہ ہیں کہ رمضان میں ہر شب قدر کو سال بھر تک جو کچھ ہونے والا ہے اُس کا حساب و کتاب لوح محفوظ سے نقل کر کے اللہ تعالیٰ ملائکہ کو دیتا ہے اسی کے موافق سال بھر تک ملائکہ عمل کرتے ہیں یہ ایک سال کا دنیا بھر کا حساب ہے اور جس مدت تک دنیا چلے گی وہ دنیا کی عمر تک کا حساب ہے وہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اور چار مہینے کا حمل ہو جانے کے

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۵۱۰ ج ۲ تفسیر جلد نمبر اص ۲۲۵۰۰۲۳۲۰۲۲

وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ

اور یا کبھی دکھاویں ہم تجھ کو کوئی وعدہ جو دیتے ہیں اُن کو یا تجھ کو پھیر لیویں سو تیرا ذمہ

الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا

پہنچانا ہے اور ہمارا ذمہ حساب لینا کیا نہیں دیکھتے کہ ہم چلے آتے ہیں زمین گھٹاتے اُس کو کناروں سے

بعد ماں کے پیٹ کے بچے کا حساب جو رزق عمر نیک و بد ہونے کا لکھا جاتا ہے اور پھر بچہ میں روح پھونکی جاتی ہے جس کی روایت صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ہے[1] یہ ہر ایک انسان کا عمر بھر کا حساب ہے سال بھر کے حساب کا پرچہ ملنے سے پہلے ملائکہ کو ہر ایک انسان کا عمر بھر کا حساب تفصیل سے نہیں معلوم ہوتا مثلاً خلفاء اربعہ کی والدہ کی حمل کی مدت چار مہینے کے ہو جانے کے بعد بچے میں روح پھونکنے سے پہلے ملائکہ کو یہ تو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ چاروں شخص اپنی عمر کا کچھ عرصہ شرک میں بسر کر کے پھر مسلمان ہوں گے اور ایسی حالت میں وفات پائیں گے کہ نبی کے بعد ان کا ہی درجہ ہے لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ عمر بھر کے کون سے سال میں یہ ایمان لاویں گے سالانہ حساب کا پرچہ ملنے کے بعد ہر ایک بات کی سالانہ تفصیل دنیا میں ظاہر ہونے سے پہلے ملائکہ کو معلوم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح سالانہ پرچہ ملنے سے پہلے جو کچھ لوح محفوظ میں لکھا وہ سوا خدا کے کوئی نہیں جانتا اب رہی یہ بات کہ ردوبدل لوح محفوظ کے حساب اور عمر بھر کے حساب اور سالانہ حساب سب میں ہو سکتا ہے یا نہیں حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اور متقدمین کا یہ مذہب ہے کہ ہاں اللہ کی قدرت میں سب کچھ ہے وہ ان تینوں حسابوں میں سے جس حساب کی جس بات کو چاہے بدل سکتا ہے[2] ترمذی صحیح ابن حبان مستدرک حاکم وغیرہ میں چند صحابہ سے معتبر روایتیں ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ سوا دعا کے تقدیر کسی چیز سے نہیں بدل سکتی اور سوا نیکی کے عمر کسی چیز سے نہیں بڑھ سکتی اور گناہ کے سبب سے گنہگار شخص کا وہ رزق گھٹ جاتا ہے جو اس کے مقسوم میں ہے[3] ان حدیثوں سے حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے مذہب کی پوری تائید ہوتی ہے حاصل کلام یہ ہے کہ اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے قریش کو دھمکایا کہ اگرچہ اللہ کی بارگاہ میں ہر کام کا وقت ہے مگر جس نے وہ وقت ٹھہرایا ہے وہی اس وقت کے بدل ڈالنے اور وقت سے پہلے تم کو ہلاک کر دینے پر قادر ہے اس لئے مصلحت وقت کے موافق جس طرح وہ احکام شریعت کو بدلتا رہتا ہے اگر اسی طرح کسی مصلحت سے وقت مقررہ عذاب کو منسوخ فرما کر دوسرا وقت وہ باری تعالیٰ ٹھہرا دے تو تمہارا کیا بس چل سکتا ہے اس واسطے سرکشی چھوڑو اور اس کے عذاب سے ہر وقت ڈرتے رہو۔

۴۰۔۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے فرمایا کہ کفار کے لئے ہم نے جو وعدہ کیا ہے کہ ان کے واسطے دنیا میں بھی عذاب ہے اور آخرت میں بھی ہم چاہیں تو کچھ عذاب تمہارے عین حیات میں ان پر نازل کر دیں یا تمہیں اپنے پاس بلالیں یہ سب اللہ کے ہاتھ میں ہے مگر تمہارا کام صرف پیغام الٰہی کا پہنچانا ہے کوئی ایمان لائے یا نہ لائے تم سے اس بارہ میں کچھ

[1] مشکوٰۃ ص ۲۰ باب الایمان بالقدر [2] فتح البیان ص ۵۱۹ ج ۲ [3] الترغیب ص ۲۹۱ ج ۲ الترغیب فی کثرۃ الدعاء وما جاء فی فضلہ۔

وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾

اور اللہ حکم کرتا ہے کہ کوئی نہیں کہ پیچھے ڈالے اُس کا حکم اور شتاب لیتا ہے حساب

سوال نہ ہوگا تم اپنا کام کئے جاؤ باقی رہی جزا سزا وہ اللہ کے اختیار میں ہے ہم اچھی طرح ان کا حساب کتاب کر کے فیصلہ کر دیں گے پھر اس کے بعد آنحضرت کی تسکین خاطر کے لئے فرمایا کہ اُس وعدہ کی یہ علامت ظاہر بھی ہو رہی ہے کہ ملک اُن کے ہاتھوں سے رفتہ رفتہ نکلے جاتا ہے اور مسلمان اُس پر قابض ہوتے جاتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس وغیرہ کا یہی قول ہے اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ خدا کے حکم کا کوئی پھیرنے والا نہیں ہے وہ جو چاہتا ہے حکم کرتا ہے اُس کے حکم سے اسلام کا اقبال عروج پر ہوگا اور کفر کو ادبار نصیب ہوگا یہ حکم ہو کے رہے گا کسی طرح بدل نہیں سکتا۔ سورت القمر میں جب یہ مکی آیت سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ (۵۴: ۴۵) نازل ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ ان مشرکین مکہ کی جماعت اور گروہ کو قریب ہے کہ شکست ہو جائے اور یہ لوگ بھاگ جاویں تو حضرت عمرؓ کو شبہ تھا کہ یہ کن لوگوں کی شکست کا ذکر ہے لیکن جب بدر کی لڑائی کے حملہ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اُس وقت حضرت عمرؓ کہتے ہیں مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ اس مکی آیت میں مشرکین مکہ کی شکست کا وعدہ تھا جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اللہ تعالیٰ نے پورا کیا[1] صحیح بخاری نسائی طبرانی اور بیہقی کی الاسماء والصفات میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے اور طبرانی تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں ابوہریرہؓ سے جو روایتیں ہیں اُن میں یہ قصہ تفصیل سے ہے[2] معتبر سند سے مسند امام احمد اور نسائی میں براء بن عازب سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ احزاب کی لڑائی کے وقت مدینہ کے گرد جب خندق کھودی جاتی تھی تو اس میں ایک کھنگر سخت نکل آیا جس کو پھاوڑے کی تین ضربوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود توڑا اور پھاوڑے کی پہلی ضرب پر ملک شام اور دوسری ضرب پر ملک فارس اور تیسری ضرب پر ملک یمن فتح ہو جانے کی خوشخبری دی جس کا ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کے زمانہ میں ہوا[3] حاصل کلام یہ ہے کہ ان آیتوں میں دو طرح پر اللہ تعالیٰ کے وعدوں کا پیشین گوئی کے طور پر جو ذکر تھا ان روایتوں سے اُس ظہور کی تفسیر اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے اور اس سچی پیشین گوئی سے قرآن شریف کا کلام الٰہی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا رسول ہونا اچھی طرح ثابت ہو سکتا ہے۔

اس آیت کے اوپر کے ٹکڑے میں زمین کے گھٹانے کا جو ذکر ہے اگرچہ بعضے مفسرین نے اس کا مطلب اور بھی بیان کیا ہے مگر صحیح مطلب یہی ہے جو شاہ صاحب نے اپنے اردو فائدہ میں بیان کیا ہے کہ کفر دن بدن زمین پر گھٹتا جاتا ہے اور اسلام ظہور پکڑتا جاتا ہے اس مطلب پر بعضے مفسروں نے یہ جو اعتراض کیا ہے کہ جب اکثر مفسرین کے نزدیک یہ سورت مکی ہے تو ہجرت سے پہلے جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے اُس وقت تک کفر کن سی بستیوں میں گھٹتا تھا کہ جن بستیوں کے حال پر اس آیت کے مطلب کو صادق کیا جائے اگرچہ بعضے مفسروں نے اس اعتراض سے بچنے کے لئے اس آیت کو مدنی کہا ہے لیکن صحیح جواب اس اعتراض کا وہی ہے جو شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ نے اپنے فارسی فائدہ میں دیا ہے کہ ابوذر غفاریؓ کا قبیلہ اور چار قبیلے ہجرت

[1] صحیح بخاری ص ۵۶۷ ج ۲ باب قصہ بدر و فتح الباری ص ۶۷ ج ۴ و تفسیر مظہری ص ۲۲۴ ج ۱ [2] و [3] مجمع الزوائد ص ۱۳۰ ج ۷ باب غزوۃ الخندق و القریظۃ۔

وَقَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَلِلَّهِ الْمَكْرُ جَمِيعًا يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ
اور مکر کر چکے ہیں اُن سے اگلے سو اللہ کے ہاتھ میں ہے سب فریب جانتا ہے جو کماتا ہے ہر جی

نَفْسٍ وَسَيَعْلَمُ الْكُفَّارُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ (۴۲)
اور اب معلوم کریں گے منکر کس کا ہوتا ہے پچھلا گھر

سے پہلے اطراف مکہ میں اسلام قبول کر چکے تھے جن کا تفصیلی ذکر صحیح بخاری[1] اور حدیث کی کتابوں میں ہے ان قبائل کے حال سے ہی اللہ تعالیٰ نے قریش کو اس آیت میں قائل کیا ہے کہ قریش دیکھتے نہیں کہ اطراف مکہ کے لوگ اسلام قبول کرتے جاتے ہیں اور اُن کی بستیوں میں کفر گھٹتا جاتا ہے لیکن اہل مکہ نے اللہ کے گھر میں وہی تقدیری کفر پھیلا رکھا ہے اللہ سے ڈرنا چاہئے اور یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ایک دن سب نیک و بد کا اللہ تعالیٰ کے روبرو حساب ہونے والا ہے۔ صحیح مسلم میں ابوذرؓ[2] کی بڑی حدیث ہے جس میں ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میرے اسلام لانے کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو نصیحت کی تھی کہ اپنی قوم کو بھی اسلام لانے کی رغبت دلانا اس لئے کہ میرے اسلام لانے کے بعد جب میں اپنی قوم میں آیا اور میں نے اُن کو اسلام کی رغبت دلائی تو آدھی قوم ہجرت سے پہلے مسلمان ہو گئی اور آدھی ہجرت کے بعد۔ اس حدیث سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ ابوذر غفاری کے قبیلہ بنی غفار میں اور اس قبیلہ کے پڑوسی قبائل مزینہ جہینہ اور اشجع میں عرب کے اور قبائل سے پہلے اسلام کھول کر پھیلا بنی غفار مزینہ جہینہ اور اشجع قبیلہ مضر کی شاخیں ہیں لیکن قبیلہ مضر کی اور شاخوں ہوازن وغیرہ سے ان لوگوں کا اسلام پہلے ہے اسی طرح کے لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح بخاری[3] کی حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت میں غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامٰى فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بغیر لڑائی کے اپنی خوشی سے یہ لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

۴۲۔ مکر کہتے ہیں اس طرح سے انسان کو تکلیف پہنچانے کو جس سے وہ بالکل بے خبر ہو اللہ پاک نے اس آیت میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ جس طرح کفار مکہ تمہاری ایذا رسانی کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اسی طرح ان سے پہلے بھی لوگ خدا کے رسولوں کو ایذا پہنچا چکے ہیں۔ جیسے نمرود نے ابراہیم علیہ السلام کو فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تکلیف دی مگر اُن کے مکر کچھ پیش نہیں چل سکتے کیونکہ مکر ہیں سب خدا کی مخلوق ہیں اور اسی کے ارادہ سے ظاہر ہوتے ہیں اسی لئے کسی مکر سے کوئی نفع اور ضرر بغیر حکم خدا کے نہیں ہو سکتا اور وہ ہر شخص کے عمل کو جانتا ہے کہ کون برائی کرتا ہے اور کون بھلائی کرتا ہے پھر جو جیسا کرے گا اُس کو ویسا بدلہ ملے گا اور کفار یہ بات بھی عنقریب جان لیں گے کہ آخرت کا گھر کس کو ملتا ہے مومنین کو یا ان کفار کو۔ معتبر سند سے مسند امام احمد طبرانی اور دلائل النبوۃ بیہقی میں حضرت عبداللہ بن عباس سے جو روایتیں[4] ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین مکہ نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر ڈالنے کا مشورہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس مشورہ کا حال اپنے رسول کو جتلا دیا اس لئے آپ نے اپنی جگہ پر سونے کے لئے حضرت علیؓ کا حکم دیا اور آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ساتھ لے کر پہلے غار ثور کو اور پھر مدینہ کو چلے آئے ان حدیثوں سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا

[1] صحیح بخاری ص ۴۹۹ ج ۱ باب ذکر اسلم وغفار ومزینہ الخ۔ [2] صحیح مسلم ص ۲۹۵-۲۹۶ ج ۲ باب من فضائل ابی ذر رضی اللہ عنہ۔ [3] ص ۱۲ ج اول باب اداء الخمس من الایمان۔ [4] تفسیر ابن کثیر ص ۳۰۲ ج ۲ تفسیر آیت واذ یمکر بک الذین کفروا الآیہ۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا ۚ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ

اور کہتے ہیں منکر تو بھیجا ہوا نہیں آیا کہہ اللہ بس ہے گواہ میرے تمہارے بیچ اور جس کو

وَمَنْ عِندَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ﴿۴۳﴾

اور جس کو خبر ہے کتاب کی

ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے آگے اللہ کے رسول کے مخالفوں کا کوئی مکر و فریب چل نہیں سکتا۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی حدیث گزر چکی[1] ہے کہ بدر کی لڑائی میں جو مشرک مارے گئے تھے اُن کی لاشوں پر کھڑے ہو کر اللہ کے رسول نے فرمایا کہ اب تو تم لوگوں نے اللہ کا وعدہ سچا پا لیا اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اب یہ مشرک لوگ عقبیٰ کے عذاب کو جھٹلاتے ہیں مگر مرنے کے ساتھ ہی ان کو اپنا عقبیٰ کا انجام معلوم ہو جاوے گا

۴۳۔ اس آیت میں اللہ جل شانہ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر دی کہ کفار مکہ جو تمہیں یہ کہا کرتے ہیں کہ یہ خدا کے رسول نہیں اگر ہوتے تو ہمارے سوال کو پورا کرتے تم ان سے کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان میں خدا ہی گواہ ہے کہ میں نے اس کا پیغام تمہیں پہنچا دیا اور تم نے اُس کو نہیں مانا مجھے جھٹلائے ہی گئے اور پھر یہ بھی فرمایا کہ پہلے آسمانی کتابوں کے پیرو علمائے یہود و نصاریٰ کو بھی خوب معلوم ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں کیونکہ ان کی کتابوں میں بھی خدا نے میری رسالت کی خبر دی ہے یہی قول حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ہے نبوت کے ثبوت میں اللہ تعالیٰ کی گواہی کا ذکر جو آیت میں کیا گیا ہے اُس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کے معجزے دے کر جو ان نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلے رسولوں کی طرح مدد فرمائی ہے یہ ان کے بھیجے ہونے پر اللہ تعالیٰ کی گویا گواہی ہے کیونکہ ناحق بات کی مدد اللہ کی شان سے بعید ہے پھر فرمایا یہ مشرکین مکہ تو ان پڑھ ہیں جہاں اور باتیں یہ لوگ اہل کتاب سے پوچھتے رہتے ہیں وہاں یہ بھی پوچھ لیویں کہ پہلے رسولوں کو اسی طرح معجزوں کی مدد غیب سے ہوئی ہے یا نہیں اور تورات و انجیل میں نبی آخر الزمان کے اوصاف موجود ہیں یا نہیں۔ سورت بقرہ میں گزر چکا ہے کہ تورات میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف پڑھ کر یہود لوگ نبی آخر الزمان کو ایسا پہچانتے تھے جس طرح ہر ایک باپ اپنے بیٹے کو پہچانتا ہے اس لئے ان لوگوں کو نبی آخر الزمان کا زمانہ آنے والا ہے اس وقت ہم اُس نبی کے ساتھ ہو کر تم سے دل کھول کر لڑیں گے حاصل کلام یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم اور یہود میں کچھ مخالفت نہیں تھی اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اس مکی آیت میں یہود کو آپ کی نبوت کا گواہ قرار دیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو مدینہ کے گرد و نواح میں بنی قینقاع بنی نضیر بنی قریظہ یہود کے یہ تین قبیلے رہتے تھے بنی قینقاع میں مثلاً جیسے انحاص رفاعہ بن زید بنی نضیر میں کعب بن الاشرف ابو یاسر بن حطیب بنی قریظہ میں زبیر بن باطیا شمویل بن زید یہ لوگ سردار کہلاتے تھے شیطان نے ان سرداروں کے دل میں یہ وسوسہ ڈال دیا کہ اگر یہ لوگ نبی آخر الزمان کے تابع ہو جاویں گے تو ان کی سرداری کو بٹہ لگ جاوے گا ان تینوں قبیلوں میں جو عالم لوگ تھے وہ اس وسوسہ میں پھنس گئے کہ اگر

[1] جلد ہذا ص ۲۰۷-۲۰۸-۲۲۴-۲۲۷-۲۴۴

ایاتہا ۵۲ (۱۴) سُوْرَۃُ اِبْرٰهِیْمَ مَكِّیَّةٌ (۷۲) رکوعاتہا ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ

ایک کتاب ہے کہ ہم نے اتاری تیری طرف کہ تو نکالے لوگوں کو اندھیرے سے اُجالے کی طرف

وہ نبی آخر الزمان کے تابع ہوجاویں گے تو قبیلے کے عام لوگ بھی ادھر کو رجوع ہوجاویں گے جس سے ہماری آمدنی اور آؤ بھگت میں خلل پڑجاوے گا۔ جب یہ سردار اور عالم لوگ اسلام سے رُک گئے تو انہوں نے ہر ایک قبیلے کے عام لوگوں کو بھی بہکا دیا کہ وہ نبی آخر الزمان بنی اسرائیل میں سے ہوں گے بنی اسمٰعیل میں سے نہیں ہوں گے حاصل کلام یہ ہے کہ ہجرت کے بعد یہود کے سرداروں اور عالموں کے دل میں یہ وسوسات پیدا ہوئے اور ہر ایک قبیلے کے عام لوگوں کو انہوں نے بہکا دیا ہجرت سے پہلے مشرکین مکہ یہود کی گواہی پر اگر فیصلہ کا مدار رکھتے تو ضرور یہود لوگ نبی آخر الزمان کے سچے رسول ہونے کی گواہی ادا کرتے۔ صحیح بخاری میں ابوہریرہؓ سے جو روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہود میں سے دس آدمی دائرہ اسلام میں داخل ہوجاتے تو سارے یہود پر اسلام کا اثر پڑ جاتا۔ اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ ان تینوں قبیلوں کے سرداروں اور عالموں میں سے دس شخص بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوجاتے تو ہر ایک قبیلے کے عام لوگوں پر بڑا اثر پڑتا۔ یہ بات آپ نے اس لئے فرمائی کہ ہر ایک قبیلے کے عام لوگوں میں سے اگرچہ دس سے زیادہ آدمی مسلمان ہو چکے تھے لیکن اُن کے اسلام کا اثر کچھ دوسروں پر نہیں پڑتا تھا۔ ان تینوں قبیلوں کے سرداروں میں سے تو کوئی شخص آخر تک دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوا۔ ہاں علمائے بنی قینقاع میں سے عبداللہ بن سلامؓ کو یہ شرف حاصل ہوا۔ عبداللہ بن سلامؓ کے سوا عبداللہ بن سوریا کے اسلام اور پھر مرتد ہونے کا حال جو بعضے علماء نے لکھا ہے اُس کا پتہ کسی صحیح روایت سے نہیں لگتا۔

اگرچہ اس سورت کی بیچ کی آیتوں کو بعضے سلف نے مدنی کہا ہے لیکن یہ اوپر گذر چکا ہے کہ جس سورت کا شروع کا حصہ مکی ہو وہ سورت مکی کہلاتی ہے اس قاعدہ کے موافق اس سورت کو بھی مکی کہنا چاہیئے۔

۱-۳- الٓر۔ انہیں حروف مقطعات میں سے ہے جن کا ذکر پہلے ہوچکا کہ اس کے معنے سوائے خدا کے اور کسی کو معلوم نہیں ہیں قرآن کا یہ طرز بیان ہے کہ بعد حروف مقطعات کے قرآن پاک کی عظمت بیان کی جاتی ہے۔ اس لئے یہاں بھی فرمایا کہ یہ قرآن مجید اور آسمانی کتابوں سے اشرف ہے اور اشرف الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اُس کو ہم نے اتارا ہے اور جس طرح پہلی کتابیں خاص خاص قوم اور علیحدہ علیحدہ امت کی ہدایت کو بھیجی گئیں اسی طرح یہ کتاب کل انسان کیا عرب کیا عجم ہر ایک بستی ہر ایک گاؤں ہر ملک کے رہنے والوں کی ہدایت کو اتاری گئی ہے تاکہ لوگوں کو کفر اور گمراہی سے نکال کر خدا کی توحید اور ایمان کے سیدھے رستہ کی طرف لاوے پھر اللہ نے اپنی یہ صفت بیان فرمائی کہ وہ عزیز ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر ایک شئے

بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ اِلٰى صِرَاطِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِ ۙ﴿۱﴾ اللّٰهِ الَّذِىۡ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ

اُن کے رب کے حکم سے راہ پر اس زبردست سراہے اللہ کے جس کا ہے سب جو کچھ آسمان

وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ وَوَيۡلٌ لِّلۡكٰفِرِيۡنَ مِنۡ عَذَابٍ شَدِيۡدِ ۙ﴿۲﴾ الَّذِيۡنَ

و زمین میں اور خرابی ہے منکروں کو ایک سخت عذاب سے جو پسند

يَسۡتَحِبُّوۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا عَلَى الۡاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ

رکھتے ہیں زندگی دنیا کی آخرت سے اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے

پر غالب ہے کسی سے مغلوب اور عاجز نہیں ہوتا اور حمید ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اُس کا ہر کام قابل تعریف ہے۔ پھر فرمایا کہ زمین و آسمان اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان میں ہے وہ سب کا مالک ہے وہ جو کچھ چاہتا ہے اس میں کرتا ہے کوئی اُس کو روک نہیں سکتا اسی لئے اس کے بعد پھر یہ فرمایا کہ جب یہ باتیں ثابت ہو چکیں تو کافروں کی حالت بہت افسوس ناک ہے کیونکہ ان پر سخت سخت عذاب ہوں گے جو کسی طرح رُک نہیں سکتے اس واسطے کہ ان لوگوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت سے زیادہ دوست رکھا ہے اور خود تو گمراہی میں ہی تھے اور وں کو بھی خدا کے سچے دین پر ایمان لانے سے روکتے ہیں اور اپنی خواہش اور غرض کے واسطے اس سیدھی راہ کو ٹیڑھی کرنی چاہتے ہیں یہ لوگ ایسی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں جو خدا سے بہت دور ہے۔ اس لئے کسی طرح امید نہیں ہے کہ یہ لوگ راہ حق تک پہنچیں گے۔ معتبر سند سے مسند امام احمد نسائی اور دارمی میں عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیدھا خط کھینچ کر اُس کو اللہ کا رستہ کہا اور سیدھے خط کے دائیں بائیں اور خط کھینچ کر یہ فرمایا کہ ان سب راستوں پر شیطان کا دخل ہے[1]۔ ان آیتوں میں ظلمات کے لفظ کو جمع اور نور کو مفرد جو فرمایا اُس کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہدایت کا راستہ ایک ہے اور شیطان کے دخل کے راستے بہت ہیں۔ ترمذی میں عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں وہی ایک ہدایت کا راستہ ہے[2]۔ ان آیتوں میں نور کا جو لفظ ہے یہ حدیث اُس کی تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہدایت کا طریقہ اللہ کے رسول اور آپ کے صحابہ کے طریقہ پر منحصر ہے۔ ترمذی کی سند میں عبد الرحمن بن زیاد افریقی ہے جس کو دار قطنی نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن یحییٰ بن سعید القطان نے اُس کو ثقہ کہا ہے[3]۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالے سے حضرت علیؓ کی حدیث گزر چکی ہے کہ دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کے نتیجہ کے طور پر لوح محفوظ میں یہ لکھ لیا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد کون شخص جنت کے قابل کام کر کے جنت میں جاوے گا اور کون شخص دوزخ کے قابل کام کر کے دوزخ میں جاوے گا[4] یہ حدیث بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ علم الٰہی میں نیک ٹھہر چکے ہیں رسولوں کی نصیحت سے انہی کا دل نیک کاموں کی طرف مائل ہوتا ہے اور انہی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیک کاموں کے پورا کرنے کی توفیق ہوتی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ کفر کے اندھیرے سے ایمان کے اجالے کی طرف

[1] مشکوٰۃ ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنہ [2] مشکوٰۃ ایضاً [3] تہذیب التہذیب ص ۱۷۴ ج ۶ [4] جلد ہذا ص ۲۰۲ - ۲۲۰ - ۲۲۵ - ۲۴۲

وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ﴿٣﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ
اور ڈھونڈتے ہیں اُس میں کجی وہ بھول پڑے ہیں دور اور کوئی رسول نہیں بھیجا ہم نے

إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللَّهُ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن
مگر بولی بولنا اپنی قوم کی کہ ان کے آگے بیان کرے پھر بھٹکاتا ہے اللہ جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے جس کو

لانے کو پہلے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا کام ٹھہرایا اور پھر باذن ربہم فرمایا اس لئے حافظ ابو جعفر ابن جریر نے یہاں اذن کے معنے توفیق کے لئے ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعود کی حدیث گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا جس کے سبب سے انسان پر اللہ تعالیٰ کی تعظیم واجب ہے ایسی موٹی بات کو جو لوگ نہیں سمجھتے اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور عبادت میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں ان لوگوں کے گناہ سے بڑھ کر دنیا میں اور کوئی گناہ نہیں۔ اس حدیث کو آیت کے آخری ٹکڑے کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا کی زندگی پر گرویدہ ہو کر آخرت کے منکر اور اتنے بڑے گناہ کو گناہ نہیں جانتے اور ایک موٹی بات جو ان کو سمجھائی جاتی ہے اُس کو دنیا کی گرویدگی کے آگے کچھ نہیں سمجھتے اس واسطے اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن ایسے لوگوں کے لئے سخت عذاب تجویز فرمایا ہے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباس کی حدیث گزر چکی ہے کہ نرم عذاب والے شخص کے پیروں میں آگ کی جوتیاں قیامت کے دن پہنا دی جاویں گی جس سے اُس شخص کا بھیجا پگھل کر نکل پڑے گا۔ اس نرم عذاب کا حال سن کر سخت عذاب کا اندازہ ہر شخص کر سکتا ہے۔ اللہ کی راہ سے روکنا مثلاً جیسے عمرو بن لحی نے کیا کہ ملت ابراہیمی کو بگاڑ کر لوگوں کو اُس ملت کے موافق عمل کرنے سے روکا اللہ کے راستے میں کجی کا ڈھونڈنا مثلاً جیسے ان مشرکوں کا یہ کہنا کہ قرآن میں سے بتوں کی مذمت کی آیتیں نکال دی جاویں۔

۴ ۔ مشرکین حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض ہو کرتے تھے کہ یہ قرآن خود ان کا بنایا ہوا ہے خدا کی طرف سے نہیں آیا اگر کسی اور زبان میں ہوتا تو ہم یقین کرتے یہ تو انہیں کی زبان میں ہے خود انہوں نے بنا لیا ہے اسی کے جواب میں یہ آیت اتری کہ یہ بہت بڑا خدا کا احسان ہے کہ جتنی قوم میں رسول اس نے بھیجے سب انہیں میں سے اور جتنی کتابیں اتاریں انہیں کی زبان میں نہیں تو پھر لوگوں کو جو دقتیں پیش آتیں اس کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ اپنی زبان ہوتے پر تو یہ کفر و انکار ہے دوسری زبان ہوتی تو یہ عذر تھا کہ سمجھنے سے عاجز ہیں اسی واسطے ہمیشہ یہی دستور رکھا گیا ہے کہ ہر پیغمبر کو اُس کی قوم کی زبان میں کتاب دی تاکہ آسانی سے وہ خدا کے احکام ان لوگوں تک پہنچا دیں باقی رہا اُن کا ایمان لانا اور گمراہ رہنا تو وہ خدا کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہتا ہے اپنے علم ازلی کے موافق اُن آسمانی احکام کے پابند ہونے کی توفیق دیتا ہے اور جس کا گمراہی کی حالت پر میلے اُٹھنا اُس کے علم ازلی میں ٹھہر چکا ہے اُس کو وہ اُس کی حالت پر چھوڑ دیتا ہے وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ وہ ایسا زبردست اور صاحب قدرت ہے کہ اگر وہ چاہے تو ان منکروں کو مجبور کر کے راہ راست پر لانا اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے چنانچہ سورۃ الانعام میں گزر چکا ہے ولو شاء اللہ ما اشرکوا [۶: ۱۰۷] جس کا مطلب یہ ہے کہ علم الٰہی میں جن لوگوں کا گمراہی کی

لہ تفسیر ابن جریر ص ۹۶ ج ۱۳ ہے جلد ہذا ص ۲۰۶-۲۲۲ ہے جلد ہذا ص ۲۴۷

يَشَآءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۴﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا أَنْ أَخْرِجْ
چاہے اور وہ ہے زبردست حکمتوں والا اور بھیجا تھا ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر کہ نکال

قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللَّهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ
اپنی قوم کو اندھیروں سے اُجالے کی طرف اور یاد دلا اُن کو دن اللہ کے البتہ اس میں نشانیاں

حالت میں دنیا سے اٹھ جانا ٹھہر چکا ہے ایسے لوگوں کو مجبور کر کے راہ راست پر لانا اللہ کو منظور نہیں ہے کیونکہ اُس کے سب کام حکمت کے ہیں انسان کو نیکی بدی کے کرنے کا اختیار دے کر دنیا کے پیدا کرنے میں نیک و بد کے جانچنے کی حکمت جو اُس نے رکھی ہے مجبوری کی حالت میں وہ باقی نہیں رہتی حاصل کلام یہ ہے کہ یہ دنیا عالم اسباب ہے جس کا ہر ایک کام کسی نہ کسی سبب پر منحصر ہے لیکن اُس اسباب میں تاثیر کا پیدا ہونا یہ اللہ تعالیٰ کے علم ارادہ اور حکم پر موقوف ہے جیسے مثلاً ایک ہی دوا کو دو مریض استعمال کرتے ہیں پھر جس مریض کا اس دوا سے شفا کا پانا اللہ کے علم اور ارادہ میں ٹھہر چکا ہے اُس کے حق میں دوا کی تاثیر کا حکم ہو جاتا ہے نہیں تو نہیں اسی طرح رسولوں کا آنا آسمانی کتابوں کا نازل ہونا یہ ہدایت کے اسباب ہیں لیکن ان اسباب میں ہدایت کی تاثیر کا پیدا ہو جانا یہ اللہ تعالیٰ کے علم اور ارادہ ازلی کے موافق اُسی کے ہاتھ ہے غرض فَيُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ کی تفسیر اہل سنت کے مذہب کے موافق یہی ہے جو بیان کی گئی۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعری کی حدیث گزر چکی[1] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی مثال مینہ کے پانی کی اور اچھے بُرے لوگوں کی مثال اچھی بُری زمین کی بیان فرمائی ہے۔ اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا کہ جو لوگ علم الٰہی میں نیک ٹھہر چکے ہیں اُن کے دل پر قرآن کی نصیحت کا ایسا ہی اثر پڑتا ہے جس طرح اچھی زمین پر مینہ کے پانی کا اثر پڑتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ علم الٰہی میں بد قرار پا چکے ہیں اُن کے حق میں قرآن کی نصیحت ایسی رائگاں ہے جس طرح بُری زمین میں مینہ کا پانی رائگاں جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کے لوگ عرب تھے اس واسطے اس آیت کے موافق قرآن شریف عربی زبان میں نازل ہوا لیکن سورۃ الاعراف کی آیت قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (۷: ۱۵۸) سے اور صحیح بخاری و مسلم کی جابر بن عبداللہ اور مسلم کی ابوہریرہؓ کی اس مضمون کی حدیثوں سے جب کہ یہ معلوم ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کل مخلوق کے لئے تھی[2] تو آیت کا یہ مطلب ہوا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے لوگوں کو قرآن کا مطلب عربی زبان میں سمجھا دیں اور ہر قوم کے عالم لوگ اپنی زبان میں قرآن کا ترجمہ اور قرآن کی تفسیر کر کے باقی کے لوگوں کو سمجھا دیں تاکہ عام نبوت کا اثر سب لوگوں میں پھیل جاوے۔

۵---۶۔ خاص کر حضرت موسیٰ کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اور انبیاء کے مبہم ذکر کے بعد اس لئے فرمایا کہ قریش اس بات کو سمجھیں کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ کی نصیحت مان لی اور نبی وقت کے کہنے کے موافق چلے تو انجام اُن کا یہ ہوا کہ ایک مدت تک ان میں حکومت اور بادشاہت اور دین کی سرداری قائم رہی اب اللہ تعالیٰ نے بنی اسمٰعیل میں ان نبی آخر الزمان

[1] جلد ہذا ص ۲۲۰ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۵۲۲-۵۲۳ ج ۲۔

لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ

ہیں اس کے واسطے جو ثابت رہنے والا ہے حق ماننے والا اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو یاد کرو اللہ کا احسان

عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ

اپنے اوپر جب چھڑایا تم کو فرعون کی قوم سے وہ دیتے تم کو بُری مار اور ذبح کرتے

اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۚ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝

بیٹے تمہارے اور جیتی رکھتے عورتیں تمہاری اور اس میں مدد ہوئی تمہارے رب کی بڑی

کو بھیجا ہے اگر تم بھی نبی وقت کی اطاعت کرو گے تو تم کو بھی وہی حکومت اللہ دیوے گا اللہ سچا ہے اور اللہ کا وعدہ سچا ہے چنانچہ جس طرح اللہ نے وعدہ فرمایا ہے وہی ظہور میں آیا کہ قریش میں سے جن لوگوں نے اسلام قبول کیا اُن کو حکومت اور خلافت ملی اور اُن کے خاندانوں میں ایک مدت دراز تک وہ حکومت قائم رہی خلفاء بنی امیہ اور عباسیہ کی تاریخی کتابیں جس نے دیکھی ہیں وہ جانتا ہے کہ کس قدر وسیع زمانہ اس حکومت کا دنیا میں گزرا ہے جب آخر کو جس اطاعت کے سبب سے اس حکومت کا پایہ بڑا تھا اس اطاعت کو ان لوگوں نے چھوڑ دیا تو وہ حکومت بھی جاتی رہی ظلمات اور نور کی تفسیر میں مسند امام احمد نسائی اور دارمی کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعود کی معتبر روایت اوپر گزر چکی ہے[1] وہی حدیث یہاں بھی آیت کے اس ٹکڑے کی تفسیر ہے جس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جس طرح اے رسول اللہ کے ہم نے تم کو قرآن اور معجزات دے کر لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کو تورات اور معجزات دے کر بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے بھیجا تھا۔ مجاہد کے قول کے موافق اَيّٰمِ اللّٰهِ کی تفسیر اللہ تعالیٰ کا وہی احسان کا زمانہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون کے طرح طرح کے ظلم سے نجات دی۔ آگے کی آیت میں خود اللہ تعالیٰ نے بھی اس احسان کا ذکر فرمایا ہے جس سے مجاہد کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے نسائی اور زوائد مسند امام احمد میں ابی بن کعب کی ایک حدیث بھی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام اللہ کی یہی تفسیر فرمائی ہے۔ بنی اسرائیل نے فرعون کے ظلم پر صبر کیا جس کے اجر میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمن کو ڈبو کر ہلاک کر دیا پھر ان لوگوں نے اس نعمت کے شکریہ میں انہوں نے اللہ کے رسول موسیٰ علیہ السلام کی فرمانبرداری کی اس لئے اللہ تعالیٰ نے دشمن کی ہلاکت سے بڑھ کر بنی اسرائیل پر یہ احسان کیا کہ ان کو بادشاہت اور نبوت کا مرتبہ عنایت فرمایا حاصل کلام یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے اس قصہ میں صبر اور شکر دونوں کا نتیجہ ہے اس واسطے کہ اس قصے میں ہر صبر کرنے والے اور شکر کرنے والے کے لئے اس بات کی نشانیاں ہیں کہ صبر اور شکر رائگاں نہیں جاتا مطلب وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا کہ اگر قریش قرآن کی نعمت کے شکریہ میں قرآن کی نصیحت پر چلیں گے اور قرآن کے احکام کی تعمیل میں جو کچھ تکلیف ہے اس پر صبر کریں گے تو ان کا انجام بھی اچھا ہو گا بلاء کے معنے عذاب اور نعمت دونوں کے ہیں۔ اس قصے میں فرعون کے ظلم اللہ کی نعمت دونوں کا ذکر ہے اس لئے بلاء کا لفظ فرمایا۔ بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم سے

[1] جلد ہذا ص ۲۴۶ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۵۲۳ ج ۲۔

وَاِذۡ تَاَذَّنَ رَبُّكُمۡ لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ وَلَئِنۡ كَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِىۡ لَشَدِيۡدٌ ﴿۷﴾

اور جب سنا دیا تمہارے رب نے کہ اگر حق مانو گے تو اور دوں گا تم کو اور اگر ناشکری کرو گے تو میری مار سخت ہے

بچاتے ہیں اور اس کے بعد نبوت اور بادشاہت کے انہیں مل جانے ہیں اللہ کی مدد تھی اسی واسطے شاہ صاحب نے بلا کا مرادی ترجمہ مدد کے لفظ سے کیا ہے۔ مدد کرنے والی کی نام وری ہوتی ہے اس لئے امام اللہ کے فائدہ میں سائے کا لفظ لکھا ہے جس کے معنے نام وری کے ہیں۔ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو جو فرعون قتل کراتا تھا اس کا سبب اور فرعون کے ڈوب کر ہلاک ہونے کا قصہ سورت بقرہ میں گزر چکا ہے۔

اس سے پہلے کی آیت میں موسیٰ علیہ السلام کے زبانی ان کی قوم بنی اسرائیل سے کہا گیا تھا کہ خدا نے تم پر کیا کیا احسان کئے فرعون کے ظلم سے تمہیں اور تمہارے بال بچوں کو بچایا جس کا شکر تم کسی طرح ادا نہیں کر سکتے پھر کہا کہ خدا نے یہ حکم موسیٰ علیہ السلام کی معرفت دے رکھا ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو تمہیں اور زیادہ نعمت ملے گی اور اگر ناشکری کرو گے تو یاد رکھو کہ اللہ کا عذاب بہت سخت ہے معتبر سند سے انسؓ کی ایک حدیث بخاری نے اپنی تاریخ میں نقل کی ہے کہ منجملہ ان پانچ چیزوں کے جن کے سبب سے دوسری پانچ چیزیں انسان کو مل جاتی ہیں ایک شکر بھی ہے کہ شکر کی عادت سے نعمت کی زیادتی ہو جاتی ہے[1] یہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت کا ایک ٹکڑا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اے بنی اسرائیل جس اللہ تعالیٰ نے تمہارے دشمن فرعون کو ہلاک کر دینے کا احسان تم پر کیا ہے اس کا یہ حکم ہے کہ اس کی اس نعمت کی شکر گزاری اگر تم کرو گے تو وہ تم کو اور نعمتیں دیوے گا اور اگر تم اس کی نعمت کی ناشکری کرو گے تو تم نے دیکھ لیا کہ ناشکری کا وبال فرعون اور اس کی قوم پر کیسا پڑا۔ شکر کے مقابلہ میں کفر کے معنے ناشکری کے ہوتے ہیں۔ بنی اسرائیل میں جب تک شکر گزاری کی عادت رہی اس وقت تک نبوت بادشاہت سب کچھ رہا اور جب ان میں ناشکری پھیلی تو کچھ بھی نہ رہا۔ شکر گزاری کے زمانے تک بنی اسرائیل میں اور اس امت میں جو اقبال مندی رہی اور بعد اس کے ناشکری کے سبب سے اس اقبال مندی پر جو زوال آیا وہ سب قصے گویا آیت کی تفسیر ہیں معتبر سند سے زوائد مسند میں نعمانؓ بن بشیر سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا احسان مندی کے طور پر اللہ کی نعمت کا تذکرہ زبان پر لانا یہ اللہ کی نعمت کی شکر گزاری ہے اور اللہ کی نعمت کو چھپانا اور بھول جانا ناشکری ہے اور تھوڑی نعمت کی ناشکری بڑی نعمت کی ناشکری سکھا دیتی ہے[2] اور لوگوں کے احسان کی ناشکری آدمی کو اللہ تعالیٰ کے احسانات کی ناشکری کی حد تک پہنچا دیتی ہے۔ شکر گزاری اور ناشکری کی تفسیر میں اس حدیث کو بڑا دخل ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عمروؓ بن عوف انصاری کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ کو اپنی امت کی تنگ حالی کا کچھ اندیشہ نہیں اندیشہ تو یہ ہے کہ پہلی امتوں کی طرح ان کو فارغ البالی ہوگی اور اس فارغ البالی کے زمانہ میں طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہو کر ایک دوسرے کی ریس اور حرص

---

[1] تفسیر الدر المنثور ص ۷۰ جلد ۴۔ [2] تفسیر ہذا جلد دوم ص ۲۴۴ بحوالہ مسند امام احمد ص ۲۷۸ ج ۴ [3] تفسیر ہذا جلد دوم ص ۳۶۸۔

وَقَالَ مُوسَىٰ إِنْ تَكْفُرُوا أَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿۸﴾

اور کہا موسیٰ نے اگر منکر ہو گئے تم اور جو لوگ زمین میں ہیں سارے تو اللہ بے پرواہ ہے سب خوبیوں سراہا

کرنے لگے گا۔ اور آخر کو پہلی امتوں کی طرح ان پر بھی تباہی آجائے گی۔ یہ حدیث بنی اسرائیل اور اس امت کے شکرگزاری اور ناشکری کے زمانے کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان دونوں امتوں نے جب تھوڑی نعمت پر شکرگزاری کا برتاؤ کیا تو پوری فارغ البالی حاصل ہوئی اور پوری فارغ البالی کے زمانے میں جب ناشکری کے ڈھنگ برتے تو بربادی آگئی۔

۸؎ اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ وہ بنی اسرائیل کو اللہ کی نعمتیں یاد دلا دیں اور اللہ تعالیٰ کی شکرگزاری اور فرمانبرداری کی نصیحت کریں اس حکم الٰہی کے موافق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو وعظ کے طور پر طرح طرح کی نصیحتیں جو کی ہیں ان آیتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ان نصیحتوں کا ذکر ہے یہ ایک عادت الٰہی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس شکرگزاری کی جزا میں اور نعمت پر نعمت دیتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر نہیں کرتا آخر کو وبال میں گرفتار ہو جاتا ہے فرعون اور اس کا لشکر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری سے وبال الٰہی میں سب گرفتار ہو گئے بنی اسرائیل نے جب تک اللہ تعالیٰ کی نعمت کی قدر دانی کی حکومت بادشاہت نعمت پر نعمت پائی اسی عادت الٰہی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی نصیحت میں جتلایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے قریش کی عبرت کے لئے اس نصیحت کو ان آیتوں میں ذکر فرمایا ہے۔ صحیح مسلم کی حضرت ابوذر رضی کی روایت کی حدیث قدسی[1] اوپر گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمام دنیا کے جن وانس اگر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور شکرگزاری اختیار کریں تو اس سے خدا کی خدائی میں کچھ بڑھ نہیں جاتا اور اگر یہ سب کے سب نافرمان اور ناشکر ہو جاویں تو خدا کی خدائی میں سے کچھ گھٹ نہیں جاتا اور یہ سب کے سب مل کر اپنی حاجتیں پوری ہونے کی اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور اللہ تعالیٰ ان سب کی حاجت روائی کرے تو بھی اللہ تعالیٰ کے خزانوں سے کچھ کم نہیں ہوتا غرض شکرگزاری کے عوض میں اللہ تعالیٰ جو نعمتیں اپنی شکرگزار مخلوق کو دنیا میں دیتا ہے اور عقبیٰ میں ایک نیکی کا دس سے لے کر سات سو تک اس نے اجر ٹھہرا رکھا ہے یہ محض اس کا فضل ہے ورنہ اس کو کسی کی شکرگزاری اور کسی کے نیک عمل کی کچھ پروا نہیں ہے اسی واسطے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی نصیحت میں بنی اسرائیل کو سمجھا دیا کہ شکرگزاری اور فرمانبرداری کا بدلہ جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ملتا ہے وہ اللہ کا فضل اور اس کی قدر دانی ہے ورنہ تمام روئے زمین کی مخلوقات اگر ناشکر اور نافرمان بن جاوے تو خدا تعالیٰ کو اس کی کچھ پروا نہیں کیونکہ کسی کی ناشکری اور نافرمانی سے اس بادشاہ حقیقی کی بادشاہی میں کچھ فرق نہیں آتا وہ بادشاہی دنیا کے بادشاہوں کی بادشاہی جیسی نہیں ہے کہ رعیت کی سرکشی یا فوج کی بغاوت سے اس بادشاہی میں کچھ فتور پڑ جاوے پہلی امتیں جو اللہ کی نافرمانی کے سبب سے غارت ہو گئیں اس نصیحت میں ان کا ذکر کر کے آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی بنی اسرائیل کو سمجھا دیا کہ جس طرح شکرگزاری کی جزا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عادت الٰہی قرار دے رکھی ہے اسی طرح یہ بھی عادت الٰہی ہے کہ ناشکر اور نافرمانبردار لوگوں کو اللہ تعالیٰ دین دنیا کے وبال میں گرفتار کر دیتا ہے۔

[1] تفسیر ہذا جلد دوم ص ۳۶۸ [2] تفسیر ہذا جلد دوم ص ۲۰۰ و جلد ہذا ص ۲۲۳۔

مع

أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ ۛ وَالَّذِينَ

کیا نہیں پہنچی تم کو خبر اُن کی جو پہلے تھے قوم نوح کی اور عاد اور ثمود اور جو اُن سے

مِن بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ ۚ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرَدُّوا

پیچھے ہوئے اُن کی خبر نہیں مگر اللہ کو آئے اُن پاس رسول اُن کے نشانیاں لے کر پھر لے

أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوا إِنَّا كَفَرْنَا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ وَإِنَّا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا

دئے اپنے ہاتھ منہ میں اور بولے ہم نہیں مانتے تمہارے ہاتھ بھیجا اور ہم کو شبہ ہے اس راہ

۹۔ یہاں مفسروں نے دو معنے بیان کئے ہیں بعضے یہ کہتے ہیں کہ اوپر کی نصیحت کے سلسلہ میں یہ خطاب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل کی طرف کیا ہے کہ کیا تم لوگوں کو نہیں معلوم ہے کہ تم سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم اور قوم عاد اور قوم ثمود گزری ہیں جن کے پاس رسول معجزے اور نشانیاں لے کر آئے اور ان لوگوں نے اس کو قبول نہیں کیا منہ پر ہاتھ رکھ لیا اور کہنے لگے کہ تم جو کچھ خدا کی طرف سے لے کر آئے ہو ہم اُس کا انکار کرتے ہیں ہمیں تو یقین نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول ہو اور جو تم ہمیں نصیحت کرتے ہو وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اور بعضے مفسروں نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت علیحدہ ہے اوپر کی آیتوں سے اُس کو لگاؤ نہیں ہے بلکہ خدا نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو خطاب کیا ہے اور قوم نوحؑ اور عاد و ثمود کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ بے شمار قومیں گزری ہیں جن کی گنتی سوائے خدا کے اور کسی کو نہیں معلوم ہے اُن کے رسول طرح طرح کے معجزے لے کر آئے مگر قوم نے ہاتھوں کو منہ پر رکھ کر اُنہیں اشارہ کیا کہ چپ رہو اور اُن کو جھٹلایا فَرَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ کی تفسیر یوں بھی بیان کی گئی ہے کہ کفار نے غصہ میں ہاتھوں کو اپنے دانتوں سے کاٹا اور یوں بھی تفسیر کی گئی ہے کہ تعجب اور مسخرا پن سے اس قدر ہنسے کہ ہاتھوں کو منہ پر رکھ لیا بہر حال صاف انکار کر دیا کہ ہم تمہاری بات کی تصدیق نہیں کرتے اور ہمیں تو تمہاری رسالت میں بہت ہی شک ہے۔ حافظ ابو جعفر ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اسی قول کو ترجیح دی ہے کہ یہ بھی موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت کا ایک ٹکڑا ہے[1] فَرَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ کے یہ معنے حافظ ابو جعفر نے قوی ٹھہرائے ہیں کہ مشرک لوگ رسولوں سے اپنے بتوں کی مذمت سن کر جوش میں آجاتے تھے اور اس جوش کی حالت میں اپنی اُنگلیاں دانتوں سے کاٹنے لگتے تھے۔[2] معتبر سند سے طبرانی اور مستدرک حاکم میں عبد اللہ بن مسعود کا قول بھی اسی کے موافق ہے[3] جس سے یہی معنے صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ معتبر سند سے مسند امام احمد ترمذی اور نسائی میں حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ابو طالب کی بیماری کے وقت ابو جہل اور بہت سے مشرک ابو طالب کی بیمار پرسی اور خبر کو آئے تھے اُس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگوں کو شرک کے چھوڑنے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرنے کی نصیحت کی جس سے وہ لوگ بڑے جوش میں آن کر اس مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے۔[4] صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث گزر چکی ہے[5] جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ

[1] تفسیر ابن جریر ص ۱۸۹ ج ۱۳ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۵۲۲ ج ۲ [3] تفسیر فتح البیان ص ۹۰۶ ج ۲ و مجمع الزوائد ص ۴۴ ج ۷، صاحب مجمع الزوائد نے سند کو ضعیف لکھا ہے۔ [4] جامع ترمذی ص ۱۵۵ ج ۲ تفسیر سورت ص و تفسیر فتح البیان ص ۶ ج ۴ [5] جلد ہذا ص ۲۰۲-۲۲۲-۲۲۵-۲۴۰-۲۴۶-

تَدْعُوْنَنَا اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ⑨ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ

میں جس طرف ہم کو بلاتے ہو جس سے خاطر جمع نہیں بولے اُن کے رسول کیا اللہ میں شبہ ہے جس نے بنائے آسمان اور

الْاَرْضِ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى

زمین تم کو بلاتا ہے کہ بخشے تم کو کچھ گناہ تمہارے اور ڈھیل دے تم کو ایک وعدہ تک جو ٹھہر چکا ہے

قَالُوْا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ

کہنے لگے تم تو وہی آدمی ہو ہم سے چاہتے ہو کہ روک دو ہم کو ان چیزوں سے جن کو پوجتے رہے

تعالیٰ نے اپنے علم غیب کے موافق لوح محفوظ میں یہ لکھ لیا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد کتنے آدمی جنت کے قابل کام کریں گے اور کتنے دوزخ کے قابل اور جس حالت کے قابل جو کوئی پیدا ہوا ہے اُس کو ویسے ہی کام آسان اور اچھے معلوم ہوتے ہیں ان حدیثوں کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نوح علیہ السلام سے لے کر قریش کے شرک کی حالت پر مرجانے والے لوگوں تک جو لوگ طرح طرح کے عذابوں سے دنیا میں ہلاک ہوئے اور عقبیٰ میں دوزخ کے قابل ٹھہرے لوح محفوظ میں اُن کی یہی حالت لکھی گئی تھی اس لئے اس حالت کے برخلاف نصیحت کو سُن کر وہ لوگ جوش میں آجاتے تھے اور اللہ کے رسولوں کو جھٹلاتے تھے۔

۱۔ جب کفار نے رسولوں کو جھٹلا دیا اور یہ کہا کہ ہم کو تو شک ہے کہ تم اللہ کے رسول ہو یا نہیں اس پر رسولوں نے یہ جواب دیا کہ تم خدا کی ذات میں کس بات کا شک کرتے ہو کیا اُس کے موجود ہونے میں شک ہے یا اُس کے ایک ہونے میں شک ہے بہرحال تمہارا شک محض غلط ہے کیا آنکھوں سے یہ بھی نہیں دیکھتے کہ اُس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور ایسے وقت میں کہ کوئی مثال اس کی نہ تھی بغیر نمونہ اور بے دیکھے بھالے کسی شئی کا پیدا کرنا کیا اس بات کی نشانی نہیں ہے کہ خدا موجود ہے اور ایسا ہے کہ مثل نہیں رکھتا اپنا نظیر آپ ہی ہے۔ کسی کو اُس کی ذات یا صفات میں شراکت نہیں ہے۔ اور پھر تم لوگوں پر یہ اور احسان اُس کا ہے کہ رسولوں کو بھیج کر تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ آؤ میری طرف اور جو لوگ اُس کے رسول کو سچا جان کر حق بات کی پیروی کرنے لگتے ہیں اور سچے دل سے خدائے وحدہ لاشریک پر ایمان لے آتے ہیں اُن کے گذشتہ گناہوں سے درگزر کر کے مغفرت کا خلعت دیتا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے اُن پر بھی یہ مہربانی کرتا ہے کہ جلد عذاب بھیج کر اُن کو ہلاک نہیں کرتا وقت مقرر تک اُن کی زندگی قائم رکھتا ہے۔ ان باتوں کو سُن کر اور لاجواب ہو کر کفار نے دوسرا اعتراض پیش کیا کہ اے رسول تم تو ہماری طرح انسان ہو کھاتے پیتے ہو چلتے پھرتے ہو تمہیں ہم پر فضیلت ہی کیا ہے جو ناحق ہم کو ایک نئے دین و آئین پر لانا چاہتے ہو تمہارا اصل منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم ہم کو ہمارے باپ دادا کے پرانے معبودوں کی عبادت سے روک دو بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے باپ دادا کے طریقہ کو چھوڑ کر تمہارا دین اختیار کر لیں اور تمہارے ان معجزوں کو جو تم دکھلاتے ہو سند نہیں ہم تو جب جانیں کہ ہماری خواہش کے مطابق کوئی معجزہ اچھا سا کر دکھاؤ۔ صحیح بخاری اور مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث گزر چکی ہے کہ دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کے موافق لوح محفوظ میں یہ لکھ لیا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد کتنے آدمی جنت کے قابل کام کریں گے اور کتنے دوزخ کے قابل اور جس حالت کے قابل جو کوئی پیدا ہوا ہے اُس کو ویسے ہی کام آسان

اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ⑩ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ

ہمارے باپ دادے سو لاؤ کوئی سند کھلی ان کو رسولوں نے ان کے تھے کہا ہم بھی آدمی ہیں

مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ

جیسے تم لیکن اللہ احسان کرتا ہے اپنے بندوں میں جس پر چاہے اور ہمارا کام نہیں کہ لے آویں تم

بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑪ وَمَا لَنَآ اَلَّا

پاس سند مگر اللہ کے حکم سے اور اللہ پر بھروسہ چاہیے ایمان والوں کو اور ہم کو کیا ہوا کہ

اور اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ اس حدیث اور آیت کو ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ یہ لوگ علم الٰہی کے موافق دوزخی قرار پا چکے تھے اس لئے ان کی سمجھ میں اتنی موٹی بات نہیں آئی کہ جب آسمان و زمین انسان اور انسان کی سب ضرورت کی چیزوں کو اللہ نے پیدا کیا ہے ان کے بتوں میں سے کوئی اس میں اس کا شریک نہیں ہے تو پھر عبادت کے قابل بھی وہی ایک ذات وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس موٹی بات کے سمجھانے کے بعد بھی جو ان لوگوں نے اللہ کے رسولوں سے فَاْتُوْنَا بِسُلْطَانٍ مُّبِيْنٍ کا سوال کیا تو اس کا سبب یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے موافق ان کی قسمت میں دوزخ میں جانا لکھا تھا۔

۱۱۔۱۲۔ یہ کفار کے اس اعتراض کا جواب ہے جو انہوں نے رسولوں سے اعتراض کے طور پر یہ کہا کہ تم تو ہماری طرح انسان ہو کوئی فضیلت ہم پر نہیں رکھتے ہو اس کا رسولوں نے یہ جواب دیا کہ بیشک ہم تمہاری طرح انسان ہیں اور انسانیت کا جو تقاضا ہے تمہاری طرح وہ ہم میں بھی ہے مگر اللہ پاک جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے اور اسے پیغمبر بناتا ہے اور جس رسول کو جیسا چاہتا ہے معجزہ عطا کرتا ہے جسے وہ کر دکھاتا ہے اگر تم چاہو کہ تمہاری خواہش کے موافق کوئی معجزہ دکھایا جائے تو یہ کسی رسول سے بھی اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک خدا کا حکم نہ ہو اور ایمان لانے والے کا بھروسا تو خدا پر ہونا چاہیے ایسے لوگوں کو یہ بات واجب نہیں ہے کہ جب اپنی فرمائش کے مطابق معجزہ دیکھ لیں تو ایمان لائیں اور ہم تو اس پر بھروسہ کرتے ہیں کیوں کہ ہمیں تو اس نے اپنے راہ حق کی ہدایت کی ہے اور تمہاری ایذا رسانی اور تکلیف دہی پر ہم کیوں نہ صبر کریں کہ ہم کو تو اس صبر کے اجر کا اللہ پر بھروسہ ہے۔ صحیح بخاری میں عبد اللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے اپنی چادر آپ کے گلے میں ڈال کر پھانسی دے دی۔[1] اس قسم کی اور صحیح روایتیں ہیں جن میں یہ ذکر ہے کہ ہجرت سے پہلے مشرکین مکہ آپ کو اور آپ کے صحابہ کو بہت تکلیفیں دیا کرتے تھے حاصل کلام یہ ہے کہ پہلے رسولوں کے قصے میں امت کے لوگوں کی ایذا رسانی اور رسولوں کے صبر کا ذکر اس واسطے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی یہ تسلی ہو جاوے کہ مخالف لوگوں کا ہمیشہ سے اللہ کے رسولوں کے ساتھ یہی سلوک رہا ہے لیکن آخر کو اللہ کے رسولوں اور ان کے ساتھ کے نیک لوگوں کا انجام اچھا ہوا ہے اب بھی وہی انجام ہونے والا ہے سو اللہ سچا ہے اور اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبد اللہ بن مسعود اور ابوہریرہ کی روایتیں گزر چکی ہیں[2] کہ جن بتوں کی حمایت میں مشرکین مکہ کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مخالفت تھی فتح مکہ کے

[1] ص ۵۴۴ جلد اول باب ذکر ما لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ [2] جلد ہذا ص ۲۲۵۔

نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ۚ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ

بھروسہ نہ کریں اللہ پر اور وہ سمجھا چکا ہم کو ہماری راہیں . اور ہم صبر کریں گے ایذا پر جو تم ہم کو دیتے ہو اور اللہ پر

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ

بھروسا چاہئے بھروسے والوں کو اور کہا منکروں نے اپنے رسولوں کو ہم نکال دیں گے تم کو

اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۚ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۳﴾

اپنی زمین سے یا پھر آ ؤ ہمارے دین میں تب حکم بھیجا ان کو ان کے رب نے ہم کھپاویں گے ان ظالموں کو

وقت اللہ کے رسول نے ان بتوں کو لکڑیاں مار مار گرادیا اور کسی مشرک سے کچھ حمایت نہ ہو سکی۔ سب کام اللہ کو سونپ دینے کو توکل کہتے ہیں اور آدمی کی جب تک یہ حالت نہ ہو تو اس سے تکلیف کے وقت صبر نہیں ہو سکتا اسی واسطے قرآن شریف میں اکثر جگہ صبر اور توکل کا ذکر ساتھ آیا ہے۔

۱۳-۱۴۔ یہ سلسلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس وعظ کا چلا آتا ہے جس کا ذکر اوپر گزرا پہلے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود بنی اسرائیل کو طرح طرح کی نصیحت وعظ کے طور پر کی پھر اس وعظ میں سب سے اول صاحب شریعت نبی حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت شعیب علیہ السلام تک کے انبیاء نے اپنی امتوں کو جو جو نصیحتیں کی تھیں ان سب کا ذکر کیا اور ان سب نصیحتوں کو سن کر ان پہلی امتوں کے لوگوں نے اپنے اپنے رسولوں کو جو جوابات دیئے ہیں ان جوابوں کا یہ ذکر ہے کہ یا انہوں نے یہ کہا کہ ہم اور تم ایک سے انسان ہیں پھر ہم تم کو اللہ کا رسول کیوں کر جان لیویں یا یہ کہا کہ تم نصیحت سے باز نہ آؤ گے اور اپنے آپ کو اللہ کا رسول کہے جاؤ گے تو ہم تم کو اپنی بستی سے نکال دیویں گے یا تم کو زبردستی ہمارا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔ منکر امتوں کے جہاں تک قرآن شریف میں قصے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر قریش تک یہی دو تین باتیں اللہ کے رسولوں سے کہتے رہے اسی واسطے سورت والذاریات میں اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے اس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک مرنے والا دوسرے کو اور دوسرا تیسرے کو وصیت کر جاتا ہے اور سب آپس کی وصیت پر چلتے اور عمل کرتے رہتے ہیں یہی حال ان پہلی امتوں کا ہے کہ ایک سی ہی باتیں یہ سب انبیاء سے کرتے چلے آتے ہیں پھر فرمایا کہ ان سب کا بہکانے والا شیطان ابتدائے دنیا سے آخر تک ایک ہی ہے ایک سے ہی وسوسے اس نے سب کے دلوں میں ڈالے ہیں اس لئے ان سب نے ایک سی باتیں کی ہیں اس سلسلے مطلب کو اللہ تعالیٰ نے سورت والذاریات کے ان مختصر لفظوں میں ادا فرمایا ہے۔ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ (۵۱: ۵۳) حاصل کلام یہ ہے کہ ان آیتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جس نصیحت کا ذکر ہے یہ ایسی ایک فائدہ مند صاحب تاثیر اور مختصر نصیحت ہے کہ عمل کرنے والے شخص کو نجات عقبیٰ کے لئے یہی ایک نصیحت کافی ہے یہ اس طرح کی ایک کامل نصیحت ہے جس طرح ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے معاویہؓ کو نصیحت کی ہے چنانچہ ترمذی میں روایت ہے کہ معاویہؓ نے حضرت عائشہؓ کو اس مضمون کا خط لکھا کہ مجھ کو کوئی ایسی مختصر اور فائدہ مند نصیحت لکھ کر بھیج دو کہ اس نصیحت کے بعد پھر مجھ کو کسی نصیحت کی ضرورت باقی نہ رہے حضرت عائشہؓ نے اس خط کے جواب میں جو خط لکھا اس کا

وَلَنُسۡكِنَنَّكُمُ الۡاَرۡضَ مِنۡ بَعۡدِهِمۡ ؕ ذٰلِكَ لِمَنۡ خَافَ مَقَامِىۡ وَخَافَ

اور بسا دیں گے تم کو اس زمین میں ان کے پیچھے یہ ملتا ہے اس کو جو ڈرا کھڑے ہونے سے میرے سامنے اور ڈرا

وَعِيۡدِ ﴿۱۴﴾

میرے عذاب کے وعدے سے

حاصل یہ ہے کہ جس شخص نے اللہ کی رضامندی کا خیال اپنے دل میں رکھا اور دنیا کے لوگوں کی نارضامندی کی کچھ پروا نہ کی خدا تعالیٰ ایسے شخص کے لئے ایسے سبب کھڑے کر دے گا کہ دنیا کے سب لوگ خود بخود اس شخص سے راضی اور خوش رہویں گے۔ اور جس شخص نے دنیا کے لوگوں کی رضامندی کو مقدم رکھا اور اللہ کی رضامندی کا خیال اپنے دل میں نہ رکھا اس سے نہ دنیا کے لوگ خوش رہ سکتے ہیں اور نہ خدا تعالیٰ خوش رہتا ہے۔ اس خط میں حضرت عائشہ رضؓ نے یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنا تھا وہی لکھا ہے۔ اس قصے کو ترمذی نے مرفوع اور موقوف دونوں طرح سے روایت کیا ہے[1] جس سے ایک روایت کو دوسری سے تقویت ہو جاتی ہے۔ جو حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاوے اس کو مرفوع کہتے ہیں اور جس حدیث کی روایت کسی صحابی پر ٹھہر جاوے اس کو موقوف کہتے ہیں حضرت عائشہؓ کے خط کا مضمون ایک غیب کی بات ہے عقل کا اس میں کچھ دخل نہیں ہے اس لئے ایسے موقع پر صحابی کا قول حدیث نبوی کے حکم میں شمار کیا جاتا ہے۔ نبوت کے زمانہ سے پہلے اللہ کے رسول بتوں کی مذمت جو نہیں کرتے تھے اس سے امت کے بت پرستوں نے یہ سمجھا کہ اللہ کے نبی بھی پہلے ہمارے طریقہ پر تھے اس خیال سے ان لوگوں نے اَوۡ لَتَعُوۡدُنَّ فِىۡ مِلَّتِنَا کہا اور نہ حقیقت میں اللہ کے نبی شرک سے معصوم ہیں۔ اور بسا دیں گے تم کو اس زمین میں۔ سورت اعراف میں اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کا ظہور گزر چکا ہے کہ نافرمان لوگوں کو برباد کر کے رسولوں کے فرمانبردار لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اس زمین میں بسایا۔ آخر آیت میں فرمایا کہ ان فرمانبردار لوگوں کو اس زمین میں اس لئے بسایا کہ یہ لوگ اللہ سے ڈرتے تھے اور حساب و کتاب کے لئے ایک دن اللہ کے روبرو کھڑے ہونے کا ان لوگوں کے دل میں اندیشہ تھا معتبر سند سے ترمذی میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے دل میں اللہ کا خوف ہوگا اس کو عقبیٰ کے نجات کی منزل طے کرنے کا ایسا اندیشہ لگا رہے گا جس طرح بعضے چست مسافر پچھلی رات سے راستہ طے کرنا شروع کر دیتے ہیں اور سویرے سے مقام پر پہنچ جاتے ہیں[2]۔ معتبر سند سے طبرانی میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے دل میں عقبیٰ کی درستی کا خیال ہوگا اس کی دنیا بھی اچھی گزرے گی[3]۔ ان حدیثوں کو آیت کے آخری ٹکڑے کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ پہلی امتوں میں سے جن لوگوں کے دل میں خدا کا خوف تھا ان کی عقبیٰ تو یوں درست ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رسولوں کی فرمانبرداری کی توفیق دی اور دنیا یوں درست ہوئی کہ نافرمانوں کو برباد کر کے ان کی جگہ ان فرمانبرداروں کو بسایا گیا۔ آگے بھی جو شخص ایسا ہوگا کہ اس کے دل میں

[1] الترغیب ص ۹۸ ج ۲ باب ترغیب الحاکم وغیرہ من ارضاء الناس الخ [2] الترغیب ص ۲۶۰ ج ۲ باب الترغیب فی الخوف الخ
[3] مجمع الزوائد ص ۲۴۹ ج ۱۰ باب فیمن احب الدنیا

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿١٥﴾ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى

اور فتح مانگنے لگے اور نامراد ہوا جو سرکش تھا ضد کرنے والا پیچھے اُس کے دوزخ ہے اور پلاویں گے

مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿١٦﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ

اُس کو پانی پیپ کا گھونٹ گھونٹ پیتا ہے اُس کو اور گلے سے نہیں اُتار سکتا اور چلی آتی ہے اس پر موت

مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۭ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿١٧﴾

ہر جگہ سے اور وہ نہیں مرتا اور اُس کے پیچھے مار ہے گاڑھی

خدا کا خوف ہوگا تو دین و دنیا میں اُس کا یہی انجام ہوگا۔

۱۵۔ ۱۷۔ رسولوں نے اپنے رب سے کفار پر فتح چاہی اور بعض مفسروں نے یہ بھی کہا ہے کہ اُن کفار نے بھی چاہا کہ یہ رسول سچے ہوں تو اُن لوگوں پر عذاب آجائے غرض کہ دونوں معنے یہاں ممکن ہیں پھر فرمایا کہ تکبر کرنے والے اور خدا پر ایمان نہ لانے والے کلمہ توحید سے منہ موڑنے والے ہلاک ہوئے اور اللہ نے اپنے رسولوں اور اُن کے ساتھ کے مومنوں کو فتح دی اور پھر ان کفار کے لئے یہ حکم فرمایا کہ فقط اس ہلاکت پر ہی بس نہیں ہے اُن کے سامنے جہنم بھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں تو یہ لوگ ہلاک ہوئے اور ساری ملکیت پر ان ہی مومنوں کا قبضہ ہوا اور آخرت میں جہنم بھی ان کے واسطے تیار ہے وہاں پانی کی جگہ پینے کو پیٹ کا لاہوا جوش کھاتا ہوا پانی غرض ایسی چیزیں پینے کو دی جاویں گی جس کو یہ لوگ پی نہ سکیں گے مارے بدبو کے حلق سے نیچے نہ اُتریں گی۔ فرشتے عذاب کے ہتھوڑے مار مار کر زبردستی پلائیں گے بمشکل گھونٹ گھونٹ حلق سے نیچے اُتاریں گے اور ہر طرف سے موت دکھائی دے گی جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی تکلیف اور سختی ہوگی کہ گویا اب موت آئی اور اب آئی مگر وہاں موت کہاں وہاں تو موت ذبح کردی جائے گی پھر مرنا کیسا اس کے بعد فرمایا کہ اس پر بس نہ ہوگا بلکہ اس سے بھی اور سخت عذاب ہوگا اور ہر مرتبہ سختی اور تکلیف میں زیادتی کی جاوے گی۔ مسند امام احمد ترمذی اور مستدرک حاکم میں ابوامامہؓ سے ایک روایت ہے کہ دوزخیوں کے منہ کے پاس جب پیپ لائی جاوے گی تو اُس کی گرمی اور حدت سے منہ جھلس جائے گا اور سر کی کھال گل کر گر پڑے گی اور وہ لوگ اُس پیپ کو پی لیں گے تو انتیں کٹ کر پاخانہ کی راہ سے نکل پڑیں گی اگرچہ ترمذی نے ابوامامہؓ کی اس حدیث کو غریب کہا ہے لیکن حاکم نے اس کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے[1]۔ یہاں تو فقط دوزخیوں کو جو چیزیں پلائی جاویں گی اُن کا ذکر ہے سورت الغاشیہ میں گذرے گا کہ ان لوگوں کو ایک کانٹوں دار گھاس نگلائی جاوے گی جو حلق میں پھنس جاوے گی تو اُس وقت یہ کھولتا ہوا پیپ کا پانی ان لوگوں کو پلایا جائے گا۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ کی آگ کی تیزی دنیا کی آگ سے سترحصے زیادہ ہے[2] سوا ان حدیثوں کے دوزخ کے عذابوں کی تفصیل اور بہت سی صحیح حدیثوں میں ہے یہ سب حدیثیں عذاب غلیظ کی گویا تفسیر ہیں۔

[1] الترغیب ص ۳۱۹ ۔ ۳۲۰ ج ۲ فصل فی شراب اہل النار [2] الترغیب ص ۳۱۵ ج ۲ فصل فی شدۃ حرھا الخ۔

مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ

اعمال اُن کا جو منکر ہوئے اپنے رب سے اُن کے کئے جیسے راکھ زور کی چلی اُس پر ہوا آندھی

فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ ۖ لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ

کے دن کچھ ہاتھ میں نہیں اپنی کمائی میں سے بھی یہ ہے دور

الْبَعِيدُ ﴿١٨﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ إِنْ يَشَأْ

بہک پڑا تونے نہیں دیکھا کہ اللہ نے بنائے آسمان اور زمین جیسی چاہئے اگر چاہے

۱۸۔ اس آیت میں کفار کے اعمال کی مثال بیان کی گئی ہے کہ کفار جو نیکی کرتے تھے اُس کا ثواب بھی اُن کو کچھ نہ ملے گا بُرے عمل کی سزا جو کچھ ہوگی وہ تو ہوگی مگر ان کے نیک عمل جیسے صدقہ دینا صلہ رحمی کرنی محتاجوں کی حاجت برلانی باپ ماں کے ساتھ بھلائی کرنی ان کی بھی ایسی مثال قیامت کے دن ہو جاوے گی جیسے آندھی میں کوئی راکھ کو اُڑنے سے بچا نہیں سکتا اسی طرح سے قیامت کے دن کافروں کو نیک عملوں سے کوئی فائدہ نہ ہوگا کیوں کہ یہ لوگ اکیلے خدا پر ایمان نہیں لائے تھے بتوں کو خدا کا شریک کرتے تھے اس لئے ان کی یہ سب نیکیاں بھی برباد جاوے گی اور اُن کا اپنی نیکیوں کی بابت یہ خیال کہ ہم کو اِن کا اجر ملے گا بابت بڑی گمراہی ٹھہرے گی کیونکہ جو شخص خدا کو پورا پہچانتا ہی نہیں عقبیٰ کے عذاب و ثواب کا اُس کو یقین نہیں اُس کی نیکیاں خدا کے حکم کے موافق نہیں ہو سکتیں معتبر سند سے مسند امام احمد میں محمودؓ بن لبید سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے دکھاوے کے نیک عمل کو چھوٹا شرک فرمایا ہے[1]۔ مسند بزار اور طبرانی کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی معتبر روایت گزر چکی ہے[2] کہ جس عمل میں دنیا کے دکھاوے کا لگاؤ ہوگا وہ اعمال نامہ میں سے نکال کر قیامت کے دن پھینک دیا جاوے گا۔ ان حدیثوں سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ جب چھوٹا شرک نیک عملوں کو پھینک دینے کے قابل کر دیتا ہے تو بت پرستی کے بڑے شرک میں جو لوگ گرفتار ہیں اُن کے نیک عمل قیامت کے دن سوا پھینک دینے اور ہوا میں اڑا دینے کے اور کس کام کے ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ مشرکین مکہ عقبیٰ کے اجر کے تو قائل نہیں تھے اس واسطے اُن کے نیک کام فقط دنیا کے نام و نمود کے لئے ٹھہرے جو قیامت کے دن ہوا میں اڑ جاویں گے۔

۱۹۔ ۲۰۔ اس آیت میں اللہ پاک نے مشرکوں کو قائل کرنے کے لئے اپنی قدرت کا حال بیان فرمایا اور بظاہر اگرچہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا ہے مگر اس خطاب سے ساری امت مقصود ہے اس لئے فرمایا کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا آسمان و زمین کا پیدا کرنا ساری مخلوق کے پیدا کرنے سے مشکل ہے کیونکہ اس میں عجیب عجیب حکمتیں ہیں بہرحال وہ اگر چاہے تو ساری دنیا کو نیست و نابود کر دے اور اُس کی جگہ ایک نئی مخلوق پیدا کر دے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبداللہؓ بن مسعود کی حدیث گزر چکی ہے[3] کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا پھر اُس کی تعظیم اور عبادت میں جو لوگ دوسروں کو شریک کرتے ہیں اُن کے گناہ سے بڑھ کر دنیا میں کوئی گناہ نہیں۔ صحیح بخاری کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی یہ حدیث بھی

[1] الترغیب ص ۱۹ ج ۱ الترہیب من الریاء [2] الترغیب ص ۲۱ ج الترہیب من الریاء

[3] جلد ہذا ص ۲۰۴ - ۲۰۶ - ۲۲۲ - ۲۴۷ -

يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٩﴾ وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ﴿٢٠﴾ وَبَرَزُوا

تم کو لے جاوے اور لاوے کوئی پیدائش نئی اور یہ اللہ پر مشکل نہیں اور سامنے

لِلَّهِ جَمِيعًا فَقَالَ الضُّعَفَاءُ لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ

کھڑے ہوں گے اللہ کے سارے پھر کہیں گے کمزور بڑائی والوں کو ہم تھے تمہارے پیچھے سو کچھ بچاؤ گے

أَنتُم مُّغْنُونَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللَّهِ مِن شَيْءٍ ۚ قَالُوا لَوْ هَدَانَا اللَّهُ

تم ہم سے اللہ کی مار سے کچھ وہ بولے اگر ہم کو راہ پر لاتا اللہ

گزر چکی ہے کہ مشرکین مکہ نے عذاب کی جلدی کر کے یہ دعا مانگی تھی کہ اگر قرآن شریف اللہ کا کلام ہے اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں تو اس کے نہ ماننے کے وبال میں ہم لوگوں پر پتھروں کا مینہ برسے۔ ان حدیثوں کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب آسمان و زمین کو انسان کی ضرورت کی سب چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح پیدا کیا کہ اس میں ان بت پرستوں کے بتوں کا کچھ دخل نہیں ہے تو پھر یہ بت پرست ان بتوں کی پوجا کس استحقاق سے کرتے ہیں۔ عذاب کی جلدی جو یہ لوگ کرتے ہیں یہ بھی ان لوگوں کی نادانی ہے کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے پہلی بہت سی قوموں کو برباد کر کے ان لوگوں کو اُن کی جگہ بسایا اسی طرح ان کو برباد کر کے نئی مخلوق کا پیدا کر دینا اُس کی قدرت کے آگے کچھ دشوار نہیں ہے اب آگے فرمایا کہ اگر کسی مصلحت سے یہ لوگ دنیا کے عذاب سے بچ بھی گئے تو قیامت کے دن اللہ کے روبرو کھڑے ہو کر اس شرک کی جواب دہی ان کے سر سے کسی طرح ٹل نہیں سکتی۔

۲۱ — اس آیت میں فرمایا کہ ساری مخلوق قیامت کے دن ایک کشادہ میدان میں کھڑی کی جاوے گی اور اُن کے اعمال وہاں ظاہر کئے جائیں گے۔ اگرچہ ہر شخص کے عمل کا علم خدا کو ہے مگر جزا و سزا کا دارومدار اُس نے اپنے علم پر نہیں رکھا ہے اس لئے فرمایا کہ وہاں سب کے عمل ظاہر کئے جائیں گے تاکہ ہر ایک کو دوسرے کے عمل کی خبر ہو جائے اور ہر عمل کے مطابق جزا سزا کا ہونا عین انصاف پر خیال کیا جائے غرض کہ جب سب جمع ہو لیں گے اور جزا سزا ہو جائے گی تو بیچارے کمزور اور چھوٹی حیثیت کے آدمی بڑے لوگوں سے یہ کہیں گے کہ ہم تمہیں دیکھ کر اور تمہارے کہنے سے ہر ایک بات میں تمہارے ہی تابع رہے اور خدا اور رسول پر ایمان نہیں لائے تمہیں بھی اب مناسب ہے کہ یہاں ہمارے کچھ کام آؤ اور خدا کے اس عذاب میں کسی قدر کمی کراؤ وہ جواب دیں گے کہ اگر ہم دنیا میں ہدایت پاتے تو تمہیں بھی ہدایت پر لاتے ہم کیا کریں ہم آپ ہی مجبور ہیں اس وقت خواہ روئیں چلائیں یا صبر کریں اس عذاب سے کسی طرح رہائی نہیں ہو سکتی۔ صحیح بخاری مسلم ترمذی اور ابوداؤد میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے حساب میں قیامت کے دن کچھ کرید نکالی گئی وہ عذاب میں پھنس جاوے گا۔ معتبر سند سے ترمذی مسند بزار اور طبرانی میں ابی برزہؓ اور معاذ بن جبلؓ سے روایتیں ہیں جن میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار باتوں کی جواب دہی کے لئے ہر شخص کو قیامت کے دن اللہ

لہ صحیح بخاری ص ۶۹۶ ج ۲ باب قولہ واذ قالوا اللھم ان کان ھذا ھو الحق الخ ۔ لے صحیح بخاری ص ۹۶۷ ج ۲ باب من نوقش الحساب عذب ۔

لَهَدَيْنٰكُمْ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۲۱﴾ وَقَالَ

البتہ ہم تم کو راہ پر لاتے اب برابر ہمارے حق میں ہم بے قراری کریں یا صبر کریں ہم کو نہیں خلاصی اور بولا

الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ

شیطان جب فیصل ہو چکا کام اللہ نے تم کو دیا تھا سچا وعدہ اور میں نے وعدہ دیا

فَاَخْلَفْتُكُمْ ۭ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ

پھر جھوٹا کیا اور میری تم پر حکومت نہ تھی مگر میں نے بلایا تم کو پھر تم نے مان لیا مجھ کو

فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۭ

سو الزام نہ دو مجھے اور الزام دو اپنے تئیں نہ میں تمہاری فریاد کو پہنچوں اور نہ تم میری فریاد پر پہنچو

اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑا ہونا پڑے گا (۱) تمام عمر کس کام میں گزاری (۲) جوانی میں کیا کیا (۳) روپیہ پیسہ کیوں کر کمایا اور کہاں کہاں خرچ کیا (۴) دین کی کوئی بات سیکھی تو اس پر کیا عمل کیا۔[1] سورت نحل میں آوے گا کہ لوگوں کے بہکانے والوں کو بہکنے اور بہکانے کا دوہرا عذاب قیامت کے دن ہوگا۔ صحیح مسلم میں اس مضمون کی ایک حدیث بھی ابوہریرہ ؓ کی روایت سے[2] ہے سورت نحل کی آیت وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ (۱۶: ۲۵) کو اور ان حدیثوں کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جن لوگوں نے اوروں کو بہکا کر برے راستے سے لگایا اس حساب کی کرید اور جواب دہی کے وقت جب ایسے لوگوں کو دوہرے عذاب کا حکم ہوگا تو وہ گھبرا کر بہکنے والوں سے کہویں گے کہ ہم تو خود دوہرے عذاب میں گرفتار ہیں ہم سے کسی کی کیا مدد ہو سکتی ہے۔

۲۲۔ اوپر چھوٹے بہکانے والوں کا ذکر فرما کر اس آیت میں سب سے بڑے بہکانے والے کا ذکر فرمایا اس آیت میں شیطان کی جن باتوں کا ذکر ہے یہ اس وقت کی شیطان کی باتیں ہیں جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو چکیں گے چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے آیت میں صراحت فرما دی ہے کہ جب فیصلہ ہو چکے گا اس وقت شیطان یہ باتیں کرے گا تفسیر شعبی میں جو روایت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ کے طور پر کھڑے ہو کر شیطان یہ باتیں کرے گا چنانچہ شعبی کی روایت کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے دن دو خطیب لوگوں کے سامنے کھڑے ہوں گے ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام خطبہ پڑھ کر نصاریٰ کی ان باتوں کو جھٹلا دیں گے جو نصاریٰ نے ان کی اور حضرت مریم کی طرف شرک کے طور پر لگائی ہیں دوسرا خطبہ شیطان پڑھے گا جس خطبہ میں ان باتوں کا ذکر ہوگا جن باتوں کا اس آیت میں ذکر ہے[3] تفسیر ابن ابی حاتم کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس خطبے سے پہلے میدان محشر میں بھی شیطان ایک خطبہ پڑھے گا اس خطبہ میں یہی باتیں ہوں گی جن باتوں کا اس آیت میں ذکر ہے یہ خطبہ اس وقت وہ پڑھے گا جب اس کے فرمانبردار لوگ اس سے کہیں گے کہ اچھے لوگوں کی جس طرح انبیاء نے شفاعت کی ہے تو ہماری شفاعت کر کیوں کہ دنیا میں اچھے لوگ جیسا انبیاء کا کہنا مانتے تھے اسی طرح ہم تیرا کہنا مانتے تھے اس وقت شیطان صاف الگ ہو جاوے گا اور کہوے گا کہ انبیاء نے تو اللہ کا سچا وعدہ پہنچایا تھا میں نے تو تم کو وہم دیا تھا تم انبیاء کی مضبوط

[1] الترغیب ص ۲۹۷ ج ۲ فصل فی الحشر [2] صحیح مسلم ص ۳۴۱ ج ۲ باب من سن سنۃ حسنۃ الخ [3] تفسیر ابن کثیر ص ۵۲۹ ج ۲۔

إِنِّي كَفَرْتُ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِن قَبْلُ إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٢﴾

میں نہیں قبول رکھتا جو تم نے مجھ کو شریک ٹھہرایا تھا پہلے جو ظالم ہیں اُن کو دکھ کی مار ہے

وَأُدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

اور داخل کئے گئے جو لوگ ایمان لائے تھے اور کام کئے تھے نیک باغوں میں بہتی نیچے اُن کے ندیاں

خَالِدِينَ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ﴿٢٣﴾

رہا کریں اُن میں اپنے رب کے حکم سے اُن کی ملاقات ہے وہاں سلام

باتیں چھوڑ کر میرے دم میں کیوں آ گئے اُس کا وبال تم پر ہے مجھ پر کیا الزام[1] ہے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے عبد اللہ[2] بن مسعود کی حدیث گزر چکی ہے کہ نیک کاموں کی رغبت دلانے کے لئے اللہ کا ایک فرشتہ اور بُرے کاموں کی رغبت دلانے کے لئے ایک شیطان ہر آدمی کے ساتھ رہتا[3] ہے۔ معتبر سند سے ابو سعید خدری کی حدیث بھی مسند امام احمد اور مستدرک حاکم کے حوالہ سے گزر چکی ہے کہ آسمان پر سے نکالے جانے کے وقت شیطان نے اللہ تعالیٰ کے روبرو جب بنی آدم کے بہکانے کی قسم کھائی تو اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے جاہ و جلال کی قسم کھا کر فرمایا کہ تیرے بہکانے سے جو کوئی گناہ کرے گا اور پھر خالص دل سے توبہ استغفار کرے گا تو میں بھی اُس کے گناہوں کے معاف کر دینے میں کبھی دریغ نہ کروں گا ان حدیثوں کو آیت کے ساتھ ملانے سے یہ تفسیر قرار پائی کہ ایک فرشتہ تعلیمات کر کے گناہ سے بچنے کا اور گناہ ہو جانے کے بعد توبہ استغفار سے گناہ کے معاف کر دینے کا سبب اللہ تعالیٰ نے پورا انتظام کر دیا ہے تو پھر جو شخص اِس انتظام کی پابندی نہ کرے گا اس کا الزام اُس کے ذمہ ہے اسی واسطے قیامت کے دن گنہگار لوگوں سے شیطان صاف کہہ دے گا کہ تم لوگ مجھ کو کیا الزام دیتے ہو اپنے آپ کو الزام دو کہ تم نے اللہ کے انتظام کی پابندی نہیں کی۔ یہ ایک جگہ گزر چکا ہے کہ عامر بن شراحیل شعبی ثقہ تابعیوں میں ہیں۔

۲۳۔ اِس سے اوپر کی آیت میں اللہ جل جلالہ نے کفار کا حال بیان فرما کر اِس آیت میں مومنوں کے اجر اور ان پر اپنی خاص مہربانی کا ذکر کیا کہ جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اچھے عمل کئے اُن کو جنت میں داخل کیا جاوے گا جہاں نہریں بہتی ہوں گی اور پھر اپنے فضل سے اُن کو ہمیشہ ہمیشہ وہاں رکھنے کا ذکر فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ آپس میں وہ لوگ مبارکبادی کے طور پر ایک دوسرے کو سلام کریں گے اور فرشتے بھی خدا کے حکم سے جا جا کر انہیں سلام کیا کریں گے یہاں تک کہ سورت یٰس کی آیتوں کے موافق خود خدا بھی اُن پر سلام بھیجے گا اور جنت میں داخل ہونے کے بعد دنیا کے غم اور رنج اور فکر و مصیبت سے وہ امن میں رہیں گے کیونکہ وہاں دنیا کی کوئی آفت پاس بھی نہیں آنے کی ہر طرح چین و آرام سے صحیح و سلامت رہیں گے۔ معتبر سند سے مسند امام احمد اور ترمذی میں معاویہ بن حیدہ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر جنتی کے گھر میں پانی دودھ شہد اور شراب کی نہریں جاری ہوں گی۔ انس بن مالک قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ جنت کی نہروں کے کنارے نہیں ہیں ہموار زمین پر وہ نہریں ہیں تاکہ جنتی لوگوں کو نہر کے اندر

---

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۵۲۹ ج ۲ [2] صحیح مسلم ص ۳۷۶ ج ۲ باب تحریش الشیطان الخ [3] تفسیر ہذا جلد اول ص ۳۹۵ و جلد دوم ص ۲۳۷ [4] تفسیر الدر المنثور ص ۴۹ ج ۶ تفسیر سورت محمد و جامع ترمذی شریف ص ۸۰ ج ۲ باب ما جاء فی صفۃ انہار الجنۃ مطبوعہ تفسیر میں معلقاً جامع ترمذی وغیرہ کی طرف مراجعت سے تصحیح کر دی گئی۔ (ع۔ ح)

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ

تو نے دیکھا کیسی بیان کی اللہ نے ایک مثال ایک بات ستھری جیسے ایک درخت ستھرا اُس کی جڑ مضبوط ہے

وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ﴿۲۴﴾ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا ۗ وَيَضْرِبُ اللَّهُ

اور ٹہنی آسمان تک لاتا ہے پھل اپنا ہر وقت پر اپنے رب کے حکم سے اور بیان کرتا ہے اللہ

کی چیز لینے میں کچھ دشواری نہ ہو۔ جنت کی نہروں کی زیادہ تفصیل سورت محمد میں آوے گی۔ صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن عمر سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جنتی جنت میں داخل ہو جاویں گے تو اللہ کے فرشتے اُن کو صحت و سلامتی سے ہمیشہ جنت میں رہنے کی خوشخبری سنا دیویں گے۔ حدیث کا یہ ٹکڑا گویا خَالِدِينَ فِيهَا کی تفسیر ہے صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جنت میں جانے کا حکم نہ دے گا فقط عملوں کے سبب سے کوئی جنت کا مستحق نہیں ہو سکتا یہ حدیثیں بِإِذْنِ رَبِّهِمْ کی گویا تفسیر ہیں دنیا میں سلام علیک کا کرنا ایک سلامتی کی دعا ہے جنت میں ہمیشہ سلامتی سے رہنے کے باب میں عبداللہ بن عمر کی حدیث اوپر گزر چکی ہے اس لئے جنت کا آپس کا سلام اُس ہمیشہ کی سلامتی کی مبارکباد کا ہو گا۔

۲۴ ـــ ۲۶ ۔ ان آیتوں میں اللہ پاک نے مومنوں اور کافروں کی ایک ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ جیسے کوئی پاکیزہ درخت ہے کہ اُس کی جڑ مضبوط ہو اور شاخیں اوپر کو پھیلی ہوئی ہوں اور ہمیشہ اُس میں پھل لگتے ہوں اسی طرح خدا کا کلمہ پاک لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ہے کہ اِس کی جڑ مومن کے دل میں مضبوطی سے جگہ پکڑے ہوئے ہوتی ہے اور اس کے عمل شاخوں کی طرح آسمان پر چڑھتے رہتے ہیں جس کا نتیجہ اُس کو قیامت کے دن معلوم ہو گا۔ اور کفر و گمراہی کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بے فیض درخت جس کی جڑ بالکل ہی مضبوط نہ ہو زمین کے اوپر ہی اوپر پھیلی ہوئی ہو اُس کو کسی طرح قیام نہیں ذرا سی ٹھیس میں اپنی جگہ سے اکھڑ جاتا ہے۔ اسی طرح کفار کے غلط عقیدہ کی حالت ہے کہ اُس کو وہ کسی مضبوط دلیل سے دنیا میں ثابت نہیں کر سکتے اس لئے عقبیٰ میں اُس سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا کیوں کہ اُس کی جڑ بالکل بے ثبات ہے۔ شجر طیبہ سے مفسرین نے کھجور کا درخت مراد لیا ہے بخاری میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک روز حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں سے پوچھنے لگے کہ وہ کونسا درخت ہے جو مرد مسلمان کی طرح ہے جس کے پتے نہ جاڑے میں جھڑتے ہیں نہ گرمی میں اور اس میں ہمیشہ پھل آتا رہتا ہے۔ ابن عمرؓ نے چاہا کہ میں کہہ دوں کہ کھجور کا درخت ہے مگر وہاں حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ وغیرہ بھی بیٹھے تھے اور بالکل خاموش تھے اس لئے مناسب نہ سمجھا کہ میں بچہ ہو کر ان بزرگوں کے سامنے بولوں اور دخل دوں جب کسی نے کچھ جواب نہ دیا تو حضرت نے خود فرمایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے جب سب لوگ وہاں سے اٹھ کر چلے تو ابن عمرؓ نے اپنے والد حضرت عمرؓ سے رستے میں کہا کہ والد میرے جی میں آئی تھی کہ کہہ دوں کھجور کا درخت ہے حضرت عمرؓ نے کہا پھر تو نے کیوں نہیں کہا ابن عمرؓ نے جواب دیا کہ آپ لوگوں کو چپ دیکھ کر میں نے زبان کھولنی مناسب نہ جانی حضرت عمرؓ کہنے لگے اگر تو کہہ دیتا تو میں نہایت خوش[1] ہوتا۔ اور شجر خبیثہ کی تفسیر مفسروں

[1] حادی الارواح الی بلاد الافراح ص ۱۳۰ طبع مصر مکتبہ الازہریہ ۱۹۳۰ء [2] صحیح مسلم ص ۳۷۶ ج ۲ باب لن یدخل احد الجنۃ بعملہ الخ [3] صحیح بخاری ص ۶۸۱ ج ۲ باب قولہ کشجرۃ طیبۃ اصلہا ثابت الخ۔

الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٥﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ
کہاوتیں لوگوں کو شاید وہ سوچ کریں اور مثال گندی بات کی جیسے درخت

خَبِيْثَةِ ٱجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿٢٦﴾ يُثَبِّتُ اللّٰهُ
گندا اکھاڑ لیا اوپر سے زمین کے کچھ نہیں اس کو ٹھہراؤ مضبوط کرتا ہے اللہ

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَيُضِلُّ
ایمان والوں کو مضبوط بات سے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں اور بچلا

نے یہ بیان کی ہے کہ یہ ایک درخت ہے جس کو اندرائن کہتے ہیں اس کا پھل نہایت کڑوا زہر ہوتا ہے اور جڑ بھی زمین پر پھیلی ہوئی ہوتی ہے آسانی سے اکھڑ آتی ہے۔ ترمذی میں انسؓ بن مالک کی مرفوع اور موقوف روایتیں ہیں اُن میں بھی شجرۂ خبیثہ کی تفسیر اندرائن کے درخت کو ٹھہرایا گیا ہے[۱] حاصل کلام یہ ہے کہ اوپر کی آیتوں میں نیک و بد لوگوں کا عقبیٰ کا حال بیان فرما کر ان آیتوں میں نیکوں کی مشابہت کھجور کے درخت سے اور بد لوگوں کی مشابہت اندرائن کے درخت سے دی گئی ہے جس مشابہت کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح کھجور کا پھل خشک و تر ہمیشہ کام میں آتا ہے اسی طرح نیک لوگ عقبیٰ میں ہمیشہ اپنے عقیدہ اور عمل کا پھل پاویں گے اور جس طرح اندرائن کا درخت کڑوا اور بے فیض ہے یہی حال نافرمان لوگوں کے عقیدہ اور عمل کا ہے۔

۲۷۔ بخاری مسلم ترمذی ابوداؤد نسائی وغیرہ میں چند روایتوں سے جو تفسیر اور شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اُس کا حاصل یہ ہے کہ جب کوئی آدمی مرجاتا ہے اور اُس کو اُس کے عزیز و اقارب دفن کر کے اُلٹے پھرنے لگتے ہیں تو ابھی یہ لوگ اُس مردہ کی قبر کے ایسے پاس ہوتے ہیں کہ اُن کے چلنے میں جو اُن کے پیروں کی کھس کھساہٹ کی آواز ہوتی ہے وہ مردہ کے کان میں جاتی ہے کہ اتنے میں منکر نکیر دو فرشتے آن کر مردہ کو اٹھا کر بٹھلا دیتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ رب تیرا کون ہے اور دین تیرا کیا ہے اگر یہ مردہ سچا مسلمان ہے تو ان فرشتوں کی خوفناک صورت کا اثر اس مردہ کے دل پر کچھ بھی نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ثابت قدمی اور جرأت اس مردہ کے دل پر آجاتی ہے اور یہ شخص فوراً ان فرشتوں کو جواب دیتا ہے کہ اللہ میرا رب ہے اور اسلام میرا دین ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے نبی ہیں وہ فرشتے کہتے ہیں بھلا ان کا نبی ہونا تو نے کیوں کر پہچانا وہ مردہ جواب دیتا ہے کہ وہ اللہ کا کلام لائے اس کو میں نے پڑھا اور اس پر ایمان لایا اس سے مجھ کو معلوم ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں پھر وہ فرشتے اس مردہ کو دوزخ دکھا کر کہتے ہیں کہ ایک ٹھکانا تیرا یہاں بھی تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے تیرا یہاں کا ٹھکانا بدل دیا پھر اُس کو اُس کا وہ ٹھکانا دکھلاتے ہیں جو جنت میں اللہ تعالیٰ نے اُس کے لئے مقرر کیا ہے یہ ٹھکانا دیکھ کر وہ مردہ بہت خوش ہوتا ہے اور ان فرشتوں سے کہتا ہے ذرا مجھ کو دنیا میں جانے دو میں اپنے عزیز و اقارب سے اس خوشحالی کا حال کہہ آؤں وہ فرشتے کہتے ہیں اب تو یہیں آرام سے سو جا یہاں تک کہ قیامت آوے اور اگر یہ مردہ کافر یا منافق کا ہوتا ہے تو اُن فرشتوں کی خوفناک صورت دیکھ کر ڈر جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ ثابت قدمی اور جرأت اُس کو عطا نہیں

[۱] جامع ترمذی ص ۱۴۹ ج ۲ تفسیر سورت ابراہیم۔

اللّٰہُ الظّٰلِمِیْنَ ۙ وَیَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ ﴿۲۷﴾

دیتا ہے اللہ بے انصافوں کو اور کرتا ہے اللہ جو چاہے

ہوتی اس سبب سے ایسا شخص ہائے ہائے کر کے رہ جاتا ہے اور ان فرشتوں کے سوال کا جواب کچھ نہیں دے سکتا ہے اس لئے ایسے شخص کو طرح طرح کا عذاب قبر میں ہوتا ہے گا سوائے جنات اور انسان کے اور سب چرند پرند کو اس عذاب کا حال معلوم ہے اُن کو یہ عذاب نظر آتا ہے غرض ایماندار لوگوں کو منکر نکیر کے جواب دینے کے وقت قبر میں ایک ثابت قدمی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت ہوتی ہے جس ثابت قدمی کے سبب سے منکر نکیر کا جواب آسان ہو جاتا ہے وہ ثابت قدمی اس آیت کی شان نزول[1] ہے اور اسی ثابت قدمی کا اس آیت میں ذکر ہے تفسیر عبدالرزاق میں عبید بن عمیر کا ایک موقوف اثر ہے کہ کافروں سے منکر نکیر کا سوال قبر میں نہیں ہوتا کیونکہ وہ صریح صریح نبی اور دین اسلام کے منکر ہیں اُن سے اس سوال وجواب کی کیا ضرورت ہے اگرچہ یہ عبید بن عمیر اعلیٰ درجہ کے تابعین میں ہیں اس وجہ سے بعضے مفسروں نے اپنی تفسیر میں انہی عبید بن عمیر کے قول کے بھروسہ پر یہ لکھ دیا ہے کہ کافروں سے منکر نکیر کا سوال نہ ہوگا[2] لیکن اوپر جن صحیح حدیثوں کا حوالہ دیا گیا ہے ان میں کافر سے منکر نکیر کے سوال وجواب کا صاف ذکر آچکا ہے اس لئے صحیح مذہب یہی ہے کہ کافروں سے بھی منکر نکیر کا سوال ہوگا بعضے علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ سوال منکر نکیر کا فقط روح سے ہوگا مردہ کے جسم کو اس سے کچھ تعلق نہیں ہے لیکن صحیح حدیثوں میں جو آیا ہے کہ فرشتے مردہ کو بٹھلاتے ہیں اور اگر مردہ منکر نکیر کے سوال کا جواب پورا نہ دیوے تو فرشتے اُس کی گردن پر گرز مارتے ہیں جس سے مردہ اس طرح چلاتا ہے کہ سوائے جن اور انسان کے سب چرند پرند اُس کے غل وشور کی آواز کو سنتے ہیں اور قبر کے بھینچنے سے پسلیاں ٹوٹ جاتی ہیں اور اچھے لوگوں کی روح کو سوال وجواب کے بعد جنت میں پھرنے کی اجازت ہو جاتی ہے اور بدن خاک ہو جاتا ہے اور برے لوگوں کی روح عذاب قبر کے صدمہ سے نکل جاتی ہے اور بدن پاش پاش ہو جاتا ہے پھر بدن کا ڈھانچ تیار کیا جاتا ہے اور اُس میں روح پھونکی جاتی ہے اور عذاب جاری ہوتا ہے ان سب باتوں سے صحیح مذہب یہی ہے جس کو جمہور علمائے اہل سنت ومفسرین نے اختیار کیا ہے کہ منکر نکیر کے سوال وجواب اور عذاب قبر میں روح وجسم دونوں کا تعلق ہے رہا یہ عقلی اعتراض کہ قبروں میں سوائے ہڈیوں کے یا خاک کے کہیں کچھ نظر نہیں آتا اُس کا جواب یہ ہے کہ عالم ملکوت کی چیزوں کو تو انسان کا دیکھنا در کنار خاص جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح کی آنکھیں دی ہیں وہی دیکھتے ہیں عام انسان تو دنیا کی بہت سی چیزوں کو بھی نہیں دیکھ سکتے خود اپنی روح اپنی اندرونی امراض کو نہیں دیکھ سکتے کہ کہاں ہیں اور کیا ہیں غرض نگاہ کے سامنے کی چیزوں کی طرح نگاہ سے غائب چیزوں پر قیاس لڑانا کوئی عقل کی بات نہیں ہے بلکہ عقل کے خلاف بات ہے آخرت کے احوال سے عقل بے بہرہ ہے وہاں کے حالات اللہ ہی جانتا ہے یا اللہ کی تعلیم سے رسول وقت نے جو کچھ بتلایا

[1] صحیح بخاری ص ۱۸۳ ج ۱ باب ماجاء فی عذاب القبر و ص ۶۸۲ ج ۲ تفسیر سورت ابراہیم و جامع ترمذی ص ۱۴۰ ج ۲ تفسیر سورت ابراہیم و تفسیر الدر المنثور ص ۸۰ ج ۴ [2] فتح الباری ص ۱۰۴ ج ۱ باب ماجاء فی عذاب القبر [3] تمام تفصیل کے لئے دیکھئے تفسیر ابن کثیر ص ۵۲۱ – ۵۲۸ ج ۲ –

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿٢٨﴾

تو نے نہ دیکھے جنہوں نے بدلا کیا اللہ کے احسان کا ناشکری اور اتارا اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں

جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا ۖ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿٢٩﴾ وَجَعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا لِّيُضِلُّوا عَن

جو دوزخ ہے بیٹھیں گے اس میں اور برا ٹھکانا ہے اور ٹھہرائے اللہ کے مقابل کہ بہکاویں لوگوں کو اللہ کی

سَبِيلِهِ ۗ قُلْ تَمَتَّعُوا فَإِنَّ مَصِيرَكُمْ إِلَى النَّارِ ﴿٣٠﴾

راہ سے تو کہہ برت لو پھر تم کو پھر جانا ہے طرف آگ کے

ہے وہ حق ہے۔ ایماندار نیک عمل لوگوں کو منکر نکیر کے سوال جواب کے وقت ایک ثابت قدمی کو اللہ تعالے کی طرف سے ملے گی جس کا ذکر اوپر گزرا علاوہ اس ثابت قدمی کے ایک مددگار ایسے لوگوں کو اُن کے اعمال صالحہ بھی دیویں گے چنانچہ معتبر سند سے مسند امام احمد بن حنبل میں اسماءؓ حضرت عائشہؓ کی بہن سے اور طبرانی و صحیح ابن حبان میں ابوہریرہؓ سے روایتیں[1] ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ منکر نکیر ڈراونی صورت لے کر کافر اور منافق کے تو بالکل سر پر ہی چڑھ آویں گے اور نیک عمل لوگوں کے عمل نماز روزہ حج زکوٰۃ قبر کے چاروں طرف چوکسی کریں گے اور ہر طرف سے ان ڈراونی صورت کے فرشتے مردہ کے پاس نہ آسکیں گے ہر مسلمان کو چاہئے کہ خالص دل سے جہاں تک ہو سکے نیک عمل بڑھانے کی پوری کوشش کرے تاکہ ایسی تنہائی اور بیکسی کے وقت ایک ایسی مضبوط اور دلاور چوکیدار روں کی فوج جو فرشتوں سے بھی نہ ڈریں اُس کے ساتھ ہو جاوے۔ معتبر سند سے ترمذی میں عثمانؓ بن عفان سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخرت کے مقاموں میں سے قبر اول مقام ہے جو شخص اس مقام میں ثابت قدم رہا وہ باقی کے مقاموں میں بھی پورا اترے گا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے منکر نکیر کا جواب ثابت قدمی سے دے دیا وہ حساب و کتاب میں پل صراط سے گزرنے میں غرض عقبیٰ کے سب مقاموں میں ثابت قدم رہے گا یہ حدیث فی الآخرۃ کی گویا تفسیر ہے اب آگے ایماندار لوگوں کے مقابل میں کافر اور منافقوں کا ذکر فرمایا کہ جس طرح یہ لوگ علم الٰہی کے موافق زندگی میں گمراہ رہے اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کو عقبیٰ کے سب مقاموں میں ثابت قدمی سے دور رکھے گا اور اللہ تعالے اپنے علم ازلی کے موافق جو چاہتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔

۲۸۔۳۰۔ صحیح بخاری نسائی مستدرک حاکم تفسیر عبد الرزاق تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہؓ بن عباس اور حضرت علیؓ کی روایتوں سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اُس کا حاصل یہ ہے کہ قریش پر اللہ تعالیٰ نے اتنا بڑا احسان کیا کہ اس قوم میں سے آنحضرت کو نبی بنایا تاکہ قریش کی دین و دنیا درست ہو جاوے دنیا میں رسول کی برکت سے غیر قوموں پر فتح پاویں دین میں رسول سے راہ نجات سیکھ کر جنت کے دائمی عیش میں رہیں لیکن فتح مکہ سے پہلے قریش لوگ اللہ کی اس نعمت سے خبردار نہ ہوئے اور رسول وقت سے طرح طرح کی مخالفت کرتے رہے اور بت پرستی سے باز نہ آئے لیکن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہر کام کا وقت مقرر ہے اس لئے وقت مقررہ تک اُن کو مہلت دی گئی پھر آخر نتیجہ یہ ہوا

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۲۳ ۵ ج ۲ جامع ترمذی ص ۵۵ ج ۲ باب ما جاء فی ذکر الموت۔

قُلْ لِّعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَیُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا

کہہ دے میرے بندوں کو جو یقین لائے ہیں قائم رکھیں نماز اور خرچ کریں ہماری دی روزی میں سے چھپے

وَّعَلَانِیَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾

اور کھلے پہلے اس سے کہ آوے وہ دن جس میں نہ سودا ہے اور نہ دوستی

کہ بدر کی لڑائی میں اللہ تعالیٰ نے قریش کے اکثر ان بڑے بڑے سرداروں کو جنہوں نے اللہ کی اس نعمت کی ناشکری کی تھی مسلمانوں کے ہاتھ سے غارت کرا دیا اُسی باب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تھی[1] اللہ کا وعدہ سچا ہے بنی امیہ میں سے بعضے لوگ تو وہ تھے کہ بدر اور احد میں مخالفت رسول کے سبب سے دنیا میں کتے کی موت مارے گئے اور آخرت میں فی النار ہوئے اور بعضے وہ جنہوں نے اللہ کی اس نعمت کی قدر کی اسلام لائے رسول کی اطاعت کی انہوں نے دنیا میں بھی عیش کئے حکومت پائی خلافت پائی دین میں بھی عیش دائمی کا وعدہ اللہ نے اُن سے اور ہر سچے مسلمان سے کیا ہے اسی واسطے اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اُس وقت کے موجودہ فرض نماز اور زکوٰۃ تھے اُن کے ادا کرنے کی تاکید فرمائی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح دنیا میں اللہ کے وعدہ کا ظہور ہوا ہے مرتے دم تک جو اللہ کے رسول کی اطاعت میں رہے گا اور اللہ تعالیٰ نے اُس وقت تک جو چیز فرض ٹھہرائی ہے اُس کی ادائی میں کسی طرح کی کوتاہی نہ کرے گا اس سے آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ ایسا ہی پورا کرے گا جس طرح اُس نے دنیا میں اپنا وعدہ سب کی آنکھوں کے سامنے پورا کیا ہے۔ صحیح روایتوں کے حوالہ سے اوپر گزر چکا ہے کہ پہلے پہل ایک شخص عمرو بن لحی نے ملت ابراہیمی کو بگاڑ کر بت پرستی پھیلائی پھر اُس کے بعد قریش کے سرداروں میں ابوجہل وغیرہ ایسے لوگ تھے جو خود بھی عمرو بن لحی کی رسموں کے پابند تھے اور دوسروں کو بھی اسی کی رغبت دلاتے تھے مثلاً مستدرک حاکم اور بیہقی کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباس کی صحیح روایت ایک جگہ گزر چکی ہے کہ ولید بن مغیرہ قرآن شریف کی آیتیں سن کر کچھ نرم دل ہو گیا تھا مگر ابوجہل نے پھر اُس کو بہکا دیا حاصل کلام یہ ہے کہ ان آیتوں میں ایسے ہی لوگوں کو قوم کے بہکانے والے اور قوم کے تباہ کرنے والے فرمایا ہے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت گزر چکی ہے کہ قیامت کے دن ایسے لوگوں پر دوہرا عذاب ہوگا خود بہکنے کا جدا اور دوسروں کے بہکانے کا جدا اس واسطے ایسے لوگوں کو بُرے ٹھکانے کے لوگ فرمایا

۳۱۔ بعضے مفسروں نے اس آیت اور آیت اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ (۴۳: ۶۷) کو ملا کر یہ شبہ پیدا کیا ہے کہ ایک آیت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن مطلق دوستی نہ ہوگی اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ متقی لوگوں میں دوستی ہوگی جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ قیامت کے حالات کئی طرح کے ہوں گے چنانچہ نامۂ اعمال تقسیم ہونے اور حساب و کتاب ہو جانے سے پہلے تو لوگ اس طرح کے بدحواس ہوں گے کہ آپس میں میل جول اور دوستی تو درکنار ایک کو دوسرے کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کا موقع بھی نہ رہے گا[2] چنانچہ بخاری مسلم نسائی ابن ماجہ میں حضرت عائشہؓ کی اور طبرانی میں حضرت ام سلمہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آنحضرت نے لوگوں کے ننگے قبروں سے اٹھنے کا ذکر کیا تو حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ نے کہا

[1] تفسیر ابن جریر ص ۲۱۹ - ۲۲۰ ج ۲ و تفسیر ابن کثیر ص ۵۲۰ ج ۲ و تفسیر الدر المنثور ص ۸۴ ج ۴ ۱۲

[2] تفسیر ابن کثیر ص ۴۴۳ ج ۴ تفسیر سورۃ المدثر و جلد ہذا ص ۲۶۰ ۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ

اللہ وہ ہے جس نے بنائے آسمان و زمین اور اتارا آسمان سے پانی پھر اس سے

بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ

نکالی روزی تمہارے میوے اور کام میں دی تمہارے کشتی کہ چلے دریا میں اس کے حکم سے

کر بڑا افسوس ہے سب مرد ننگی عورتوں کو دیکھیں گے آنحضرت نے فرمایا اس وقت مردوں کو عورتوں کے اور عورتوں کو مردوں کے دیکھنے کا ہوش نامۂ اعمال اور حساب کے خوف سے کہاں ہوگا[1] پھر حضرت ابوسعید خدری کی صحیح بخاری و مسلم کی روایت میں آپ نے فرمایا ہے کہ جنتی لوگ جب جنت میں داخل ہونے کی اجازت حساب و کتاب سے فارغ ہو جانے کے بعد پاویں گے تو اپنے بھائی گنہ گار مسلمانوں کی نجات کے لئے اللہ تعالیٰ سے ایسے جھگڑیں گے[2] کہ وہ جھگڑا دیکھنے کے قابل ہوگا اس لئے دونوں آیتوں میں مختلف وقتوں کا حال ہے۔ حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے رسول اللہ کے اہل مکہ میں سے جو لوگ راہ راست پر نہیں آتے اُن کو تم اُن کی حالت پر چھوڑ دو اللہ کے علم ازلی میں جو انجام اُن کا ٹھہرا ہے وقت مقرر پر وہ خود ظہور میں آجا دے گا لیکن جو لوگ تم کو سچا رسول اور قرآن کو اللہ کا کلام مان چکے ہیں اُن کو نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کر دو اور اُن کو یہ سمجھا دو کہ یہاں دنیا میں تو فرض اور نفل صدقہ خیرات میں تھوڑا سا مال خرچ کرنے سے ایک کے بدلے میں سات سو تک کمانے کی تجارت کا موقع حاصل ہے جس سے نیکی کا پلڑا بھاری ہو کر آدمی کی نجات قیامت کے دن ہو سکتی ہے لیکن خاص اس دن عذاب الٰہی سے چھٹکارہ ہو جانے کے بدلے میں کوئی شخص تمام دنیا کا مال متاع بھی دینا چاہے گا تو چھٹکارہ نہ ہو سکے گا اور اُس دن کوئی دوست بھی ایسا نظر نہیں آنے کا جو اللہ کی مرضی کے برخلاف سفارش کر کے کسی کو چھٹکارہ کرا دیوے اِس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی کے موافق جو باتیں انسان پر فرض ٹھہرا دی ہیں خالص دل سے اُن کو پورے طور پر ادا کرنے کی کوشش ہر ایمان دار شخص پر لازم ہے کہ قیامت کے دن یہی نجات کی صورت ہے صحیح قول حضرت عبداللہ بن عباس کا یہی ہے کہ اُنھوں نے یُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ کی تفسیر زکوٰۃ کے لفظ سے کی ہے[3] اِس لئے اِس قول سے ان مفسروں کے مذہب کی بڑی تائید ہوتی ہے جو زکوٰۃ کے مکہ میں فرض ہونے کے قائل ہیں۔

۳۲ سے ۳۴ - ان آیتوں میں اللہ پاک نے اپنے بندوں پر جو احسان کئے ہیں ان کا حال بیان فرمایا کہ ہم نے آسمان و زمین کو تمہارے فائدہ کے لئے بنایا اور آسمان سے مینہ برسایا جس کی وجہ سے طرح طرح کے پھل درختوں میں لگتے ہیں اور ہزاروں قسم کے غلے پیدا ہوتے ہیں جس پر انسان کی زندگی کا دار و مدار ہے اور کشتیاں انسان کے قبضہ میں کر دیں دریا کو بس میں کر دیا تاکہ لوگ کشتیوں پر سوار ہو کر دریا کی راہ سے جہاں جی چاہے جائیں یہاں کی چیزیں وہاں اور وہاں کی یہاں لے جایا ہے آیا کریں تجارت سے نفع اٹھائیں اور اس کے علاوہ دریا سے کھیتوں اور باغوں کو سیراب کریں اُس کا پانی خود بھی پی ویں اور اپنے جانوروں کو بھی پلائیں سورج چاند کو تمہارا محکوم بنا دیا رات دن گردش میں رہتے ہیں ان کی روشنی سے رات دن

[1] الترغیب والترہیب ص ۳۹۴ ج ۲ فصل فی الحشر [2] صحیح بخاری ص ۱۱۰۷ ج ۲ باب قول اللہ وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ
[3] تفسیر ابن جریر ص ۲۲۴ ج ۱۳۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ

اور کام میں دیں تمہارے نہریں اور کام میں لگائے تمہارے سورج اور چاند ایک دستور پر اور کام میں لگائے تمہارے

الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾ وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ

رات اور دن اور دیا تم کو ہر چیز میں سے جو تم نے مانگی اور اگر گنو احسان اللہ کے

لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾

تو نہ پورے کر سکو بیشک آدمی بڑا بے انصاف ہے ناشکر

برابر فائدہ اٹھایا جاتا ہے سورج کی چال سے موسمی فصلیں گرمی جاڑہ برسات ہوا کرتی ہیں چاند کے دورہ سے مہینوں اور سال کا شمار ہوتا ہے رات اور دن بھی تمہارے ہی تابع ہیں دن کو اپنے کام دھندے کے لئے اِدھر اُدھر جایا کرتے ہو رات کے وقت تھکے ماندے آکر آرام کرتے ہو پھر ان نعمتوں کو بیان کرکے یہ فرمایا کہ بس اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تمہاری ہر ایک خواہش کو بھی پورا کیا اس لئے اگر خدا کی نعمتیں شمار کی جائیں تو گنتی میں نہیں آسکتیں اس قدر بے حد بے حساب ہیں کہ انسان کو خود بھی نہیں معلوم کہ رات دن میں کیا کیا نعمت ملتی رہتی ہے اک ذرا سی بات ہے کہ انسان کے سانس کا آنا جانا ہی غور کیا جائے تو بہت بڑی نعمت ہے اگر سانس اندر نہ جائے تو دم گھٹنے لگتا ہے اور اندر جاکر پھر اوپر کو نہ آئے تو آدمی ہلاک ہوجائے یہ خدا ہی کا کام ہے روز خبر نہیں کتنی دفعہ سانس اندر باہر کیا جایا کرتا ہے۔ انسان کے سونے کے وقت بھی اس کی آمد و رفت کا سلسلہ بند نہیں ہوتا اور اس سے مردہ اور زندہ میں تمیز کی جاتی ہے غرض کہ ہر سانس میں خدا کی دو نعمتیں حاصل ہوتی ہیں سانس کے اندر جانے سے زندگی کی امید بندھتی ہے اور پھر اسی سانس کے باہر آنے جانے سے طبیعت بشاش ہوجاتی ہے اگر شکر بھی کوئی کرے تو کتنا کرے گا ایک سانس میں ایک شکر کرسکتا ہے اور اتنی دیر میں نعمتیں دو حاصل ہوتی ہیں اس لئے اس کی نعمتیں شمار سے باہر ہیں اور اس کا شکر کسی طرح بھی نہیں ادا ہوسکتا اسی واسطے اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ انسان ناشکرا ہے اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر کہاں تک ادا کرے گا وہ تو الٹی ناشکری کرنے لگتا ہے۔ ان آیتوں میں مشرکین مکہ کو یوں قائل کیا گیا ہے کہ جس اللہ نے ان کو ان کی سب ضرورت کی چیزوں کو اس طرح پر پیدا کیا کہ جس میں اُس کا کوئی شریک نہیں تو اُس کی تعظیم اور عبادت میں یہ مشرک لوگ دوسروں کو جو شریک کرتے ہیں تو اُن کی ناشکری سے بڑھ کر دنیا میں کوئی ناشکری نہیں ہے صحیح بخاری اور مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعود کی حدیث گزر چکی ہے[1] جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شرک سے بڑھ کر دنیا میں کوئی گناہ نہیں۔ یہ حدیث ان آیتوں کی گویا تفسیر ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو اور انسان کی سب ضرورت کی چیزوں کو پیدا کیا تو اُس کی تعظیم اور عبادت میں دوسروں کو شریک کرنا ایسا بڑا گناہ ہے کہ اُس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی گناہ نہیں لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے کسی کا کچھ نہیں بگاڑا اپنی ہی جان پر یہ ظلم کیا کہ ایسی بڑی ناشکری کے بڑے گناہ میں قیامت کے دن

[1] جلد ہذا ص ۱۹۴ - ۲۰۶ - ۲۲۲ - ۲۴۷ - ۲۵۸ -

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ

اور جس وقت کہا ابراہیم نے اے رب کر اس شہر کو امن کا اور بچا مجھ کو اور میری اولاد کو اس سے کہ

الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ

ہم پوجیں مورتیں اے رب انہوں نے بہکایا بہت لوگوں کو سو جو کوئی میری راہ پر چلا سو وہ تو

مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾

میرا ہے اور جس نے میرا کہا نہ مانا سو تو بخشنے والا مہربان ہے

جاویں گے ۔

۳۵ــ۳۶ــ یہ دعا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو اُنہوں نے حرم شریف کے امن اور اپنی اولاد کے لئے بتوں کی پرستش سے بچنے کو کی تھی اللہ پاک نے بطور حجت کے اس کو ذکر کیا کہ جب مکہ معظمہ کا شہر بسایا گیا اور خانہ کعبہ بنا اُس وقت ابراہیمؑ نے جن کے سبب سے یہ شہر آباد ہوا یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ تو شہر کو امن میں اور ویران ہونے سے محفوظ رکھیو سورت بقر میں بھی یہ دعا گزر چکی[1] ہے مگر اس میں اور اُس دعا میں یہ فرق ہے کہ وہاں کی دعا کعبہ کے تیار ہونے سے پہلے کی تھی اس لئے وہاں یہ دعا کی تھی کہ اس کو آباد کرنا اور امن میں رکھنا اور یہاں تیاری کے بعد کی دعا ہے یہاں صرف امن مقصود ہے اکثر مفسر کہتے ہیں کہ یہ دعا حضرت ابراہیمؑ کی قبول ہوئی حرم کے اندر کسی کا خون نہیں ہوتا شکار تک نہیں کیا جاتا اور نہ کسی پر ظلم ہوتا ہے پرندے بھی حرم کے اندر آکر بے خوف ہو جاتے ہیں کعبہ کی امن کی دعا کے ساتھ ہی اس بات کی بھی دعا کی تھی کہ اے خدا میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے بچانا ان بتوں کی وجہ سے بہتیرے آدمی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں اور جو میری پیروی کرے گا وہ تو میرے گروہ میں ہے اور جو میرے طریقہ پر نہیں ہے اس کا تو مختار ہے تو غفور الرحیم ہے تو جیسا مناسب سمجھے اُس کے حق میں ویسا کر چاہے بخش دے چاہے نہ بخش۔ جس زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ اور اسمٰعیل علیہ السلام کو مکہ کے میدان میں چھوڑا تھا اُس وقت اِس میدان کے گرد و نواح میں بت پرستی کا بڑا زور تھا اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ اندیشہ ہوا کہ اولاد اسمٰعیل میں کہیں بت پرستی کی آفت نہ پھیل جاوے اس اندیشہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی۔ اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ معلوم تھا کہ انبیاء شرک سے معصوم ہیں لیکن بت پرستی سے نفرت اور بیزاری کے جوش میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آپ کو بھی اس دعا میں شریک کر لیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کے اثر سے اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد چند پشتوں تک بت پرستی کی آفت سے محفوظ رہی پھر آخر ابراہیم علیہ السلام کے اندیشہ کا ظہور ہوا اور عمرو بن لحی کے زمانہ سے عرب میں بت پرستی پھیل گئی جس کا قصہ ایک جگہ گزر چکا ہے اِس بت پرستی کے مٹ جانے کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اُس دعا کے اثر کا ظہور ہوا جو اُنہوں نے اولادِ اسمٰعیل میں سے نبی آخر الزمان کے پیدا ہونے کی تھی جس کا ذکر سورت بقر میں گزر چکا۔ اس دعا کا اثر ایسا پائدار ہوا کہ تو کہ جزیرہ عرب سے بت پرستی ایسی مٹ گئی کہ اب قیامت تک وہاں اُس کے دوبارہ آنے کا خوف

[1] تفسیر ہذا جلد اول ۔ ۱۰ ۔ اسلئے جلد ہذا ص ۲۶۲ ۔

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ

اے رب میں نے بسائی ہے ایک اولاد اپنی میدان میں جہاں کھیتی نہیں تیرے ادب والے گھر پاس

رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم

اے رب ہمارے تا قائم رکھیں نماز سو رکھ بعضے لوگوں کے دل جھکتے اُن کی طرف اور روزی دے اُنکو

باقی نہ رہا چنانچہ صحیح مسلم کے حوالہ سے جابرؓ بن عبد اللہ کی روایت سورت بقر میں گزر چکی[1] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جزیرہ عرب کی بت پرستی سے شیطان اب ناامید ہو گیا معتبر سند سے مسند امام احمد میں حضرت عبد اللہؓ بن عباس سے ایک اور روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد شیطان نے اپنے شیاطینوں کو جمع کیا اور ان سے رو رو کر یہ کہا کہ بت پرستی سے تو اب ناامیدی ہو گئی اس لئے امت محمدیہ کو اور ہر طرح بہکانے کی کوشش کی جاوے

۳۷؎ حضرت عبد اللہؓ بن عباس کا قول معتبر سند سے تفسیر ابن جریر میں[2] یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا میں یہ کہا کہ یا اللہ دنیا کی مخلوقات میں سے کچھ لوگوں کے دل مکہ کی طرف مائل فرمادے اگر بجائے اس کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے منہ سے یہ نکل جاتا کہ یا اللہ دنیا کے لوگوں کے دل مکہ کی طرف مائل فرمادے تو کسی قوم کا کوئی آدمی ایسا دنیا میں باقی نہ رہتا جس کے دل میں مکہ کا شوق پیدا نہ ہو جاتا اس دعا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے حق میں بت پرستی کے بچنے کی جو دعا کی تھی یہ دعا چند پشت کے حق میں قبول ہوئی پھر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد کے سلسلہ میں قریش پیدا ہوئے اور ان میں بت پرستی پھیلی جس بت پرستی کی اصلاح نبی آخر الزمان صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوئی علمائے مفسرین نے لکھا ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کو مکہ کے جنگل میں چھوڑا اُس وقت تک اگرچہ بیت اللہ نہیں بنا تھا اور بیت المعمور حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے وقت آسمان پر اُٹھ چکا تھا لیکن الہام کے ذریعہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ اس میدان میں اللہ کا گھر بنے گا اس واسطے اُنہوں نے اپنی اس دعا میں یہ کہا کہ یا اللہ تیرے ادب والے گھر کے پاس کے جنگل میں اپنے اہل وعیال کو چھوڑتا ہوں اور حضرت اسحاق علیہ السلام اگرچہ اس دعا کے بہت روز کے بعد پیدا ہوئے ہیں لیکن حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کے شکریہ کی دعا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی اس کا ذکر ان آیتوں میں اللہ تعالےٰ نے اس لئے فرما دیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سب دعاؤں کا ذکر ایک جگہ ہو جاوے اور مشرکوں کے لئے مغفرت کی دعا کی ممانعت جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہوئی اس سے پہلے مشرک ماں باپ کے حق میں یہ مغفرت کی دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی۔ اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کو یوں قائل کیا ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو بنی اسمٰعیل کہتے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا میں بنی اسمٰعیل کے لئے یہ تمنا ظاہر کی تھی کہ مکہ کے جنگل میں شہر آباد ہو جائے گا تو یہ لوگ یہاں اللہ کی عبادت کریں گے ملت ابراہیمی کے موافق نماز پڑھیں گے لیکن یہ لوگ

[1] تفسیر ہذا جلد اول ص ۱۲۰ و تنقیح الرواۃ ص ۱۲ج ا باب فی الوسوسہ

[2] تفسیر ابن جریر ص ۲۳۴ ج ۱۳۔

مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ

میووں سے شاید وہ شکر کریں اے رب ہمارے تو تو جانتا ہے جو ہم چھپاویں اور جو کھولیں

وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ

اور چھپا نہیں اللہ پہ کچھ زمین میں اور نہ آسمان میں شکر ہے اللہ کو

ابراہیم علیہ السلام کی تمنا کے برخلاف کام کر رہے ہیں اللہ کے گھر میں اُنہوں نے بت رکھ چھوڑے ہیں اور تمام مکہ میں اُنہوں نے بت پرستی پھیلا رکھی ہے۔ صحیح بخاری کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعود کی اور صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہ رضی کی روایتیں گزر چکی ہیں کہ فتح مکہ کے وقت تین سو ساٹھ بت بیت اللہ کے اندر تھے جن کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے لکڑیاں مار مار کر گرا دیا۔ صحیح بخاری میں عبداللہ بن عباس سے یہ بھی روایت ہے کہ ان مورتوں میں ابراہیم علیہ السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام کی مورتیں بھی تھیں جن کے ہاتھوں میں مشرکوں نے فال دیکھنے کے تیر دے رکھے تھے۔ اس کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ ان مشرکوں کو غارت کرے کیا ان کو یہ معلوم نہیں کہ ابراہیم علیہ السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام نے کبھی تیروں سے فال نہیں دیکھی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ان حدیثوں کو آیت کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ بنی اسمٰعیل کے لئے ابراہیم علیہ السلام کے دل میں تمنا کیا تھی اور بنی اسمٰعیل کہلا کر مشرکین کرنے اُس تمنا کو کیا خاک میں ملایا۔ تفسیر ابن ابی حاتم اور ابن جریر میں قتادہ کا قول یہی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں بیت المعمور زمین پر کعبہ کی جگہ رکھا گیا اور حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے زمانے میں پھر آسمان پر اُٹھ گیا۔ زیادہ تفصیل اس کی سورت حج میں آوے گی بیت المعمور ساتویں آسمان پر فرشتوں کا کعبہ ہے جس کا ذکر تفصیل سے سورت والطور میں آوے گا۔

۳۸-۴۱۔ ابراہیم علیہ السلام نے دعا کرنے کے بعد یہ بات کہی کہ اے رب تو خوب جانتا ہے کہ میری غرض اس دعا سے کیا ہے میرا مقصد یہی ہے کہ تیری خوشنودی اور رضامندی ہو تجھ پر کوئی بات ظاہر اور پوشیدہ چھپی نہیں رہتی تجھے سب باتوں کا علم ہے تجھ پر زمین و آسمان کہیں کی کوئی شئی پوشیدہ نہیں ہے اس کے بعد خدا کا شکر کیا کہ بڑھاپے میں جب کہ اولاد ہونے کی کوئی امید نہیں ہوتی تو نے اسمٰعیل و اسحٰق دو صاحبزادے مجھ کو عطا کئے اور میری دعا کو قبول کر لیا پھر اپنے واسطے اور اولاد کے واسطے دعا کی کہ مجھ کو اور میری اولاد کو نماز پر قائم رکھنا اور اپنے لئے اور ماں باپ کے لئے اور سارے مومنوں کے لئے قیامت کے روز مغفرت ہونے کی دعا کی بعض مفسروں نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ دعا ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت کی تھی جب تک یہ اپنے ماں باپ کے کفر کے حال پر رہنے سے واقف نہ تھے۔ مکہ کے بسنے اور بیت اللہ کے بنانے سے پہلے کی اس دعا کو ابراہیم علیہ السلام نے رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ کہہ کر مختصر کر دیا لیکن بیت اللہ کے بنانے کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دل کی اس چھپی ہوئی بات کو ظاہر کیا اور بنی اسمٰعیل میں نبی آخرالزمان کے پیدا ہونے کی وہ دعا کی جس کا ذکر سورت بقر میں

۱؎ جلد ہذا ص ۲۲۵-۲۲۶ ۲؎ صحیح بخاری ص ۶۱۴ ج ۲ باب این رکز النبی صلے اللہ علیہ وسلم الرایۃ یوم الفتح ۳؎ تفسیر ابن جریر ص ۱۴۵ ج ۱۔

الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ
جس نے بخشا مجھ کو بڑی عمر میں اسمٰعیل اور اسحٰق بے شک رب میرا سنتا ہے پکار اے رب

اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ
میرے کر مجھ کو کہ قائم رکھوں نماز اور بعضے میری اولاد کو اے رب میرے اور قبول کر میری دعا اے ہمارے رب بخش مجھ کو

لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ
اور میرے ماں باپ کو اور سب ایمان والوں کو جس دن کھڑا ہووے حساب اور مت خیال کر کہ اللہ

گزر چکا ہے اور مسند امام احمد ابن ماجہ اور بیہقی کے حوالہ سے عرباض بن ساریہ کی معتبر حدیث بھی گزر چکی ہے[1] جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے سے پہلے اگرچہ میرا نام لوح محفوظ میں خاتم النبیین لکھا ہوا تھا لیکن انبیاء کے گروہ میں سے ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے جواب میں پہلے پہل ابراہیم علیہ السلام کو آخری زمانہ میں میرے پیدا ہونے کا حال معلوم ہوا حاصل کلام یہ ہے کہ سورت بقرہ کی آیت رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا (۲: ۱۲۹) اور عرباض بن ساریہؓ کی یہ حدیث رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ کی گویا تفسیر ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ مکہ کے بسنے سے پہلے جب ابراہیم علیہ السلام نے اسمٰعیل علیہ السلام کو جنگل میں چھوڑا تو ان کے دل پر اس کا صدمہ تھا اور اس رنج اور صدمہ کی ادھیڑ بن میں ان کے دل میں یہ بات تھی کہ جس جنگل میں حضرت ہاجرہ اور دودھ پیتے بچے اسمٰعیل علیہ السلام کو چھوڑ رہے ہیں یہاں ایک شہر آباد ہو جاوے اور اسمٰعیل علیہ السلام یہاں خیریت سے بڑے اور صاحب اولاد ہوں اور ان کی اولاد الاولاد میں نبی آخر الزمان پیدا ہوں تو اسمٰعیل علیہ السلام کی جدائی کا جو رنج ہے اس کا بدلہ ہو جاوے۔ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ سے قیامت کا دن مقصود ہے کہ اس دن ساری خلقت حساب و کتاب کے لئے اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑی ہوگی۔ ترمذی مسند بزار اور طبرانی کے حوالہ سے ابی برزہؓ اور معاذ بن جبلؓ کی معتبر روایتیں ایک جگہ گزر چکی ہیں[2] کہ چار باتوں کی جوابدہی کے لئے ہر شخص کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑا ہونا پڑے گا (۱) تمام عمر کن کاموں میں گزاری (۲) جوانی میں کیا کیا (۳) روپیہ پیسہ کیونکر کمایا اور کہاں خرچ کیا (۴) دین کی کوئی بات سیکھی تو اس پر کیا عمل کیا یہ حدیثیں یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ کی گویا تفسیر ہیں جن سے معلوم ہو جاتا ہے کہ قیامت کے دن حساب کیونکر ہوگا۔

۴۲۔ شریعت میں ظلم کا لفظ شرک اور کبیرہ گناہ دونوں معنوں میں بولا جاتا ہے چنانچہ صحیح بخاری صحیح مسلم مسند امام احمد ترمذی اور نسائی میں جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ جب سورت انعام کی آیت اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ (۶: ۸۲) نازل ہوئی تو صحابہ کرام کو بڑا اندیشہ ہوا اور صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرت ہم میں ایسا کون شخص ہے جو اپنے نفس پر ظلم نہیں کرتا اور طرح طرح کے گناہ نہیں کرتا آپ نے فرمایا اس آیت میں ظلم کے معنے شرک کے ہیں لیکن صحابہ نے ظلم کے معنے گناہ کے جو سمجھے تھے اس کی ایک طرح سے آپ نے تائید فرمائی کہ سورت لقمان کی آیت اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (۳۱: ۱۳) پڑھ کر صحابہ کو تشفی[3] جس سے معلوم ہوا کہ شرک بڑا ظلم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو انسان کے کھانے پینے اور سب ضروریات کی چیزوں کو

[1] تفسیر ہذا جلد اول ص ۱۲۱ [2] جلد ہذا ص ۵۹ [3] صحیح بخاری ص ۶۶ ۲ و ص ۷۰۲ ج ۲ کتاب التفسیر و تفسیر ابن کثیر ص ۵۲ ۱ ج ۲

غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾

بے خبر ہے اُن کاموں سے جو کرتے ہیں بے انصاف اُن کو چھوڑ رکھتا ہے اُس دن پر جس دن میں اوپر لگ جاویں گی آنکھیں

مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾

دوڑتے ہوں گے اوپر اُٹھا کے اپنے سر پھرتی نہیں اپنی طرف اُن کی آنکھ دل اُن کے اُڑ گئے ہیں

پیدا کیا اور انسان ظالم یہ ظلم کرتا ہے کہ بغیر کسی استحقاق کے غیروں کو اللہ کی عبادت میں شریک کرتا ہے عبادت نام ہے نہایت درجہ کی تعظیم کا پھر جس نے انسان کی ہر طرح کی ضرورت رفع کی اس کو چھوڑ کر دوسروں کی نہایت درجہ کی تعظیم کا کرنا اس سے بڑھ کر کونسا ظلم دنیا میں ہو سکتا ہے اس طرح اپنے پیدا کرنے والے کے خلاف مرضی کوئی کام کرنا یہ بھی ظلم تو ہے مگر پہلے ظلم سے چھوٹا ہے اس واسطے شریعت میں یہ حکم رکھا گیا ہے کہ شرک بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتا اور اگر بغیر توبہ کے ایسا کوئی شخص مر جاوے جو مشرک تو نہ ہو لیکن کبیرہ گناہوں کا گنہ گار ہو تو ایسے شخص کے گناہوں کے معافی کی امید شریعت میں اللہ کی ذات سے رکھی گئی ہے غرض اوپر کی صحیح حدیثوں کو ان آیتوں کی تفسیر قرار دینے سے حاصل معنے ان آیتوں کے یہ ہیں کہ مشرکوں کے شرک اور گنہ گاروں کے گناہ کی سزا فوراً دنیا میں جو اللہ تعالیٰ نہیں دیتا اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے کاموں سے بے خبر ہے بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ سزا کا ایک دن اللہ نے ٹھہرا رکھا ہے اُس دن جو ہونا ہے وہ ہو جاوے گا اس لئے اس دن کے آنے سے پہلے اے رسول اللہ کے ذرا لوگوں کو اس دن سے ڈرا دو کہ اس دن غافل لوگ دنیا کی فرصت اور فراغت کے وقت کو بہت یاد کریں گے اور وہ یاد کرنا اُن کے کچھ کام نہ آوے گا جو شرک یا گنہ گاری کے سبب سے حق اللہ میں فتور ڈال کر اپنے نفس پر ظلم کرتے اور اس ظلم کے سبب سے اپنے آپ کو عذاب الٰہی کا سزاوار ٹھہراتے ہیں یہ تو ان کا حال ہوا اب بعضے وہ لوگ ہیں جو شرک سے بچتے اور نماز روزہ کے ادا کرنے میں حق اللہ کے تو پابند ہیں مگر مخلوق الٰہی کو طرح طرح کی ایذا دیتے ہیں یہ حق العباد کا ظلم کہلاتا ہے اس طرح کے ظلم کی سزا کا ذکر جو صحیح حدیثوں میں ہے اُس کے پڑھنے سے بڑا افسوس ہوتا ہے کہ اس طرح کے ظالم لوگ تمام عمر عقبیٰ کے لئے نیکیاں کمائیں گے اور پھر عقبیٰ میں خالی ہاتھ رہ جاویں گے۔ صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضہ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز صحابہؓ سے پوچھا کہ مفلس کس شخص کو کہتے ہیں صحابہ نے عرض کیا کہ حضرت ہم لوگ تو مفلس اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس روپیہ پیسہ نہ ہو آپ نے فرمایا اصل مفلس وہ شخص ہے کہ جس کے نامہ اعمال میں قیامت کے دن نماز روزہ سب کچھ ہوگا لیکن اس شخص نے دنیا میں کسی کو گالی دی ہوگی کسی پر بہتان لگایا ہوگا کسی کو جان سے مارا ہوگا کسی کا مال دبا لیا ہوگا اس لئے اس کی نیکیوں کا ثواب مظلوموں کو مل جاوے گا اور نیکیوں کا ثواب کم رہے گا تو مظلوم لوگوں کی بدیاں اس کے ذمہ پڑ جاویں گی اور یہ شخص خالی ہاتھ دوزخ میں جا پڑے گا۔[1]

۴۲۔۴۳۔ اللہ پاک نے اس آیت میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر دی کہ تم یہ گمان نہ کرو خدا ظالموں کے عمل سے غافل ہے بلکہ اللہ نے اُن کو اُس دن کے واسطے مہلت دے رکھی ہے جب قیامت کے دن آسمان کے دروازے

[1] الترغیب ص ۳۰۰ ج ۲ فصل فی ذکر الحساب۔

وَاَنْذِرِ النَّاسَ یَوْمَ یَاْتِیْهِمُ الْعَذَابُ فَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ

اور ڈرا دے لوگوں کو اس دن سے کہ آ دے گا ان کو عذاب تب کہیں گے بے انصاف اے رب ہمارے فرصت دے

اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ

ہم کو تھوڑی مدت کہ ہم مانیں تیرا بلانا اور ساتھ ہوں رسولوں کے تم آگے قسم نہ کھاتے تھے

مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴿۴۴﴾ وَّسَكَنْتُمْ فِیْ مَسٰكِنِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

کہ تم کو نہیں کسی طرح ٹلنا۔ اور بسے تھے تم بستیوں میں انہیں کے جنہوں نے ظلم کیا اپنی جان پر

کھول کر فرشتے اُترنے لگیں گے اور لوگوں پر عذاب کریں گے اُس وقت اُن کی آنکھیں ادھر ہی کو لگ جاویں گی اور جب اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے تو قبروں سے نکل نکل کر جلدی جلدی میدان محشر کی طرف بھاگنے لگیں گے اور نظر نیچی نہ کریں گے اور نہ پلک جھپکائیں گے اِن کی دل کی حالت خوف و دہشت کی وجہ سے اُس وقت ایسی ہو گی جیسے کوئی چیز اُڑی جاتی ہے مطلب یہ ہے کہ دہشت کے سبب سے دل بے ٹھکانے ہو جاوے گا۔ معتبر سند سے مسند امام احمد اور اوسط طبرانی میں انسؓ بن مالک سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگرچہ موت انسان کے لئے ایک سخت چیز ہے لیکن موت کے بعد جو باتیں پیش آنے والی ہیں وہ موت سے زیادہ سخت ہیں۔[1] صحیح ابن حبان مسند ابی یعلی اور طبرانی کبیر میں عبداللہؓ بن مسعود کی صحیح روایت ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ کی گرمی سورج کی گرمی اور پسینہ کی تکلیف محشر کے میدان میں ایسی ہو گی کہ اُس کے سبب سے لوگ گھبرا کر یہ کہیں گے کہ اس سے تو ہم دوزخ میں بھیج دیئے جاویں تو اچھا ہے[2] یہ حدیثیں اور اس قسم کی اور صحیح حدیثیں آیت کے ساتھ ملائی جاویں تو حشر کے دن لوگوں کی آنکھوں کا حیرت سے کھلی کی کھلی رہ جانا اور اُن کے دلوں کا بے ٹھکانے ہو جانا اچھی طرح سمجھ میں آ جاتا ہے

۴۴-۴۶- اس آیت میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا ہے کہ تم لوگوں کو یہ ڈر سنا دو کہ قیامت میں جب عذاب ہو گا اُس وقت یہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا ہے اور راہ حق پر نہیں آئے یہ کہیں گے کہ اے خدا اگر ذرا ہمیں مہلت دے دے تو ہم تیرے حکم کو قبول کر لیں اور رسول پر ایمان لے آئیں اس کے جواب میں اللہ پاک اُن سے کہے گا کہ کیا تم نے دنیا میں قسم کھا کر یہ بات نہیں کہی تھی کہ آخرت کوئی چیز نہیں ہے مرنے کے بعد پھر زندہ ہونا کیسا ہمیں کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچے گا کوئی جزا و سزا نہیں ہے اور کیا تم ایسی سرزمین میں نہیں رہتے تھے جہاں تم سے پہلے منکرین حشر گزر چکے تھے اور انہیں باتوں پر اُن کا انجام کیا ہوا کس طرح اُن پر عذاب بھیجے اور کیسی بے بسی کی حالت میں اُن کو ہلاک کیا اور تم لوگوں کو مثالیں دے دے کر سمجھایا گیا مگر تم لوگوں نے کچھ غور و فکر نہ کیا اور نہ عبرت حاصل کی اور اُن لوگوں نے بہتیرے مکر کئے کہ کسی طرح حق بات ضعیف ہو جائے اور وہ مکر اُن کے اگرچہ ایسے تھے کہ پہاڑ بھی اپنی جگہ سے اکھڑ جاتا مگر خدا اپنے دین کا حامی رہا اور کچھ اُن کی پیش نہ چلی معتبر سند سے صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم میں انسؓ بن مالک اور عبداللہ بن مسعودؓ سے روایتیں ہیں

[1] مجمع الزوائد ص ۳۳۴ ج ۲۔ باب فی الموت وما بعدہ ماھو ان بعد الموت [2] الترغیب ص ۲۹۵ ج ۲ فصل فی الحشر وغیرہ مجمع الزوائد ص ۳۳۶ ج ۱۰ باب ماجاء فی ہول المطلع وشدۃ یوم القیامۃ۔

وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْأَمْثَالَ ﴿٤٥﴾ وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ

اور کھل چکا تم کو کیسا کیا ہم نے اُن پر اور بتلائیں ہم نے تم کو کہاوتیں اور یہ بنا چکے ہیں اپنے داؤں

وَعِنْدَ اللَّهِ مَكْرُهُمْ وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿٤٦﴾ فَلَا

اور اللہ کے آگے ہے اُن کا داؤ اور نہ ہوگا اُن کا داؤ کہ ٹل جاویں اُس سے پہاڑ سو مت

تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخْلِفَ وَعْدِهِ رُسُلَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٤٧﴾

خیال کر کہ اللہ خلاف کرے گا اپنا وعدہ اپنے رسولوں سے بیشک اللہ زبردست ہے بدلہ لینے والا

جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گناہ کے بعد جس شخص کے دل میں شرمندگی ہو اس شخص کی وہی توبہ ہے ان حدیثوں کو آیتوں کے ساتھ ملانے سے دنیا اور عقبیٰ کی حالت میں جو فرق ہے وہ اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ دنیا میں فقط دل کی ندامت توبہ ہے اور عقبیٰ میں نافرمان لوگ دل کی ندامت کا زبان سے بھی اقرار کرکے دنیا میں دوبارہ آنے اور فرمانبردار بن کر عمر گزارنے کی خواہش کریں گے تو وہ خواہش منظور نہ ہوگی اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے فرمایا کہ قیامت کے دن سے ان لوگوں کو دنیا ہی میں جو کچھ ڈرانا ہے ڈرا دیا جاوے ورنہ قیامت کے دن کوئی ڈر کوئی ندامت کارآمد نہیں ہے سورت النحل میں آوے گا کہ مشرکین مکہ قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ مرنے کے بعد پھر زندہ نہ ہوں گے اُسی کو فرمایا تم لوگ تو اس بات پر قسمیں کھاتے تھے کہ دنیا کی زندگی کی حالت ٹل کر اور کوئی دوسری حالت بدلنے والی نہیں پھر اب دوبارہ زندہ ہونے کو تم سے ٹالا جاوے تو ٹال دو۔ ملک شام کے سفر میں مشرکین مکہ کا گزر پہلی امتوں کی اجڑی ہوئی بستیوں پر ہوا کرتا تھا اُسی کو فرمایا کہ اُن بستیوں کا حال دیکھ کر تم لوگوں نے عبرت کیوں نہیں حاصل کی اور مثال کے طور پر ان پہلی امتوں کا حال قرآن میں سمجھایا گیا تو اُس کو تم نے اس کان سے سن کر اس کان سے کیوں اڑا دیا نافرمان لوگوں کے مکروفریب یہی تھے مثلاً جیسے فرعون نے جادوگروں کا مقابلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کرایا جس کا ذکر قرآن شریف میں کئی جگہ ہے یا مثلاً جیسے مشرکین مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید کر ڈالنے کا قصد کیا جس کا ذکر سورت انفال میں گزر چکا ہے۔

۴۷۔ اللہ پاک نے اس آیت میں اپنے رسول برحق کو خطاب کرکے مسلمانوں کو یہ سمجھایا ہے کہ یہ گمان تم کرو کہ اللہ نے جو تم سے وعدہ کیا ہے کہ تمہاری مدد کروں گا اور کفار پر تمہیں غلبہ دوں گا دین حق کو پھیلا دوں گا تو وہ اُس کو پورا نہیں کرے گا کیونکہ خدا کسی سے جھوٹا وعدہ نہیں کرتا ہے پھر وہ اپنے رسول سے کیوں کر جھوٹا وعدہ کرے گا غرض کہ اللہ نے مسلمانوں کو یہ تسکین و تسلی کی ہے کہ تم اطمینان رکھو جو تم سے وعدہ کیا ہے وہ پورا کروں گا اور رسولوں کے ساتھ بھی نہایت انصاف سے فیصلہ کر دوں گا کیونکہ خدا سب پر غالب ہے اُس سے بڑھ کر کوئی بدلہ لینے والا نہیں ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس رکوع میں دو جگہ دو جگہ ذکر تَحْسَبَنَّ اللَّهَ جو فرمایا ہے اُس سے ان مسلمانوں کی تسکین مقصود ہے جو مشرکوں کے ستانے سے گھبرا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس کی شکایت اور مشرکوں کے حق میں بددعا کرنے کی آپ سے خواہش کرتے تھے چنانچہ صحیح بخاری میں خباب بن الارت کی حدیث ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکوں کے ستانے کی شکایت اور مشرکوں کے حق میں بددعا

لہ الترغیب ص ۲۲۱ ج ۲ الترغیب فی التوبۃ۔

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (۴۸)

جس دن بدل جاوے اس زمین سے اور زمین اور آسمان اور لوگ نکل کھڑے ہوں سامنے اللہ اکیلے زبردست کے

کرنے کی خواہش کی تو آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں اللہ تعالیٰ اسلام کی مدد کے وعدہ کو ضرور پورا کرے گا مشرک لوگ جس قدر تم کمزور مسلمانوں کو ستاتے ہیں یہ کچھ بھی نہیں ہے تم سے پہلے نیک لوگوں کو مخالفوں کے ہاتھ سے اس سے بھی زیادہ تکلیفیں پہنچی ہیں یہاں تک کہ بعضے نیک لوگ پہلے زمانے میں آروں سے چیرے گئے ہیں غرض وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ کی یہ صحیح حدیث گویا تفسیر ہے جس سے رسول مقبول کو اس خطاب سے یاد فرمانے اور مخاطب ٹھہرانے کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعری کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب تک چاہتا ہے نافرمان لوگوں کو مہلت دیتا ہے پھر جب پکڑتا ہے تو بالکل ہلاک کر دیتا ہے یہ حدیث اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور تھا اس نے مکہ کے نافرمان سرکشوں کو مہلت دی اور بدر کی لڑائی کے وقت جب پکڑا تو ان سرکشوں کی ساری سرکشی خاک میں مل گئی چنانچہ اس کی تفصیل انس بن مالک کی صحیح روایتوں کے حوالہ سے اوپر گزر چکی ہے۔ اس کے بعد اپنی مدد سے مکہ کو فتح کرا دیا جس سے باقی کے اہل مکہ اسلام کے مددگار بن گئے۔

۴۸۔ بعضے مفسروں نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ قیامت کے دن زمین و آسمان کی کچھ حالت بدل جاوے گی مثلاً زمین کے پہاڑ ٹیلے سب برابر کئے جا کر ایک چورس میدان کر دیا جاوے گا اور آسمان کے چاند سورج تارے نکال دیئے جاویں گے یا اصل میں زمین و آسمان بدل جاویں گے۔ رفع اس اختلاف کا یہ ہے کہ خود صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اختلاف کو رفع فرمایا ہے چنانچہ مسلم ترمذی ابن ماجہ مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ میں حضرت عائشہؓ کی جو حدیث ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے آنحضرتؐ سے اس آیت کو پڑھ کر پوچھا کہ جب زمین بدل جاوے گی تو اس وقت سب آدمی کہاں جاویں گے آپ نے فرمایا سب آدمی اس وقت پل صراط پر ہوں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے آیت کا یہی مطلب قرار دیا ہے کہ اصل زمین بدل جاوے گی ورنہ آپ حضرت عائشہؓ کو یہ جواب دیتے کہ زمین کے پہاڑ ٹیلے بدل جاویں گے اور آدمی جس طرح دنیا کے بسنے کے زمانہ میں زمین کے چورس ٹکڑے پر بستے رہے تھے ویسے ہی قیامت کے دن رہیں گے غرض آیت کے مطلب کو خود صاحب وحی نے حل کر دیا ہے۔ جو علماء اس بات کے قائل ہیں کہ زمین کی فقط حالت بدلی جاوے گی خود زمین نہیں بدلی جاوے گی وہ علماء اپنے قول کی تائید میں مستدرک حاکم کی عبداللہ بن عمرو بن العاص اور جابرؓ بن عبداللہ کی وہ روایتیں پیش کرتے ہیں جن میں یہ ہے کہ قیامت کے دن زمین کے ٹیلے اور پہاڑوں کو چورس کر دیا جاوے گا اول تو یہ روایتیں صحیح مسلم کی روایت کے رتبہ کو نہیں پہنچ سکتیں دوسرے ان روایتوں کے صحابہ کے نام میں نیچے کے راویوں کا اختلاف ہے کوئی کسی صحابی کا نام لیتا ہے اور کوئی کسی دوسرے کا۔ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس دن آسمان و زمین بدلے جاویں گے اس دن یہ مشرک لوگ شرک کی جوابدہی کے لئے اس اللہ کے روبرو کھڑے ہوں گے جو اکیلا وحدہ لا شریک ہے اور اس جوابدہی میں جب یہ لوگ لاجواب ہو جاویں

لہ صحیح بخاری ص ۱۰۲۰ ج ۲ کتاب الاکراہ۔ سہ تفسیر ہذا ص ۱۲۵-۲۲۴، ۲۳۵۔ سہ جلد ہذا ص ۲۰۲ - ۲۰۸ - ۲۲۴ - ۷۔ سہ تفسیر ابن کثیر ص ۵۴۲ ج ۲ شہ مستدرک حاکم ص ۵۷۰ ج ۴ تشریح آیت یوم تبدل الارض غیر الارض۔

وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿٤٩﴾ سَرَابِيلُهُم مِّن قَطِرَانٍ

اور دیکھے تو گنہگار اُس دن جکڑے ہوئے زنجیروں میں کرتے اُن کے ہیں گندھک کے

وَتَغْشَىٰ وُجُوهَهُمُ النَّارُ ﴿٥٠﴾ لِيَجْزِيَ اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ

اور ڈھانکے لیتی ہے اُن کے منہ کو آگ تا بدلا دے اللہ ہر جی کو اُس کی کمائی کا بیشک اللہ شتاب لینے والا ہے

گے تو قہاری کی صفت کے موافق ان لوگوں کے حق میں وہ سزا تجویز کی جاوے گی جس کا ذکر آگے کی آیت میں ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قہاری کی صفت کی تفصیل جو لوگوں کو معلوم ہو جاوے تو کسی شخص کے دل میں جنت کی خواہش باقی نہ رہے اور اگر اس کی رحمت کی تفصیل لوگوں کو معلوم ہو جاوے تو اس کی رحمت سے کوئی شخص ناامید نہ ہو[1] یہ حدیث اللہ تعالیٰ کی قہاری اور رحیمی دونوں صفتوں کی گویا تفسیر ہے۔

۴۹ تا ۵۱۔ ان آیتوں میں یہ ارشاد ہے کہ جب قیامت کے دن یہ آسمان و زمین نہ ہوں گے اور کل مخلوق اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑی کی جاوے گی تو جن لوگوں نے دنیا میں فساد مچا رکھا تھا خود بھی راہ حق سے علیحدہ رہے اور اوروں کو بھی علیحدہ رکھا تھا ہر ہم طوق اور زنجیروں میں جکڑے ہوئے آویں گے ان کا کرتہ گندھک کے تیل کا ہو گا جس میں ذرا سی آگ لگنے سے بھڑک اٹھے گی اور بجھائے نہ بجھے گی حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے قطران کی یہ تفسیر کی ہے کہ ان کے کرتے پگھلے ہوئے تانبے کے ہوں گے خدا ہر شخص کو اس کے عمل کا بدلا دے گا جس کا عمل اچھا ہو گا تو اپنی رحمت میں شامل کرے گا اگر عمل برے ہوں گے تو ویسا بدلا دے گا اور خدا حساب کتاب لینے میں کچھ بھی دیر نہ لگائے گا جھٹ پٹ فارغ ہو جائے گا مسند امام احمد اور صحیح مسلم میں ابو مالک اشعریؓ کی ایک حدیث ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا میری امت میں چار باتیں جاہلیت کی باتیں ہیں لوگ اُس کو چھوڑتے نہیں ہیں حسب و نسب کا فخر کرتے ہیں تاروں کی گردش سے مینہ طلب کرتے ہیں مُردے پر نوحہ کرتے ہیں فرمایا نوحہ کرنے والی کو ایک کرتہ گندھک کے تیل کا یا پگھلے ہوئے تانبے کا پہنایا جاوے گا[2] اصل میں قطران ایک تیل ہے جو کھجلی والے اونٹوں کی کھال پر لگایا جاتا ہے۔ جس سے کھجلی جل جاتی ہے اور اونٹ کی کھال میں زخم پڑ جاتا ہے اس تیل میں یہ خاصیت بھی ہے کہ آگ میں ڈالنے سے اس کی آنچ بہت تیز ہوتی ہے گندھک کے تیل میں بھی یہ باتیں پائی جاتی ہیں اس لئے بعضے مفسروں نے قطران کے معنے گندھک کے تیل کے لکھے ہیں شاہ صاحب نے ترجمہ میں یہی قول لیا ہے سلف میں سے جن علماء نے قطر آن کے معنے پگھلے ہوئے تانبے کے کئے ہیں انہوں نے قطر کو الگ لفظ قرار دیا ہے اور آن کو الگ کیونکہ قطر پگھلے ہوئے تانبے کو کہتے ہیں اور آن نہایت گرم کھولتی ہوئی چیز کو حاصل کلام یہ ہے کہ دوزخ کی آگ کا اثر اور تیزی بڑھانے کے لئے یہ چیزیں لباس کی طرح دوزخیوں کے جسم پر لٹکا دی جاویں گے۔ شرک کے کلمے زبان سے نکلتے ہیں اور دل میں شرک کا اعتقاد ہوتا ہے اس واسطے یہاں منہ کے جلنے کا اور دوسری جگہ دل کے جلنے کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ میں آوے گا کہ جن لوگوں کے اعمال نامے سیدھے ہاتھ میں دئے جاویں گے ان کا حساب تو سرسری طور پر آسانی سے یوں ہو جاوے گا کہ بعضوں کے گناہ معاف ہو جاویں گے اور بعضوں کے گناہ نیکیوں سے بدل دئے جاویں گے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن عمرؓ سے اور صحیح مسلم میں ابوذرؓ سے جو روایتیں[3] ہیں ان میں اس کا ذکر تفصیل

[1] الترغیب ص ۲۰۰ ج ۲ باب الترغیب فی الخوف [2] تفسیر ابن کثیر ص ۵۴۰ ج ۲ و الترغیب ص ۲۴۳ ج ۲ باب الترہیب من النیاحۃ [3] مشکوٰۃ ص ۴۸۵ باب الحساب والقصاص والمیزان [4] ایضاً ص ۴۹۲ باب الحوض والشفاعۃ [5] دیکھئے فتح الباری ص ۹۱۰ ج ۱ شرح باب من نوقش الحساب عذب۔

الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

حساب یہ خبر کر دی ہے لوگوں کو اور تا چونک رہیں اس سے اور تا جانیں کہ معبود ہے ایک ہی

وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾

اور تا سوچ کریں عقل والے

ایاتها ۹۹ (۱۵) سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ (۵۴) رکوعاتها ۶

یہ سورت کل مفسروں کے نزدیک مکی ہے حجر ایک صحرا ہے مدینہ اور شام کے بیچ میں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱﴾

یہ آیتیں ہیں کتاب کی اور کھلے قرآن کی

سے ہے اس صورت میں کہ ید اور رجانچ سے انہیں لوگوں کا حساب ہوگا جو علم الٰہی کے موافق عذاب کے قابل ٹھہریں گے اور اسی واسطے ان کے نامۂ اعمال الٹے ہاتھ میں دیئے جاویں گے لیکن ان لوگوں کے سب کام اللہ کی نظر میں ہیں سب غیب کا حال اسی کو معلوم ہے اس لئے یہ کرید اور جانچ بھی جلدی طے ہو جاوے گی اس جانچ کے وقت جو لوگ نامۂ اعمال کو جھٹلا دیں گے ان کے ہاتھ پیروں سے گناہوں کی گواہی دلوائی جا کر ان کا حساب طے ہو جاوے گا۔ چنانچہ صحیح مسلم[1] کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت اس باب میں گزر چکی ہے حاصل یہ ہے کہ یہ حدیثیں اور اس قسم کی اور صحیح حدیثیں اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ کی گویا تفسیر ہیں۔

۵۲۔ اس آیت میں اللہ پاک نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ یہ قرآن جو تم پر نازل کیا گیا ہے یہ ایک نصیحت ہے تاکہ لوگ خدا سے ڈریں اور جو نصیحت اس میں ہے اس سے معلوم کریں کہ سوائے اس ایک خدا کے دوسرا کوئی معبود نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی شریک ہے اس لئے کہ جو لوگ صاحب فہم ہیں عقل رکھتے ہیں ان کو اس میں غور و فکر کرنا چاہیے اور نصیحت حاصل کرنی چاہیے ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالہ سے شداد بن اوس کی معتبر روایت ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عقلمند وہ شخص ہے جو مرنے سے پہلے مرنے کے بعد کا کچھ عقبیٰ کا سامان کر لیوے اور عقل سے عاجز وہ شخص ہے جو عقبیٰ سے غافل رہ کر عقبیٰ کی بہبودی کی تمنا دل میں رکھے یہ حدیث وَلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ علم الٰہی کے موافق جن لوگوں کو قرآن کی نصیحت کے سمجھنے کی عقل دی گئی ہے وہی قرآن کی نصیحت پر عمل کر کے اپنی عقبیٰ کو درست اور مرنے سے پہلے مرنے کے بعد کا کچھ سامان کرتے ہیں اور جو لوگ حقیقی کے منکر یا عقبیٰ سے غافل ہیں وہ یا تو قرآن کی نصیحت کو سنتے ہی نہیں یا اس کا سچی کر اکان سے اڑا دیتے ہیں۔

۱۔ الٓرٰ حروف مقطعات میں سے ہے جن کا ذکر سورت البقرہ میں ہو چکا ہے کہ اس کے معنے سوائے خدا کے کسی کو نہیں معلوم اور جس طرح تمام سورتوں میں جو حروف مقطعات سے شروع ہوئی ہیں قرآن کی عظمت بیان فرمائی ہے اسی طرح اس سورت میں بھی حروف مقطعات

[1] صحیح مسلم ص ۴۰۹ ج ۲ کتاب الزہد [2] تفسیر ہذا جلد دوم ص ۲۰۲۔

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ﴿٢﴾

کسی وقت آرزو کریں گے جو منکر ہیں کسی طرح ہوتے مسلمان

کے بعد فرمایا کہ یہ سورت قرآن مجید کی آیتوں میں سے تھوڑی سی آیتیں ہیں اور پھر قرآن کی صفت بیان فرمائی کہ اس سے حق بات ناحق بات سے صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو ہریرہؓ کی حدیث[1] ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور معجزوں کے علاوہ مجھ کو قرآن شریف ہی کا ایک ایسا معجزہ دیا گیا ہے جس کے سبب سے مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میری امت کے نیک لوگوں کی تعداد اور امتوں کے نیک لوگوں کی تعداد سے زیادہ ٹھہرے گی۔ یہ حدیث وَقُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن شریف کی آیتوں میں ایسی صاف صاف نصیحتیں ہیں جن سے قیامت تک بہت لوگوں کو ہدایت ہوگی اگرچہ بعضے سلف نے کتاب کی تفسیر توراۃ اور انجیل کو ٹھہرایا ہے مگر توراۃ اور انجیل کا اوپر کہیں ذکر نہیں ہے اس لئے صحیح قول یہی ہے کہ کتاب اور قرآن دونوں لفظوں سے مقصود قرآن ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ آیتیں ایسی صاحب عظمت کتاب کی ہیں جس کا نام قرآن ہے۔

۲۔ طبرانی میں حضرت ابو موسیٰؓ اشعری سے روایت[2] ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا بعضے کلمہ گو مسلمان گناہ گار جس وقت دوزخ میں جا دیں گے تو کافر ان پر طعن کریں گے کہ تمہاری مسلمانی تمہارے کچھ کام نہ آئی آخر تم بھی ہمارے ساتھ عذاب میں پھنسے اللہ تعالیٰ ان کافروں کے یہ طعن سن کر جتنے ان مسلمان کلمہ گو لوگوں کو دوزخ سے نکالنے کا حکم دیوے گا اس وقت کافر لوگ یہ تمنا کریں گے، کاش کہ ہم بھی کلمہ گو ہوتے۔ یہ ذکر فرما کر آپؐ نے یہ آیت پڑھی جس سے معلوم ہوا کہ اصل شان نزول اس آیت کی یہ ہے سوائے اس کے علمائے متقدمین و متاخرین نے اور شان نزول جو اس آیت کی بیان کی ہے مثلاً کافروں کا موت کے وقت عذاب کے فرشتوں کو دیکھ کر اسلام کی تمنا کا ظاہر کرنا اس سے ان علماء کا مقصد یہ ہے کہ اس حالت پر بھی آیت کا مطلب صادق آتا ہے ورنہ اصل شان نزول وہی ہے جس کی صراحت اس حدیث میں آچکی ہے یہ بات اوپر بیان ہو چکی ہے کہ صحابہ اور تابعین میں یہ ایک طریقہ جاری تھا کہ جس معاملہ پر آیت کا مطلب صادق آتا تھا خواہ وہ معاملہ آیت کے پہلے کا ہو یا بعد کا وہ لوگ اس معاملہ کو بھی آیت کی شان نزول قرار دیا کرتے تھے اگرچہ طبرانی کی سند میں ایک راوی خالد بن نافع کو بعضے علماء نے ضعیف ٹھہرایا ہے لیکن ذہبیؒ نے اس کو نا قابل اعتراض قرار دیا ہے علاوہ اس کے یہ حدیث طبرانی میں انسؓ بن مالک کی روایت[3] سے بھی ہے جس کی سند میں خالد بن نافع نہیں ہے اس لئے ایک روایت کو دوسری روایت سے تقویت ہو جاتی ہے۔ اسی واسطے حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا[4] ہے۔ اوسط طبرانی میں صحیح سند سے ایک روایت جابر بن عبد اللہؓ کی بھی[5] اس مضمون کی ہے حاصل یہ ہے کہ خالد بن نافع کے ضعیف ہونے کے سبب سے اس شان نزول کی روایت کو ضعیف نہیں کہا جا سکتا بعث و نشور بیہقی میں ایک قصہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک روز حضرت عبد اللہ بن عباس اور انس بن مالکؓ میں اس آیت کی شان نزول کی بابت بڑی بحث ہو کر آیت کی یہی شان نزول صحیح قرار[6] پائی

[1] صحیح بخاری ص ۷۴۴ ج ۲ باب کیف نزل الوحی [2] تفسیر الدر المنثور ص ۹۲ ج ۴ و مجمع الزوائد ص ۴۵ ج ۷ تفسیر سورت الحجر [3] میزان الاعتدال ص ۲۰۲ ج ۱ [4] تفسیر الدر المنثور ص ۹۳ ج ۴ و تفسیر ابن کثیر ص ۵۴۷ ج ۲ [5] تفسیر الدر المنثور ص ۹۲ ج ۴ [6] تفسیر الدر المنثور ص ۹۲ ج ۴ و تفسیر فتح البیان ص ۶۲۹ ج ۲ [7] ایضاً

ذَرۡهُمۡ یَاۡکُلُوۡا وَ یَتَمَتَّعُوۡا وَ یُلۡهِهِمُ الۡاَمَلُ فَسَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳﴾ وَ مَاۤ

چھوڑ دے اُن کو کھالیں اور برت لیں اور امید پر بھولے رہیں کہ آگے معلوم کر لیں گے اور کوئی

اَهۡلَکۡنَا مِنۡ قَرۡیَۃٍ اِلَّا وَ لَهَا کِتَابٌ مَّعۡلُوۡمٌ ﴿۴﴾ مَا تَسۡبِقُ مِنۡ اُمَّۃٍ اَجَلَهَا

بستی ہم نے نہیں کھپائی مگر اس کا لکھا تھا مقرر نہ شتابی کرے کوئی فرقہ اپنے وعدے سے

جس کا ذکر ابو موسےٰ اشعریؓ کی روایت سے اوپر گزر رہا۔

۴۔ اس سے اوپر کی آیت میں یہ ذکر تھا کہ قیامت کے دن کفار بعضے مسلمان گنہگاروں کو دوزخ سے نکلتے ہوئے دیکھ کر یہ کہیں گے کہ کاش ہم بھی مسلمان ہوتے تو اُس وقت یہاں سے نکال لئے جاتے اور ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں نہ رہتے اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم فرمایا کہ ان کافروں کو ان کے حال پر چھوڑ دو اور ان کے پیچھے نہ پڑو کہ خواہی نخواہی یہ ایمان ہی لائیں اور اچھے عمل کریں بت پرستی چھوڑ دیں دین حق کو قبول کریں یہ کبھی راہ راست پر نہیں آئیں گے ان سے کہہ دو کہ دنیا میں جتنا جی چاہے کھا پی لو اور عیش و آرام کر لو اور ہمیشہ جینے کی امید پر بیٹھے رہو آگے جو ہوگا وہ سب تمہیں معلوم ہو جائے گا ابھی تو یہی گمان کرتے رہو کہ ہماری عمر بہت بڑی ہے ہم ابھی کیا مرنے والے ہیں اس آیت میں یہ بات بتلائی گئی ہے کہ دنیا کی لذتوں میں پڑے رہنا اور طول طویل امید پر بیٹھے رہنا ایماندار شخص کے لئے زیبا نہیں ہے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تم لوگوں پر دو باتوں کا خوف کرتا ہوں طول امل اور خواہش نفس۔ طول امل آخرت کو بھلا دیتی ہے کیوں کہ جو شخص کسی طویل امید پر بیٹھا ہوگا اُس کے دل میں کبھی یہ بات نہ گزرے گی کہ ہم جلد مریں گے اور جب مرنے کا خیال نہ آئے گا تو وہ آخرت کی یاد کو بھول جائے گا اور خواہش نفس حق سے روک دیتی ہے بھلے بُرے کی تمیز جاتی رہتی ہے۔ صحیح بخاری ترمذی نسائی ابن ماجہ اور صحیح ابن حبان میں عبد اللہ بن مسعودؓ اور انسؓ بن مالک سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹی اور دوسری بڑی لکیر کھینچ کر یہ فرمایا کہ چھوٹی لکیر آدمی کی عمر کی ہے اور بڑی لکیر اس کی بڑی بڑی دنیا کی امیدیں ہیں ایک دن اُس کی عمر ختم ہو جاوے گی اور یہ بڑی بڑی امیدیں یوں ہی ناتمام رہ جائیں گی [۱] اس صحیح حدیث سے حضرت علیؓ کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے اور حدیث کو حضرت علیؓ کے قول کے ساتھ ملا کر وَیُلۡهِهِمُ الۡاَمَلُ کی تفسیر کی جا سکتی ہے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ بڑے بڑے مالدار دوزخیوں سے دوزخ کے پہلے ہی جھونکے کے بعد فرشتے پوچھیں گے کہ دنیا کے جس عیش و آرام نے تم کو عقبیٰ سے غافل رکھا اس عذاب کے آگے وہ عیش و آرام تم کو کچھ یاد ہے وہ لوگ قسم کھا کر کہیں گے کہ نہیں [۲] یہ حدیث کا ٹکڑا فَسَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ کی گویا تفسیر ہے

۵۔ اس آیت میں اس بات کی خبر دی گئی کہ کوئی گاؤں بغیر حجت تمام کئے ہوئے ہلاک نہیں کیا گیا اور جب تک اُس کا مقررہ وقت نہ آ چکا عذاب نہیں نازل کیا گیا جب کسی قوم کا وقت مقرر آ جاتا ہے تو پھر نہ اُس سے گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے اجل کے معنے وقت مقررہ کے ہیں اس سے زیادہ اس کی تفصیل سورت انعام میں گزر چکی ہے۔ اس آیت میں اہل مکہ کو جو کافر اور مشرک تھے خوف

[۱] صحیح بخاری ص ۹۴۹ ج ۲ باب فی الامل وطولہ ومشکوٰۃ باب الامل والحرص

[۲] مشکوٰۃ ص ۵۰۲ باب صفۃ النار واہلہا۔

وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ۝ وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ۝

اور نہ دیر کرے اور لوگ کہتے ہیں اے شخص کہ تجھ پر اتری ہے نصیحت تو مقرر دیوانہ ہے

دلایا گیا ہے کہ تم جس کفر اور شرک پر جمے بیٹھے ہو ایک روز یہ کفر اور شرک جڑ سے اکھڑ جاوے گا وقت مقررہ آنے کی دیر ہے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے عبد اللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ دنیا کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار برس پہلے جو کچھ دنیا میں ہونے والا تھا اللہ تعالیٰ نے وہ سب لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے یہ حدیث کتاب معلوم کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انتظام میں دنیا کے ہر کام کا وقت دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے لکھا جا چکا ہے اس واسطے ہر کام اپنے وقت مقررہ پر ہوتا ہے۔ مشرکین مکہ عذاب کی جلدی جو کرتے ہیں پہلی امتوں کی طرح ان کے حق میں بھی عذاب کا وقت مقررہ جب آ جائے گا تو ان کو اس جلدی پر پچھتانا پڑے گا۔ صحیح سند سے تفسیر ابن ابی حاتم میں عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عذاب کی جلدی کرنے والے مشرکین مکہ میں کے سرکش ابوجہل وغیرہ جب بدر کی لڑائی میں مارے گئے تو مرنے کے بعد اپنی حالت پر ان کو پچھتانا پڑا مگر یہ بے وقت کا پچھتانا کچھ ان کے کام نہ آیا وقت مقررہ پر ان سرکشوں کے مارے جانے کے قصہ کو اور فتح مکہ کے قصہ کو بھی آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے۔ بدر کی لڑائی کا قصہ پہلے گزر چکا ہے۔ فتح مکہ کے وقت ان مشرکوں کی کم زوری جس حد تک پہنچی اس کا ذکر بھی ایک جگہ گزر چکا ہے کہ اللہ کے رسول نے ان کے جھوٹے معبودوں کو لکڑیاں مار مار کر زمین پر گرا دیا۔

۶۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو قرآن شریف کی آیتیں پڑھ کر سنائیں اور قریش سے یہ کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تو قریش نے یہ دو باتیں کہیں جن کا ان آیتوں میں ذکر ہے ایک تو یہ کہ اللہ کے رسول کو انہوں نے دیوانہ بتلایا دوسری بات یہ کہی جس کا ذکر آگے ہے کہ اگر تم اللہ کے رسول ہو تو تمہارے کلام کی تصدیق کو آسمان سے فرشتے ہماری آنکھوں کے سامنے کیوں نہیں آتے اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرما کر اپنے رسول کو تسلی دی اور قریش کی پہلی بات کا جواب یہ دیا کہ اے رسول اللہ کے ان لوگوں کے دیوانہ کہنے سے تم کو کچھ رنج و الم میں نہ پڑنا چاہیے یہ کچھ نئی بات نہیں ہے تم سے پہلے جو اللہ کے رسول تھے ان سے بھی مخالف لوگ اسی طرح ٹھٹھا کرتے رہے ہیں دوسری بات کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہاں اور سورت انعام میں جو دیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ فرشتوں کی اصلی صورت قرآن منکروں کو موت کے وقت یا عذاب الٰہی کے وقت نظر آوے گی اب ویسے ہی اگر فرشتوں کو انسان کی صورت میں ان کے پاس بھیج دیا جاوے تو ان منکروں کو یہی شک ہوگا کہ یہ انسان اللہ کا رسول کیوں کر ہوا پھر فرمایا یہ لوگ تو ایسے ڈھیٹھ ہو گئے ہیں کہ دن دہاڑے آسمان پر چڑھ کر سب فرشتوں کو بھی اگر یہ دیکھ لیویں تو اس کو بھی جادو بتلاویں گے ترمذی اور مسند امام احمد میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے معتبر روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب ازل میں اللہ تعالیٰ نے سب مخلوق کو پیدا کیا تو ایک نور ہدایت بھی پیدا کیا تھا اور جو شخص علم الٰہی میں بد ٹھہر چکا تھا وہ اس نور کے حصہ سے محروم رہا اس ہدایت اور گمراہی کا اثر دنیا کے لوگوں میں پایا جاتا ہے ان آیتوں میں گے یہ جو فرمایا کہ جن گنہگاروں کے دل میں اللہ کی طرف سے اللہ کے

۱؎ صحیح مسلم ص ۳۳۵ باب حجاج آدم و موسیٰ علیہما السلام ۲؎ ۲۵۵-۲۶۱۔ ۳؎ مشکوۃ ص ۲۲ باب الایمان بالقدر۔

۴؎ جلد ہذا ص ۲۲۵

لَوْ مَا تَأْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۷ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا

کیوں نہیں لے آتا ہمارے پاس فرشتے اگر تو سچا ہے ہم نہیں اتارتے فرشتے مگر

بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝۸ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۹

کام ٹھہرا کر اور اُس وقت نہ ملے گی ان کو ڈھیل ہم نے آپ اُتاری ہے نصیحت اور ہم آپ اُس کے نگہبان ہیں

رسولوں کا انکار بس گیا ہے اس طرح کے لوگ اللہ کے کلام اور اللہ کے رسول پر ہرگز ایمان نہ لاویں گے اوپر کی حدیث کے مضمون کے موافق اور فطرت اسلامی کی صحیح بخاری و مسلم کی ابوہریرہؓ کی صحیح حدیث[1] کے مضمون کے موافق اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو فطرت اسلام پر پیدا کرتا ہے لیکن مرتے دم تک اس فطرت اسلام پر قائم وہی رہے گا جو علم ازلی میں نیک قرار پا چکا ہے اور نور ہدایت ازلی کا حصہ اُس کو ملا ہے تو شرک میں کے جو لوگ اُس گروہ میں کے نہیں ہیں اُن کے دل میں حق بات کا انکار جم گیا ہے وہ مرتے دم تک اس طرح کبھی اللہ کے رسول کو دیوانہ بتلاویں گے کبھی اللہ کے رسول کی صداقت کے لئے آسمان سے فرشتوں کے اترنے کی خواہش کریں گے۔ سورت الاعراف میں گزر چکا ہے کہ قوم نوح نے نوح علیہ السلام کو اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۶۰) اور قوم عاد نے ہود علیہ السلام کو اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ (۶۶) اس سے معلوم ہوا کہ ہر قوم کے مشرک لوگ اللہ کے رسولوں کو اسی طرح کم عقل دیوانہ بتلاتے رہے ہیں

۷ — ۹۔ اس سے پہلے ذکر تھا کہ مشرکین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ تم پر قرآن وغیرہ کچھ نہیں اترا ہے سب جھوٹ ہے اور تم دیوانے ہو گئے ہو جو یہ دعویٰ رسالت کا کرتے ہو اور اپنے ساتھ ہم لوگوں کو بھی باپ دادا کے پرانے مذہب بت پرستی سے چھڑا کر ایک خدا کی عبادت کو کہتے ہو اگر سچ مچ تم سچے ہو اور خدا نے تمہیں رسول بنا کر لوگوں کی ہدایت کو بھیجا ہے تو خدا تو تمہاری ہر ایک بات کو فوراً مان لے گا جو کہو گے وہ دے گا تم اس سے کہو کہ آسمان سے فرشتہ کو بھیج دے وہ یہاں آ کر ہم لوگوں سے تمہارا سب جھوٹ سچ کہہ دے فرشتے کے کہنے سے ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ ہاں تم خدا کے رسول ہو اور ہدایت کو بھیجے گئے ہو اور جس کتاب کو تم قرآن کہتے ہو اُس کی بھی تحقیق ہو جائے گی کہ یہ خدا کا کلام ہے جو تم پر اترا کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں مشرکوں کی ان باتوں کا جواب اس طرح دیا کہ فرشتے اس کام کے لئے نہیں ہیں فرشتے کام ٹھہرا کر آسمان سے بھیجے جاتے ہیں مجاہد نے بِالْحَقِّ کی یہ تفسیر کی ہے کہ خدا فرشتوں کو اُس وقت بھیجتا ہے جب اپنے رسول پر وحی نازل کرتا ہے اور ایک اُس وقت فرشتے کو بھیجتا ہے جب کسی قوم پر عذاب بھیجنا چاہتا ہے یا انسان کی موت لے کر فرشتے کو بھیجتا ہے پھر جب ان پر عذاب آئے گا تو ایک ذرا بھی مہلت نہیں ملے گی پھر فرمایا کہ اپنا کلام یہ قرآن مجید اپنے رسول پر ہم اتارتے ہیں ہم ہی اُس کی حفاظت کرتے ہیں یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ پاک نے قرآن مجید کی حفاظت اپنے ہاتھ میں لے لی ہے کبھی اس میں رد و بدل نہ ہو گا جس طرح پہلی کتابوں توریت و انجیل میں رد و بدل ہو گیا۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث گزر چکی ہے[2] کہ اللہ تعالیٰ جب تک چاہتا ہے نافرمان لوگوں کو مہلت دیتا ہے اور پھر جب پکڑ لیتا ہے تو ان کو بالکل غارت کر دیتا ہے یہ حدیث وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے تک مہلت کا زمانہ تھا اس لئے اس آیت میں اتنا ہی فرما دیا تھا کہ اللہ کے فرشتے آسمان سے اتریں گے تو ان سرکشوں پر ایسا عذاب آ جاوے گا جس سے ان کو بچنا دشوار ہے اللہ

[1] مشکوٰۃ ص ۲۱ باب الایمان بالقدر و [2] جلد ہذا ص ۲۰۵ - ۲۱۵ - ۲۲۴ - ۲۳۵ - ۲۷۶ -

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِیْ شِیَعِ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۰﴾ وَمَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا

اور ہم بھیج چکے ہیں رسول تجھ سے پہلے کئی فرقوں میں اگلے اور نہیں آتا ان پاس کوئی رسول مگر کرتے تھے

سچا ہے اللہ کا وعدہ سچا ہے بدر کی لڑائی میں مہلت کا وقت ختم ہو گیا تھا اس واسطے فرشتے آسمان سے اترے اور بڑے بڑے سرکشوں کو ہلاک کر ڈالا چنانچہ صحیح مسلم[1] میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ بدر کی لڑائی میں بعضے بعضے مشرک خود بخود مرکر زمین پر گر پڑے اور ایسی آواز آئی جیسے کسی نے ان کو کوڑا مار کر مار ڈالا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا تیسرے آسمان کے فرشتے جو مدد کے لئے آئے تھے انہوں نے ان مشرکوں کو مار ڈالا بیہقی وغیرہ میں جو روایتیں[2] ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ بدر کی لڑائی میں فرشتوں نے جن مشرکوں کو ہلاک کیا ان مشرکوں کی لاشوں پر آگ سے جل جانے کے نشان تھے کیونکہ فرشتوں نے ان کو دوزخ کی آگ کے کوڑوں سے مارا تھا بدر کی لڑائی کا باقی قصہ ایک جگہ گزر چکا ہے اس تفسیر کے مقدمہ میں صحیح بخاری مسلم ترمذی وغیرہ کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباس کی حدیث گزر چکی ہے کہ قرآن شریف کے نزول کے زمانہ میں آسمان تک جنات کا جانا بند ہو گیا تھا تاکہ جنات چوری سے قرآن شریف کے لفظ سن کر کاہنوں سے نہ بیان کر سکیں اور قرآن شریف کے لفظوں کی حفاظت جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہے اُس میں کچھ خلل نہ ڈال سکیں[3]۔ یہ باتیں بھی صحیح حوالوں سے گزر چکی ہیں کہ بیس برس کے عرصہ میں قرآن شریف نازل ہوا ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک جس قدر حصہ قرآن شریف کا نازل ہوتا تھا حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا دور کیا کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے سال میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دو دفعہ دور کیا[4]۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں متفرق طور پر جو قرآن لکھا ہوا تھا آپ کی وفات کے بعد صحابہ نے بڑی احتیاط سے اس کو ایک جا کیا[5] اس کے بعد امت میں ہر سال سینکڑوں ہزاروں حافظ قرآن ہوتے چلے آتے ہیں کوئی کاتب زیر زبر کی غلطی بھی قرآن شریف کے لکھنے میں کر دیتا ہے تو حافظ لوگوں کی پڑھائی سے وہ غلطی صحیح ہو جاتی ہے یہ سب قصے وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ کی گویا تفسیر ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدہ کے موافق قرآن شریف کے نازل ہونے کے زمانہ سے قیامت تک قرآن شریف کی حفاظت کا ایسا انتظام کر دیا ہے جس سے قرآن شریف میں کسی طرح کا ردوبدل ممکن نہیں اور یہ انتظام اس بات کو پورے طور پر جتاتا ہے کہ قرآن شریف اللہ کا کلام ہے اور جن پر یہ اللہ کا کلام اترا وہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔

۱۰۔۱۳۔ ان آیتوں میں اللہ پاک نے اپنے رسول کو یہ تسلی دی کہ کفار اور مشرکین جو تمہارے ساتھ ٹھٹھے کرتے ہیں اور تمہیں جھٹلاتے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے تم سے پہلے جو رسول گزرے ہیں ان کے ساتھ بھی ان کی قوم نے یہی معاملہ کیا ہے تم ان کی دل لگی سے بیدل نہ ہو اور جس طرح ان رسولوں نے صبر کیا تم بھی صبر کرو ان کے مسخراپن کرنے سے ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم وحی کا بھیجنا اور قرآن کا اتارنا بند کر دیں گے یہ لوگ جس بات پر جمے ہوئے ہیں بجنسہ وہم ان کے بیکے ہوئے خیال کو اور بھی پختہ کر دیتے ہیں کہ تم پر لوگ قرآن پاک

[1] ص ۹۳ ج ۲ باب الامداد بالملٰئکۃ فی غزوۃ بدر الخ [2] تفسیر فتح البیان ص ۱۵۷ ج ۲ [3] تفسیر ابن کثیر ص ۱۶۳ ج ۴ تفسیر سورۃ الاحقاف [4] صحیح بخاری ص ۷۴۸ ج ۲ باب کان جبرئیل یعرض القرآن علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم [5] مشکوٰۃ ص ۱۹۳ کتاب فضائل القرآن۔

بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۱﴾ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۲﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ

اُس سے ہنسی اِسی طرح پیٹھاتے ہیں ہم اُس کو دل میں گنہگاروں کے یقین نہ لاویں گے

بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا

اُس پر اور ہو آئی ہے رسم پہلوں کی اور اگر کھول دیں ہم اُن پر دروازے آسمان سے اور سارے

پھر یہ لوگ ایمان نہ لائیں اور اس ایمان نہ لانے کا جو نتیجہ پہلی قوموں کا ہوا وہ ان لوگوں کو معلوم ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ بھی انہیں لوگوں کی طرح قہر الٰہی میں آجائیں اور ہلاک کر دئے جائیں اور دنیا سے بالکل ان کی بنیاد ہی اکھیڑ دی جائے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے[1] جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں اپنے علم ازلی کے موافق یہ لکھ لیا ہے کہ دنیا کے پیدا ہونے کے بعد کتنے آدمی جنت میں جانے کے قابل کام کریں گے اور کتنے آدمی دوزخ میں جانے کے قابل۔ اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ پہلے صاحب شریعت نبی نوح علیہ السلام سے لے کر اس آخر زمانہ تک جو گنہگار لوگ اللہ کے رسولوں سے مسخراپن کرتے چلے آتے ہیں اس کا سبب یہی ہے کہ دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے علم الٰہی کے موافق ان لوگوں کی یہی حالت لوح محفوظ میں لکھی گئی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اگرچہ عام طور پر سب لوگوں کی ہدایت کے لئے رسول بھیجے کتابیں نازل کیں لیکن راہ راست پر وہی لوگ آویں گے جن کی قسمت میں راہ راست پر آنا لکھا گیا ہے یہ ازلی بد قسمت لوگ کسی طرح راہ راست پر نہ آویں گے ازلی بد قسمتی کے سبب سے دوزخ میں جانے کے قابل کاموں کے خیال ان کے دل میں آویں اور جمیں گے اور مرتے دم تک یہ لوگ کام بھی ویسے ہی کریں گے اور آخر ان کا انجام بھی وہی ہوگا جو ان سے پہلے کے نافرمان لوگوں کا ہوا کہ دنیا میں طرح طرح کے عذابوں سے وہ لوگ ہلاک کر دئے گئے اور عقبیٰ کے عذاب میں بھی گرفتار ہوئے اللہ سچا ہے اللہ کا کلام سچا ہے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے حضرت عبداللہؓ بن عباس کی حدیث گزر چکی ہے[2] کہ بدر کی لڑائی میں مشرکین مکہ کے سرکش لوگوں کو اللہ کے فرشتوں نے دوزخ کی آگ کے کوڑے مار مار کر مار ڈالا اور صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی یہ روایتیں بھی گزر چکی ہیں[3] کہ مرتے ہی یہ لوگ عقبیٰ کے عذاب میں گرفتار ہو گئے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی لاشوں پر کھڑے ہو کر یہ فرمایا کہ اب تو تم لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو سچا پا لیا۔

۱۴-۱۵- اس آیت میں اللہ پاک ان کفار اور مشرکین کے اتنہا درجے کی گمراہی کو بیان فرماتا ہے کہ یہ لوگ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے معجزہ تو کیا چیز ہے اگر آسمان کا کوئی دروازہ بھی کھول دیا جائے اور اپنی آنکھوں سے یہ لوگ وہاں کے عجائبات کو آسمان پر چڑھ کر دیکھ لیں جب بھی کفر سے باز نہیں آئیں گے بلکہ ان عجائبات کو دیکھ کر یہ کہنے لگیں گے کہ ہماری نظر بندی کی گئی ہے آنکھیں اپنی اصلی حالت پر نہیں ہیں ہم پر جادو کر دیا گیا ہے جو ایسے ایسے تماشے ہم کو نظر آتے ہیں جب ان کے کفر و سرکشی کی یہ حالت ہے۔ تو کوئی قدرتی نشانی ان کے ایمان لانے کو کارآمد نہیں ہو سکتی فرشتے آسمان سے آئیں یا یہ خود آسمان پر چڑھ جاویں یا پہاڑ کو سونا بنا دیا جائے مثیل میدان کو گلزار کر دیا جائے کچھ بھی مفید مطلب نہ ہو گا یہی جواب اور اسی قسم کی بیہودہ باتیں یہ کرتے رہیں گے صحیح مسلم کے حوالہ

[1] جلد ہذا ص ۲۰۲-۲۲۳-۲۲۵-۲۴۰-۲۴۶- [2] یعنی صفحہ سابق پر

[3] جلد ہذا ص ۲۳-۲۰۸-۲۲۴-

فِيهِ يَعْرُجُونَ ﴿١٤﴾ لَقَالُوا إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ ﴿١٥﴾

دن اس میں چڑھتے رہیں یہی کہیں کہ نگاہ ہی بند ہوگئی ہے نہیں ہم لوگوں پر جادو ہوا ہے

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ ﴿١٦﴾ وَحَفِظْنَاهَا مِن كُلِّ

اور ہم نے بنائے ہیں آسمان میں برج اور رونق دی اس کو دیکھنے والوں کے آگے اور بچا رکھا ہم نے اس کو ہر

سے عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ایک جگہ گزر چکی ہے[۱] جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شخص کے ساتھ ایک فرشتہ اور ایک شیاطین رہتا ہے فرشتہ نیک کاموں کی رغبت دلاتا رہتا ہے۔ اور شیاطین بُرے کاموں کی سورت الزخرف میں آوے گا کہ جو لوگ یاد الٰہی سے آنکھ چراتے ہیں ان پر شیاطین کا تسلط زیادہ ہو جاتا ہے سو اس لئے وہ شیاطین ایسے لوگوں کے دل میں بُرے کاموں کے ہمیشہ وسوسے ڈالتے رہتے ہیں اور اللہ کے فرشتہ کی نصیحت کو آدمی کے دل میں جمنے نہیں دیتے اس حدیث اور سورت الزخرف میں جو آیتیں آویں گی اُن کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ یہ مشرک کہتے ہیں کہ آسمان سے کوئی فرشتہ آن کر اللہ کے رسول کے سچا ہونے کی گواہی دے دے گا تو یہ لوگ اللہ کے رسول کو سچا مان لیویں گے لیکن اللہ تعالیٰ کو ان کا خوب حال معلوم ہے کہ اللہ کے رسول کے سچا ہونے کی گواہی دینے کو فرشتے آسمان سے آویں یا خود یہ لوگ آسمان پر چڑھ کر فرشتوں کی گواہی کا حال آسمان پر سے سن آویں اس سب کو یہ لوگ نظر بندی اور جادو بتلا دیں گے کیونکہ یاد الٰہی سے غافل اور بتوں کی یاد میں لگے رہنے سے ان کے دلوں پر شیاطین کا ایسا تسلط ہو گیا ہے کہ کسی نیک کام کا خیال ان کے دل میں جم نہیں سکتا فرشتہ کا اصلی صورت میں دیکھنا تو انسان کی طاقت سے باہر ہے اس لئے کوئی فرشتہ آسمان سے آوے گا تو وہ بھی اس طرح اللہ کے رسول کے سچا ہونے کا خیال ان کے دل میں پیدا کرے گا جس طرح اب بھی اس خیال کے پیدا کرنے کے لئے ان میں سے ہر ایک شخص کے ساتھ ایک فرشتہ تعینات ہے پھر شیاطینوں کے وسوسے کے آگے یہ لوگ اس فرشتے کی بات کو کیا سنتے ہیں جو نئے فرشتے کی بات کو سن لیویں گے۔

۱۶ — ۱۸۔ ان آیتوں میں اللہ پاک اپنی قدرت کا حال بیان فرماتا ہے کہ اس آسمان کو ہم نے کسی حکمت اور ترکیب سے بنایا اس میں بڑے بڑے تاروں کے محل برجوں کی طرح کے بنائے ہیں اور چاند سورج ستاروں سے آسمان کو زینت دی ہے آسمان میں بارہ برج ہیں ہر برج میں تیس تیس درجے ہیں جن میں آفتاب ہر روز سیر کرتا ہے ہر درجہ کو ایک ایک روز میں تمام کرتا ہے اور اس حساب سے تین سو ساٹھ دن میں یعنے ایک سال میں آسمان کا پورا دورہ ختم کر لیتا ہے جس کی وجہ سے جاڑا گرمی برسات کی فصلیں ہوتی ہیں اور ان فصلوں سے دنیا میں عجیب عجیب تغیر ہوتے رہتے ہیں اور طرح طرح کے نفع حاصل ہوتے ہیں جس دورہ کو سورج برس دن میں پورا کرتا ہے چاند اس کو اٹھائیس دن میں پورا کرتا ہے اور جس طرح سورج کا دورہ فصلوں کے لئے ہے اسی طرح چاند کا دورہ مہینوں اور برس کے حساب کے لئے ہے چنانچہ اس کا ذکر سورت یونس میں گزر چکا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ چاند سورج ستارے برج ایسی کھلی کھلی دلیلیں ہیں جن سے ہر ذی ہوش خدا کی وحدانیت اور اس کے قادر مطلق ہونے پر دلیل پکڑ سکتا ہے۔ اس کے بعد یہ فرمایا کہ آسمان کو اس بات سے محفوظ رکھا ہے کہ شیاطین وہاں جا کر فرشتوں

[۱] جلد ہذا ص ۲۶۲۔

شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿١٧﴾ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٨﴾ وَ

شیطان مردود سے مگر جو چوری سے سن گیا سو اس کے پیچھے پڑا انگارا چمکتا اور

الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ

زمین کو ہم نے پھیلایا اور ڈالے اس پر بوجھ اور اُگائی اس میں ہر چیز

کی باتیں سُن جاویں اور دنیا میں جا کر نئے نئے شبہے اٹھاویں کیونکہ جب وہ یہاں کا قصد کرتے ہیں فرشتے آگ کے انگارے لئے کھڑے رہتے ہیں اور پھینک مارتے ہیں یہ جل بھُن کر راکھ ہو جاتے ہیں۔ ابوہریرہ رضی کی صحیح بخاری میں ایک حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ آسمان پر کوئی حکم فرماتا ہے تو فرشتے تعظیم کے طور پر اپنے پر مارتے ہیں جس سے ایسی آواز نکلتی ہے جیسے لوہے کی زنجیر پتھر پر رگڑی اور گھسیٹی جائے جب اُن کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو آپس میں پوچھتے ہیں کہ ہمارے رب نے کیا ارشاد کیا پاس والے فرشتے جواب دیتے ہیں کہ جو کچھ اس پاک اور برتر نے فرمایا بالکل ٹھیک اور برحق فرمایا وہ بڑا بزرگ ہے اور شیاطین بھی وہاں لگے رہتے ہیں ایک کے کاندھے پر ایک۔ ایک پر ایک چڑھ کر آسمان تک پہنچتے ہیں اور وہاں کان لگائے فرشتوں کی یہ باتیں سنا کرتے ہیں اور سب سے اوپر کا شیطان اگر کوئی بات فرشتوں کی باتوں میں سے سن لیتا ہے تو اپنے نیچے کے شیطان سے کہہ دیتا ہے پھر وہ اس سے نیچے والے کو یہاں تک کہ وہ اس بات کو کاہنوں سے آن کر بیان کرتے ہیں اور کاہن ایک سچ میں سو جھوٹ ملا کر ظاہر کرتا ہے اسی واسطے کاہنوں کی بعض بعض باتیں سچ ہو جایا کرتی ہیں بہرحال جس وقت یہ شیطان کان لگاتا ہے فرشتے اوپر سے انگارے پھینک مارتے ہیں جس سے یہ شیطان جھلس جاتا ہے اور جلدی سے اُس بات کو اپنے ساتھی سے کہتا جاتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جلنے سے پہلے ہی کہہ چکتا ہے اور کبھی کہنے سے پہلے مر چکتا ہے۔ اس مضمون کی حدیث صحیح مسلم میں عبداللہ بن عباس کی روایت سے بھی ہے۔ شیاطین آسمان پر کی سنی ہوئی باتیں جن لوگوں سے آن کر کہتے تھے یہ لوگ کاہن کہلاتے تھے۔ یہ کاہن لوگ شیاطینوں کی نذر نیاز کرتے رہتے تھے اس لئے شیاطین اپنا مرتبہ ان کاہنوں کی نظر میں بڑھانے کے لئے آسمان کی خبریں سن کر ان کاہنوں سے آن کر کہا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس کی حدیث میں اسی واسطے کاہنوں کو شیاطینوں کے دوست فرمایا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بعضے صحابہ نے کاہنوں کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا آپ نے فرمایا یہ لوگ جو باتیں کہتے ہیں وہ اعتبار کے قابل نہیں ہوتیں اس پر کچھ لوگوں نے کہا کہ حضرت کوئی کوئی بات تو ان کاہنوں کی سچی ہوتی ہے آپ نے فرمایا انگارے برسنے سے پہلے کبھی جو بات حقیقت میں شیاطین آسمان پر سے سن لیتے ہیں فقط وہ سچی نکل آتی ہے ورنہ کاہنوں اور ان کے شیاطینوں کی سب باتیں جھوٹی اور گھڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ صحیح مسلم میں معاویہ بن الحکم سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کاہنوں کے پاس جا کر آئندہ کی باتیں اُن سے پوچھنے کو منع فرمایا ہے۔

۱۹—۲۰۔ آسمان چاند سورج تاروں کے پیدا کرنے کا حال بیان کرکے زمین کے پیدا کرنے کا ذکر کیا کہ ہم نے زمین کو مشرق سے مغرب

ل ص ۶۸۲ ج ۲ باب قولہ الا من استرق السمع الخ۔ ۲ صحیح مسلم ص ۲۳۳ ج ۲ باب تحریم الکہانۃ واتیان الکہانۃ۔ ۳ صحیح مسلم ص ۲۳۳ ج ۲ باب تحریم الکہانۃ الخ۔ ۴ ص ۲۳۲ ج ۲ باب تحریم الکہانۃ الخ۔

مَّوْزُوْنٍ ﴿۱۹﴾ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِنْ

اندازے کی　اور بنا دیں تم کو اُس میں روزیاں　اور جن کو تم نہیں　روزی دیتے　اور ہر

تک اور جنوب سے شمال تک پانی پر بچھا دیا ہے اور اُس پر جا بجا پہاڑوں کے بوجھ رکھ دیئے ہیں اور خوب اچھی طرح مضبوط کر دیا ہے جس طرح کیلیں ٹھونک کر تخت وغیرہ مضبوط بنائے جاتے ہیں اور زمین میں سے طرح طرح کی اشیاء پھل میوے ترکاریاں غلے روئی ان اسی طرح پہاڑوں میں سے چاندی سونے لوہے وغیرہ کی کانیں غرض ہر چیز نہایت موزونیت سے پیدا کی اور اس میں تمہاری روزی رکھی ہے تم بھی کھاتے پیتے ہو اور اپنے بال بچوں کو بھی کھلاتے پلاتے ہو اپنے جانوروں کو بھی چرلاتے ہو اور جس مخلوق کو تم جانتے بھی نہیں کہ کہاں ہیں اور کیا ہیں اُن کی بھی روزی خدا نے اُسی زمین میں رکھی ہے پہنچانی خدا کا کام ہے کہ وہ اپنے ہر ایک مخلوق کو روزی پہنچاتا ہے تمہاری کچھ حقیقت نہیں ہے جو یہ سمجھو کہ ہم خود روزی حاصل کر کے کھاتے پیتے ہیں اور اپنے اہل و عیال لونڈی غلاموں اور سواری کے جانوروں کو بھی ہم دیتے ہیں تو کھاتے ہیں اگر ہم نہیں دیں گے تو بھوکے مریں گے یہ گمان تمہارا محض غلط ہے سب کی روزی خدا کے ہاتھ میں ہے وہی تم سے دلواتا ہے نہیں تو تم کیا دے سکتے ہو سورت النحل میں آوے گا کہ جب زمین پانی پر بچھائی گئی تو ہلتی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے زمین کے خوب جم جانے کے واسطے اس میں پہاڑ ٹھونکے صحیح بخاری[1] کے حوالہ سے سعید بن زید کے قصہ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بالشت بھر زمین بھی کسی کی ناحق طور پر دبا لیوے گا تو قیامت کے دن ساتوں زمینوں کے اسی قدر ٹکڑے کا ایک طوق بنایا جا کر اس شخص کے گلے میں ڈالا جاوے گا معتبر سند سے مسند امام احمد اور ترمذی[2] میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک زمین سے دوسری زمین تک پانسو برس کے راستے کا فاصلہ ہے سورت نحل کی آیت وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ اور اوپر کی حدیثوں کو ان آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ اوپر تلے سات زمینیں پانی پر لمبائی میں بچھائی گئی ہیں ایک زمین سے دوسری زمین پانسو برس کے راستے پر ہے اس سے اہل ہیئت کے اس قول کا ضعیف ہونا نکلتا ہے کہ ایک زمین سے دوسری زمین تک کچھ فاصلہ نہیں ہے اور بعضے متکلمین نے یہ جو لکھا ہے کہ زمین ایک ہے سات نہیں ہیں یہ قول بھی سعید بن زیدؓ کی حدیث کے مخالف پڑتا ہے مَعَايِشَ معیشت کی جمع ہے کھانے پینے پہننے کی وہ سب چیزیں معیشت کہلاتی ہیں جن پر آدمی کی زندگی کا مدار ہے مسند امام احمد اور مستدرک حاکم[3] میں معتبر سند سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرنے سے آدمی کا رزق بڑھتا ہے صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم میں ثوبانؓ کی معتبر حدیث ہے کہ کثرت گناہوں کے سبب سے آدمی کا رزق گھٹ جاتا ہے[4] ان حدیثوں کو آیت کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ جس طرح آدمی کی معیشت کی چیزیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں اسی طرح ان کے گھٹنے اور بڑھنے کے اسباب بھی دنیا میں پیدا کئے ہیں۔

۲۱ سے ۲۳- ان آیتوں میں اللہ پاک نے یہ فرمایا کہ جتنی چیزیں دنیا میں ہیں خواہ کسی قسم کی ہوں ان سب کا خزانہ اللہ کے پاس ہے

[1] ص ۳۳۲ ج ۱ باب اثم من ظلم شیئا من الارض [2] مشکوٰۃ ص ۵۱۰ باب بدء الخلق الخ [3] الترغیب ص ۲۱۹ ج ۲ الترغیب فی الرحم [4] الترغیب ص ۱۲۳ ج ۲ باب الترھیب من ارتکاب الصغائر والمحقرات من الذنوب الخ

مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ وَاَرْسَلْنَا

چیز کے ہم پاس خزانے ہیں اور اُتارتے ہیں ہم ٹھہرے ہوئے اندازے پر اللہ چلا دیں

الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾

ہم نے بادلیں رس بھری پھر اُتارا ہم نے آسمان سے پانی پھر تم کو وہ پلایا اور تم نہیں رکھتے اس کا خزانہ

جب جتنی ضرورت ہوتی ہے اس میں سے ضرورت کے موافق دنیا میں اتاری جاتی ہیں۔ اکثر مفسرین خزائن کے معنے مینہ کا خزانہ بیان کرتے ہیں اور بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ کی تفسیر میں یہ کہتے ہیں کہ ایک جگہ کم بارش ہوتی ہے اور دوسری جگہ زیادہ ایک جگہ بالکل بارش نہیں ہوتی اور دوسری جگہ خوب ہوتی ہے اور بارش کے ایک ایک قطرے کے ساتھ فرشتے مقرر ہوتے ہیں جو اس قطرے کو وہیں گرنے دیتے ہیں جہاں حکم ہوتا ہے اور یہ بات یاد رکھتے ہیں کہ اس قطرے سے کیا کیا پیداوار ہوئی۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہوا کو حکم دیتا ہے وہ چلنے لگتی ہے اور بادلوں کو ادھر سے ادھر لے جاتی ہے اور جس طرح دودھ والے جانوروں کا دودھ دوہا جاتا ہے اسی طرح بادلوں میں سے مینہ برسنے لگتا ہے جس سے ندی نالے تالاب بھر جایا کرتے ہیں اور لوگ پھر اس کو کام میں لاتے ہیں آپ بھی پیتے ہیں اپنے جانوروں کو بھی پلاتے ہیں اور کھیتوں اور باغوں کو سیراب کرتے ہیں کسی میں یہ قدرت نہیں ہے جو پانی کو جمع کر کے رکھ چھوڑے یہ اسی کی ادنیٰ قدرت اور بندوں پر مہربانی ہے کہ ہر جگہ خزانے پانی کے مہیا رکھتا ہے اگر وہ چاہے تو فوراً پانی خشک ہو جائے۔ سورت حٰم السجدہ میں گزر چکا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا (۴۱ : ۱۰) جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کے کھانے پینے کی چیزیں اس طرح برکت سے کر زمین میں رکھی ہیں کہ ایک اناج کے دانہ سے سینکڑوں دانے اور ایک گٹھلی سے ہر طرح کے بہت سے پھل ہمیشہ پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ معتبر سند سے تفسیر ابن جریر میں عبداللہؓ بن مسعود کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ مینہ برسنے سے پہلے ہوا کو حکم دیتا ہے وہ آسمان کے دریا میں سے پانی لے کر بادلوں میں پہنچاتی ہے اور پھر بادلوں میں سے پانی برستا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ آسمان و زمین میں اللہ کی قدرت سے ہر چیز کا رزق کے لئے جو یہ ذخیرہ ہے اسی کو فرمایا کہ جتنی چیزیں دنیا میں ہیں ان سب کا خزانہ اللہ کے پاس ہے اکثر سلف نے مینہ کو جو اللہ تعالیٰ کا خزانہ بتلایا ہے اس کا یہ مطلب ہے کہ زمین میں اللہ کی قدرت سے ہر چیز کی پیداوار کے جو خزانے ہیں ان کا ظہور مینہ کے سبب سے ہوتا ہے ایک سال مینہ نہ ہو تو اناج میوہ اور ترکاریوں کی پیداوار میں کمی پڑ جاتی ہے اس لئے اصل سب چیزوں کا خزانہ گویا مینہ ہے ورنہ آسمان و زمین دونوں میں اللہ کے خزانے موجود ہیں چنانچہ سورت انعام میں گزر چکا ہے کہ سب غیب کے خزانوں کی کنجیاں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں سوا اُس کے اور کسی کو ان کنجیوں کا حال معلوم نہیں۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے اس کے خزانوں میں سے بہتے ہوئے پانی کی طرح ہر چیز خرچ ہو رہی ہے مگر اُس کے خزانوں میں کچھ بھی کمی نہیں ہوتی[2]۔ صحیح مسلم میں ابوذرؓ کی روایت سے حدیث قدسی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمام دنیا کے جنات اور انسان ایک جگہ اکٹھے ہو کر اپنا اپنا

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۵۴۹ ج ۲ [2] مشکوٰۃ ص ۲۱ باب الایمان بالقدر۔

وَإِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِ وَنُمِيتُ وَنَحْنُ الْوَارِثُونَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ

اور ہم ہی جلاتے اور مارتے اور ہم ہی ہیں پیچھے رہتے اور ہم نے جان رکھا ہے جو آگے بڑھے ہیں

مطلب چاہیں اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کے مطلب کو پورا کرے تو اللہ تعالیٰ کے خزانوں کے آگے یہ اتنا خرچ ہے جیسے دریا میں سے کوئی ایک سوئی ڈبو کر نکال لے۔ ان حدیثوں سے اللہ تعالیٰ کے خزانوں کی کثرت اور ان کے بے انتہا ہونے کی تفسیر اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے۔ پھر فرمایا یہ سب انتظام دنیا کے قیام تک ہے آخر جس نے دنیا کو پیدا کیا ہے اسی کے حکم سے ساری دنیا فنا ہو جاوے گی اور دنیا کی چیزوں پر سے لوگوں کا عارضی قبضہ اٹھ کر سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں چلی جاویں گی۔ یہاں مختصر طور پر وَإِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِ وَنُمِيتُ وَنَحْنُ الْوَارِثُونَ فرمایا سورت مریم میں آگے اسکو إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ (۱۹: ۴۰) مطلب یہ ہے کہ دنیا کے فنا ہو جانے اور دنیا کی چیزوں پر سے لوگوں کا عارضی قبضہ اٹھ جانے کے بعد ان چیزوں کے برتنے والوں کو اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑے ہو کر یہ حساب دینا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو ان لوگوں نے کیونکر برتا۔ ترمذی مسند بزار اور طبرانی کے حوالہ سے ابو برزہؓ اور معاذ بن جبلؓ کی صحیح روایتیں ایک جگہ گزر چکی ہیں[1] کہ قیامت کے دن چار چیزوں کے حساب کے لئے ہر شخص کو اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑا ہونا پڑے گا (۱) تمام عمر کن کاموں میں صرف کی (۲) جوانی میں کیا کیا (۳) دنیا میں مال کیونکر کمایا اور کہاں کہاں خرچ کیا (۴) دین کا کوئی مسئلہ سیکھا تو اس پر کیا عمل کیا۔ سورت مریم کی آیت اور اس حدیث سے وَنَحْنُ الْوَارِثُونَ کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی اختیاری چیزوں پر جس طرح کسی کا عارضی قبضہ نہ تھا دنیا کے فنا ہو جانے کے بعد وہی حال پھر ہو جاوے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اس عارضی برتاوے کا حساب ہر شخص سے لیوے گا۔

۲۴۔ ترمذی نسائی حاکم ابن ماجہ وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے وقت میں عورتیں اور مرد جماعت میں آن کر بعضی بدرویہ عورتیں اگلی صف میں اور بد رویہ مرد اس صف کی پچھلی صف میں کھڑے ہو کر وہ مرد عورتوں کو گھورتے رہتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی ہے لیکن اس شان نزول میں تردد ہے کہ اس شان نزول کی روایت صحیح طور پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ تک نہیں پہنچتی کس لئے کہ ترمذی میں عمرو بن مالک سے نوح بن قیس اور جعفر بن سلیمان ان دونوں شخصوں نے اس شان نزول کو مختلف طور پر روایت کیا ہے جس میں نوح بن قیس نے تو روایت کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ تک پہنچایا ہے اور جعفر بن سلیمان نے نہیں پہنچایا بلکہ ابو الجوزا اوس بن عبداللہ تابعی پر ہی روایت کو موقوف رکھا ہے اور ترمذی نے جعفر بن سلیمان کی روایت کو بہ نسبت نوح بن قیس کی روایت کے زیادہ معتبر کہا ہے[2] اس سبب سے صحیح شان نزول وہی ہے جو معتبر سند سے تفسیر ابن جریر وغیرہ کی دوسری روایت میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے آئی ہے کہ اولاد آدم میں سے جو

[1] ص ۱۹ ج ۲ باب تحریم الظلم و الترغیب ص ۲۹۷ ج ۱ [2] تفسیر ہذا جلد دوم ص ۰۰ ۱ [3] تفسیر ابن کثیر ص ۵۴۹ - ۵۵۰ - ج ۲ اور اس روایت کو بوجہ شدید ضعف مسترد کر دیا ہے۔

مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿٢٤﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ

تم میں اور جان رکھے ہیں پچھاڑی والے اور تیرا رب وہی گھیر لاوے گا اُن کو بیشک وہی ہے حکمتوں

لوگ آج تک مر چکے ہیں اور جو آیت کے نزول کے وقت موجود ہیں اور جو آئندہ پیدا ہوں گے ان سب اگلے پچھلوں کا ایک ایک کا حال اللہ کو معلوم ہے۔ اوپر کی آیت میں لوگوں کے مرنے اور اللہ کے اُن کے وارث ہونے کا ذکر ہے اس لئے اس شان نزول کو سیاق کلام سے بھی ایک ربط اور لگاؤ اوپر کے کلام سے ہے۔ غرض یہ ہے کہ جب اس شان نزول کو مجاہد بن جبیر نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے جنہوں نے تیس دفعہ سارا قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے تفسیر کے آجانے اور روایتوں کے یاد رہنے کی غرض سے پڑھا ہے اسی واسطے سفیان ثوری نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ تفسیر کے باب میں مجاہد کی روایت آجاوے تو پھر دوسرے کسی کی روایت کی ضرورت نہیں اور اسی واسطے امام بخاری نے صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں مجاہد کی روایت پر زیادہ بھروسہ کیا ہے تو یہی شان نزول زیادہ مقبول ہے۔ مشرکین مکہ کا حشر پر یہ اعتراض تھا کہ انسان کے مرجانے کے بعد جب اس کی خاک رواں دواں ہو گئی تو پھر یہ خاک کیوں کر جمع ہو جاوے گی اور اُس کا پتلہ کیوں کر بن جاوے گا اس آیت میں تو اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کے اس اعتراض کا جواب مختصر طور پر دیا ہے سورت قٓ میں آوے گا کہ ہوا میں اڑ جانے یا پانی کے ریلے میں بہ جانے سے انسان کی خاک جہاں جہاں رواں دواں ہو گی اس کا سب حال لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اس لئے آسانی سے وہ سب خاک جمع ہو سکتی ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث گزر چکی ہے کہ ایک شخص نے اپنے مرنے کے بعد اپنی لاش کو جلانے کی اور آدھی خاک کو ہوا میں اڑا دینے اور آدھی کو دریا میں بہا دینے کی وصیت کی اور وصیت کے موافق عمل بھی ہوا جنگل اور دریا میں سے اللہ تعالیٰ نے اس خاک کے جمع ہو جانے کا حکم دیا جب وہ خاک جمع ہو گئی تو اس کا پتلا بنایا گیا اور اُس پتلے میں روح پھونکی گئی اور اللہ تعالیٰ نے اُس شخص سے پوچھا کہ تو نے یہ وصیت کیوں کی اس نے جواب دیا کہ یا اللہ مجھ کو تیرے روبرو کھڑے ہونے کی دہشت بہت تھی اس پر اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے سب گناہوں کو معاف کر دیا۔ رواں دواں خاک کے جمع ہو جانے کا مطلب اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔

٢٥۔ اس سے اوپر کی آیت میں یہ بات گزر چکی ہے کہ اللہ پاک نے ہر ایک شئی کو پیدا کیا ہے اور پھر وہی ہر شئی کو فنا بھی کرے گا اور جو لوگ مر چکے ہیں اُن کو بھی وہ جانتا ہے اور جو لوگ موجود ہیں یا پیدا ہونے والے ہیں ان کو بھی اس کو خبر ہے۔ اس کے بعد اب یہ فرمایا کہ اُس نے اپنی حکمت اور علم کے موافق حشر کا دن قرار دیا ہے وہ لوگوں کو اس روز اکٹھا کرے گا اور نیک عمل کرنے والوں کو نیک جزا دے گا اور بُرے عمل کرنے والوں کو بُرائی کی سزا دے گا وہ بڑا حکمت والا ہے سب کام اس کی حکمت سے ہوا کرتے ہیں اس کا علم ایسا ہے کہ کوئی شئی اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ سورت القلم میں آوے گا اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ (٦٨: ٣٥) جس کا مطلب یہ ہے کہ سب کی آنکھوں کے سامنے دنیا کے حاکموں نے قصوروار لوگوں کو سزا دینے اور بے قصور لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا قانون ٹھہرا رکھا ہے پھر یہ منکرین حشر اللہ تعالیٰ کی شان میں یہ ظلم

ملہ تفسیر ابن جریر ص ۱۸ ج ۱۴/ ۱۴ صلہ جلد ہذا ص ۲۴۵۔

عَلِيۡمٌ ﴿۲۵﴾ وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ﴿۲۶﴾

والا خبردار اور بنایا ہم نے آدمی کھنکھناتے سے گارے سے

وَالۡجَآنَّ خَلَقۡنٰهُ مِنۡ قَبۡلُ مِنۡ نَّارِ السَّمُوۡمِ ﴿۲۷﴾

اور جان کو بنایا ہم نے اس سے پہلے لو کی آگ سے

اور ناانصافی کیوں کر جائز رکھتے ہیں کہ وہ اپنے نافرمان لوگوں کو اور فرمانبرداروں کو یکساں کر دیوے گا یہ ان منکرین حشر کی نادانی ہے جو یہ لوگ حشر کا انکار کرتے ہیں اور اللہ کے انصاف کو دنیا کے حاکموں کے انصاف سے بھی گھٹانا چاہتے ہیں ورنہ حشر کے دن جو کچھ ہونے والا ہے وہ تو منکرین حشر کی آنکھوں کے سامنے دنیا کے حاکم وہی ہر روز کر رہے ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ سورت القلم کی آیت اور صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوذرؓ کی وہ حدیث قدسی جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ظلم میں نے اپنی ذات پر حرام ٹھہرالیا ہے گویا اس آیت کی تفسیر ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور اپنے علم کے موافق حشر کا دن جو قرار دیا ہے وہ عین انصاف اور دنیا کے انصاف پسند حاکموں کا بھی یہی شیوہ ہے اور جو لوگ حشر کے منکر ہیں وہ بڑے نادان ہیں کہ اللہ کی شان میں ظلم اور ناانصافی کو جائز رکھتے ہیں۔

۲۶-۲۷۔ فرمایا کہ انسان کھنکھناتی ہوئی مٹی سے بنایا اور جن کو آگ کی لو سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ و مجاہد و قتادہ کا قول ہے کہ صلصال خشک مٹی کو کہتے ہیں اور حماء مسنون گندھی ہوئی کیچڑ کو کہتے ہیں اللہ پاک نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا۔ تو پاک و صاف سوکھی مٹی کو پانی میں گوندھ کر خمیر بنایا اور اس سے آدم علیہ السلام کا پتلا بنا کر اس میں روح کو پھونک دیا ترمذی اور ابوداؤد وغیرہ کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعری کی روایت ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدم علیہ السلام کا پتلا بنانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمام زمین کی مٹی لی ہے۔ اسی واسطے اولاد آدم کی حالت مختلف ہے کوئی گورا ہے کوئی کالا کوئی خوش مزاج ہے اور کوئی بدمزاج ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے یہ حدیث اس بات کی تفسیر ہے کہ آیت میں انسان سے مقصود آدم علیہ السلام ہیں کیونکہ اس حدیث کے موافق ان ہی کے پتلے کے لئے تمام زمین کی مٹی لی گئی ہے پھر اس کے بعد اولاد آدم کی پیدائش کا سلسلہ منی سے جو قرار پایا ہے اس کا ذکر قرآن شریف اور صحیح حدیثوں میں جا بجا آیا ہے سورت بقرہ میں سلف کے قول گزر چکے ہیں کہ حضرت آدمؑ کے پیدا ہونے سے دو ہزار برس پہلے زمین پر جنات رہتے تھے وہی قول اس بات کی تفسیر ہیں کہ جنات کی پیدائش انسان سے پہلے ہے سورت الرحمٰن میں آوے گا وَخَلَقَ الۡجَآنَّ مِنۡ مَّارِجٍ مِّنۡ نَّارٍ (۵۵: ۱۵) اس کی تفسیر میں صحیح قول حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات کو خاص آگ کی لو سے پیدا کیا ہے کہ اس میں دھوئیں کا کچھ لگاؤ نہیں تھا اگرچہ حضرت عبداللہ بن عباس کا یہی قول نَارِ السَّمُوۡمِ کی تفسیر ہے لیکن بعض روایتوں میں حضرت عبداللہ بن عباس سے سموم کی تفسیر گرم ہوا کی بھی آئی ہے اور پہلی تفسیر سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم کا پتلا مٹی اور پانی سے اور جنات کا پتلا آگ کی لو سے بنا ہے لیکن حکما کہتے ہیں کہ انسان میں مٹی کا جز اور جنات میں آگ کا

[1] ص ۳۱۹ ج ۲ باب تحریم الظلم [2] مشکوٰۃ ص ۲۲ باب الایمان بالقدر و جامع ترمذی ص ۱۲۰ ج ۲ تفسیر سورت البقرہ [3] تنقیح الرواۃ

[4] تفسیر ابن کثیر ص ۵۵۰ ج ۲۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ﴿٢٨﴾

اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو میں بناؤں گا ایک بشر کھنکھناتے سنے گارے سے

فَإِذَا سَوَّيْتُهُۥ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُۥ سٰجِدِينَ ﴿٢٩﴾ فَسَجَدَ

پھر جب ٹھیک کر دوں اُس کو اور پھونک دوں اُس میں اپنی جان سے تو گر پڑیو اُس کے سجدے میں تب سجدہ کیا

الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ﴿٣٠﴾ إِلَّآ إِبْلِيسَ أَبَىٰٓ أَن يَكُونَ مَعَ السّٰجِدِينَ ﴿٣١﴾

اُن فرشتوں نے سارے اکٹھے مگر ابلیس نے نہ مانا کہ ساتھ ہو سجدہ کرنے والوں کے

قَالَ يٰٓإِبْلِيسُ مَا لَكَ أَلَّا تَكُونَ مَعَ السّٰجِدِينَ ﴿٣٢﴾ قَالَ لَمْ أَكُن لِّأَسْجُدَ

فرمایا اے ابلیس کیا ہوا تجھ کو کہ ساتھ نہ ہوا سجدے والوں کے بولا میں وہ نہیں کہ سجدہ کروں

غالب ہے ورنہ پوری سرشت دونوں پتلوں کی آگ پانی ہوا خاک ان چار چیزوں سے ہے صحیح مسلم[1] میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کا پتلا بنا کر بغیر روح پھونکنے کے یونہی چھوڑ دیا تھا شیطان اُس پتلے کو اندر سے خالی دیکھ کر یہ کہا کرتا تھا کہ جاندار ہونے کے بعد یہ پتلا کسی بات کی سہار اور برداشت نہ کر سکے گا۔ اس حدیث سے حکما کے قول کے ماہر لوگ یہ بات نکال سکتے ہیں کہ روح کے پھونکے جانے سے پہلے اُس کھوکھلے پتلے میں ٹھنڈی گرم ہوا گھسی اور حکما کے قول کے موافق آگ پانی ہوا خاک ان چار چیزوں سے پتلے کی سرشت قرار پائی مگر حکما کے قول کی تائید میں کوئی صاف دلیل شرعی نہیں ہے۔

۲۸ سے ۳۳ اللہ پاک نے انسان کی پیدائش کا ذکر کرنے کے بعد جو باتیں اُس کے پیدا کرنے کے وقت پیش آئی تھیں ان کا ذکر فرمایا کہ پہلے فرشتوں کو جمع کر کے اللہ تعالیٰ نے یہ بات کہی کہ میرا ارادہ ہے کہ مٹی سے انسان کو پیدا کر دوں اور جب آدم کا پتلا بنا لوں اور اُس کے بدن میں روح پھونک دوں تو تم سب کے سب اسے سجدہ کرنا اس حکم کو سن کر فرشتوں نے جو جواب دیا اس کا قصہ سورت بقرہ میں مفصل گزر چکا ہے غرض کہ کل فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا مگر ابلیس جو جنات کی قوم میں سے تھا اور خدا کی عبادت کثرت کے ساتھ کرنے سے فرشتوں کے زمرہ میں داخل کر لیا گیا تھا اس نے آدم کے پتلے کو تعظیمی سجدہ کرنے سے انکار کیا اور اپنی عقل لڑائی کہ میں آگ سے پیدا کیا گیا ہوں اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے ہیں اور آگ ایک لطیف شے ہے اور مٹی ایک کثیف جسم ہے اس لئے میں اُن سے بہتر ہوں انہیں کیوں کر سجدہ کروں اس پر جب اس سے اللہ جل شانہ نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ تو آدم کو سجدہ نہیں کرتا تو شیطان نے جواب دیا کہ میں ایسے شخص کو ہرگز سجدہ نہ کروں گا جس کو تو نے مٹی کا خمیر بنا کر پیدا کیا اور شیطان یہ نہیں سمجھا کہ عزت و شرف اُسی کو ہے جس کو خدا دے صرف اپنے گمان سے کوئی کسی سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے حضرت عائشہؓ کی حدیث سورت بقرہ[2] میں گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں اور ابلیس آگ کے شعلہ سے۔ اس حدیث سے ان علمائے سلف کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے

[1] ص ۳۲۷ ج ۲ باب خلق الانسان خلقا لا یتمالک من انسؓ و مشکوٰۃ ص ۵۰۷ باب بدء الخلق الخ

[2] تفسیر ہذا جلد اول ص ۸۰۔

بَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ﴿۳۳﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا
ایک بشر کو کہ تو نے بنایا کھنکھناتے سنے گارے سے فرمایا تو تو نکل یہاں سے

فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿۳۴﴾ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ﴿۳۵﴾ قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي
تجھ پر پھینک مار اور تجھ پر پھٹکار ہے انصاف کے دن تک بولا اے رب تو مجھ کو

إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ﴿۳۷﴾ إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ﴿۳۸﴾
ڈھیل دے اُس دن تک کہ مُردے جیویں فرمایا تو تجھ کو ڈھیل دی ہے اسی ٹھہرے وقت کے دن تک کہ مردے جیویں

جو کہتے ہیں کہ ابلیس ملائکہ کی طرح نوری جسم کا نہیں ہے بلکہ جنات کی طرح ناری جسم کا ہے سورت بقرہ میں یہ بھی گزر چکا ہے کہ اس طرح کا تعظیمی سجدہ اور شریعتوں میں جائز تھا شرع محمدی میں جائز نہیں ہے۔

۲۸-۳۸۔ جب شیطان نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور تکبر کی راہ سے اپنے کو آدم سے افضل سمجھا تو اللہ پاک کا یہ حکم اُس کے حق میں صادر ہوا کہ تو فرشتوں کے زمرہ سے نکل جا اور اگر کبھی ادھر کا قصد کرے گا تو تجھ پر انگارے برسیں گے اور قیامت تک تجھ پر پھٹکار ہوتی رہے گی بعض مفسروں نے یہ بیان کیا ہے کہ قیامت تک پھٹکار ہونے سے یہ مطلب نہیں ہے کہ قیامت کے بعد پھر اس پر لعنت نہ ہوگی بلکہ مطلب یہ ہے کہ اُس وقت تک صرف لعنت ہی لعنت ہے اور بعد قیامت کے لعنت سے بڑھ کر اس پر عذاب بھی ہوگا اُس عذاب کے سامنے وہ اس پھٹکار کو بھول جائے گا بہر حال جب اُس کو معلوم ہو گیا کہ خدا نے قیامت تک عذاب کو اُس کے حق میں موقوف رکھا ہے تو اُس نے خدا سے یہ سوال کیا کہ مجھے اُس وقت مقرر تک ڈھیل دی جائے اور میں اس روز تک زندہ رہوں اس سے پہلے نہ مروں اللہ جل شانہ نے اس کی بات منظور کی اور فرمایا کہ اُس وقت معلوم تک تجھ کو ڈھیل دی گئی اور اس سے پہلے تجھے موت بھی نہیں آئے گی اس نے اس خیال سے قیامت تک زندہ رہنے کا سوال کیا کہ آدم کی اولاد جب تک زندہ رہے گی میں اُس کو بہکا بہکا کر راہ راست سے علیحدہ رکھوں گا اور جس طرح آخرت میں مجھ پر عذاب ہوگا اسی طرح آدم کی اولاد پر بھی عذاب ہوتے دیکھوں گا حضرت عبداللہ بن عباس کا یہ قول ہے کہ اسرافیل علیہ السلام جو پہلی مرتبہ صور پھونکیں گے جس سے کل مخلوق بیہوش ہو جائے گی اُس وقت تک ابلیس کی موت ٹل گئی ہے پہلے صور پر سب لوگوں کے ساتھ یہ بھی بیہوش ہو جائے گا پھر دوسرا صور چالیس برس کے بعد پھونکا جائے گا جس سے کل لوگ ہوشیار ہوں گے یہاں تک کہ قبروں سے مرے بھی جی اٹھیں گے اس وقت ابلیس بھی اٹھے گا اور یہی چالیس برس تک اس کا بیہوش پڑا رہنا گویا اُس کی موت ہے۔ اگرچہ حکم الٰہی کی مخالفت اور گنہ گاروں سے بھی ہو جاتی ہے کیونکہ گناہ کا ہر ایک کام حکم الٰہی کے مخالف ہے لیکن شیطان نے یہ نافرمانی تکبر کی راہ سے کی اور سرکشی سے اُس کا اقرار اللہ تعالیٰ کے روبرو کر کے پھر اُس پر اصرار بھی کیا اس لئے اللہ تعالیٰ کی اس پر خفگی ہوئی کہ بغیر توبہ کی توفیق کے اُس کو ہمیشہ کے لئے ملعون ٹھہرا دیا برخلاف آدم علیہ السلام کے کہ وہ گیہوں کھا کر نادم اور پشیمان ہوئے اس واسطے اللہ تعالیٰ نے اُن کی توبہ قبول کی۔ معتبر سند سے طبرانی کبیر اور مستدرک حاکم میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت

لہ تفسیر ہذا جلد اول ص ۱۰۱۔

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۳۹﴾

بولا اے رب جیسا تو نے مجھ کو راہ سے کھویا میں ان سب کو بہاریں دکھاؤں گا زمین میں اور راہ سے کھوؤں گا ان سب کو

اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾

مگر جو تیرے چنے بندے ہیں

ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبر کو اللہ تعالیٰ کے غصہ کا سبب فرمایا ہے[1] یہ حدیث شیطان کے آسمان پر سے اتارے جانے اور ہمیشہ کے لئے ملعون ٹھہرنے کی گویا تفسیر ہے۔

۳۹-۴۰۔ مسند امام احمد بن حنبل اور مستدرک حاکم میں حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت[2] میں شیطان کے اس قول کی اور اس قول کے جواب کی جو اللہ تعالیٰ نے شیطان کو دیا ہے پوری تفسیر ہے جس کو اس آیت کی تفسیر کہنا چاہیئے حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[3] حاصل مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ شیطان نے اللہ تعالیٰ سے اللہ کی عزت کی قسم کھا کر یہ کہا کہ جب تک ہر انسان میں جان باقی ہے جس طرح اور جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا ہر ایک آدمی کو بہکانے میں اور بہکا کر ہر طرح کے بُرے کام اُن سے کرانے میں کوتاہی نہ کروں گا اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے عزت و جلال کی قسم کھا کر شیطان کو جواب دیا کہ میں بھی جب تک مجھ سے وہ تیرے بہکائے ہوئے گنہگار توبہ و استغفار کریں گے اُن کی بخشش ہی جاؤں گا اس سے معلوم ہوا کہ شیطان بہکانے سے نہیں تھکتا اور اللہ بخشنے اور مغفرت اور توبہ کے قبول کرنے سے نہیں تھکتا گنہگار بندہ ہی اپنی بے نصیبی سے توبہ و استغفار کرنے سے تھک جاوے تو تھک جاوے صحیحین میں حضرت انسؓ سے روایت ہے[4] جس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح خون آدمی کے سارے جسم میں چکر مارتا ہے اسی طرح شیطان آدمی کے سارے جسم کو ہر وقت گھیرے رہتا ہے اور مسلم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ شیطان بادشاہوں کی طرح سمندر کے پانی پر اپنا تخت بچھا کر بیٹھتا ہے اور اپنے شیاطینوں کو لوگوں کے بہکانے کے لئے بھیجتا ہے کوئی شیاطین میاں بی بی میں لڑائی کروا دیتا ہے تو اس سے بہت ہی خوش ہوتا ہے اور اس کو گلے سے لگاتا ہے اور کہتا ہے تو نے بڑا کام کیا صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شیاطین اور ایک فرشتہ ہر انسان پر تعینات ہے فرشتہ ہر وقت نیک کام کی صلاح دیتا رہتا ہے اور شیطان بد کام کی رغبت ہر وقت دلاتا رہتا ہے[5] آدمی کو چاہیئے کہ نیک کام کی توفیق کے وقت اللہ کا شکر کرے اور بُرے کام کے خیال کے وقت لاحول پڑھے حاصل کلام یہ ہے کہ دنیا نیک و بد کے امتحان کے لئے خدا نے پیدا کی ہے مال اولاد جہان اور امتحان کی چیزیں ہیں وہاں شیطان اور اس کے شیطین بھی ایک امتحان کی چیز ہے اس امتحان میں پورا اُترنے کا اول اور اعلیٰ درجہ تو یہ ہے کہ آدمی شیطان کے بہکانے میں نہ آوے لیکن یہ درجہ ہر انسان کے لئے مشکل ہے ہاں اس درجہ کے حاصل کرنے کی ہر انسان کو کوشش کرنی چاہیئے کہ شیطان کے بہکانے سے جب کوئی گناہ کرے تو فوراً صدق دل سے توبہ و استغفار کرے کیونکہ ترمذی

---

[1] الترغیب ص ۵۰۷ ج ۲ [2] مطلب فی ما ورد فی الکبر [3] تفسیر ہذا جلد اول ص ۳۶۸ و جلد دوم ص ۲۲۷ و جلد ہذا ص ۲۶۱
[4] الترغیب ص ۲۹۵ ج ۱ باب الاستغفار مشکوٰۃ ص ۱۸ باب فی الوسوسۃ [5] مشکوٰۃ ص ۱۸ باب فی الوسوستہ
[6] جلد ہذا کے ص ۲۶۱ و ۲۷۵ پر حوالہ دیکھیئے۔

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿۴۱﴾ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ

فرمایا یہ راہ ہے مجھ تک سیدھی جو میرے بندے ہیں تجھ کو اُن پر کچھ زور نہیں

اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَهَا

مگر جو تیری راہ چلا خراب لوگوں میں اور دوزخ پر وعدہ ہے ان سب کا اُس کے

سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾

سات دروازے ہیں ہر دروازہ کو اُن میں ایک فرقہ بٹ رہا ہے

اور ابوداؤد اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی روایت سے یہ آچکا ہے کہ دن میں ستر دفعہ بھی کوئی شخص گناہ کر کے توبہ کرے تو وہ شخص گناہوں پر اصرار کرنے والا نہ لکھا جاوے گا ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے[1] اور صحیح ابن حبان کی سند بھی صحیح ہے ترمذی ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہر انسان گنہگار ہے مگر وہ گنہگار توبہ کرنے والا اچھا ہے۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[2] مسند امام احمد ترمذی ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر گناہ سے دل پر ایک سیاہ دھبہ لگ جاتا ہے اگر آدمی فوراً توبہ کرتا ہے تو وہ دھبہ بڑھنے نہیں پاتا اور بغیر توبہ کے گناہ پر گناہ کرنے سے سارے دل پر زنگ آجاتا ہے ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے[3]

۴۱۔ ۴۴۔ جب شیطان نے قیامت تک مہلت چاہی اور اُس کو مہلت مل گئی اور اس نے بنی آدم کے بہکانے کا اور راہ حق سے پھیرنے کا بیڑا اٹھا لیا اور یہ کہا کہ تیرے خالص بندوں کو نہیں بہکا سکتا ہوں تو اُس کا جواب اللہ پاک نے یہ دیا کہ یہی نیت کا خالص ہونا ہی تو سیدھا رستہ ہے جو مجھ تک ان لوگوں کو پہنچائے گا اور جو میرے چنے ہوئے بندے ہیں اُن پر تیرا ایسا زور نہیں چلتا جو وہ تیرے بہکانے میں آجائیں گے ہاں جو لوگ ازلی گمراہ ہیں وہ البتہ تیرے بہکانے میں آجائیں گے تو اُن کے واسطے میں نے جہنم کو بھی تیار کر رکھا ہے اور جہنم بھی وہ جس کے سات دروازے اور سات طبقے ہیں ہر ایک کے واسطے ان کے عمل کے مطابق یہ ساتوں طبقے جہنم کے ہیں جس میں یہ لوگ داخل کئے جائیں گے اور اپنے کئے کی سزا پائیں گے بعض مفسروں نے ان ساتوں طبقوں کے یہ نام بتلائے ہیں۔ اول کا نام جہنم دوسرے کا نام لظی تیسرے کا نام حطمہ چوتھے کا نام سعیر پانچویں کا نام سقر چھٹے کا نام جحیم ساتویں کا نام ہاویہ ہے ہر طبقہ میں ایک سے بڑھ کر ایک میں سخت عذاب کا ٹھکانا ہے صحیح مسلم میں سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ کی آگ کسی کے ٹخنوں تک ہوگی اور کسی کی کمر تک اور کسی کے گلے تک[4] آخری آیت اور اس حدیث کے ملانے سے ہر ایک فرقے کے عمل کے موافق دوزخ کے عذاب کی تقسیم اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے معتبر سند سے ترمذی نسائی مستدرک حاکم میں حارث بن حارث اشعریؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یاد الٰہی میں لگا رہتا ہے شیطان کا کچھ قابو اُس پر نہیں چل سکتا مسند امام احمد صحیح بخاری مسلم وغیرہ

[1] تنقیح الرواۃ ص ۱۵ ج ۲ باب الاستغفار والتوبۃ [2] الترغیب ص ۲۴۲ ج ۲ الترغیب فی التوبۃ [3] مشکوۃ ص ۲۰۴ باب الاستغفار والتوبۃ [4] مشکوۃ ص ۵۰۲ باب صفۃ النار واھلہا [5] الترغیب ص ۱۷۱ ج ۱ الترغیب فی الاکثار من ذکر اللہ الخ۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنّٰتٍ وَّعُيُونٍ ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَنَزَعْنَا

جو پرہیزگار ہیں باغوں میں ہیں اور نہروں میں۔ جاؤ اُس میں سلامتی سے خاطر جمع سے اور نکال ڈالی

مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا

ہم نے جو اُن کے جیوں میں تھی خفگی بھائی ہو گئے تختوں پر بیٹھے سامنے نہ پہنچے گی اُن کو وہاں کچھ

میں ابوہریرہؓ کی روایت سے حدیث قدسی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو شخص میری یاد کرتا رہے میں بھی اُس کو اپنی رحمت کی یاد میں رکھتا ہوں[۱] ان حدیثوں کو اور صحیح حدیثوں کو اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تلاوت قرآن نفل نماز یا اور کلمہ کلام شرعی سے جو شخص اکثر خدا کی یاد میں لگا رہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی یاد میں رہتا ہے اِس لئے شیطان کو ایسے شخص پر غالب پانے کا کوئی موقع نہیں ملتا۔

۴۵ — ۵۰۔ اللہ پاک نے دوزخ والوں کا حال بیان کر کے اہل جنت کا ذکر کیا کہ متقی لوگ جنت کے باغ اور نہروں میں ہوں گے اور صحیح وسالم وہاں رہیں گے کوئی رنج کوئی تکلیف کوئی بیماری وہاں نہیں ہوگی اور دنیا میں جن جنتی دو شخصوں کے درمیان شکررنجی ہوگی وہ رنج وکدورت ان کے دلوں سے نکال دی جاوے گی اور جنت میں بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے مسندوں پر بیٹھے ہوں گے بعض مفسروں نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ دس صحابہ[۲] ہیں حضرت ابوبکرؓ حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علی طلحہ زبیر عبدالرحمن بن عوف سعد بن ابی وقاص زید عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم ان کے دلوں میں کبس میں جو کچھ دنیا میں ملال تھا وہ جنت میں بالکل نہیں رہے گا اور آمنے سامنے کرسیوں پر بیٹھے ہوں گے اور جنت میں کسی قسم کی مشقت وغیرہ نہ ہوگی اور نہ لوگ وہاں سے نکلیں گے بلکہ نہایت آرام کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے اِس کے بعد حضرت صلعم کو اللہ پاک نے یہ ارشاد فرمایا کہ میرے بندوں کو یہ خبر دیدو کہ میں رحمت والا بھی ہوں اور میرا عذاب بھی سخت ہوا کرتا ہے تفسیر ابن ابی حاتم میں مصعب بن ثابت کی روایت سے جو حدیث ہے اس میں نَبِّئْ عِبَادِيْ اَنِّيْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ کی شان نزول یہ ہے کہ حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم اپنے چند صحابہ کی طرف ایک روز جا نکلے وہ لوگ ہنس رہے تھے آپ نے فرمایا جنت اور دوزخ کو یاد کرو تو آیت اتری[۳] اور قتادہ نے اِس آیت کی تفسیر میں یوں کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر بندہ خدا کی رحمت کی قدر جانے تو کبھی گناہ سے نہ بچے اور اگر اُس کے عذاب کو جان لیوے تو اپنے کو ہلاک کر ڈالے[۴] اِس کے بعد کی آیتوں میں اللہ پاک نے اپنے اگلے رسولوں کے قصہ کو بیان کیا تاکہ لوگ اُس کی عبادت کی رغبت کریں اور گناہوں سے بچیں اور بدبختوں کا انجام سن کر اُس سے عبرت پکڑیں۔ اِس جگہ چار قصے بیان کئے ہیں ابراہیم علیہ السلام کا لوط علیہ السلام کا شعیب علیہ السلام کا پھر صالح علیہ السلام کا اور سب سے پہلے ابراہیمؑ کے قصہ سے شروع کیا ہے۔ ان قصوں میں یہ تک فرمانبردار لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان

[۱] الترغیب ص ۲۰۷ ج ۱ الترغیب فی الاکثار من ذکر اللہ الخ [۲] حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسا کہ ابھی آ چکا ہے [۳] تفسیر ابن کثیر ص ۵۵۲ ج ۲ [۴] تفسیر ابن کثیر ص ۵۵۳ ج ۲۔

نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿۴۸﴾ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ

تکلیف اور نہ اُن کو وہاں سے کوئی نکالے خبر سنادے میرے بندوں کو کہ میں ہوں بخشنے والا

الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ

مہربان اور یہ بھی کہ میری مار وہی دکھ کی مار ہے اور احوال سُنا اُن کو ابراہیم کے

اِبْرٰهِيْمَ ﴿۵۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾

مہمانوں کا جب چلے آئے اُس کے گھر میں اور بولے سلام وہ بولا ہم کو تم سے ڈر معلوم ہوتا ہے

قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۵۳﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ

بولے ڈر مت ہم تجھ کو خوشی سناتے ہیں ایک ہوشیار لڑکے کی بولا تم خوشی سناتے ہو مجھ کو جب پہنچ چکا مجھ کو

میں رکھا اور عذاب سے بچایا ہے اور نافرمان لوگوں کو طرح طرح کے عذاب سے ہلاک کیا ہے اس واسطے یہ قصے اللہ کی رحمت اور اس کے عذاب کی گویا تفسیر ہیں۔ اوپر دس صحابہ کی آپس میں رنجش اور ملال ہونے کا جو ذکر گزرا یہ روایت تفسیر ابن مردویہ میں حضرت عبداللہ بن عباس کے حوالہ سے ہے[1]۔ بعضے سلف نے اس روایت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کے قبائل جو آپس میں لڑتے رہتے تھے اس زمانہ کی حق العباد کے طور کی کچھ خفگی جو ان لوگوں کے دل میں ہوگی تو جنت میں جانے سے پہلے اللہ تعالیٰ اُس کو آپس کی محبت سے بدل دیوے گا اس قول کی تائید ابو سعید خدری کی صحیح بخاری کی اُس روایت سے ہوتی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پلصراط سے اتر جانے کے بعد دوزخ اور جنت کے درمیان میں ایک پل ہے وہاں اہل جنت کو روکا جا کر ان کی آپس کی رنجش دور کر دی جاوے گی[2] تذکرہ قرطبی میں حضرت علیؓ کا ایک قول ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ جنت میں داخل ہونے سے پہلے تمام اہل جنت لوگوں کو ایک چشمہ میں نہلانے کا حکم ہوگا جس سے ان کی آپس کی رنجش دور ہو جاوے گی[3] یہ چشمہ اسی پل کے پاس ہے جس کا ذکر ابو سعید خدری کی اوپر کی حدیث میں ہے۔

۵۱—۵۶— ان آیتوں میں فرمایا کہ اے رسول ان لوگوں کو خبر دے دو ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کی کہ ان مہمانوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آکر سلام کیا ابراہیم علیہ السلام نے ان سے کہا کہ مجھے تم لوگوں سے ڈر لگتا ہے یہ قصہ سورت ہود میں مفصل گزر چکا ہے کہ جب خدا کے فرشتے وہاں آئے اور سلام کیا تو ابراہیم علیہ السلام نے بھی اُن کے سلام کا جواب دیا اور گھر سے ایک فربہ بچھڑا تل کر اُن کی ضیافت کے واسطے لائے اُن کے ہاتھ اُس کھانے کی طرف جب نہیں بڑھے تو ابراہیم علیہ السلام خوف زدہ ہوئے مہمانوں نے کہا کہ ہم خدا کے بھیجے ہوئے فرشتے قوم لوط پر عذاب کو چلے ہیں اور تمہیں اولاد کی خوشی سنانے آئے ہیں تمہارے گھر میں ایک ہوشیار لڑکا اسحق پیدا ہوگا اور پھر تمہارا پوتا اسحٰق کا بیٹا یعقوب۔ اس کے جواب میں ابراہیم علیہ السلام نے یہ کہا کہ میں بوڑھا ہوں قریب قریب سو برس کی عمر کو پہنچی اور میری بیوی بھی نوے یا نوے برس کی بوڑھی ہے اور بانجھ بھی ہے اس صورت میں اولاد کی کیا خوشی سناتے ہو یہ امر تو تعجبات سے ہے فرشتے بولے کہ یہ حق بات

[1] تفسیر الدر المنثور ص ۱۰۱ ج ۴ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۵۴۲ ج ۲ [3] مختصر تذکرۃ قرطبی ص ۱۰۹۔

مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ

بڑھاپا اب کاہے پر خوشی کی سُناتے ہو بولے ہم نے تجھ کو خوشی سنائی تحقیق سو تو مت ہو

الْقٰنِطِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾ قَالَ

ناامید دل میں بولا اور کون آس توڑے رب کی مہر سے مگر جو راہ بھولے ہیں بولا

فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾

پھر کیا مہم ہے تمہاری اے اللہ کے بھیجے ہوؤ بولے ہم بھیجے آئے ہیں ایک قوم گنہگار پر

اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا

مگر لوط کے گھر والے ان کو بچالیں گے سب کو مگر ایک اس کی عورت ہم نے ٹھہرا لیا ہے وہ ہے

کی خوشی تم کو سنائی جا رہی ہے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے اور یقینی اُس کا ظہور ہوگا کیونکہ اللہ کا وعدہ سچا ہے کبھی اُس کا وعدہ جھوٹا نہیں ہوتا اسے ہر طرح کی قدرت حاصل ہے اُس کے نزدیک کیا دشوار ہے آپ اس خوشی سے ناامید نہ ہوں اللہ پاک تو اس بات پر بھی قادر ہے کہ بے ماں باپ کے بھی لڑکا پیدا کر دے آپ کا عذر تو صرف بڑھاپا اور بانجھ ہونا ہے ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات سن کر جواب دیا کہ بے شک خدا کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہیے اُس کی رحمت سے تو گمراہ لوگ ناامید ہوا کرتے ہیں۔ اس قصہ میں ایک قسم کا خوف اور اُس کے ساتھ ہی خوشی بھی ہے اس لئے ذکر کیا کہ لوگ جان لیں کہ خدا کی عادت یوں ہی جاری ہے اور قصہ میں ایماندار لوگوں کی نجات اور کفار کی ہلاکت کا ذکر ہے جس سے خداوند جل شانہ کا غفور رحیم اور اس کے عذاب کا سخت ہونا قریش کو سمجھایا گیا۔

۵۷ سے ۶۰ ۔ جب فرشتوں نے ابراہیم علیہ السلام کو اولاد کی خوشی سنا دی اور ان کے دل سے خوف جاتا رہا تو انہوں نے فرشتوں سے پوچھا کہ اے خدا کے بھیجے ہوئے فرشتو تمہارا ارادہ کس کام کا ہے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام نے یہ سمجھ لیا تھا کہ یہ فقط بشارت ہی دینے کو نہیں آئے ہیں ان کا آنا کسی اور کام کی غرض سے ہوا ہے اگر خوشی صرف سنانی تھی تو ایک آتا ابراہیم علیہ السلام کے پوچھنے پر انہوں نے کہا کہ ہم لوط علیہ السلام کی مجرم قوم پر عذاب لے کر بھیجے گئے ہیں سوائے لوط علیہ السلام کے گھر والوں کے سب لوگ گاؤں کے گاؤں ہلاک ہو جائیں گے اسی میں لوط علیہ السلام کی بیوی بھی ہلاک ہوں گی کیونکہ وہ دل میں منافق تھیں۔ مگر خداوند تعالیٰ جب تک ظاہر قصور نہیں دیکھتا ہے اُس وقت تک کسی کو نہیں پکڑتا ہے اس لئے فرشتوں نے لوطؑ سے کہا کہ آپ سب لوگ گھر سے باہر چلے جائیں اور پیچھے پھر کر نہ دیکھیے گا لوط علیہ السلام کے ساتھ ان کی بیوی بھی جا رہی تھیں اور کسی نے تو مڑ کر نہیں دیکھا ان کی بیوی نے پیچھے پھر کر دیکھا خدا نے ان کو پکڑ لیا اور یہ بھی اپنی قوم کے ساتھ ہلاک ہوئیں۔ سورت ہود میں گزر چکا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کے دل سے خوف جاتا رہا اور انہوں نے فرشتوں سے قوم لوط کے عذاب کا حال سنا تو وہ اللہ کے فرشتوں سے جھگڑنے لگے کہ اُس بستی میں لوطؑ بھی ہیں ساری بستی پر عذاب کیوں کر آنے گا اُس کا جواب اللہ کے فرشتوں نے یہ دیا ہے کہ سوائے لوط علیہ السلام کی بی بی کے اور سب ان کے گھر والے بچ جاویں گے سورۃ ہود کا قصہ گویا یہاں کے قصے کی تفسیر ہے سورت ہود کی آیت فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ (۱۱ : ۷۴) کی تفسیر میں حسن بصری اور قتادہ کا قول

لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ۨ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٦١﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ

رہ جانے والوں میں پھر جب پہنچے لوط کے گھر وہ بھیجے ہوئے بولا تم لوگ ہو گئے

مُّنْكَرُوْنَ ﴿٦٢﴾ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَاَتَيْنٰكَ

اوپرے سے بولے نہیں پر ہم لائے ہیں تجھ پاس جس میں وہ جھگڑتے تھے اور ہم لائے ہیں

بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿٦٤﴾

تجھ پاس مقرر بات اور ہم سچ کہتے ہیں

ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نرم دل بہت تھے صحیح بخاری وغیرہ میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے دن ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کی نجات چاہیں گے لیکن وہ منظور نہ ہوگی[1] اس حدیث سے حسن بصری اور قتادہ کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے اور آخری آیت کی تفسیر کا حاصل یہ ٹھہرتا ہے کہ نرم دلی کے سبب سے ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے فرشتوں سے قوم لوط کے باب میں جھگڑا کیا اور اللہ کے فرشتوں نے یہ جواب دیا جس کا ذکر آیت میں ہے۔

۶۳ سے ۶۴ — اب یہاں سے لوط علیہ السلام کا قصہ شروع ہوا فرشتے خدا کے بھیجے ہوئے ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے ہو کر یک بیک لوط علیہ السلام کے یہاں پہنچے وہ ان کو خوبصورت نو عمر لڑکے دیکھ کر ڈرے کہ یہ لوگ کسی اور شہر کے رہنے والے ہیں ال سواس طرح آ گئے ہیں بڑی قباحت کی بات ہے میری قوم کو لڑکوں سے بدفعلی کرنے کی عادت ہے جس وقت اُن لوگوں کو ان نو عمر لڑکوں کے آنے کی خبر معلوم ہوگی تو فوراً یہاں آ جائیں گے اور مجھ سے سخت جھگڑا ہوگا دیکھئے کیونکر ان سے پیچھا چھوٹتا ہے اسی خیال سے حضرت لوط علیہ السلام نے ان آنے والوں سے کہا کہ تم کون لوگ ہو ہم تمہیں نہیں پہچانتے اُن فرشتوں نے کہا کہ ہم خدا کے بھیجے ہوئے ہیں آپ کچھ خوف نہ کریں ہم اس قوم کی سرکوبی کے لئے آئے ہیں یہ لوگ آپ سے جھگڑتے ہیں کہ عذاب کیا ہے اور عذاب کے آنے میں شبہ کرتے ہیں اس لئے ہم اللہ کے حکم سے آئے ہیں اور عذاب لے کر آئے ہیں اب اُن لوگوں کو عذاب کے آنے کا پورا یقین ہو جائے گا اور ہم جو کچھ کہتے ہیں اس میں ذرا بھی فرق نہیں ہے ہم بالکل سچ کہہ رہے ہیں کہ یہ لوگ ہلاک ہوں گے۔ سورت اعراف میں گزر چکا ہے کہ حضرت لوط کی قوم کے لوگ حضرت لوط کو بستی سے نکال دینے کی دھمکی دیا کرتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُس بستی کو اُلٹ دینے کا حکم دیا تھا کہ یہ لوگ اللہ کے رسول کو جس بستی سے نکال دینے کی دھمکی دیتے تھے اُس بستی کا نام بھی دنیا میں باقی نہ رہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب تک چاہتا ہے اس طرح کے نافرمان لوگوں کو مہلت دیتا ہے اور جب پکڑتا ہے تو ان کو بالکل غارت کر دیتا ہے اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب تک مہلت کا زمانہ رہا قوم لوط کے لوگ طرح طرح سے جھگڑتے اور اللہ کے رسول کو بستی سے نکال دینے کی دھمکی دیتے رہے جب عذاب کا وقت آگیا تو خود ہی بستی سے ایسے نکلے کر سیدھے جہنم کو گئے اور بستی بھی اوندھی ہو گئی۔

[1] صحیح بخاری ص ۴۷۳ ج ۱ باب قول اللہ عزوجل واتخذ اللہ ابراہیم خلیلا الخ ؎ جلد ہذا ص ۲۰۵ و ۲۱۵ و ۲۲۴ و ۲۲۵ - ۲۷۹-۲۸۲ -

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ

سو لے نکل اپنے گھر کو رات رہے سے اور آپ چل اُن کے پیچھے اور مڑ کر نہ دیکھے تم

اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ

میں کوئی اور چلے جاؤ جہاں تم کو حکم ہے اور چکا دیا ہم نے اُس کو وہ کام کہ

دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿٦٦﴾ وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿٦٧﴾

اُن کی جڑ کٹی ہے صبح ہوتے اور آئے شہر کے لوگ خوشیاں کرتے

قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿٦٨﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿٦٩﴾

بولا یہ لوگ میرے مہمان ہیں سو مجھ کو رسوا مت کرو اور ڈرو اللہ سے اور میری آبرو مت کھوؤ

۶۵-۶۶- اللہ پاک یہ کلام فرشتوں کی زبان سے فرماتا ہے کہ انہوں نے لوط علیہ السلام سے یہ بات کہی کہ تم اپنے بال بچوں کو لے کر اول رات یہاں سے نکل جاؤ گھر والوں کو آگے رکھو اور آپ اُن کے پیچھے ہو تاکہ تمہیں اطمینان رہے کہ کوئی عزیز پیچھے تو نہیں رہ گیا اور فرشتوں نے یہ بھی کہہ دیا کہ دیکھنا کبھی تم میں سے کوئی پیچھے پھر کر دیکھے کہ قوم پر کیا عذاب ہو رہا ہے نہیں تو رستہ طے کرنے میں دیر ہو جائے گی اور طبیعت قوم کے عذاب کی طرف مشغول رہے گی پھر فرمایا کہ جہاں تم کو حکم ہوا ہے وہاں چلے جاؤ دیر نہ کرو جس کا مطلب یہ ہے کہ ملک شام کو چلے جاؤ پھر فرمایا کہ اللہ نے یہ بات ٹھہرا دی ہے کہ صبح ہوتے ہی اس قوم کی جڑ بنیاد بالکل نیست و نابود ہو جائے گی لوط علیہ السلام معہ اپنے دونوں بیٹیوں کے گھر سے نکلے ان کی بیوی بھی چلی تھیں مگر رستے میں پیچھے پھر کر دیکھا وہ اپنی قوم کے حال میں شریک ہوئیں ان کو بھی عذاب نے پکڑ لیا اور لوط علیہ السلام ملک شام کی طرف چل نکلے جلانے زمین کو پلیٹ دیا آپ ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچ گئے ابو موسیٰ اشعری کی جو حدیث اوپر گزر چکی ہے وہی حدیث ان آیتوں کی بھی تفسیر ہے مطلب اس تفسیر کا وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا۔

۶۷-۷۲- جب لوط علیہ السلام کی قوم کو یہ خبر ہو گئی کہ حضرت لوط کے گھر میں دو تین مہمان آئے ہیں تو وہ لوگ دوڑے ہوئے لوط علیہ السلام کے مکان پر آئے اور ان مہمانوں کو خوبصورت چودہ پندرہ برس کے سن کا دیکھ کر اپنے جی میں بہت خوش ہوئے لوط علیہ السلام نے ان لوگوں سے کہا کہ یہ لوگ میرے عزیز مہمان ہیں ان کی طرف کسی قسم کا برا خیال نہ کرو اور میری رسوائی نہ چاہو اور خدا سے ڈرو کسی کی آبرو کے پیچھے پڑنے سے کیا حاصل کیوں میری عزت کے درپے ہو رہے ہو ان کی قوم نے جواب دیا کیا ہم نے تم کو منع نہیں کر رکھا ہے کہ تم کسی کی حمایت نہ لو تم کسی کو کیوں اپنا مہمان بناتے ہو ساری دنیا سے تمہیں کیا سروکار سورت ہود میں ترتیب کے ساتھ یہ قصہ بیان ہو چکا ہے یہاں قصے میں ترتیب نہیں ہے سورت ہود میں لوط علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ آج کا روز بڑا سخت ہے اس قوم سے پیچھا چھوٹنا مشکل ہے۔ کیونکہ پہلے سے ان کو یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ مہمان دراصل فرشتے ہیں جب قوم نے بے حد اصرار کیا اور کوئی بات نہ مانی تو فرشتوں نے کہا تھا کہ تم اپنے دل میں رنجیدہ نہ ہو یہ ہمارا کیا کر سکتے ہیں ہم آدمی نہیں ہیں خدا کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ اسی قوم کو اس کے بد افعال کی سزا دینے آئے ہیں غرض کہ لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو بہتیرا سمجھایا یہاں تک کہا کہ تمہیں لڑکوں کے ساتھ فعل بد کے مرتکب ہونے سے

قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۷۱﴾

بولے ہم نے تجھ کو منع نہیں کیا جہان کی حمایت سے بولا یہ حاضر ہیں میری بیٹیاں اگر تم کو کرنا ہے

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ

قسم ہے تیری جان کی وہ اپنی مستی میں مدہوش ہیں پھر پکڑا ان کو چنگھاڑ نے

مُشْرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ

سورج نکلتے پھر کر ڈالی ہم نے وہ بستی اوپر تلے اور برسائے ہم نے ان پر پتھر

شرم نہیں آتی لو یہ میری لڑکیاں حاضر ہیں ان سے نکاح کر لو خدا نے عورتوں کو مردوں کے واسطے پیدا کیا ہے ان سے نفع اٹھاؤ۔ اور لڑکوں کی رغبت چھوڑ دو لڑکوں کے ساتھ بدفعلی کرنے کی عادت سے کیوں اپنے کو ہلاک کرنا چاہتے ہو سورت قمر میں آوے گا کہ جب ان لوگوں نے حضرت لوطؑ کی نصیحت نہ سنی اور حضرت لوطؑ کے گھر کا دروازہ توڑ کر گھر کے اندر گھس جانے اور مہمانوں کو چھین لینے کا ارادہ کیا تو حضرت جبرئیل نے اللہ کے حکم سے ایک پر مار کر ان سب کو اندھا کر دیا یہ لوگ صبح کو پھر آنے کی دھمکی دے کر وہاں سے چلے گئے اور صبح کو ہلاک ہو گئے اب آگے اللہ جل شانہ حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کو لوط علیہ السلام کی قوم کی خبر دیتا ہے کہ اے ہمارے رسول ہم تیری حیات اور عمر کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ وہ لوگ اپنی بدمستی میں بیہوش ہو رہے تھے وہ کب کسی کی سنتے مفسروں نے یہاں یہ بات بیان کی ہے کہ حضرت کی عمر کی قسم جو اللہ پاک نے کھائی ہے اس سے آپ کا مرتبہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ اور کسی رسول و نبی کی حیات کی قسم اللہ تعالیٰ نے نہیں کھائی ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کی ایک حدیث نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی جان ایسی نہیں پیدا کی جو حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر ہو اور اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی جان کی قسم نہیں کھائی سوائے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی جانؐ کے جیسا اس آیت میں مذکور ہوا۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعری کی حدیث جو اوپر گزر چکی ہے[1] اس حدیث کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مہلت کے زمانہ تک ان لوگوں کی سرکشی کا یہ حال تھا کہ اللہ کے رسول کے گھر کا دروازہ توڑ کر گھر کے اندر گھس جائے اور مہمانوں کے چھین لینے پر مستعد تھے مہلت کا وقت گزرتے ہی آنکھوں سے اپاہج اور اسی اپاہجی کی حالت میں تھوڑی دیر کے بعد ہلاک ہو گئے اور صبح کو پھر اللہ کے رسول کے گھر پر چڑھ کر آنے اور مہمانوں کو زبردستی چھین لینے کی دھمکی جو ان لوگوں نے دی تھی اس دھمکی کے ظہور کی تمنا ان لوگوں کے دل میں ہی رہی۔ معتبر سند سے مسند ابو یعلیٰ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے جس میں انہوں نے لَعَمْرُكَ کی تفسیر وَحَيَاتِكَ فرمائی ہے[2] معتبر سند سے طبرانی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عین صبح کی اذان کے وقت قوم لوط پر عذاب آیا۔[3]

۷۳ — ۸۵ — جب لوط علیہ السلام کی قوم نے اُن کی ایک نہ سنی اور اپنی ہٹ دھرمی کئے گئے تو اللہ پاک نے فرشتوں کو حکم دے دیا کہ ان کو خارت کر ڈالو صبح ہوتے ہی جبرئیل علیہ السلام نے ایک ایسی چیخ ماری کہ لوگوں کے کلیجے دہل گئے اور پھر اس بستی کی تہ میں اپنے پر ڈال کر اکھیڑ لیا اور آسمان کی طرف لے جا کر وہاں سے الٹا گرا دیا اور پھر اوپر سے چھوٹے چھوٹے پتھر کے ریزے برسے جس سے ایک

[1] تفسیر ابن جریر جلد ۱۴ ص ۳۴ [2] ایضاً صفحہ ۴۹ [3] مجمع الزوائد ص ۴۶ ج ۷ تفسیر سورت الحجر

سِجِّيلٍ ﴿٧٤﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِينَ ﴿٧٥﴾ وَإِنَّهَا لَبِسَبِيلٍ مُّقِيمٍ ﴿٧٦﴾

کنکر کے بیشک اس میں پتے ہیں دھیان کرنے والوں کو اور وہ بستی ہے سیدھی راہ پر

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٧٧﴾ وَإِن كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ لَظَالِمِينَ ﴿٧٨﴾

البتہ اس میں نشانی ہے یقین کرنے والوں کو اور تحقیق تھے بن کے رہنے والے گنہگار

فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُّبِينٍ ﴿٧٩﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ

سو ہم نے بدلا لیا اُن سے اور یہ دونوں شہر راہ پر ہیں نظر آتے اور تحقیق جھٹلایا حجر

الْحِجْرِ الْمُرْسَلِينَ ﴿٨٠﴾ وَآتَيْنَاهُمْ آيَاتِنَا فَكَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿٨١﴾ وَ

والوں نے رسولوں کو اور دیں ہم نے اُن کو نشانیاں سو رہے اُن کو ٹلاتے اور

كَانُوا يَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا آمِنِينَ ﴿٨٢﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ

تھے تراشتے پہاڑوں کو گھر خاطر جمع سے پھر پکڑا اُن کو چنگھاڑ نے

مُصْبِحِينَ ﴿٨٣﴾ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨٤﴾ وَمَا خَلَقْنَا

صبح ہوتے پھر کام نہ آیا اُن کو جو کماتے تھے اور ہم نے نہیں بنائے ہیں

ع ۵

متنفس بھی جان بر نہ ہو سکا پھر اللہ پاک نے فرمایا کہ اس قصہ میں عبرت کرنے والوں اور غور و فکر کرنے والوں کے لئے بڑی نشانی ہے۔ بعضے مفسروں نے للمتوسمین کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ عقلمندوں کے واسطے اس قصہ میں پتے ہیں اور ابو سعیدؓ کی حدیث ترمذی نے نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی فراست سے ڈرو کیوں کہ وہ اللہ تعالےٰ کے نور سے دیکھتا ہے اگرچہ ترمذی نے ابو سعید خدریؓ کی حدیث کو غریب کہا ہے لیکن مسند بزار میں یہ حدیث انسؓ بن مالک کی روایت[1] سے جو ہے اس کی سند معتبر ہے اور اسی مضمون کی حدیث ابن جریر نے بھی ابو سعیدؓ سے اور ثوبانؓ سے روایت کی ہے اور حضرت[2] انس رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے پھر اللہ پاک نے فرمایا کہ وہ بستی سدوم ملک شام کی طرف ہے دار پانی کے چشمہ کی صورت میں آج تک باقی ہے پھر فرمایا کہ جو لوگ ایماندار ہیں اس قصے سے خدا کی نشانی پہچانتے ہیں۔ پھر بن کے رہنے والی قوم شعیب کے لوگوں کا اور حجر کے رہنے والی قوم ثمود حضرت صالح علیہ السلام کی امت کا قصہ مختصر طور پر ذکر فرما کر قریش کو یہ تنبیہ فرمائی کہ ایک دن قیامت ضرور آنے والی ہے تاکہ نیک و بد کی جزا و سزا ہو کر دنیا کا پیدا کیا جانا ٹھکانے سے لگے کیونکہ آسمان و زمین کو اللہ تعالیٰ نے کھیل تماشے کے طور پر نہیں پیدا کیا ہے اگر ان کے پیدا کرنے میں جزا و سزا کی حکمت کا انکار کیا جاوے تو ان کا پیدا کیا جانا کھیل تماشے کے طور پر ٹھہرتا ہے جو اللہ کی شان سے بہت بعید ہے۔ سورت اعراف میں ترتیب وار پہلے ثمود کا اور پھر قوم لوط اور قوم شعیب کا قصہ تفصیل سے گزر چکا ہے یہاں[3] قصے قریش کی تنبیہ کے لئے بلا ترتیب مختصر طور پر ذکر فرمائے ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ سورت اعراف کے مفصل قصے ان مختصر قصوں کی گویا تفسیر ہیں۔ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُم

[1] جامع ترمذی ص ۱۴۰ ج ۲ تفسیر سورت الحجر و تفسیر ابن کثیر ص ۵۵۵ ج ۲ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۵۵۵ ج ۲ والدر المنثور ص ۱۰۳ ج ۴ [3] تفسیر ابن جریر ص ۴۶ – ۴۷ ج ۱۴۔

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ

آسمان و زمین اور جو اُن کے بیچ میں ہے بغیر تدبیر اور قیامت مقرر آنے والی ہے سو کنارہ

الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا

پکڑ اچھی طرح کنارہ تیرا رب جو ہے وہی ہے بنانے والا خبردار اور ہم نے دیں ہیں تجھ کو سات آیتیں

مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ اس کا مطلب یہ ہے کہ کھیتی اور دودھ کے جن جانوروں کو یہ لوگ اپنی بڑی کمائی جانتے تھے اور اس کمائی کی حمایت میں اُنہوں نے معجزہ کی اونٹنی کو ہلاک کر ڈالا آخر کو وہ کمائی ان لوگوں کے کچھ کام نہ آئی۔

بعضے مفسروں نے حکم جہاد سے اس آیت کو منسوخ کہا ہے لیکن یہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حسن خلق اور درگزر کی کوئی آیت حکم جہاد سے منسوخ نہیں ہے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوسعید خدری کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی امر خلاف شریعت کو ہاتھ سے مٹانے کی طاقت جب اہل اسلام میں نہ ہو تو ایسے وقت پر زبانی وعظ و نصیحت کافی ہے[1] اس حدیث سے ان علماء کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ضعف اسلام کے وقت درگزر کا حکم قیامت تک باقی ہے اسی واسطے اللہ کے رسول نے ضعف اسلام کے وقت کسی امر خلاف شریعت کے ہاتھ سے مٹانے کی جگہ زبانی وعظ و نصیحت کو جائز رکھا ہے ورنہ منسوخ حکم کے موافق عمل کرنے کا آپ ہرگز حکم نہ دیتے۔ آیت کے اس ٹکڑے کا حاصل مطلب یہ ہے کہ پہلی امتوں کی تباہی کے قصے سنا کر ان مشرکین مکہ کی تنبیہ کر دی گئی ہے اس پر بھی یہ لوگ اپنی شرارت سے باز نہ آویں تو ضعف اسلام کے زمانے تک درگزر کو کام میں لایا جاوے۔

۸۶۔ اس آیت میں اللہ پاک نے یہ بات بیان فرمائی ہے کہ قیامت ضرور ہونے والی ہے خدا ہر شئے کا پیدا کرنے والا ہے اس کو قیامت کے قائم کرنے پر کامل قدرت ہے کیونکہ وہ کسی چیز کے پیدا کرنے سے نہ پہلی دفعہ عاجز تھا نہ دوسری دفعہ عاجز ہے اس کا علم بہت وسیع ہے دنیا میں کوئی چیز اس سے پنہاں نہیں ہے اپنے اس علم کے موافق وہ سب کچھ دوبارہ پیدا کرے گا۔ صحیح بخاری کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث قدسی ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ تعالٰی نے فرمایا جب سب کی آنکھوں کے سامنے اللہ نے اس جہان کو پیدا کر دیا تو جو لوگ دوبارہ پیدا کئے جانے کے منکر ہیں وہ بڑے ناداں ہیں اور اپنی نادانی کے سبب سے وہ اس باب میں خلاف عقل کلام الٰہی کو جھٹلاتے ہیں کیونکہ معمولی عقل کا آدمی بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ جو کام ایک دفعہ کیا جا چکا اس کا پھر دوبارہ کیا جانا کیا مشکل ہے یہ حدیث آیت کی گویا تفسیر ہے جس سے منکرین حشر کے قائل کرنے کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔

۸۷۔۸۸۔ ان آیتوں میں اللہ پاک نے ان نعمتوں کا ذکر کیا جو اُس نے خاص اپنے رسول برحق کو عطا کی ہیں اس لئے فرمایا کہ ہم نے دیں تم کو سات آیتیں جو وظیفہ کی اور قرآن بڑے درجہ کا عنایت کیا اکثر مفسرین نے سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ کی تفسیر میں یہ بیان کیا ہے کہ اس سے سورت فاتحہ مراد ہے کیونکہ سورت فاتحہ کی سات آیتیں ہیں اور ہر نماز میں یہ دوہرائی جاتی ہے خواہ فرض ہو خواہ نفل اور ہر ختم قرآن میں یہ دو دفعہ پڑھی جاتی ہے ایک ابتدا میں اور پھر ختم کرنے کے بعد۔ اس کے علاوہ اور بھی چند باتیں ہیں جن کو

[1] صحیح مسلم ص ۵۲ ج ۱ باب بیان کون النہی عن المنکر من الایمان الخ و مشکوٰۃ ص ۴۳۶ کتاب الایمان

مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ

وظیفہ اور قرآن بڑے درجے کا مت پسار اپنی آنکھیں ان چیزوں پر جو برتنے کو دیں ہم نے

مفسروں نے بیان کیا ہے مثلاً اس کی آیتیں دو قسم کی ہیں خدا کی تعریف اور دعا اس لئے بندے اور اس کے رب کے درمیان یہ سورت ملی جلی ہے۔ صحیح بخاری[1] میں ابو سعیدؓ بن معلی کی ایک حدیث ہے جس میں ابو سعیدؓ بن معلی کہتے ہیں کہ میں ایک روز نماز پڑھ رہا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور مجھ کو بلایا مگر میں نماز پڑھ رہا تھا اس لئے میں آپ کے پاس نہ جا سکا جب نماز سے فارغ ہو کر حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا تو میرے بلانے سے کیوں نہیں آیا کیوں رک گیا تھا ابو سعیدؓ بن معلیؓ نے کہا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اس لئے نہ آ سکا آپ نے فرمایا کہ کیا خدا نے یہ نہیں کہا ہے کہ اے ایمان والو خدا اور اس کے رسول کا حکم مانو اور کیا میں تجھ کو مسجد سے نکلنے کے پہلے ایک بڑے درجے کی سورت نہ بتلا دوں جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے باہر نکلنے لگے تو ابو سعیدؓ بن معلی نے یاد دلایا کہ آپ نے سورت بتلانے کو فرمایا تھا آپ نے سورت فاتحہ پڑھی اور فرمایا یہ بڑے درجے کا قرآن اور سبع مثانی ہے۔ دوسری حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بخاری میں ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورت فاتحہ ام القرآن[2] ہے اور سبع مثانی ہے اور بڑے درجے کا قرآن ہے یہ حدیثیں سورت فاتحہ کے سبع مثانی ہونے کی تفسیر ہیں مگر اور سورتوں کو بھی سبع مثانی کہا جائے یا پورے قرآن کو سبع مثانی کہا جائے تو بھی کوئی قباحت نہیں ہے چنانچہ بعضے مفسروں نے سبع مثانی قرآن کی سات لمبی سورتوں کو بھی کہا ہے۔ یہ سورتیں سورت بقرہ سے سورت توبہ کے ختم تک ہیں کیوں کہ سورت توبہ میں بسم اللہ نہیں ہے اور ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ ہے اس لئے اکثر سلف انفال اور توبہ ان دونوں سورتوں کو علیحدہ علیحدہ سورت نہیں سمجھتے ہیں حضرت عبد اللہؓ بن عباس بھی اسی کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ان سات سورتوں میں سے دو سورتیں موسیٰ علیہ السلام کو ملی ہیں باقی اور کسی رسول کو سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں ملیں اور بعضے مفسر ساتوں منزلوں کو بھی سبع مثانی خیال کرتے ہیں جن لوگوں نے سات سورتوں کو سبع مثانی کہا ہے وہ مثانی ہونے کی یہ وجہ فرماتے ہیں کہ ان سورتوں میں پہلے رسولوں کے قصے اور ان سے عبرت کا حاصل کرنا اور پچھلی قوموں پر عذاب کا بھیجنا مکرر بیان کیا ہے اور جو لوگ ساتوں منزلوں کو سبع مثانی کہتے ہیں وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ پورے قرآن میں قصے مقرر ذکر کئے گئے ہیں اور دین کے احکام امر و نہی چند مرتبہ مذکور ہوئے ہیں۔ بہرحال اس نعمت کا بیان کر کے اللہ پاک نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا کہ دنیا میں جو اور لوگوں کو مال و دولت حاصل ہے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھو شاید تمہیں اس کی رغبت ہو جائے تمہیں جو نعمت کے طور پر قرآن مجید عطا کیا گیا ہے اس کے سامنے دنیا کی دولت کیا حقیقت رکھتی ہے یہ جلد فنا ہونے والی ہے اور یہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے ہیں نہ لائیں تم اس کا کچھ غم نہ کرو اس لئے کہ جو لوگ علم الٰہی میں گمراہ ٹھہر چکے ہیں وہ کسی طرح راہ راست پر نہ آویں گے صحیح مسلم[3] میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ دنیا کے مال متاع میں جو شخص اپنے سے کم ہو اسے ایماندار لوگو تم اس کی طرف دیکھو اور جو تم سے بڑے درجے کا ہے اس کی طرف نہ دیکھو تاکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تم کو دیا ہے تمہاری نظر میں وہ حقیر

---

[1] ص ۶۴۲ ج ۲ باب قولہ ولقد آتیناک سبعا من المثانی والقرآن العظیم (طبع سابق میں سعید بن علی مطبوع ہے۔ صحیح بخاری سے تصحیح کر دی گئی) [2] صحیح بخاری ایضاً۔

أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٨٨﴾ وَ

اُن کو کئی طرح کے لوگوں کو اور نہ غم کھا ان پر اور جھکا اپنے بازو ایمان والوں کے واسطے اور

قُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ ﴿٨٩﴾ كَمَا أَنزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ ﴿٩٠﴾ الَّذِينَ

کہہ کہ میں وہی ہوں ڈرانے والا کھول کر جیسا ہم نے بھیجا ہے ان بانٹنے کرنے والوں پر جنہوں نے

نظر ٹھہرے۔ حضرت عوف کہتے ہیں کہ میں مالدار لوگوں کے پاس بیٹھا کرتا تھا جب تو ہر دم رنج رہتا تھا کہ ان کا کپڑا اپنے کپڑے سے اچھا دیکھتا تھا ان کے جانور میرے جانوروں سے موٹے تازے نظر آتے تھے جب میں نے یہ حدیث سنی تو غریبوں کے پاس اٹھنے بیٹھنے لگا اس وقت سے میں نہایت آرام میں ہوں پھر اللہ پاک نے حضرت کو یہ حکم دیا کہ ایمان والوں سے تواضع کے ساتھ پیش آؤ اور اُن کی دلجوئی کرتے رہو۔ آیتوں اور ابوہریرہؓ کی حدیث کے ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ اہل اسلام کو دین کی نعمت کے طور پر قرآن جو عطا کیا ہے اس کے سامنے تمام دنیا کی کچھ حقیقت نہیں کیونکہ قرآن کی نصیحت پر عمل کرنے والوں کو جنتی میں جو جنت ملنے والی ہے اُس کی تھوڑی سی جگہ بھی تمام دنیا سے بہتر ہے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جتنی جگہ میں سوار اپنا کوڑا رکھ دیتا ہے جنت کی اتنی جگہ تمام دنیا سے بہتر ہے[1] لیکن اہل ایمان قرآن کو دنیا میں گزر کے قابل جو کچھ اللہ نے دیا ہے اُس کی ناشکری کی نوبت بھی اس طرح نہ آوے کہ ہر ایماندار شخص ہمیشہ ایسے آدمی پر نظر ڈالا کرے جو اس شخص سے زیادہ تنگدست ہے کیونکہ تنگدست آدمی پر نظر ڈالنے سے اس کو اپنی تھوڑی سی خوشحالی بھی بڑی نعمت نظر آوے گی نافرمان مالداروں سے بے پرواہی کرنے کے حکم کے بعد آخر میں تنگدست ایمان والوں کی دلجوئی کا حکم اس لئے فرمایا کہ ان لوگوں کو معلوم ہو جاوے کہ اللہ تعالیٰ کو ایمانداری پسند ہے مالداری پسند نہیں عربی کے محاورے میں بازو جھکانا دلجوئی کی جگہ بولا جاتا ہے۔

۸۹—۹۲۔ اس آیت میں اللہ پاک نے اپنے رسول صلعم کو حکم فرمایا کہ تم لوگوں سے کہہ دو کہ میں ویسا ہی ڈرانے والا ہوں جس طرح پہلے رسولوں نے اپنی قوم کو ڈرایا تھا اور قوم نے ان رسولوں کو جھٹلایا اور ان کی مخالفت اور ایذا رسانی پر قسمیں کھا بیٹھے اور قرآن پر عذاب نازل ہوا مثلاً جیسے ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کی مخالفت پر آپس میں قسما قسمی کی تھی جس کا ذکر سورۃ النمل میں آوے گا کَمَا اَنْزَلْنَا عَلَی الْمُقْتَسِمِیْنَ کی تفسیر میں مفسروں کا بہت اختلاف ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول ہے کہ یہ لوگ وہ اہل کتاب ہیں جنہوں نے قرآن کی اس طرح سے تقسیم کر ڈالی کہ بعض احکام پر اس کے ایمان لائے اور بعض سے بالکل انکار کرتے تھے۔ مدعا اصل ہو باتیں قرآن مجید کی اُن کی کتابوں سے ملتی جلتی ہیں اُن کو مانتے ہیں اور جو باتیں ان سے مخالف ہیں ان کا انکار کرتے ہیں[2] اور عکرمہ نے یہ بیان کیا ہے کہ یہود نے مسخرا پن سے یہ بات آپس میں مقرر کر لی تھی کہ یہ سورت قرآن کی میری ہے اور دوسرے نے یہ کہا کہ یہ سورت میری ہے غرض قرآن کی سورتوں کی تقسیم کر ڈالی تھی اور بعضوں نے یہ بیان کیا ہے کہ اہل کتاب نے اپنی کتابوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اس لئے ان کو مقتسمین کہا گیا بعض مفسروں نے یہ بیان کیا ہے کہ مقتسمین کفار قریش

[1] مشکوٰۃ ص ۴۴۷ باب فضل الفقراء الخ [2] مشکوٰۃ ص ۴۹۶ باب صفۃ الجنۃ و اہلہا [3] صحیح بخاری ص ۶۸۳ ج ۲ باب قولہ الذین جعلوا القرآن عضین۔

جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا

جو　سب سے　ان　ہم کو پوچھنا ہے　سو قسم ہے تیرے رب کی　بوٹیاں　قرآن　ہے　کیا

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

کرتے تھے　کام

ہیں یہ چند آدمی تھے انہوں نے ولید بن مغیرہ کے حکم سے موسم حج کے زمانے میں مکے کے رستوں کو روکا کہ مسافر شخص ادھر سے گزرے اُس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بہکایا جائے اور یہ کہا جائے نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ۔ یہ شخص مجنون ہیں باپ دادے کے دین سے نکل گئے ہیں کوئی اِن سے دعوکا نہ کھاتا اور کبھی جادوگر کہتے تھے اور کبھی شاعر کہہ دیتے تھے اسی طرح کبھی قرآن کو جادو کہتے تھے کبھی پہلے لوگوں کی کہانیاں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ مقتسمین کے معنے بعضے سلف نے تقسیم کرنے والوں کے لئے ہیں اور بعضوں نے قسم کھانے والوں کے عربی زبان میں مقتسمین کا لفظ تقسیم کرنے والوں کے معنوں میں زیادہ مشہور ہے اور قرآن شریف عرب کے مشہور لفظوں میں نازل ہوا ہے اس لئے حافظ ابو جعفر ابن جریر نے اپنی تفسیر میں ان ہی معنے کو پسند کیا ہے[1] آگے کی آیت میں آتا ہے کہ مسخراپن کے طور پر قرآن کے ناموں کی تقسیم ٹھہرانے والے لوگ کہ ان میں سے کوئی قرآن کو جادو کہتا تھا کوئی شعر اور کوئی پہلی کہانیاں ان میں کے اکثر لوگ طرح طرح کے مرضوں سے فوراً ہلاک ہو گئے اسی واسطے ان آیتوں میں فرمایا اے رسول اللہ کے تم ان باقی لوگوں کو ڈرا دو کہ اگر یہ لوگ قرآن کی نصیحت کے موافق راہِ راست پر نہ آویں گے تو وہی انجام ان کا ہوگا جو مسخراپن کے طور پر قرآن کے ناموں کی تقسیم ٹھہرانے والوں کا ہوا اور پھر ان سب کو اپنے عملوں کے موافق قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے روبرو جواب دہی کرنی پڑے گی۔ جن علمائے سلف نے مقتسمین کی تفسیر اہل کتاب کو قرار دیا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب کی حالت پر بھی آیت کا مضمون ہجرت کے بعد صادق آیا ورنہ اس مکی سورت میں اہل کتاب کا ذکر شانِ نزول کے طور پر نہیں آسکتا کیونکہ قرآن شریف میں اہل کتاب کا ذکر مدینہ کی ہجرت کے بعد شروع ہوا ہے۔

تفسیر نیشاپوری میں شانِ نزول کے طور پر یہود کے ذکر کو پیشین گوئی قرار دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان مکی آیتوں میں یہود پر جس عذاب کے آنے کا ذکر تھا اُس کا ظہور ہجرت کے بعد اس طرح ہوا کہ یہود کے تین قبیلے بنی قنیقاع بنی نضیر بنی قریظہ جو مدینہ کے گرد و نواح میں رہتے تھے ان میں سے بنی قنیقاع اور بنی نضیر جلا وطن ہوئے اور بنی قریظہ کا قتل ہوا۔ معتبر سند سے مستدرک حاکم میں نعمانؓ بن بشیر سے روایت ہے جس میں یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس طرح جوش میں آن کر لوگوں کو دوزخ کے عذاب سے ڈرایا کرتے تھے کہ آپ کی چادر کاندھے پر سے اتر کر پیروں میں آن پڑا کرتی تھی[2] ترمذی طبرانی اور مسند بزار کے حوالہ سے ابی برزہؓ اور معاذ بن جبل کی صحیح روایتیں ایک جگہ گزر چکی ہیں[3] کہ قیامت کے دن ہر شخص سے چار باتوں کا سوال کیا جائے گا۔ (۱) تمام عمر کن کاموں میں گزاری (۲) جوانی میں کیا کیا (۳) روپیہ پیسہ کیونکر کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ (۴) دین کی باتوں پر کیا عمل کیا ان حدیثوں کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ لوگوں کے ڈرانے کے حکم کی تعمیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑی سرگرمی سے کیا کرتے تھے تمام عمر کے کاموں کی جواب دہی

[1] تفسیر ابن جریر ص ۶۳ ج ۴ [2] الترغیب ص ۳۱۲ ج ۲ [3] الترہیب من النار الخ [4] تفسیر جلد ہذا ص ۲۸۹ ۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴿٩٤﴾ إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ﴿٩٥﴾

سو سنا دے کھول کر جو تجھ کو حکم ہوا اور دھیان نہ کر شرک والوں کا ہم بس ہیں تیری طرف سے ٹھٹھا کرنے والوں کو

الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٩٦﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ

جو ٹھہراتے ہیں اللہ کے ساتھ اور کسی کی بندگی سو آگے معلوم کریں گے اور ہم جانتے ہیں

أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ﴿٩٧﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ

کہ تیرا جی رکتا ہے اُن کی باتوں سے سو تو یاد کر خوبیاں اپنے رب کی اور رہ سجدہ کرنے

السَّاجِدِينَ ﴿٩٨﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ﴿٩٩﴾

والوں میں اور بندگی کر اپنے رب کی جب تک پہنچے تجھ کو یقین

کے وقت ان لوگوں کو بڑی دقت بھگتنی پڑے گی جن کی تمام عمر اللہ کے رسول کو جادوگر اور کلام الٰہی کو جادو کہنے میں گزری۔

۹۴ـــ۹۸۔ اللہ پاک ان آیتوں میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرماتا ہے کہ ہم نے قرآن پاک جو تم کو دے کر بھیجا ہے وہ تم لوگوں کو پہنچا دو اور جو اللہ کا حکم ہے وہ ان سے کہہ دو اور ان مشرکین کے جھٹلانے سے دل تنگ نہ ہو اور ان کی ایذا رسانی سے گھبراؤ نہیں تم خدا پر بھروسہ کرو وہ تمہیں کافی ہے یہ تمہارا کیا کر سکتے ہیں مجاہد نے فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ کی تفسیر میں یہ بیان کیا ہے کہ اس سے قرآن مجید کا پکار کر پڑھنا مراد ہے۔ عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے چھپ کر نماز پڑھا کرتے تھے جب یہ آیت اتری تو آپ معہ اپنے اصحاب کے کھلم کھلا خدا کی عبادت کرنے لگے[1] بعض مفسروں نے بیان کیا ہے کہ جو لوگ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسخراپن کرتے تھے وہ پانچ شخص تھے جو قبیلہ قریش میں رئیس شمار کئے جاتے تھے۔ ولید بن مغیرہ۔ عاص بن وائل۔ حارث بن قیس اسود بن عبدالمطلب۔ اسود بن عبد یغوث۔ جب یہ لوگ شرارت اور ایذا رسانی میں حد سے گزرنے لگے تو یہ آیت اتری اور یہ لوگ تھوڑے ہی عرصہ میں طرح طرح کے مرض میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو گئے[2] پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کفار خدا کے ساتھ اور معبود کو بھی شریک کرتے ہیں خدا کے سوا بتوں کو پوجتے ہیں اس کا خمیازہ آخرت میں بھگتیں گے اور ایسے شرک کا نتیجہ وہاں انہیں معلوم ہو جائے گا۔ پھر اللہ پاک نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ ان کفار کی باتوں سے تمہیں رنج پہنچتا ہے تم ذرا بھی ان کی طرف التفات نہ کرو تم تو سبحان اللہ کہے جاؤ اور نماز پڑھتے رہو چنانچہ جب کبھی حضرت کو کوئی بات غم میں ڈالتی تو آپ نماز پڑھتے تھے جس کا ذکر مسند امام احمد اور ابوداؤد کے حوالہ سے حذیفہؓ کی معتبر روایت میں ایک جگہ گزر چکا ہے[3]۔ صحیح بخاری مسلم ترمذی اور نسائی میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے اگرچہ مشرکوں کا کرمیں غلبہ زور تھا لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بلا خوف ایک ایک قبیلہ کا نام لے کر قرآن کے موافق لوگوں کو نصیحت کیا کرتے تھے[4] اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آ سکتا ہے کہ فاصدع بما تؤمر کی تعمیل اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح کی سختی اور بے خوفی سے فرمایا کرتے تھے۔

۹۹۔ آخرت کی بہت سی چیزیں مثلاً عذاب قبر حشر نامہ اعمال کا تولنا نیک عمل کا نیک آدمی کی صورت بن کر اور بد عملوں کا بد صورت بن کر قبر میں آنا پل صراط پر گزرنا جنت میں باوجود کھانے کی حاجت بشری اور نیند کا نہ ہونا ان سب چیزوں کو مرنے کے بعد ہر

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۵۵۹ ج ۲۔ [2] الضاً۔ [3] تفسیر ہذا جلد اول ص ۶۔ [4] تفسیر ابن کثیر ص ۳۵۰ ج ۳ تفسیر سورت الشعراء۔

اٰیاتہا ۱۲۸ — (۱۶) سُوْرَۃُ النَّحْلِ مَکِّیَّۃٌ (۷۰) — رکوعاتہا ۱۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ①

پہنچا حکم اللہ کا سو اس کی شتابی مت کرو وہ پاک ہے اور اوپر ہے اُن کے شریک بتانے سے

آدمی آنکھوں سے دیکھ لے گا اور اُس کو پورا یقین ہو جاوے گا اِس لئے اِس آیت میں اور اِس قسم کی اور آیتوں میں علما نے یقین کے معنے موت کے کئے ہیں کیونکہ بغیر موت کے آخرت کی چیزوں کو دیکھ کر یقین کا حاصل کرنا ممکن نہیں ہے اِس صورت میں شریعت کا حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے لئے یہ قرار پایا کہ کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکیں تو بیٹھ کر اور بیٹھ کر بھی نہ ہو سکے تو لیٹ کر اشاروں سے بیماری یا سفر کے سبب سے رمضان میں روزے نہ رکھ سکیں تو جب ہو سکے قضا کے روزے رکھیں غرض جب تک جسم میں جان ہے عبادت الٰہی کا کرنا شریعت کا ایک لازمی حکم ٹھہرا ہے۔ بعضے صوفیوں نے اس حکم شریعت کے مخالف یہ جو کہا ہے کہ یقین سے مراد معرفت الٰہی ہے اور آیت کے یہ معنے کئے ہیں کہ جب آدمی نے خدا کو پورا پہچان لیا تو پھر اُس کو عبادات کی ضرورت نہیں یہ بالکل ایک غلط معنی ہیں یہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت نے دم وفات تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تو پھر کیا ان لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ خود نبی کو تو دم وفات تک وہ معرفت الٰہی حاصل نہیں ہوئی جس سے عبادت کی ضرورت باقی نہ رہتی لیکن امت میں نبی سے بڑھ کر بعضے مشائخ ایسے ہیں جن کو دم وفات سے پہلے وہ معرفت الٰہی حاصل ہو سکتی ہے جو نبی کو حاصل نہیں ہوئی استغفر اللہ نہ کوئی ولی نبی سے بڑھ کر ہو سکتا ہے نہ کسی ولی سے عبادت شرعی اٹھ سکتی ہے صاحب مجذوب ہو اس لوگ ان کا شریعت اور علماء شریعت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ حالت بے حواسی میں تو ایسے لوگوں سے عبادت شرعی بموجب آیت کی بڑی پوری شرط ہے چھوٹی ہوئی ہے اس لئے اس حالت پر تو ان کو ولی نہیں کہا جا سکتا ہاں حالت بے حواسی میں اگر یہ لوگ شریعت کے پابند تھے یا اب جب حواس درست ہوتے ہیں تو شریعت کے پابند نظر آتے ہیں تو ایسے لوگوں کی حالت ہوش و حواس کی عبادت کو نہ شریعت معاف ٹھہراتی ہے نہ حالت افاقہ میں ان کو ولی کہنے کا شریعت کو انکار ہے لیکن جو بے حواس شخص حواس کے وقت بھی شریعت کا پابند نظر نہ آتے یا مرے ہوئے اس کے سوا اس بے حواسی میں تمام نظر آویں تو اس کا حکم شریعت میں ولی کا نہیں بلکہ دیوانہ کا حکم ہے۔

اس سورت کی شروع کی آیتیں مکی ہیں اس لئے یہ سورت مکی کہلاوے گی کیونکہ یہ اوپر گزر چکا ہے کہ جس سورت کی شروع کی آیتیں مکی ہوں وہ مکی کہلاتی ہے۔

ا۔ معتبر سند سے تفسیر ابن مردویہ میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ جس وقت سورت نحل کی یہ آیت اتری اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ تو آنحضرت بھی ڈر گئے اور صحابہ بھی ڈر گئے اور سب نے یہ سمجھا کہ قیامت آگئی اتنے میں دوسرا یہ ٹکڑا آیت کا نازل ہوا کہ جلدی نہ کرو پھر آپ نے اپنی دونوں انگلیاں ملا کر فرمایا کہ میں اور قیامت یوں ملے ہوئے ہیں جس طرح یہ دونوں انگلیاں ملی ہوئی ہیں مطلب

ا۔ لباب النقول ص ۱۴۲ و تفسیر الدر المنثور ص ۱۰۹ ج ۴ ۔

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ

اتارتا ہے فرشتے بھید دے کر اپنے حکم سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں کہ خبر

آپ کا یہ ہے کہ جب نبی آخر الزمان آ چکے تو پھر قیامت کے آنے میں اب کیا دیر ہے۔ یہ حدیث مختصر طور پر صحیح بخاری و مسلم میں بھی سہل بن سعد انس بن مالک اور ابو ہریرہؓ کی روایت سے آئی ہے جس میں نزول آیت کا ذکر نہیں ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ جس روز سے حضرت جبرئیل نے آنحضرتؐ کے پاس وحی لانی شروع کی آسمان پر فرشتوں میں اسی وقت سے قیامت کا ایک خوف اور چرچا پھیل گیا ہے۔ معتبر سند سے مستدرک حاکم طبرانی اور تفسیر ابن ابی حاتم میں حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ صور پھونکنے سے ذرا پہلے آسمان پر ایک کالا ابر اٹھے گا اور اس ابر میں سے پہلے اس آیت کے پڑھنے کی آواز لوگوں کے کانوں میں آوے گی لوگ اس آواز کا چرچا کر رہے ہوں گے کہ اتنے میں صور پھونک دیا جاوے گا[2] حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ دنیا کے کسی عذاب کا آنا اگر کسی مصلحت الٰہی سے ٹل گیا تو وقت مقررہ پر آئندہ قیامت کا آنا ایسا یقینی ہے جیسے زمانہ گزشتہ کی بہت سی باتیں ان لوگوں کی آنکھوں کے سامنے گزر چکی ہیں ان مشرکوں میں کے سرکش لوگ اب تک نادانی سے کبھی عذاب اور کبھی قیامت کی جلدی کرتے ہیں لیکن جب اپنے شرک کے وبال میں یہ لوگ پکڑے گئے تو ان کو اس جلدی کرنے کی قدر کھل جاوے گی۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعری کی حدیث گزر چکی ہے[3] کہ اللہ تعالیٰ جب تک چاہتا ہے ایسے سرکش لوگوں کو مہلت دیتا ہے اور پھر وقت مقررہ پر جب ان کو پکڑتا ہے تو بالکل برباد کر دیتا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی روایتیں بھی گزر چکی ہیں جن میں مشرکین مکہ میں کے بڑے بڑے سرکشوں کا بدر کی لڑائی میں مارے جانے کا ذکر ہے اور یہ بھی ذکر ہے کہ مرتے ہی ان لوگوں پر عقبیٰ کا سخت عذاب شروع ہو گیا اور اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی لاشوں پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ اب تو تم لوگوں نے عذاب الٰہی کے وعدہ کو سچا پا لیا۔ صحیح بخاری و مسلم میں عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک شخص کے مردہ کو اس کا جنت کا ٹھکانا اور بد شخص کے مردہ کو اس کا دوزخ کا ٹھکانا صبح شام دکھایا جا کر یہ کہا جاتا ہے کہ قیامت کے دن تجھ کو اس ٹھکانے میں جانا پڑے گا۔ ان حدیثوں کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مکہ کے مشرکوں میں کے سرکش لوگ وقت مقررہ سے پہلے عذاب اور قیامت کی جو جلدی کرتے تھے وقت مقررہ آئے پر ان کا انجام یہ ہوا کہ دنیا میں ذلت سے وہ مارے گئے مرتے ہی عذاب قبر میں گرفتار ہوئے قیامت کے دن دوزخ میں جو ٹھکانا ان کے لئے ٹھہر ہے وہ صبح شام قیامت تک ان کو دکھایا جاتا ہے۔ غرض ان لوگوں کو عذاب اور قیامت دونوں چیزوں کی جلدی کرنے کی قدر کھل گئی۔

۲؎ اس سے اوپر کی آیت میں یہ خبر دی گئی تھی کہ قیامت بہت قریب ہے اور لوگ جو جلدی کرتے تھے ان سے کہا گیا تھا کہ جلدی نہ کرو۔ اس آیت میں قیامت کی سختیوں سے نجات پانے کا جو انتظام اللہ کی طرف سے فرمایا گیا ہے اس کا ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے

[1] صحیح بخاری ص ۹۶۳ ج ۲ باب قول النبی صلے اللہ علیہ وسلم بعثت انا والساعۃ کہاتین الخ۔ [2] الترغیب ص ۹۲ ج ۲ فصل فی النفخ فی الصور۔ [3] صحیح بخاری ص ۶۷۸ ج ۲ وکذلک اخذ ربک اذا اخذ القریٰ۔ [4] صحیح مسلم ص ۱۰۲ ج ۲ باب غزوۃ بدر۔

[5] الترغیب ص ۸۰ ج ۲ الترھیب عن المرور بقبور الظالمین الخ۔

أَنْذِرُوْٓا أَنَّهٗ لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ

پہنچا دو کر کسی کی بندگی نہیں سوا میرے سو مجھ سے ڈرو بنائے آسمان اور زمین ٹھیک

تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيْمٌ

وہ اوپر ہے اُن کے شریک بتانے سے بنایا آدمی ایک بوند سے پھر تبھی ہو گیا جھگڑتا

بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اُس کے پاس فرشتہ وحی دے کر بھیجتا ہے تاکہ اللہ کے رسول آسمانی کتاب کے موافق ایماندار لوگوں کو یہ جتلا دیویں کہ سوا اللہ کے اور کوئی دوسرا معبود لائق عبادت کے نہیں تم لوگ شرک سے ڈرتے رہو حضرت عبداللہ بن عباس کے صحیح قول کے موافق روح کے معنے یہاں وحی کے ہیں کیوں کہ جس طرح سارے بدن کو روح سے تر و تازگی ہے اور حیات قائم ہے اسی طرح ایماندار شخص کا دل بھی احکام وحی سے تازہ رہتا ہے اور اُس کو دلی حیات اس طرح نصیب ہوتی ہے جس طرح جہالت اور کفر سے دل مردہ رہتا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے مغیرہ بن شعبہ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے[1] جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو انجانی کے عذر کا رفع کر دینا بہت پسند ہے اسی واسطے اُس نے آسمانی کتابیں دے کر رسولوں کو بھیجا اس حدیث کو آیت کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب قرار پایا کہ انجانی کے عذر کا رفع کر دینا اللہ تعالیٰ کو پسند تھا اس لئے شرک کی برائی سے لوگوں کا انجان رہنا اور قیامت کے دن اس کے وبال میں گرفتار ہو جانا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ناپسند ٹھہرا اور وہ انتظام فرمایا گیا جس کا ذکر آیت میں ہے۔

۳ سے ۴ تک اللہ پاک نے اوپر کی آیتوں میں قیامت کے برحق ہونے کو شرک کی ممانعت کو اور توحید کو بیان کیا تھا کہ سوائے اللہ کی ذات کے اور کوئی معبود نہیں ہے اس لئے یہ آیتیں توحید اور حشر کی ثبوت کے طور پر نازل فرمائیں اور فرمایا کہ اللہ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور یہ آسمان و زمین بالکل بے فائدہ نہیں بنائے گئے ہیں ان سے بڑے بڑے کام دنیا کے اندر نکلتے ہیں جو انسان کی زندگی میں ضروری ہیں پھر فرمایا کہ کفار جن معبودوں کو اُس کا شریک ٹھہراتے ہیں ان سے وہ کہیں برتر و بزرگ ہے انہیں کیا خاک قدرت ہے اور جب ان میں کچھ قدرت نہیں تو ان کی پوجا سے کچھ حاصل بھی نہیں پھر انسان کی پیدائش کا حال بیان فرمایا کہ یہ اپنی حقیقت کو بھول گیا اللہ نے اس کو ایک قطرہ ناپاک سے پیدا کیا جوں جوں وہ سیانا اور بڑا ہوتا گیا خدا سے جھگڑنے لگا اس کا شریک ٹھہراتا اُس کے رسولوں کو اور حشر کو جھٹلایا اتنا نہیں سمجھتا کہ بغیر حشر اور نیک و بد کی جزا سزا کے آسمان و زمین اور تمام دنیا کا پیدا کرنا کیوں کر ٹھکانے سے لگتا ہے۔ مسند امام احمد اور ابن ماجہ میں بشر بن جحاش سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ میں تھوک کر فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے بنی آدم تو مجھے کس طرح دوبارہ پیدا کرنے سے عاجز سمجھتا ہے تیری حقیقت تو یہ ہے کہ میں نے تجھے اس تھوک جیسی چیز سے پیدا کیا ہے پھر تجھے حد کمال تک پہنچا دیا اور پھر تیرے لئے موت بھیج دی اور تو اپنی دو چادروں میں لپٹ کر چلا آیا اور جو کچھ کما کما کر اکٹھا کیا تھا اسے کسی اچھے موقع پر خرچ نہیں کیا[2] یہ حدیث مستدرک حاکم میں بھی ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے[3] معتبر سند سے البعث والنشور بیہقی اور مستدرک حاکم میں

[1] تفسیر ہذا جلد دوم ص ۲۰۳۔ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۵۶۱ ج ۲ [3] تفسیر الدر المنثور ص ۱۱۰ ج ۴۔

مُّبِيْنٌ ۝۴ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝۵

بولتا اور چار پائے بنادئے تم کو ان میں جڑاول ہے اور کتنے فائدے اور بعضوں کو کھاتے ہو

وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝۶ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ

اور تم کو ان سے رونق ہے جب شام کو پھیر لاتے ہو اور جب چراتے ہو اور اٹھا لے چلتے ہیں بوجھ تمہارے

اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۭ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۷

ان شہروں تک کہ تم نہ پہنچتے وہاں مگر جان توڑ کر بیشک تمہارا رب شفقت والا مہربان ہے

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ عاص بن وائل نے ایک بوسیدہ ہڈی کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے روبرو خو ملا اور اُس کی خاک کو ہوا میں اڑا کر آنحضرت سے بڑی بحث کی کہ ایسی بوسیدہ ہڈیاں پھر دوبارہ کیوں کر جاندار ہو جاویں گی[1] انسان کے ایک بے حقیقت چیز سے پیدا ہونے اور پھر اپنی حقیقت کو بھول کر جھگڑالو بن جانے کا جو ذکر آخری آیت میں ہے یہ حدیثیں گویا تفسیر ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ جس صاحب قدرت نے ان منکرین حشر کے پتلوں کو پانی جیسی پتلی چیز سے بنا دیا اور اُن پتلوں میں روح پھونک دی اُس کی قدرت کے آگے ہر جگہ سے رواں رواں خاک کا جمع کر لینا اور اُس کا پتلا تیار کر کے اُس میں روح کا پھونک دینا کیا دشوار ہے یہ اوپر گزر چکا ہے کہ مرنے کے بعد انسان کی خاک رواں رواں ہو کر جہاں جہاں جاوے گی اُس کا سب حال پہلے ہی لوح محفوظ میں لکھا جا چکا ہے۔

۵ سے ۷ اللہ پاک نے انسان کی پیدائش کا حال پہلے بیان کر کے اب چوپایوں کا ذکر کیا کہ اونٹ گائے بکریاں جن کی تفسیر سورت انعام میں گزر چکی ہے یہ سب تمہارے واسطے پیدا کئے گئے ہیں تم اس کا احسان نہیں مانتے خیال کرو تو ان جانوروں سے تمہیں کیا کیا نفع پہنچتا ہے بعض جانوروں کی کھال کا پوستین بنتا ہے بعض جانوروں کے روئیں بنے جاتے ہیں جس سے اونی کپڑے تیار ہوتے ہیں اور جاڑوں میں اُس کا استعمال ہوتا ہے سردی سے لوگ بچتے ہیں بعض جانوروں کے دودھ لوگ پیتے ہیں ان کے گوشت کھائے جاتے ہیں ان جانوروں کو جب چرا کر لاتے ہو وہ کھا کر شکم سیر کرتے ہیں اُن کے تھن دودھ سے بھرے ہوتے ہیں تو اُن کو دیکھ کر تم خوش ہوتے ہو اور صبح کو چرانے لے جاتے ہو اور وہ الگ الگ ہو کر چرنے لگتے ہیں اور ایک کی آواز ایک سن کر بولنے لگتا ہے تو کیسا خوشنما سا سماں نظر آتا ہے اور تجارت وغیرہ کے لئے جب کوئی بوجھ کہیں لے جانا چاہتے ہو تو جانوروں کی پیٹھ پر رکھ کر لے جاتے ہو اگر تم خود لے جاتے تو ممکن نہ تھا۔ اگر ممکن بھی تھا تو بڑی مشقت کا کام تھا غرض ذرا سمجھو اللہ پاک بندوں پر کیسا مہربان اور رحیم ہے کہ اُن کی ہر ایک ضرورت کے رفع کرنے کا اُس نے سامان پیدا کیا۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعود کی حدیث[2] ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شرک سے بڑھ کر دنیا میں کوئی گناہ نہیں اس حدیث کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو انسان کی ضرورت کی چیزوں کو اس طرح پیدا کیا کہ ان بت پرستوں کے بتوں کا اُس میں کچھ دخل نہیں ہے تو اللہ کی تعظیم اور عبادت میں دوسروں کو شریک کرنا بڑی وبال کی بات ہے۔

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۵۰۱ ج ۳ تفسیر سورت یٰسین و لباب النقول ص ۱۸۰
[2] مشکوٰۃ ص ۱۶ باب الکبائر و تفسیر ابن کثیر ص ۴۹۴ ج ۲

وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ۚ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٨﴾

اور گھوڑے بنائے اور خچر اور گدھے کہ ان پر سوار ہو اور رونق اور بناتا ہے جو تم کو نہیں معلوم

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٩﴾

اور اللہ پر پہنچتی ہے سیدھی راہ اور کوئی راہ کج بھی ہے اور وہ چاہے تو راہ دے تم سب کو

۸۔ بعضے حنفیہ نے اس آیت سے یہ بات نکالی ہے کہ گھوڑے کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے کہ گھوڑے سواری اور زینت کے لئے ہیں ذبح کرنے اور گوشت کھانے کی ممانعت اس سے نکلتی ہے اور علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس آیت میں حرام و حلال کا ذکر نہیں ہے یہاں تو اللہ تعالیٰ نے فقط اپنی نعمتوں کا ذکر کیا ہے عزت اور زینت کی سواری کے لئے گھوڑا اللہ کی ایک بڑی نعمت ہے اس لئے سواری کی نعمت جتلا کر گھوڑے کا ذکر فرمایا ہے دونوں مذہبوں کی تائید میں حدیثیں بھی پیش کی گئی ہیں ان میں اُن علماء کا قول جو گھوڑے کے گوشت کے جائز ہونے کے قائل ہیں زیادہ مضبوط ہے کیونکہ وہ حدیث جس میں گھوڑے کے گوشت کی اجازت ہے حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی روایت سے صحیحینؒ کی ہے اور وہ حدیث جس سے ممانعت نکلتی ہے مسند امام احمد بن حنبل کی خالد بن ولیدؓ وغیرہ کی روایت سے ہے اور اس میں کسی طرح کا شک نہیں ہے کہ صحیحین کی متفق علیہ روایت مسند کی روایت سے مقدم ہے علاوہ اس کے خالد بن ولیدؓ کی روایت میں کسی قدر ضعف بھی ہے اسی واسطے امام محمدؒ اور ابو یوسفؒ گھوڑے کے گوشت کو جائز کہتے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ سے کوئی روایت گھوڑے کے گوشت کے ناجائز ہونے میں صاف نہیں ہے کیونکہ ہدایہ کی شرح عنایہ میں امام ابو حنیفہ رح کی روایت جو اس باب میں نقل کی ہے اُس کا حاصل یہی ہے کہ گھوڑے کے گوشت کھانے کو میں تعجب کی نظر سے نہیں دیکھتا اس روایت کا مطلب تو یہی ہے کہ جس طرح اور ناجائز چیزوں کے کھانے کو تعجب کی نظر سے میں دیکھتا ہوں گھوڑے کا گوشت میرے نزدیک ایسا نہیں ہے۔ سواری کے ذکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایسی سواریوں کا ذکر جو فرمایا ہے جن کو اس وقت کے لوگ نہیں جانتے تھے اس میں ریل دخانی جہاز سب شامل ہیں کیونکہ آدمی نے اپنی ایجاد طبع سے جو چیز نکالی ہے اُس میں اللہ تعالیٰ کی پیدائش کا ضرور دخل ہے کس لئے کہ اللہ نے آدمی کو پیدا کیا آدمی کی عقل پیدا کی سبب جا کر آدمی کسی ایجاد کے قابل ہوا اگر اللہ آدمی کو عقل نہ دیتا تو وہ کس ایجاد کے قابل ہو سکتا تھا۔

۹۔ جب اللہ پاک نے ان جانوروں کا ذکر کیا جس پر لوگ سوار ہو کر ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہیں اور دنیا میں رستہ طے کرتے ہیں تو اب دین کے رستوں کا بیان کیا اور فرمایا کہ دو راہیں ہیں ایک تو سیدھی دوسری کج جو سیدھی راہ ہے وہ خدا تک پہنچتی ہے اور جو کج ہے وہ شیطانی راہ ہے انسان کو دوزخ میں لے جاتی ہے سبیل سے مراد دین اسلام ہے اور جائر سے بت پرستی وغیرہ حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ جاہتا ہے تو دین اسلام پر چلنے کی توفیق دیتا ہے حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں یہ کہتے ہیں کہ اللہ پر ہے حلال و حرام کا بیان کر دینا اور اپنی مرضی اور نامرضی کے کاموں

لہ تفسیر ابن کثیر ص ۵۶۲ ج ۲ لہ تفسیر ابن کثیر ص ۵۶۲ ج ۲ لہ تفسیر ابن کثیر ص ۵۶۲ ج ۲ لہ اس بحث کی تفصیل کے لئے تفسیر فتح البیان ص ۲۷۹

ہ تفسیر ابن کثیر ص ۵۶۲۔ ۵۶۳ ج ۲ وغیرہ دیکھئے

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ ﴿۱۰﴾

وہی ہے جس نے اتارا آسمان سے پانی تمہارا اس سے پینا ہے اور اس میں درخت جس میں چراتے ہو

یُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّیْتُوْنَ وَالنَّخِیْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ

اگاتا ہے تمہارے واسطے اس سے کھیتی اور زیتون اور کھجوریں اور انگور اور ہر قسم کے میوے

کا ذکر کر دینا جس کو اُس نے آسمانی کتابوں کے ذریعہ سے بیان کر دیا اب جس کا جی چاہے جس راہ کو پسند کرے اگر اللہ پاک چاہتا تو سارے جہان کو ایک سیدھی راہ پر کر دیتا اور وہ لوگ حق تک پہنچ جاتے مگر اُس کی مشیت اس کی مقتضی نہیں ہوئی اُس نے راہیں بتلا دیں جس کی طبیعت نیک پیدا ہوئی ہے وہ آپ راہ حق کو قبول کرتا ہے اور جو بدبخت ازلی ہے وہ راہ راست سے بھٹکتا پھرتا ہے اور گمراہی کے رستوں میں پڑا ہوا ہے حضرت عبد اللہ بن عباس کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ آیت میں بیان کا لفظ محذوف ہے گویا اصل آیت وَعَلَى اللّٰهِ بَيَانُ قَصْدِ السَّبِيْلِ ہے جو راستہ آدمی کو مقصد تک پہنچا دیوے عرب کے محاورہ میں اُس کو قصد السبیل کہتے ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے مغیرہ بن شعبہ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے[1] جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو انسانی کے عذر کا رفع کر دینا بہت پسند ہے اسی لئے اُس نے اپنے رسولوں کے ذریعہ سے آسمانی کتابیں بھیج کر تفصیل سے احکام دین بیان فرما دیئے حضرت عبد اللہ بن عباس کا اوپر کا قول ان صحیح حدیث کے موافق ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے[2] کہ دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کے موافق لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے کہ کون شخص دنیا میں پیدا ہونے کے بعد جنت میں جانے کے قابل کام کرے گا اور کون شخص دوزخ میں جانے کے قابل اب دنیا میں پیدا ہونے کے بعد ہر شخص اس لکھے کے موافق کام کرتا ہے اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ علم الٰہی میں جو لوگ جنت کے قابل ٹھہر چکے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کو سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق دیتا ہے اور جو لوگ علم الٰہی میں دوزخ کے قابل ٹھہر چکے ہیں وہ ہمیشہ کجی کی راہ پسند کرتے ہیں اور اُن کو مجبور کر کے اللہ تعالیٰ راہ راست پر لانا نہیں چاہتا کیوں کہ انتظام الٰہی کے موافق دنیا نیک و بد کے امتحان کے لئے پیدا کی گئی ہے مجبوری کی حالت میں وہ امتحان کا موقع باقی نہیں رہتا۔

۱۰۔۱۱ اللہ پاک نے انسان اور جانوروں کی پیدائش کا حال بیان کر کے اب ان نعمتوں کا ذکر کیا جو مینہ برسا کر اُس نے اپنے بندوں کو عطا کی ہیں اس لئے فرمایا کہ یہ خدا ہی کا کام ہے کہ اُس نے مینہ برسا کر تمہارے لئے پانی پینے کو ندی نالے اور تالابوں میں جمع کر رکھا ہے اگر وہ چاہتا تو آسمان سے کڑوا اور کھاری پانی اتارتا جس کے پینے پر انسان مجبور ہوتا یہ بہت ہی بڑا اس کا احسان ہے جو میٹھا پانی برساتا ہے اور زمین کو تر رکھتا ہے جس میں کھیتی ہوتی ہے اور طرح طرح کے درخت اور گھاس اگتے ہیں اور لوگ اپنے اپنے جانوروں کو چراتے ہیں اور کھیتوں میں غلے پیدا ہوتے ہیں جس سے انسان غذا حاصل کرتا اور اپنی زندگی بسر کرتا ہے اور اسی پانی کے سبب سے زیتون کھجوریں انگور اور طرح طرح کے میوے پیدا ہوتے ہیں جس کو لوگ کھاتے ہیں زیتون کا تیل بھی بنتا ہے جس کو آدمی اور اور کام میں بھی لاتا ہے غرض اس سے بڑی قدرت اور عظمت خدا کی سمجھی

---

[1] تفسیر ہذا جلد دوم ص ۲۲۰ و جلد ہذا ص ۲۱۰ [2] صحیح بخاری ص ۷۳۸، ج ۲ تفسیر سورۂ واللیل۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ⑪ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَ

اس میں نشانی ہے ان لوگوں کو جو دھیان کرتے ہیں اور کام لگائے تمہارے رات اور دن اور

الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ

سورج اور چاند اور تارے کام میں لگے ہیں اس کے حکم سے اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کو

جاتی ہے کہ مثلاً جب اناج کا ایک دانہ زمین میں ڈالا جاتا ہے تو تھوڑے عرصہ میں وہ دانہ پھٹ پڑتا ہے اور ایک باریک شاخ پیدا ہو کر اوپر کو چڑھنے لگتی ہے اور زمین میں اُس کی جڑ پھیلنے لگتی ہے پھر رفتہ رفتہ پتے اور ڈالیاں پھیل کر ایک بہت بڑا درخت ہو جاتا ہے اور اناج پیدا ہونے لگتا ہے یہی حال ہر ایک میوے کی گٹھلی اور ہر ایک ترکاری اور پھلواری کے بیج کا ہے پھر ایک درخت کا پھل پھول دوسرے درخت کے پھل پھول سے جدا جدا اپنے اپنے رنگ روپ و ذائقہ میں مختلف ہوتے ہیں جو شخص ان باتوں میں غور و فکر کرتا ہے وہ فوراً سمجھ لیتا ہے کہ اس کا پیدا کرنے والا بہت بڑی قدرت والا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے کیونکہ ان چیزوں کے پیدا کرنے میں کسی کا کچھ دخل نہیں صحیح بخاری کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعود کی حدیث گزر چکی ہے کہ قریش کی سرکشی کے سبب سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بددعا کی اور آپ کی بددعا سے مکہ میں سخت قحط پڑا[1]۔ صحیح بخاری میں زید بن خالد جہنی اور صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایتیں ہیں جن میں یہ ہے کہ مشرکین مکہ تاروں کی گردش سے مینہ برسنے کے قائل تھے[2] ان حدیثوں کو آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ مینہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے برستا ہے مستقل طور پر تاروں کی گردش کا اس میں کچھ دخل نہیں کیوں کہ تاروں کی گردش تو آخر مکہ کے قحط کے زمانہ میں بھی تھی پھر اس وقت اس گردش کی تاثیر کہاں گئی۔ اسی طرح قحط کے قصے سے یہ بھی نکلا کہ ان مشرکوں کے بتوں کو بھی خدائی میں کچھ اختیار نہیں کس لئے کہ اس قحط کے زمانہ میں ان بت پرستوں نے اپنے بتوں سے رفع قحط کی التجا کی مگر کچھ نہ ہوا آخر اللہ کے رسول نے جب رفع قحط کی دعا کی تو مینہ برسا اور وہ قحط رفع ہوا۔

۱۲-۱۳۔ ان آیتوں میں اللہ پاک نے رات دن چاند سورج ستاروں کے پیدا کرنے میں جو نفع انسان کے لئے رکھا ہے اُس کا بیان فرمایا کہ اللہ نے تمہارے ہی فائدہ کے لئے یہ رات اور دن بنائے ہیں جہاں ایک ان میں سے ختم ہوا دوسرا آن موجود ہوا دن کو لوگ اپنے اپنے کاروبار سے جا لگتے ہیں اور اپنی روزی حاصل کرتے ہیں راتوں کو تھکے ماندے آ کر آرام کرتے ہیں چاند و سورج سے مہینوں اور برسوں کا حساب ہوا کرتا ہے۔ چاند اٹھائیس دن میں اپنا دورہ پورا کرتا ہے اور پھر دو یا ایک رات پوشیدہ رہ کر ہلال کی صورت میں نکلتا ہے تو ایک مہینہ ہوتا ہے۔ سورج تین سو ساٹھ دن میں پورا دورہ آسمان کا طے کرتا ہے تو ایک سال ہوتا ہے اس عرصہ میں گرمی جاڑے برسات کی فصلیں ہوتی ہیں۔ ان فصلوں کے سبب سے ایک بڑا تغیر ہوتا ہے پھول لگتے ہیں اور پھر پھل کچے سے پکے ہو جاتے ہیں اور ستارے جو آسمان پر پیدا کئے ہیں ان سے بھی بڑا نفع حاصل ہوتا ہے اندھیری راتوں میں سفر کرنے والے ان سے پورب پچھم اتر دکھن

[1] صحیح بخاری ص ۱۳۷ ج ۱ باب دعاء النبی صلے اللہ علیہ وسلم اجعلہا سنین کسنی یوسف [2] صحیح بخاری ص ۱۵۰ ج ۱ باب قول اللہ عزوجل وتجعلون رزقکم انکم تکذبون۔

يَعْقِلُونَ ﴿۱۲﴾ وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً

بوجھ رکھتے ہیں اور جو بکھیرا ہے تمہارے واسطے زمین میں کئی رنگ کا اس میں نشانی ہے ان

لِّقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ﴿۱۳﴾ وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا

لوگوں کو جو سوچتے ہیں اور وہی ہے جس نے کام لگایا دریا کو کہ کھاؤ اس میں سے گوشت تازہ

وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا

اور نکالو اس سے گہنا جو پہنتے ہو اس کو اور دیکھے تو کشتیاں پھاڑتی چلتی اس میں اور اس واسطے کہ تلاش کرو

پہچانتے ہیں یہ سب خدا کی قدرت کا ادنیٰ نمونہ ہے اور یہ سب کے سب اسی کے حکم کے تابع ہیں عقلمند ان نشانیوں سے خدا کی قدرت کا پتہ لگا لیتا ہے پھر اس کے بعد زمین کا حال بیان فرمایا کہ کیسے کیسے مختلف رنگ کے پھل پھول جن کا ذائقہ جدا جدا ہے جو صورت علیحدہ علیحدہ ہے جانور مختلف قسم کے ایک کی صورت ایک سے نہیں ملتی ہر ایک کی طبیعتیں الگ الگ ہیں یہ سب کچھ تمہارے ہی کام کے لئے بنایا ہے تاکہ تم ان سے طرح طرح کا فائدہ اٹھاؤ اور جو لوگ خدا کی نعمتوں کو سوچتے سمجھتے رہتے ہیں اُن کے واسطے یہ بہت بڑی نشانی ہے کہ جو ان کا حقیقی پیدا کرنے والا ہے اُس کی ذات ایسی بے مثال ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور اس میں ہر ایک بات کی قدرت ہے۔ فلسفی نجومی اور مشرکین کہ سورج چاند تاروں میں جن تاثیرات مستقل کے قائل ہیں وہ اعتقاد مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ سے غلط قرار پاتا ہے کیونکہ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ کا یہ مطلب ہے کہ سورج چاند تاروں کا طلوع غروب اور ان کی گردش سب اللہ کے حکم سے ہے ان میں کوئی مستقل تاثیر نہیں ہے صحیح بخاری کے حوالہ سے عبد اللہ بن مسعود اور زید بن خالد جہنی کی اور صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایتیں جو اوپر گزر چکی ہیں ان روایتوں کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سورج چاند تاروں میں بغیر حکم الٰہی کے کوئی مستقل تاثیر نہیں ہے جو لوگ اس مستقل تاثیر کے قائل ہیں وہ بڑی غلطی پر ہیں۔

۱۴۔ اللہ پاک نے آسمان و زمین کی چیزوں کا ذکر کر کے ان فائدوں کا بیان کیا جو دریا سے لوگوں کو حاصل ہوتے ہیں فرمایا کہ دریا کو تمہارا محکوم کر دیا تم اس میں سے مچھلیاں پکڑ پکڑ کر کھاتے ہو نہیں تو تمہاری کیا ہستی تھی جو دریا کے کنارہ پر پیر بھی رکھ سکتے ایک موج میں کہیں کے کہیں جا رہتے یہ اسی کا حکم ہے کہ دریا اپنی حد سے نہیں بڑھ سکتا جس سے تم ڈوبنے سے محفوظ رہتے ہو اور اُس میں غوطے لگا لگا کر بیش بہا موتی نکال لیا کرتے ہو اور طرح طرح کے زیورات بنایا کرتے ہو کشتیاں بنا بنا کر دریا کے رستے سے ایک ملک سے دوسرے ملک میں جایا کرتے ہو اور تجارت میں سینکڑوں روپیہ کا نفع اٹھاتے ہو اُس کی شکر گزاری کرنی چاہیئے نہ یہ کہ ان احسانات کو بالکل فراموش کر کے دوسروں کو اللہ کی تعظیم میں شریک کیا جاوے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبد اللہ بن مسعود کی حدیث گزر چکی ہے[1] جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے شرک سے بڑھ کر دنیا میں کوئی گناہ نہیں فرمایا اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں

[1] مشکوٰۃ ص ۱۷ باب الکبائر۔

مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ
اُس کے فضل سے اور شاید احسان مانو اور ڈالے زمین میں بوجھ کہ کبھی
تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ
جھک پڑے تم کو لے کر اور ندیاں بنائیں اور راہیں شاید تم راہ پاؤ اور چلنے کے نشان اور تارے سے لوگ
هُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾
راہ پاتے ہیں

بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو انسان کی سب ضرورت کی چیزوں کو پیدا کیا ہے تو اُس کی تعظیم میں دوسروں کو شریک کرنا بڑے وبال کی بات ہے۔

۱۵-۱۶ تفسیر عبدالرزاق میں حسن بصری سے اور تفسیر ابن جریر میں قیس بن عباد سے روایت ہے کہ پہلے پہل اللہ نے پانی پر زمین بچھائی تو زمین ہلتی تھی فرشتوں نے آپس میں چرچا کیا کہ زمین پانی پر کیوں کر ٹھہرے گی جب اللہ نے زمین پر پہاڑ ٹھونک دئے تو پھر زمین کا ہلنا بند ہو گیا اور فرشتوں کو معلوم بھی نہ ہوا کہ اللہ نے کب اور کس چیز کے یہ پہاڑ جما دئے۔ ایک جگہ یہ بات اوپر گزر چکی ہے کہ عبدالرزاق بن ہمام نے نابینا ہونے سے پہلے جو کتابیں تالیف کی ہیں اُن کو امام بخاری نے صحیح قرار دیا ہے اس لئے تفسیر عبدالرزاق کی یہ حسن بصری کی روایت معتبر ہے یہ قیس بن عباد بھی جلیل القدر تابعیوں میں ہیں اور تفسیر ابن جریر کی سند بھی معتبر ہے ترمذی میں انس بن مالک کی اسی مضمون کی جو ایک روایت ہے اگرچہ سلیمان بن ابی سلیمان عن عبداللہ بن عباس کا پردادہ اس روایت کی سند میں نامعلوم الحال ہے لیکن اوپر کی روایتوں سے اس انس بن مالک کی روایت کو بھی کسی قدر تقویت ہو جاتی ہے ان روایتوں کے موافق اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ کی اصل اَنْ لَا تَمِيْدَ بِكُمْ ہے جس کے حاصل معنے وہی ہیں جو حسن بصری رح اور قیس بن عباد رح کے قول کے موافق اوپر بیان کئے گئے ہیں اگرچہ یہ بات بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر نہ تھی کہ بغیر پہاڑوں کی میخیں ٹھونکنے کے وہ زمین کو پانی پر مضبوط جما دیتا لیکن پہاڑوں کے پیدا کرنے میں طرح طرح کی حکمتیں تھیں سونا چاندی اور قیمتی چیزیں اکثر قسم کی دوائیں پہاڑوں میں پیدا ہوتی ہیں ندیاں اور چشمے پہاڑوں میں سے نکلتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو پیدا کیا اور فرشتوں کے ایک خاص گروہ کو پہاڑوں کی چیزوں کے انتظام کے لئے مقرر کیا جس گروہ کے سردار کا لقب ملک الجبال ہے چنانچہ صحیح بخاری کی حضرت عائشہؓ کی روایت میں یہ ذکر تفصیل سے ہے سورت الانبیاء میں آوے گا کہ پہاڑوں کے بیچ میں اللہ تعالیٰ نے گھاٹیاں رکھیں ہیں تاکہ پہاڑوں کے سبب سے راستہ بند نہ ہو سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ کا یہاں بھی یہی مطلب ہے وَعَلٰمٰتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق آیت کے اس ٹکڑے کی تفسیر یہ ہے کہ دن کو پہاڑ اور رات کو تارے ایسی علامتیں ہیں جن کے سبب سے مسافروں کو سیدھا راستہ جنگل اور دریا میں معلوم ہو جاتا ہے

۱؎ تفسیر ابن کثیر ص ۵۶۷ ج ۲ و تفسیر ابن جریر ص ۹۰-۱۴
۲؎ صحیح بخاری ص ۴۵۸ ج ۱ باب بعد باب ذکر الملائکۃ۔

أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ۗ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿١٧﴾ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ

بھلا جو پیدا کرے برابر ہے اس کے جو کچھ نہ پیدا کرے کیا تم سوچ نہیں کرتے اور اگر گنو نعمتیں

اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٨﴾

اللہ کی تو پورا نہ کر سکو ان کو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعود کی حدیث گزر چکی ہے[1] جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شرک سے بڑھ کر دنیا میں کوئی گناہ نہیں اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کی راحت کیلئے یہ سب چیزیں پیدا کیں ہیں تو یہ بڑے وبال کی بات ہے کہ اللہ کی تعظیم میں دوسروں کو شریک کیا جاوے۔

۱۷ – ۱۸ – اللہ پاک نے آسمان اور زمین اور دریا کے پیدا کرنے کا ذکر اور اس سے جو جو نفع انسان کو پہنچتا رہتا ہے اس کا ذکر کر کے اب مشرکوں کو یوں سمجھایا کہ اب جو تم بتوں کی عبادت کرتے ہو اور اُنہیں خدا کا شریک ٹھہراتے ہو تو تم ہی بتلاؤ کہ ان بتوں نے کونسا آسمان بنایا کونسی زمین پیدا کی کونسے دریا بہائے اگر کچھ نہیں کیا تو پھر یہ اس خدا کے برابر کیوں کر ہو سکتے ہیں جس نے ساری چیزیں پیدا کی ہیں تھوڑا سا تو غور کرکے دیکھو تمہارے خدا نے تم پر کیا کیا احسان کئے اور کیسی کیسی نعمتیں تم کو دیں کیا تم ان کا شمار کر سکتے ہو اور اس کا شکر ادا کر سکتے ہو ہرگز نہیں گن سکتے اگر وہ اپنی ہر نعمت کے مقابل میں تم سے شکر چاہے تو بالکل بجا ہے اور تم سے کوتاہی ہونے پر تمہیں سزا کا مستحق ٹھہرا سکتا ہے مگر اس نے ان باتوں سے درگزر کی اور تم پر مہربانی کی کہ ہر نعمت پر تم سے شکر کا طلب گار نہیں ہے البتہ بہت سی نعمتوں کے مقابل میں تم سے ایک تھوڑا سا یہ شکر یہ ادا کرنے کو کہتا ہے کہ تم خالق اور مخلوق کو برابر ٹھہرا کر اللہ کی تعظیم میں فرق نہ ڈالو اپنے خالق کو یاد رکھو یہ نہیں کہ بالکل ہی اس کو بھول جاؤ اور اس کا شریک ٹھہرانے لگو ابن جریر نے اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ وہ تمہارے قصور کو معاف کرنے والا ہے جو ان نعمتوں کے شکریہ میں تم سے ہوا ہے اور جب تم شرک سے توبہ کر لو اور اس کی اطاعت اور اس کی خوشی کے مسر کام کی طرف رجوع ہو جاؤ تو وہ تم پر از حد مہربان ہے اور توبہ قبول کر لیتا ہے اور توبہ قبول ہونے پر پھر عذاب نہیں کرتا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اوپر کی آیتوں میں انسان کی ضرورت اور راحت کی چیزوں کا ذکر فرما کر اوپر کے ذکر کا نتیجہ اس آیت میں ذکر فرمایا ہے کہ یہ سب چیزیں تو اللہ کی پیدا کی ہوئی ہیں اس میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے اس لئے اب یہ بات ان مشرکوں کو سوچنی چاہئے کہ اللہ کی تعظیم میں دوسروں کو شریک کئے جانے کا کیا حق ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے معاذ بن جبل کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے[2] جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کریں اگر بندے اس حق کو ادا کریں گے تو ان کا اللہ پر یہ حق ہوگا کہ اللہ ان کو عقبیٰ کے عذاب سے بچا لے اس حدیث کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص شرک سے بچا تو اس نے حق بندگی ادا کر کے اس معبود حقیقی کی تعظیم میں فرق نہیں ڈالا اس لئے سوا شرک کے کچھ اور گناہ ہوں گے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور جو شخص جیتے جی شرک میں گرفتار رہا اور اسی حالت میں بغیر توبہ کے مر گیا تو اس نے

[1] یعنی اوپر کی آیات کی تفسیر میں۔ [2] مشکوٰۃ ص ۱۲ کتاب الایمان۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ

اور اللہ جانتا ہے جو چھپاتے ہو اور جو کھولتے ہو اور جن کو پکارتے ہیں اللہ کے سوا

اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ

کچھ پیدا نہیں کرتے اور آپ پیدا ہوتے ہیں مردے ہیں جن میں جی نہیں اور خبر نہیں رکھتے

اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾

کب اٹھائے جاویں گے

اللہ کی تعظیم میں فرق ڈال کر خالق اور مخلوق کا مرتبہ ایک کر دیا اس لئے ایسا شخص اس بات کا مستحق نہیں ہے کہ اللہ اس پر مہربان ہو اور اس کے گناہوں کو بخشے غرض حافظ ابو جعفر ابن جریر نے اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ کا جو مطلب بیان کیا ہے وہ معاذ بن جبلؓ کی حدیث کے موافق ہے۔

۱۹ ـ ۲۱ ـ مشرکوں کے جھوٹے معبودوں کی یہ دوسری مذمت ہے کیونکہ پہلے اس سے یہ فرمایا تھا کہ زمین و آسمان اور دریا اور ان کے اندر جو جو چیزیں ہیں سب خدائے وحدہٗ لاشریک نے پیدا کیں ان مشرکوں کا اگر یہ اعتقاد ہے کہ جن بتوں کی یہ پوجا کرتے ہیں ان میں ان چیزوں کے پیدا کرنے کی قدرت ہے یا کوئی شئے انہوں نے پیدا کی ہے تو اس شئے کی نشان دہی کی جاوے ورنہ پھر ان کو اس خالق کے برابر کیوں سمجھتے ہیں اب دوسری بات یہ فرمائی کہ اللہ پاک ہر شخص کے ظاہر اور باطن کو یکساں جانتا ہے جو کام چھپ کر کیا جاتا ہے اس سے بھی وہ واقف ہے اور جو کھلم کھلا کیا جاتا ہے اسے بھی وہ دیکھتا ہے تو کیا ان بتوں کو بھی ایسا علم ہے کہ ہر ظاہر اور باطن کو جان لیں اگر یہ بات نہیں تو ان بتوں سے مراد کا مانگنا بے فائدہ ہے کیوں کہ جب یہ بت مراد مندکی مراد سے ہی بے خبر ہیں تو پھر کسی کی مراد کو یہ کیا پورا کر سکتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ یہ مشرک جو خدا کے سوا ان بتوں کی عبادت کرتے ہیں ان میں خاک کسی شئے کے پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں ہے یہ تو خود مخلوق ہیں اور بالکل بے جان ہیں ان میں حس و حرکت تک نہیں زندہ ہونا تو درکنار نرے پتھر ہی پتھر ہیں ان سے تو لاکھ درجہ یہ مشرکین خود بہتر ہیں کیوں کہ زندہ تو ہیں چلتے پھرتے ہیں آنکھوں سے دیکھتے کانوں سے سنتے ہیں ان کے بتوں کو کیا خبر ہے کہ ان کے پوجاری اور یہ خود مرنے کے بعد کب زندہ ہوں گے اور زندہ ہونے کے بعد ایک دوسرے سے کیوں کر بیزاری ظاہر کریں گے۔ صحیح بخاری کے حوالہ سے حضرت عبداللہؓ بن عباس کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ قوم نوح میں کے کچھ لوگ مر گئے تھے جن کے مر جانے کا رنج اور صدمہ ان کے رشتہ داروں اور معتقدوں کو بہت تھا شیطان نے موقع پا کر ان لوگوں کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ اگر ان مرے ہوئے نیک لوگوں کی مورتیں بنا کر آنکھوں کے سامنے رکھ لی جاویں تو ان کے آنکھوں کے سامنے سے اٹھ جانے کا رنج اور صدمہ کم ہو جاوے گا ان لوگوں نے شیطان کے وسوسہ کے موافق وہ مورتیں بنالیں اور پھر رفتہ رفتہ ان کی پوجا ہونے لگی[1] سورت یونس میں گزر چکا ہے کہ قیامت کے دن جب ان مورت پرستوں کا اور ان نیک لوگوں کا اور پتھر کی مورتوں میں جان ڈالی جا کر ان کا

[1] صحیح بخاری ص ۷۳۲، ج ۲ تفسیر سورت نوح۔

إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۚ فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُم مُّنكِرَةٌ

معبود تمہارا معبود ہے اکیلا سو جو یقین نہیں رکھتے پچھلی زندگی کا اُن کے دل نہیں مانتے

وَهُم مُّسْتَكْبِرُونَ ﴿٢٢﴾ لَا جَرَمَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ

اور وہ مغرور ہیں ٹھیک بات ہے کہ اللہ جانتا ہے جو چھپاتے ہیں اور جو جتاتے ہیں بیشک

غرض ان سب کا آمنا سامنا ہوگا تو وہ نیک لوگ اللہ تعالے کو گواہ قرار دے کر اس بوجا سے اپنی بے خبری جتلادیں گے اسی کو فرمایا کہ ابھی تو اصلی نیک لوگوں اور ان کی مورتوں کے پتھروں کو قیامت کا حال کچھ معلوم نہیں لیکن قیامت کے دن جب ان سب کو جمع کیا جا کر بت پرستی کی دریافت کی جاوے گی تو ان بت پرستوں کو اپنی حالت پر پچھتانا پڑے گا چنانچہ اس پچھتاوے کا ذکر سورت بقرہ میں گزر چکا ہے۔

۲۲—۲۳—اللہ پاک نے اس سے پہلی آیتوں میں بتوں کے معبود ہونے میں طرح طرح کی خرابی بیان فرما کر اب یہ فرمایا کہ تم لوگوں کا معبود وہی اکیلا خدا ہے جس نے ساری چیزیں دنیا میں پیدا کی ہیں دنیا میں تو جلسے تم لوگ جس کو معبود ٹھہرا لو مگر آخرت میں کوئی جھوٹا معبود نظر نہیں آنے کا اکیلا خدا ہی خدا ہوگا اور سارے جہان کا حساب و کتاب اُسی کے ہاتھ میں ہوگا پھر اللہ سبحانہ تعالے نے اس بات کی خبر دی کہ کفار جو اپنے عقیدہ پر جمے ہوئے ہیں اور بتوں کی عبادت نہیں چھوڑتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ آخرت کے دن کا یقین ان کے دلوں میں نہیں ہے آخرت کا یہ لوگ انکار کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ قیامت وغیرہ کچھ بھی نہیں ہے جو کچھ ہے دنیا کی زندگی اور مالداری ہے پھر جب مر گئے تو مرنے کے بعد زندہ ہونا کیسا اسی خیال نے ان کو گمراہ کر رکھا ہے اور حق بات کے قبول کرنے سے یہ لوگ منہ موڑتے ہیں اگر آخرت کا خوف ان کے دل میں ہوتا اور یہ اس بات کو سمجھ لیتے کہ آخرت میں اکیلے اللہ سے کام پڑنے والا ہے دنیا کی مالداری اور یہ بت وہاں کچھ کام نہ آدیں گے تو پھر آخرت کی درستی کی کسی بات کے ماننے میں ان کی کڑائی باقی نہ رہتی لیکن ان کے آخرت کے انکار سے اللہ تعالیٰ کے انتظام میں کچھ فرق نہیں آتا ان کے دل کی چھپی ہوئی کڑائیاں اور ان کے ہاتھ پیر کے ظاہری سب کام اُس کو معلوم ہیں اور اس طرح کی کڑائی کرنے والے لوگ اُس کو بالکل ناپسند ہیں اس لئے عقبیٰ میں یہ لوگ اپنے کئے کی پوری سزا پاویں گے مشرکین مکہ اپنی مالداری کے غرور میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ کے مسلمانوں کو حقیر جانتے تھے چنانچہ سورت الزخرف میں آوے گا کہ ولید بن مغیرہ اور عروہ بن مسعود ان دو مالدار شخصوں کا حوالہ دے کر کہا کرتے تھے کہ اگر نبوت سچی ہوتی تو ان مالدار دونوں شخصوں میں سے کسی کو ہوتی اور تنگدست مسلمانوں کو دیکھ کر یہ کہا کرتے تھے کہ اگر دین اسلام سچا ہوتا تو ان تنگدست لوگوں کے اسلام لانے سے پہلے ہم مالدار لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوتے کیوں کہ اللہ نے اپنی مہربانی سے جس طرح ہم کو دنیا میں خوشحال کیا ہے عقبیٰ میں بھی ہم اُس کی مہربانی کے زیادہ مستحق ہیں چنانچہ اس کا تفصیلی ذکر سورت الاحقاف میں آوے گا مشرکوں کی اس بات کا جواب تو اللہ تعالیٰ نے سورت الزخرف میں یہ دیا ہے کہ دنیا فانی کا مال و متاع اللہ کے نزدیک کچھ قابل قدر چیز نہیں ہے اس لئے اُس کو اللہ کی مہربانی کا نتیجہ خیال کرنا بڑی غلطی ہے اور یہاں اتنا ہی فرمایا کہ ان لوگوں کی مالداری کے غرور نے ان کو عقبیٰ کی باتوں کے انکار پر آمادہ کیا ہے پہلے صاحب شریعت نبی نوح علیہ السلام

لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْٓا

وہ نہیں چاہتا غرور کرنے والوں کو اور جب کہے اُن کو کیا اُتارا ہے تمہارے رب نے کہیں

اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾

نقلیں ہیں پہلوں کی

سے لے کر فرعون تک جو پہلی امتیں اسی طرح کے غرور کی باتوں کے سبب سے غارت ہوئیں جن کے قصے پہلے گزر چکے ہیں وہ سب قصے ان اللہ لا یحب المستکبرین کی گویا تفسیر ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے مغرور لوگوں کو پسند نہیں کرتا اس لئے اُس نے ایسی بہت سی پہلی امتوں کو طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک کر دیا۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کے مالدار گنہگار لوگوں کو قیامت کے دن جب دوزخ میں ڈالا جاوے گا تو دوزخ میں ڈالتے ہی فرشتے ان سے پوچھیں گے کہ دنیا کی جس مالداری کے غرور نے تم کو عقبیٰ کے اس عذاب سے غافل رکھا آج اس عذاب کے آگے اس مالداری کی راحت تمہیں کچھ یاد ہے یہ لوگ قسم کھا کر جواب دیں گے کہ نہیں۔ اسی طرح نیک تنگدست لوگ جب جنت میں جا دیں گے تو اُن سے بھی فرشتے پوچھیں گے کہ جنت کی ان نعمتوں کے آگے دنیا کی تنگدستی تمہیں کچھ یاد ہے کہ نہیں تو وہ لوگ بھی قسم کھا کر جواب دیویں گے کہ نہیں[1] اس حدیث کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان مشرکوں کو جس مالداری کے غرور نے عقبیٰ کی باتوں سے غافل رکھا عقبیٰ کے عذاب کے آگے وہ مالداری ان کو یاد بھی نہ رہے گی اور جن تنگدست مسلمانوں کو یہ مشرک حقیر جانتے تھے اور وہ مسلمان اپنی تنگدستی پر صبر کرتے تھے اللہ تعالیٰ عقبیٰ میں ان کو جنت کی وہ نعمتیں دیوے گا کہ ان کو بھی دنیا کی وہ تنگدستی بالکل خواب و خیال ہو جاوے گی۔

۲۴ ــ معتبر سند سے تفسیر ابن ابی حاتم میں قتادہ کے قول کے موافق جو شانِ نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اُس کا حاصل یہ ہے کہ حج کے موسم میں دور دور سے لوگ مکہ میں آتے تھے جس سے قریش کو ڈر ہوا کہ باہر کے لوگ آنحضرت کی باتیں اور قرآن شریف کی نصیحت کو سن کر بت پرستی چھوڑ دیں گے اس لئے قریش نے مکہ کے چاروں طرف لوگ بٹھلا دئے تھے اور ان سے کہہ دیا تھا کہ جو کوئی قرآن شریف کا حال پوچھے تو کہہ دینا کہ پہلے لوگوں کی ایک کہانی ہے[2] وہ یہی کہہ دیتے تھے اور جب وہ باہر کے لوگ مکہ کے اندر آتے تو جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے وہ قرآن شریف کی بہت تعریف کرتے تھے اسی ذکر میں اللہ تعالیٰ نے آیت کا یہ ٹکڑا اور اگلا ٹکڑا نازل فرمایا جس میں قرآن شریف کی تعریف کرنے والوں کا ذکر ہے۔ اس آیت کے دوسرے ٹکڑے میں اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا ہے کہ جو لوگ اوروں کو بہکاتے ہیں اُن پر قیامت میں دوگنا عذاب ہوگا ان کے گناہوں کا جدا ہوگا اور بہکانے کا جدا ہوگا اس کی صراحت اُس حدیث میں بھی ہے جو حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے آگے آتی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس شخص نے کوئی ہدایت کا کام لوگوں میں پھیلایا اُس کو اُس کی نیکی کا اجر بھی خدا دیوے گا اور اُس کے ہدایت کے سبب سے جتنے لوگ نیک راہ لگیں گے اور اجر پاویں گے اسی قدر اجر اس کو بھی خدا اپنے پاس سے دیوے گا

[1] مشکوٰۃ ص ۵۰۲ باب صفۃ الجنۃ واہلہا۔ [2] تفسیر الدر المنثور ص ۱۱۶ ج ۴۔

لِيَحْمِلُوٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ

کہ اٹھاویں بوجھ اپنے پورے دن قیامت کے اور کچھ بوجھ اُن کے جن کو بہکاتے ہیں

بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى

بے تحقیق سنتا ہے بڑا بوجھ ہے جو اٹھاتے ہیں دغا کر چکے ہیں اُن سے اگلے پھر پہنچا

ع ۳ / ۹

دیوے گا نیک راہ پر آنے والوں کا ثواب کچھ نہیں گھٹنے کا یہی حال بدی کے پھیلانے والے شخص کی سزا کا ہے غرض اس حدیث میں صاحب وحی صلے اللہ علیہ وسلم نے جب آیت کے معنے کی صراحت فرمادی ہے تو اب یہ شبہ باقی نہ رہا کہ یہ آیت وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى کے مطلب کے ساتھ کیوں کر موافق ہے کس لئے کہ بدی پھیلانے والے نے دو کام کئے تھے ایک خود بدی کی دوسرے اوروں کو بدی کی راہ سے لگایا اس لئے اس کو دونوں طرح کے عملوں کی سزا ملی کسی دوسرے کا بوجھ اُس پر نہیں ڈالا گیا اس لئے یہ آیت سورت والنجم کی آیت اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى کے مخالف نہیں ہے کیوں کہ اوپر کی حدیث میں صاف یہ آچکا ہے کہ بہکنے والوں کے گناہ جوں کے توں رہویں گے۔

۲۵۔ اس سے پہلے کی آیت میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ مشرکین کہ اجنبی لوگوں کے بہکانے کی غرض سے قرآن شریف کو کہتے تھے کہ یہ پہلے اہل کتاب کی کتابوں سے چن چن کر پہلے لوگوں کی کہانیاں بنالی ہیں اس لئے فرمایا جو لوگ ایسی باتیں کہہ رہے ہیں اس کا بدلہ ان کو آخرت میں ملے گا اپنے گناہ کا بوجھ بھی بھرپور اٹھائیں گے اور جن لوگوں کو بہکا رکھا ہے اُن کے گناہ کا بوجھ بھی ان کے کاندھے پر ہوگا اور یہ بہت ہی بڑا بوجھ ہوگا کہ ان کو اپنے بُرے کاموں کی بھی سزا ہوگی اور ساتھ ان کے پیروی کرنے والوں کے بداعمال کی بھی۔ صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ کی ایک حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص لوگوں کو ہدایت کی طرف بلاتا ہے اُس کو اسی قدر اجر ملے گا جتنا اُس کی پیروی کرنے والوں کو ملے گا اور پیروی کرنے والوں کے اجر میں سے کچھ بھی کمی نہ ہوگی اور جس نے گمراہی کی طرف لوگوں کو بلایا اُس پر اُتنا ہی گناہ ہے جتنا اس کے تابعداروں پر ہوگا اور ساتھ اس کے تابعداروں سے بھی کوئی گناہ کم نہیں کیا جائے گا[1] صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ اور ابوسعیدؓ خدری سے روایتیں ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایماندار شخص کو کسی بیماری کی یا اور کسی طرح کی دنیا میں تکلیف پہنچے تو اس سے اس شخص کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں[2] آیت کے ٹکڑے لِيَحْمِلُوٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ کو اور اس حدیث کو ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ مشرکوں کے نامہ اعمال میں قیامت کے دن وہ معافی کہیں نظر نہ آوے گی جس کا ذکر حدیث میں ہے بلکہ مشرکوں کو ہر قسم کے گناہوں کی پوری سزا ملے گی۔

۲۶۔ تفسیر مقاتل بن حیان تفسیر عبدالرزاق اور تفسیر ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عباس اور زید بن اسلم سے روایت ہے کہ یہ نمرود کی عمارت کا حال[3] ہے۔ پانچ ہزار گز اونچی ایک عمارت بابل میں نمرود نے اس ارادہ سے بنائی تھی کہ آسمان پر چڑھ کر خدا سے مقابلہ اور لڑائی کرے آخر سخت آندھی اور زلزلہ سے وہ عمارت گری اور ہزاروں آدمی

[1] مشکوٰۃ ص ۲۹ باب الاعتصام بالکتاب والسنہ [2] الترغیب ص ۲۶۵ ج ۲ الترغیب فی الصبر الخ [3] تفسیر ابن کثیر ص ۵۶۶ ج ۲ والدر المنثور ص ۱۱۷ ج ۴۔

اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰهُمُ

اللہ اُن کی چنائی پر نیو سے پھر گر پڑی اُن پر چھت اوپر سے اور آیا ان پر

الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَ

عذاب جہاں سے خبر نہ رکھتے تھے پھر قیامت کے دن رسوا کرے گا ان کو اور

نمرود کے لشکر کے دب کر مر گئے چار سو برس تک نمرود زمین میں بڑے بڑے ظلم اور ستم کرتا رہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا طرح طرح کے جبر کر کے لوگوں کو ملت ابراہیمی سے روکتا رہا آخر اس ذلت سے ہلاک ہوا کہ حکم الٰہی سے مچھر اُس کی ناک کے نتھنے سے دماغ میں گھس گیا ہر وقت وہ مچھر اُس کے دماغ میں کاٹتا تھا اور وہ لوگوں سے تسکین کے لئے اپنے سر پر جوتیاں مار مار کر سر پٹواتا تھا جتنے عرصہ تک اُس نے دنیا میں ظلم کیا تھا وہی چار سو برس کے عرصہ تک جوتیاں کھاتا اور ذلت سے جیتا رہا پھر ہلاک ہو گیا اس قصہ کے ذکر فرمانے میں قریش کو یہ تنبیہ ہے کہ یہ لوگ اپنے دعوے میں جس ملت ابراہیمی پر اپنے آپ کو بتلاتے ہیں جس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کو اُس ملت ابراہیمی کا دنیا میں پھیلانا منظور تھا اتنے بڑے جابر صاحب حکومت بادشاہ نمرود نے ملت ابراہیمی کا پھیلنا روکا آخر کو ذلت پائی اور ملت ابراہیمی ایسی پھیلی کہ آج تک موجود ہے اب دین محمدی کا پھیلانا اللہ کو منظور ہے تم جو موسم حج میں مکہ کے ناکوں پر آدمی بٹھا کر باہر سے جو لوگ مکہ میں آتے ہیں اُن کو بہکاتے ہو اور دین محمدی کے اختیار کرنے والوں کو روکتے ہو دیکھو نمرود کی طرح ذلت اٹھاؤ گے اور آخر ہو گا وہی جو اللہ کے ارادہ میں ہے اللہ سچا ہے اور اللہ کا وعدہ سچا ہے آخر وہی ہوا کہ مکہ میں دین محمدی کے روکنے والے جتنے شخص تھے ابوجہل ولید بن مغیرہ وغیرہ یہ سب ذلت کی موت سے مارے گئے اور آخرت کا عذاب اپنے سر لے گئے اور دین محمدی کو جو عروج ہوا وہ سب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ اور جن بتوں کی حمایت کے جوش میں یہ مشرک لوگ دین محمدی کا پھیلنا نہیں چاہتے تھے فتح مکہ کے دن ان کی جو ذلت ہوئی اس کا قصہ صحیح بخاری کی عبداللہؓ بن مسعودؓ کی اور صحیح مسلم کی ابوہریرہؓ کی روایتوں سے گزر چکا ہے[1]۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعری کی روایت اوپر گزر چکی ہے[2] جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جب تک چاہتا ہے ظالم لوگوں کو ظلم سے باز آنے کے لئے مہلت دیتا ہے پھر جب پکڑ لیتا ہے تو بالکل ہلاک کر دیتا ہے اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ چار سو برس تک اللہ تعالیٰ نے نمرود کو مہلت دی لیکن جب وہ اس مہلت میں اپنے ظلم و ستم سے باز نہ آیا تو اس کو اس ذلت سے ہلاک کر دیا جس کا ذکر اوپر گزرا۔ وَاَتٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو عمارت نمرود نے بڑی مضبوطی سے بنائی تھی اس کا ایسی جلدی گر جانا اور نمرود جیسے صاحب حکومت صاحب لشکر بادشاہ کا اس طرح کی ذلت و خواری سے ہلاک ہونا اُس وقت کے لوگوں کی سمجھ سے باہر ایک بات تھی۔

۲۷ — اللہ پاک نے فریب سے دین الٰہی کے روکنے والوں کا نتیجہ جو کچھ دنیا میں ہوا اُس کو بیان کر کے انہیں مکاروں کا آخرت کا حال یہ بیان کیا کہ یہ لوگ قیامت کے دن بہت ذلیل و رسوا ہوں گے اللہ پاک ان کی مکر کی باتوں کو اور اُن

---

[1] جلد ہذا ص ۲۳۵ - ۲۵۵ - ۲۶۱ [2] صحیح بخاری ص ۶۷۸ ج ۲ وکذلک اخذ ربک اذا اخذ القریٰ۔

يَقُولُ أَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِينَ كُنتُمْ تُشَاقُّونَ فِيهِمْ قَالَ الَّذِينَ أُوتُوا

کہے گا. کہاں ہیں میرے شریک جن پر تم ضد کرتے تھے بولیں گے جن کو خبر ملی

الْعِلْمَ إِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوٓءَ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿۲۷﴾ الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ

تھی بیشک رسوائی آج کے دن اور برائی منکروں پر ہے جن کی جان لیتے ہیں

بھیدوں کو جو اُن کے دل میں پوشیدہ ہوں گے اپنی ساری مخلوق کے سامنے ظاہر کر دے گا صحیحین میں ابن عمر رضی ایک حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ہر ایک دغاباز کا جھنڈا اُس کے ساتھ ہوگا اور اس کے قریب کے جب جب کہا جائے گا یہ فلاں شخص کا فریب[1] ہے پھر اللہ تعالیٰ اِن دغابازوں سے یہ کہے گا کہ وہ کہاں ہیں جنہیں تم نے اللہ کا شریک ٹھہرایا تھا اور ان کی حمایت میں اللہ کے رسولوں کے ساتھ جھگڑا کرتے تھے اور جن کی وجہ سے تم مسلمانوں سے لڑا کرتے تھے اب انہیں بلاؤ وہ کہاں گئے تمہاری مصیبت کے وقت مدد کرنے نہیں آتے پھر جب اُن پر حجت تمام ہو چکے گی تو نیک لوگ بطور طعن و تشنیع کے کہیں گے بیشک آج کی رسوائی اور ذلت کفاروں ہی کے واسطے ہے. مفسروں نے اختلاف کیا ہے کہ اِس بات کے کہنے والے کون لوگ ہوں گے بعضوں نے یہ بیان کیا ہے کہ علما ہوں گے جو اپنی قوم کو وعظ و نصیحت کر کے سمجھایا کرتے تھے اور قوم کے لوگ نہیں مانتے تھے اس روز ان کی رسوائی اور ذلت دیکھ کر وہ علماء کہیں گے کہ ہماری نصیحت نہ مانی کفر پر جمے رہے آج دیکھ لیا کہ کیسی ذلت ہو رہی ہے اور بعضے مفسروں نے یہ بیان کیا ہے کہ اِس کلام کے کہنے والے انبیاء علیہم السلام ہوں گے وہاں کہیں گے کہ ہماری باتیں تم نے نہیں مانیں خدا کے ساتھ بتوں کو شریک ٹھہرایا اور کفر کیا اب دیکھ لیا کیسی رسوائی ہو رہی ہے اور بعضوں نے یہ کہا ہے کہ کہنے والے اِس قول کے فرشتے ہوں گے انہیں طعنہ دے کر غصہ دلانے کو یہ بات کہیں گے. صحیح قول یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ انبیاء عام ایماندار سب کے منہ سے یہ بات نکلے گی. صحیح بخاری مسلم ترمذی اور ابو داؤد میں حضرت عائشہ رضہ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو جن لوگوں پر عذاب کرنا منظور ہوگا اُن کا حساب بڑی کرید سے لیا جاوے گا[1] اِس حدیث کو آیت کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ کفر و شرک ریاکاری اور بدعت کے حساب کی کرید میں اسی طرح کے سوالات کئے جاویں گے جس طرح مثلاً اس آیت میں مشرکوں سے سوال کیا گیا کہ وہ جھوٹے معبود کہاں ہیں تمہاری مصیبت کے وقت تم کو مدد کیوں نہیں دیتے۔

۲۸۔ اِس آیت کے ٹکڑے میں بد لوگوں کی اور اُس سے آگے جو ٹکڑا ہے اُس میں نیک لوگوں کی قبض روح کا حال ہے دونوں طرح کی روحوں کے قبض ہونے کے حال میں معتبر سند سے ابوداؤد و نسائی ابن ماجہ اور مسند امام احمد بن حنبل میں براءؓ بن عازب وغیرہ سے جو روایتیں آئی ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ بد لوگوں کی قبض روح کے لئے خوفناک صورت کے فرشتے آتے ہیں اور عذاب قبر اور عذاب قیامت کا حال اِس قریب المرگ شخص کی روح کو سناتے ہیں اِس حال کو سن کر وہ

[1] صحیح بخاری ص ۱۰۵۲ ج ۱ باب اثم الغادر للبر والفاجر مشکوٰۃ ص ۴۸۵ باب الحساب والقصاص والمیزان۔

الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۖ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ۭ بَلٰٓى

فرشتے اور وہ برا کر رہے ہیں اپنے حق میں تب آگریں گے اطاعت کر ہم تو کرتے نہ تھے کچھ برائی کیوں نہیں

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾

اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے تھے

روح ڈرتی ہے اور جگہ جگہ بدن میں چھپتی ہے وہ فرشتے روح کو بدن سے نکالنے کی غرض سے اس بد شخص کے منہ اور اُس کی پیٹھ پر بری بری طرح سے مارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خبیث جان اب بدن سے نکل اللہ کا غضب اور عذاب تیرے لئے تیار ہے آخری قبض روح کے وقت کی سختی کی مثال حدیث میں یہ ہے کہ جس طرح بھیگی ہوئی اُون میں گرم سینخچا چلا کر نکالا جاوے اور نمی کے سبب سے اُن کے سب بال سینخچہ کو لپٹ جاتے ہیں اور سوکھی اُون کے بالوں کی طرح اُڑ کر کوئی بال جلنے سے نہیں بچ سکتا اسی طرح بدن کے رونگٹے رونگٹے کو تکلیف پہنچ کر بد آدمی کی روح نکلتی ہے روح کے نکلتے ہی زمین پر ایک طرح کی بدبو پھیلتی ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بدبو کا ذکر فرماتے وقت ناک کو کپڑا لگا لیا تھا کہ گویا بدبو آ رہی ہے اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ جب اس حدیث میں بدبو کے ذکر کی روایت کرتے تھے تو ناک کو کپڑا لگا لیا کرتے تھے اسی طرح اس بدبو کے پھیلنے سے آسمان کے فرشتوں کو ایک طرح کی اذیت ہوتی ہے اور آسمان کے فرشتے اس روح کو بہت برا کہتے ہیں اور یہ قبض روح والے فرشتے اس روح کو ایک ٹاٹ کے ٹکڑے میں لپیٹ کر خدا تعالےٰ کے روبرو لے جانا چاہتے ہیں مگر آسمان کے دروازے کھلنے کا حکم نہیں ہوتا اور اس روح کو پھر جسم میں لایا جا کر منکر نکیر کا سوال ہوتا ہے اور جواب پورا نہ ہونے سے سجین مقام میں جو ساتویں زمین کے نیچے ہے اس روح کا نام لکھ لیا جاتا ہے اور طرح طرح کا عذاب قبر شروع ہو جاتا ہے جس سے اللہ ہر ایک مسلمان کو محفوظ رکھے ایک بد صورت شخص قبر میں آن کر مردے سے کہتا ہے کہ آج وعدے کا دن ہے۔ مردہ کہتا ہے۔ تجھ کو خدا کی مار تو کون ہے وہ کہتا ہے میں تیرا بد عمل ہوں۔ غرض یہ ہمیشہ عذاب قبر میں مبتلا رہتا ہے اور دعا مانگتا رہتا ہے کہ قیامت دیر میں قائم ہو تاکہ اس سے زیادہ عذاب میں نہ پھنسوں نیک لوگوں کی قبض روح کے وقت خوبصورت فرشتے آتے ہیں اور جنت کی خوشبو کا بسا ہوا ایک ریشمی کپڑے کا ٹکڑا لاتے ہیں اور روح کو اللہ کی رضامندی اور جنت کی نعمتوں کی خوشخبری سناتے ہیں مثال کے طور پر حدیث میں فرمایا ہے کہ جس طرح پانی کی بھری ہوئی مشک میں سے پانی کے قطرے جلدی جلدی مشک کے دہانے سے ٹپک کر نکل جاتے ہیں اللہ کی رضامندی اور جنت کی نعمتوں کا حال سن کر اس طرح پھرتی اور آسانی سے تمام جسم کی نیک روح اکٹھی ہو کر جھٹ بدن سے نکل جاتی ہے اور اس کے نکلتے ہی ایک خوشبو آسمان کے فرشتے تک پہنچتی ہے جس کو سونگھ کر آسمان کے فرشتے آپس میں کہتے ہیں آج کوئی نیک روح بدن سے الگ ہوئی ہے اسی کی یہ خوشبو ہے اور آسمان کے ہر دروازے کے فرشتے یہ آرزو کرتے ہیں کہ ہماری طرف سے یہ روح آ دے تو اچھا ہے قبض روح کے والے فرشتے اس روح کو اس ریشمی خوشبودار کپڑے میں لپیٹ کر جب آسمان پر لے جاتے ہیں تو ہر ایک آسمان کے فرشتے اپنے ملکے تک اس روح کے ساتھ جاتے ہیں بڑی عزت سے اس شخص کا نام لیتے ہیں جس کی یہ روح ہے یہاں

فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ (۲۹)

سو پیٹھو دروازوں میں دوزخ کے رہا کرو اس میں سو کیا برا ٹھکانا غرور کرنے والوں کا

تک کہ اللہ کے روبرو اس روح کو لے جاتے ہیں وہ روح اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس روح کو علیین میں لکھ لو علیین ساتویں آسمان پر ایک مقام ہے پھر وہ روح جسم میں لائی جاتی ہے اور منکر نکیر کے سوال و جواب کے وقت وہ ثابت قدمی اللہ کی طرف سے عنایت ہوتی ہے جس کا ذکر اوپر گزرا اور منکر نکیر کا جواب پورا ادا ہو جاتا ہے تو ایک خوب صورت ایک شخص قبر میں اس نیک مردہ کے پاس آتا ہے یہ نیک مردہ اس شخص سے پوچھتا ہے تو کون ہے وہ کہتا ہے میں تیرا نیک عمل ہوں حاصل کلام یہ ہے کہ تمام اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ آدمی کے مر جانے کے بعد روح فنا نہیں ہوتی بلکہ اچھی روحیں طرح طرح کے جانوروں کی شکل میں جنت میں چرتی پھرتی ہیں اور بری روحیں عذاب میں گرفتار رہتی ہیں لیکن اچھی روحیں قیامت کے قائم ہونے کی دعا مانگتی رہتی ہیں کیونکہ آدمی کے بھیس میں آن کر خاص مکان اور ہر طرح کا عیش تو ان کو قیامت کے قائم ہونے کے بعد ملے گا بالفعل تو وہ جنت میں اس طرح ہیں جس طرح کوئی اوپری جانور کسی باغ میں ہوتا ہے اگرچہ بعضے علماء نے یہ کہا ہے کہ قیامت سے پہلے سوا شہیدوں کے اور کوئی روح جنت میں نہ جاوے گی لیکن حدیث شریف میں عام مسلمانوں کی روحوں کے جنت میں رہنے کا ذکر قیامت سے پہلے آ چکا ہے چنانچہ معتبر سند سے نسائی موطا اور بیہقی کی کتاب بعث و نشور میں کعبؓ بن مالک کی روایت[1] میں اس کا ذکر صراحت سے ہے۔ شہیدوں کی روحوں اور عام ایمانداروں کی روحوں میں فرق اسی قدر ہے کہ عام ایمانداروں کی روحیں پیدل شخص کی طرح جانوروں کی شکل سے جنت میں جاویں گی اور شہیدوں کی روحیں سوار شخص کی طرح سبز جانوروں کے پوٹے میں ہوں گی جس کا ذکر مسند امام احمد وغیرہ کی حضرت عبداللہؓ بن عباس کی صحیح روایت میں ہے[2] فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْۗءٍ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ آخر وقت پر عذاب کے فرشتوں کو دیکھ کر اپنے آپ کو فرمانبردار ٹھہرا کر نافرمانی کا انکار کریں گے مگر اللہ تعالیٰ اپنے علم سے ان کے اس انکار کو جھٹلا دے گا۔

۲۹۔ جب کفار قیامت کے دن قسمیں کھا کر یہ بات کہیں گے کہ ہمیں تو کچھ بھی خبر نہیں کہ ہم برے عمل کرتے تھے اور اللہ پاک ان کے جواب میں کہے گا کہ ہاں تم برے عمل جو کرتے تھے ان کا حال اللہ کو خوب معلوم ہے پھر اس جواب و سوال کے بعد انہیں حکم ہوگا کہ جہنم کے دروازوں میں تم داخل ہو جاؤ اور ہمیشہ ہمیشہ کو بس اسی میں رہو اور یہی برا ٹھکانا تکبر اور غرور کرنے والوں کا ہے جو خدا اور رسول کی باتوں کو جھٹلایا کرتے تھے اور اپنی مالداری کے گھمنڈ میں رہے اور بت پرستی سے باز نہ آئے کفار جس وقت مرتے ہیں اسی وقت سے ان کو عذاب قبر کی سختی صبح شام دوزخ میں ان کا ٹھکانا دکھائے جانے کی سختی ہے اور پھر قیامت کے دن وہ دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے جس کے بعد کوئی تخفیف ان کے عذاب میں نہ ہوگی اور نہ کسی تکلیف سے ان کی جان نکلے گی سختی ایسی ایسی ان پر کی جائے گی

[1] الترغیب ص ۲۸۹ – ۲۹۰ ج ۲ ما جاء فی عذاب القبور و نعیمہ و سوال منکر نکیر [2] شرح الصدور ر ر (از سیوطی) ص ۹۲ – ۹۷ ۱۲

وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوا خَيْرًا لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي

اور کہا پرہیزگاروں کو کیا اتارا تمہارے رب نے بولے نیک بات جنہوں نے بھلائی کی اس

هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ ﴿۳۰﴾

دنیا میں اُن کو بھلائی ہے اور پچھلا گھر بہتر ہے اور کیا خوب گھر ہے پرہیزگاروں کا

جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُمْ فِيهَا مَا

باغ ہیں رہنے کے جن میں وہ جاویں گے بہتی ہیں اُن کے نیچے نہریں اُن کو وہاں ہیں جو

يَشَاءُونَ كَذَلِكَ يَجْزِي اللَّهُ الْمُتَّقِينَ ﴿۳۱﴾ الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ

چاہیں ایسا بدلا دے گا اللہ پرہیزگاروں کو جن کی جان لیتے ہیں فرشتے

کہ گویا اب مرے اور اب مرے مگر مرنے کے نہیں کیوں کہ اُس روز موت ذبح کر دی جاوے گی چنانچہ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے موت کے ذبح کئے جانے کا ذکر ایک جگہ گزر چکا ہے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے حضرت عبداللہؓ بن عباس کی حدیث بھی ایک جگہ گزر چکی ہے کہ کم سے کم عذاب والے شخص کے پیروں میں دوزخ کی آگ کی جوتیاں پہنا دی جاویں گی جس سے اُس شخص کا بھیجا پگل کر نکل پڑے گا زیادہ عذاب والے دوزخی کی تکلیف کا حال اس حدیث کی مثال سے سمجھ میں آسکتا ہے۔

۳۰ ـ ۳۲ ـ نافرمان لوگ اللہ کے رسول اور قرآن کی شان میں جو کہتے تھے اُس کے ذکر کے بعد ان آیتوں میں اللہ پاک نے متقی اور ایمان والوں کا حال بیان فرمایا کہ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا چیز اتاری ہے تو جواب دیتے ہیں کہ نیک باتیں۔ پھر اللہ جل شانہ نے یہ فرمایا کہ جس نے بھلائی کی اُس کے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے ایک نیکی کا بدلہ دس دس سے سات سات سو یا اس سے بھی دوگونہ جتنا خدا چاہے دے گا پھر فرمایا کہ اس سے بھی بہتر آخرت کا گھر ان کے واسطے تیار ہے پھر فرمایا کہ متقیوں کا انجام کیا ہی اچھا ہے کہ وہ لوگ دنیا میں آخرت کی پونجی جمع کرتے ہیں اور آخرت کا گھر جس میں یہ لوگ داخل ہوں گے اُس میں ہر ہر جگہ موقع و محل سے نہریں جاری ہیں اور اس سے بڑھ کر کیا نعمت ہو سکتی ہے کہ جنت والے جس چیز کی خواہش کریں گے وہاں موجود پائیں گے بخلاف دنیا کے کہ یہاں جس چیز کی خواہش انسان کرتا ہے اور جن جن باتوں کا ارادہ کرتا ہے وہ کل کی کل نہیں پوری ہوتیں اکثر اوقات انسان کی دلی تمنا کے خلاف ظہور میں آتا ہے یہ باتیں وہاں نہیں ہونے کی وہاں تو جس بات کا انسان ارادہ کرے گا وہ فوراً ظہور میں آجاوے گی ذرا بھی دیر نہ لگے گی۔ پھر اللہ پاک نے موت کے وقت کو بیان فرمایا کہ جب فرشتے مومن کی روح قبض کرنے آتے ہیں تو یہ لوگ کفر و شرک کے میل کچیل سے بالکل پاک صاف ہوتے ہیں اس لئے وہ موت کا کچھ بھی خوف دل میں نہیں لاتے بلکہ خوش ہوتے ہیں اور فرشتے آتے ہی ان کو سلام کہتے ہیں اور خدا کی طرف سے بھی سلام پہنچاتے ہیں اور جنت کی بشارت دیتے ہیں کہ دنیا میں تم نے جو کچھ اچھے اچھے کام کئے ہیں اُس کے عوض میں اب جنت میں تم داخل ہو گے براء بن العازبؓ کی پوری

۱؎ صحیح بخاری ص ۹۶۹ ج ۲ باب صفۃ الجنۃ والنار الخ۔

۲؎ مشکوٰۃ ص ۵۰۲ باب صفۃ النار و اہلہا بحوالہ بخاری

طَيِّبِينَ يَقُولُونَ سَلَٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۳۲﴾
اور وہ ستھرے ہیں اُن کو کہتے ہیں سلامتی ہے تم پر جاؤ بہشت میں بدلا اُس کا جو تم کرتے تھے

هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمُ الْمَلَٰٓئِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ أَمْرُ رَبِّكَ كَذَٰلِكَ
اب کچھ راہ نہیں دیکھتے ہیں مگر یہی کہ آویں اُن پر فرشتے یا پہنچے حکم تیرے رب کا اسی طرح

فَعَلَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِن كَانُوٓا أَنفُسَهُمْ
کیا اُن سے اگلوں نے اور اللہ نے ظلم نہ کیا ان پر لیکن وہ اپنا بُرا کرتے

يَظْلِمُونَ ﴿۳۳﴾ فَأَصَابَهُمْ سَيِّـَٔاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا
رہے پھر پڑے اُن پر اُن کے بُرے کام اور الٹ پڑا اُن پر جو

بِهِۦ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۳۴﴾
ٹھٹھا کرتے تھے

ع ۵ / ۱۰

حدیث کا مطلب جو اوپر[1] بیان ہو چکا ہے اس میں سے نیک لوگوں کے حال کا ٹکڑا آیت کے اس ٹکڑے کی گویا تفسیر ہے۔

۳۳-۳۴- یہ جواب ہے منکرین نبوت کے دوسرے اعتراض کا فرمایا کہ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ چاہتے ہیں کہ کوئی فرشتہ آسمان سے آکر اُن کی نبوت کی تصدیق کرے تو یہ لوگ ایمان لائیں۔ حالانکہ فرشتوں کو اصلی صورت میں دیکھنا انسان کی طاقت سے باہر ہے اور ایک مطلب یہ بھی ہے کہ جب کفار نے قرآن کی نسبت یہ کہا کہ یہ تو پہلوں کی نقل ہے کوئی نئی بات نہیں ہے تو اللہ پاک نے انہیں ڈرایا کہ یہ لوگ فرشتوں کے آنے کی راہ دیکھتے ہیں کہ وہ آن کر ان کی ارواح قبض کریں یا اس بات کے منتظر ہیں کہ خدا کا عذاب ان پر آجائے۔ پھر فرمایا کہ اسی طرح ان سے پہلے بھی لوگوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور خدا نے انہیں ہلاک کیا اور ان کا ہلاک کر دینا کوئی خدا کی طرف سے ظلم نہیں ہوا بلکہ ان لوگوں نے آپ اپنی جانوں پر ظلم کیا کہ انبیاء علیہم السلام اور کلام الٰہی کو جھٹلایا۔ پھر فرمایا کہ ان پہلے لوگوں پر جس طرح عذاب آچکا ہے وہی انجام ان کا ہونے والا ہے۔ صحیح مسلم[2] کے حوالہ سے ابوذرؓ کی حدیث قدسی ایک جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ظلم اپنی ذات پر حرام کر لیا ہے یہ حدیث وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ کی گویا تفسیر ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعری کی حدیث ایک جگہ گزر چکی[3] ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرح کے ظالم نافرمان لوگوں کو جب تک چاہتا ہے مہلت دیتا ہے پھر جب پکڑ لیتا ہے تو بالکل انہیں ہلاک کر دیتا ہے۔ اس حدیث کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ پہلی امتوں کی طرح اگر یہ مشرکین مکہ بھی مہلت کے زمانہ میں اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو پہلی امتوں کی طرح ان پر بھی کوئی آفت آجاوے گی اللہ سچا ہے اللہ کا کلام سچا ہے۔ تھوڑے دنوں کے بعد بدر کی شکست کی آفت جو ان پر آئی صحیح روایتوں کے حوالہ سے اس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔

[1] یعنی ص ۲۱۲ پر [2] صحیح مسلم ص ۱۹۰ ج ۲ باب تحریم الظلم [3] جلد ہذا ص ۲۴۴ وغیرہ۔

وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ

اور بولے شریک پکڑنے والے اگر چاہتا اللہ نہ پوجتے ہم اُس کے سوائے کوئی چیز

نَّحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ كَذَٰلِكَ فَعَلَ

اور نہ ہمارے باپ اور نہ حرام ٹھہرا لیتے ہم اُس کے سوا کوئی چیز اسی طرح کیا

الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿٣٥﴾ وَلَقَدْ

اُن سے اگلوں نے سو رسولوں پر ذمہ نہیں مگر پہنچا دینا کھول کر اور ہم نے

بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ

اٹھائے ہیں ہر امت میں رسول کہ بندگی کرو اللہ کی اور بچو ہڑدنگے سے

۳۵ سے ۳۷ ـ یہ کلام مشرکین مکہ کا مسخراپن کے طور پر تھا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ آپ جو بیان کرتے ہیں کہ ہر ایک بات خدا کی جانب سے ہوا کرتی ہے تو پھر آپ کی رسالت کی کیا ضرورت ہے آپ آتے یا نہ آتے اگر خدا کو منظور ہوتا تو ہم اُس کے سوا کسی بت وغیرہ کی عبادت نہ کرتے اور جس چیز کو اللہ نے ہم پر حلال کیا ہے اپنے اوپر اُس کو ہم حرام نہ ٹھہراتے ماحصل اس کا یہ ہے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں بالکل ٹھیک کر رہے ہیں ہم گمراہ نہیں ہیں بتوں کی پرستش جو ہم کر رہے ہیں یہ سب خدا کی مشیت سے ہے اگر وہ نہ چاہتا تو ہرگز ہرگز یہ کام ہم نہیں کر سکتے۔ پھر اللہ پاک نے کفار مکہ کا یہ کلام نقل کرکے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ آپ اپنے دل میں ان کی باتوں کا کچھ خیال نہ کریں ان سے جو لوگ پہلے گزرے ہیں وہ بھی ایسی ہی باتیں کہا کرتے تھے آپ پر فرض یہی ہے کہ اللہ کا پیغام ان لوگوں تک پہنچا دیں کہ سوائے خدا کے اور کسی کی بندگی نہ کرو باقی رہی ہدایت وہ خدا کے ہاتھ ہے جسے اس کی مشیت مقتضی ہوتی ہے اس کو وہ راہ راست پر لاتا ہے اور جسے چاہتا ہے اُس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے پھر اللہ جل شانہ نے ان کفار کو یہ بات جتلائی کہ اللہ نے ہر امت اور ہر گروہ میں اپنے رسول بھیجے تاکہ اُن کی ہدایت کریں اور یہ بات کہہ دیں کہ تم خدا ہی کی عبادت کرو اور بتوں کی پرستش سے باز رہو اس پر بہتیرے بندے خدا کے ایسے تھے جو ایمان لائے اور اللہ نے انہیں ہدایت کی اور اکثر لوگ گمراہی میں پڑے رہے رسول کی ایک نہ سنی پھر کفار مکہ کو خطاب کرکے فرمایا کہ تم دنیا میں چل پھر کر رسولوں کے جھٹلانے والوں کی حقیقت دریافت کر دیکھو کیا نتیجہ اُن کا ہوا کس طرح خدا نے انہیں ہلاک کیا اور کیسے کیسے عذاب اُن پر نازل کئے قوم نوح سے لے کر فرعون تک رسولوں کے جھٹلانے والوں کی ایک ہی گت ہوئی۔ شرک اللہ کو ناپسند تھا اس لئے ان لوگوں کا انجام اچھا نہیں ہوا اگر ایسا نہ ہوتا تو اُن پر طرح طرح کے عذاب کیوں آتے پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے فرمایا کہ آپ اس بات کی حرص نہ کریں کہ سب کے سب راہ راست پر آجائیں بات یہ ہے کہ علم الٰہی کے موافق یہ لوگ پہلے سرے کے گمراہ ہیں جانتے ہیں کہ اللہ پاک خالق کل کائنات کا ہے اس کو ہر طرح کی قدرت ہے جیسے چاہے ایک گھڑی میں ہلاک کر دے پھر جان بوجھ کر یہ لوگ اپنے باپ دادا کے قدم بقدم ہیں اس لئے پرانی رسم کے چھوڑنے کو گوارا نہیں کرتے۔ سبب اس کا یہ ہے کہ علم الٰہی میں دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے یہ بات قرار پا چکی ہے کہ دنیا

فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۚ فَسِيْرُوْا

سو کسی کو راہ دی اللہ نے اور کسی پر ثابت ہوئی گمراہی سو پھرو

فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ تَحْرِصْ

بیچ زمین کے پس دیکھو کیسا ہوا آخر جھٹلانے والوں کا اور اگر تو للچاوے اُن کو

عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

راہ پہ لانے کو تو اللہ راہ نہیں دیتا جس کو بہکاتا ہے اور کوئی نہیں اُن کا مددگار

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ۭ بَلٰى وَعْدًا

اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی تاکیدی قسمیں کہ نہ اٹھاوے گا اللہ جو کوئی مر جاوے کیوں نہیں وعدہ

میں پیدا ہونے کے بعد بہت سے لوگ دوزخ میں جانے کے قابل کام کریں گے اور شیطان کے بہکانے سے وہی کام اُن کو اچھے نظر آویں گے اس واسطے ایسے لوگوں کی راہ راست پر آنے کی حرص بے فائدہ ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے[1] کہ دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے موافق لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد کتنے آدمی جنت میں جانے کے قابل کام کریں گے اور کتنے دوزخ میں جانے کے قابل اس حدیث کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان آیتوں کے نازل ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے رسول یہ چاہتے تھے کہ قوم کے سب لوگ راہ راست پر آجاویں لیکن بعد اس کے آپ نے فرمادیا کہ دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے علم ازلی کے موافق جنتی اور دوزخی کی تفصیل قرار پا چکی ہے اس لئے جو لوگ علم ازلی میں دوزخ کے قابل ٹھہر چکے ہیں وہ راہ راست پر نہیں آسکتے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے مغیرہؓ بن شعبہ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے[2] جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انجانی کے عذر کا رفع کر دینا اللہ کو بہت پسند ہے اس لئے اس نے ہر زمانہ میں رسول بھیجے یہ حدیث وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اور حضرت علیؓ کی حدیث فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ کی گویا تفسیر ہے اللہ تعالیٰ کے سوا جس چیز کی پوجا کی جاوے اُس کو طاغوت کہتے ہیں۔

۳۸۔ تفسیر ابن جریر تفسیر ابن ابی حاتم اور تفسیر ابن جوزی میں ابی العالیہ سے روایت ہے کہ ایک شخص مسلمان کا ایک شخص مشرک پر کچھ قرضہ آتا تھا وہ مسلمان شخص اُس مشرک سے جب اپنا قرضہ مانگنے گیا تو باتوں باتوں میں کچھ حشر اور قیامت کا ذکر آگیا اُس مشرک نے کہا کہ تم مسلمانوں کو وہم ہو گیا ہے کہ مٹی ہو جانے کے بعد پھر جینا بھی ہے میں قسم کھاتا ہوں کہ مرنے کے بعد پھر جینا نہیں ہے یہ کہہ کر اُس نے بڑی گہری قسم کھائی اُس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی[3] حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ جو لوگ حشر کے منکر ہیں وہ بے وقوف ہیں دنیا میں نیک و بد کی جزا و سزا کا انتظام یہ لوگ آنکھوں سے دیکھتے ہیں پھر ان کے خیال میں یہ بات کیوں کر جم گئی ہے کہ خدا کی بادشاہت میں جزا اور سزا کا دن نہیں ٹھہرا ہے رہا یہ خیال کہ شاید دنیا میں

[1] صحیح بخاری ص ۷۳۸ ج ۲ تفسیر سورہ واللیل۔ [2] تفسیر ہذا جلد دوم ۔ ۲۲۳ و جلد ہذا ص [3] تفسیر ابن جریر ص ۱۰۵ ج ۱۴ و الدر المنثور ص ۱۱۸ ج ۴۔

عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ

ہو چکا ہے اُس پر ثابت لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے اس واسطے کہ کھول دے اُن پر

يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّمَا قَوْلُنَا

جس بات میں جھگڑتے ہیں اور تا معلوم کر لیں منکر کہ وہ جھوٹے تھے ہمارا کہنا

ہی نیک و بد کی جزا اور سزا ہو جاتی ہو یہ خیال غلط ہے آنکھوں کے سامنے بہت سے بد عمر بھر خوشحالی سے گزارتے ہیں اور نیک طرح طرح کی تکلیف سے اسی سے خود معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں جزا سزا ختم نہیں ہے اور یہ شبہ کہ مٹی ہو کر کیوں کر پھر پیدا ہوں گے اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیا کہ اللہ کے حکم میں سب کچھ ہے اُس کے حکم سے جس طرح خلاف عقل پہلے یہ لوگ پیدا ہو گئے دوسری دفعہ پیدا ہونا کیا مشکل ہے دوسری دفعہ کی پیدائش میں لوگ عقل لڑاتے ہیں اپنی پہلی پیدائش کو تو ذرا غور کریں کہ اس میں کون کون سی بات عقل کے موافق ہے۔ بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے حدیث[1] قدسی کی روایت ہے جس کا ٹکڑا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے انسان مجھ کو جھٹلاتا ہے میں کہتا ہوں کہ جزا سزا کے لئے مر کر پھر جینا اور پہلے کی دفعہ کی طرح پھر ایک دفعہ نیست سے ہست سب کو کرتا ہے اور انسان اس کا منکر ہے مسند امام احمد بن حنبل ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں معتبر سند سے بشرؓ بن جحاش سے حدیث قدسی کی روایت[2] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنی ہتھیلی پر تھوک کر لوگوں کو دکھایا اور فرمایا خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس طرح کی ذلیل چیز سے انسان کو میں نے پیدا کیا ہے اور اب انسان کو یہ غرور ہے کہ طرح طرح کی اترانے کی باتیں بناتا ہے اور عمر بھر مال جوڑ جوڑ کر رکھتا ہے مرتے وقت جب خیرات کا وقت ہاتھ سے نکل جاتا ہے تو خیرات کے حصے لگاتا ہے آگے کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ قیامت کے دن اس طرح کی سب باتوں کی پرسش ہر انسان سے کی جاوے گی اور یہ بھی فرمایا ہے کہ زمین پر جیسے جیسے قول اور فعل لوگ کرتے ہیں اگر اُس کا مواخذہ دنیا میں ہی کیا جاوے تو کوئی جاندار زمین پر پھرتا نظر نہ آوے پہلی امتوں کی طرح ایک دم سے سب ہلاک ہو جاویں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی بردباری سے لوگوں کو چھوڑ رکھا ہے چنانچہ صحیحین کی ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث[3] گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی بردبار نہیں ہے لوگ اللہ کا بیٹا ٹھہراتے ہیں اور اللہ اُن کو رزق اور تندرستی دیتا ہے مگر سزا جزا کے لئے ایک دن مقرر ہے اُس کی فکر ہر مسلمان کو لازم ہے۔

۳۹ــ۴۰ــ اوپر کی آیت میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ کفار اس بات پر قسمیں کھاتے تھے کہ مر کر پھر جینا کوئی چیز نہیں ہے جس کا جواب اللہ پاک نے یہ دیا کہ کیا وجہ ہے جو ایسا نہیں ہو سکتا ضرور ضرور قیامت ہو گی اللہ پاک نے وعدہ کر لیا ہے اور اُس کا وعدہ بالکل حق اور سچا ہوتا ہے اس دنیا کے فنا ہو جانے کے بعد پھر اللہ جل شانہ اپنی ساری مخلوق کو زندہ کرے گا یہ مشرک یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کا دن اسی واسطے مقرر کیا ہے کہ دنیا میں لوگ جن باتوں میں اختلاف کیا کرتے ہیں کوئی رسول کی تصدیق کرتا ہے اور کوئی جھٹلاتا ہے کوئی بتوں کو پوجتا ہے کوئی خالص اللہ جل شانہ کو یہ سب حال

[1] جلد ہذا ص ۲۰۳ پر آچکا ہے [2] دیکھئے جلد ہذا ص ۲۱۰ [3] مشکوٰۃ ص ۱۳ کتاب الایمان۔

لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٤٠﴾ وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ

کسی چیز کو جب ہم نے چاہا یہی ہے کہ کہیں اس کو ہو تو وہ ہو جاوے اور جنھوں نے گھر چھوڑا اللہ کے واسطے

مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ

بعد اس کے کہ ظلم اٹھایا البتہ ان کو ہم ٹھکانا دیں گے دنیا میں اچھا اور ثواب آخرت کا تو بہت بڑا ہے

لوگوں پر اس روز کھل جائے گا اور کفار اچھی طرح اپنے کفر کو جان لیں گے کہ دنیا میں یہ لوگ جو اعتقاد رکھتے تھے وہ محض غلط تھا اور بالکل گمراہ ہو رہے تھے پھر یہ ارشاد فرمایا کہ کفار کا یہ اعتراض کہ مرنے کے بعد پھر دوبارہ زندہ کرنا ممکن نہیں ہے بالکل غلط ہے کیوں کہ جس نے پہلے بغیر نمونہ کے ہر شئی کی ایجاد کی اس میں کیا قدرت نہیں ہے کہ اس شئے کے فنا ہو جانے کے بعد پھر اس کو دوبارہ وجود میں لائے یہ بات تو بالکل آسان ہے کہ ایک شئی جس کا وجود ہو چکا ہے پھر اس کو فنا کے بعد ویسا ہی بنا دیا جائے۔ بہت مشکل تو وہ کام ہے کہ جب سرے سے کوئی شئی موجود ہی نہ ہو اور اس کا ڈھانچہ تیار کیا جائے پھر فرمایا کہ اس کی قدرت اور اس کے اختیار کچھ ایسے ویسے نہیں ہیں اس کا تو ارادہ کرنا ہی کافی ہوتا ہے جب وہ کسی شئے کے بنانے کا ارادہ کرتا ہے تو صرف ایک کُن کے حکم سے وہ شئی ظہور میں آ جاتی ہے۔ صحیح بخاری کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت سے حدیث قدسی اوپر گزر چکی ہے[1] جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر انسان سوچے تو پانی جیسی پتلی چیز سے اللہ تعالیٰ نے ماں کے پیٹ میں پتلا بنا کر اس میں روح پھونک دی پھر دوسری دفعہ انسان کی رواں رواں خاک سے اس کے پتلے کے بنانے اور اس میں روح کے پھونکے جانے کی خبر جو میں نے اپنے کلام پاک میں دی تو انسان نے اس کو جھٹلایا یہ ہٹ دھرمی انسان کو زیبا نہیں تھی بعث و نشور بیہقی اور مستدرک حاکم کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباس کی معتبر روایت اوپر گزر چکی ہے[2] کہ ایک شخص عاص بن وائل نے ایک بوسیدہ ہڈی کو مل کر وہ خاک ہوا میں اڑا دی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بڑی بحث کی کہ یہ رواں رواں خاک کہاں سے آوے گی اور اس کا پتلا پھر کیوں کر بنے گا۔ مسند امام احمد ابن ماجہ اور مستدرک حاکم کے حوالہ سے بشر بن جحاش کی معتبر روایت گزر چکی ہے[3] جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہتھیلی پر تھوک کر کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انسان اس تھوک جیسی حقیر چیز سے پیدا ہوا لیکن وہ اپنی حقیقت کو بھول گیا اور حشر کو جھٹلانے لگا اتنا نہیں سمجھتا کہ بغیر حشر کے قائم ہونے اور نیک و بد کی جزا و سزا کے تمام دنیا کا پیدا کرنا بالکل بے ٹھکانے رہتا ہے اور اس طرح کا بے ٹھکانے پیدا کرنا خدا کی شان سے بہت بعید ہے یہ بھی اوپر گزر چکا ہے کہ مرنے کے بعد انسان کی خاک رواں رواں ہو کر جہاں جہاں جاوے گی اس کا سب پتہ اور نشان لوح محفوظ میں لکھا جا چکا ہے۔ ان سب روایتوں کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حشر کا انکار انسان کے حوصلہ سے باہر اور بڑی ہٹ دھرمی اور تمام دنیا کو بلا نتیجہ پیدا کرنے کا الزام اللہ تعالیٰ کے سر لگانا ہے۔

۴۱۔۔۔۴۲۔ اس آیت میں اللہ پاک نے ان لوگوں کی جزا کی خبر دی جنھوں نے محض خدا کے واسطے اپنے گھر بار خویش و اقارب

[1] جلد ہذا ص ۱۴۳۔ ۲۲۰۔ [2] جلد ہذا ص ۱۱ [3] جلد ہذا ص ۲۱۔ ۲۲۰۔

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا

اگر ان کو معلوم ہوتا جو ثابت رہے اور اپنے رب پر بھروسا کیا اور تجھ سے

مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْــَٔـلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا

پہلے بھی ہم نے یہی مرد بھیجے تھے کہ حکم بھیجتے تھے ان کی طرف سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے اگر تم کو

سب کو چھوڑا اس لئے فرمایا کہ ان ہجرت کرنے والوں کو ہم دنیا ہی میں بہت اچھا بدلہ دیں گے اور بہت ہی اطمینان کی جگہ ان کے رہنے کو عطا کریں گے قتادہ کے قول کے موافق یہ آیت اُن مہاجروں کی شان میں اتری ہے جو اول اول مکہ سے ہجرت کرکے ملک حبش میں جا رہے تھے جن کی تعداد کل مرد و عورت ملا کر اسی نفر کے تھی ان کے حق میں اللہ پاک نے ارشاد فرمایا کہ انہیں اچھی جگہ بسنے کو دیں گے لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً کی تفسیر میں حضرت عبداللہؓ بن عباس کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد مدینہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مشرکوں کی ایذا رسانی سے گھبرا کر ابھی تو یہ لوگ حبش کو چلے گئے ہیں لیکن اللہ تعالےٰ ان کے ہمیشہ کے لئے رہنے کا انتظام اُس بستی میں فرما دے گا جس کا نام مدینہ ہے جہاں خوشحالی عزت حکومت سب چیزیں ان کو مل جاویں گے پھر اللہ پاک نے اس دنیا کی جزا کو عقبیٰ کی جزا کے مقابل میں ہیچ ٹھہرا کر فرمایا کہ آخرت میں ان لوگوں کے لئے جو بدلہ جنت میں ہے وہ اس دنیا کی جزا سے کہیں بڑھ کر ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث قدسی ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا جنت میں نیک بندوں کے لئے جو کچھ سامان کیا گیا ہے وہ نہ کسی نے آنکھ سے دیکھا نہ کانوں سے سنا نہ کسی کے دل میں اُس کا تصور گزر سکتا ہے[1]۔ یہ حدیث لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس ثواب آخرت کو اللہ تعالےٰ نے بہت بڑا فرمایا ہے اگر ان ہجرت کرنے والوں کو اُس کا تفصیلی حال معلوم ہو جاتا تو مخالفوں کی ایذا رسانی پر صبر کرنے کی ان کو زیادہ ہمت ہو جاتی لیکن حکمت الٰہی اسی کی مقتضی ہے کہ جنت کی نعمتیں قیامت کے دن ایک ہی دفعہ نیک بندوں کی نظر سے گزریں تاکہ امید سے زیادہ نعمتیں پانے سے اُن کا دل حد سے زیادہ خوش ہو جاوے ابن ماجہ اور صحیح ابن حبان میں عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے کہ بلالؓ عمارؓ صہیبؓ مقدادؓ غرض اس طرح کے غریب مسلمانوں کو مشرکین کر طرح طرح سے ایذا دیتے تھے تاکہ یہ لوگ اسلام سے پھر جاویں لیکن یہ لوگ اسلام پر قائم رہے یہ حدیث الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کی راہ میں مخالفوں کی ایذا رسانی اور گھر بار چھوڑنے کی تکلیف پر صبر کیا اور اُس صبر کے اجر کا بھروسا اللہ پر رکھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو دین و دنیا کی وہ خوبیاں عنایت فرمائیں جن کا ذکر شروع آیت میں ہے۔

۴۳-۴۴۔ حضرت عبداللہؓ بن عباس کہتے ہیں کہ جب اللہ پاک نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا تو اہل عرب نے آپ کی نبوت کا انکار کیا اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ اُس کا رسول آدمی ہو فرشتے کو کیوں نہیں ہمارے پاس رسول بنا کر بھیجا اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی[2] اور فرمایا کہ یہ تو اللہ کی ہمیشہ سے عادت ہے کہ جتنے رسول اُس نے بھیجے ہیں وہ سب آدمی تھے کوئی فرشتہ نہ تھا پھر اس کے بعد مشرکوں کو مخاطب ٹھہرا کر فرمایا کہ اہل کتاب سے دریافت کر لو

[1] مشکوٰۃ ص ۴۹۵ باب صفۃ الجنۃ واھلہا
[2] تفسیر ابن کثیر ص ۵۷۰ ج ۲۔

تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۭ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا

معلوم نہیں بھیجے نشانیاں دے کر اور ورق اور تجھ کو اتاری ہم نے یاد داشت کہ تو کھول دے لوگوں پاس جو

نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾ اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ

اُترا اُن کی طرف اور شاید وہ دھیان کریں سو کیا نڈر ہوئے ہیں جو بُرے داؤں کرتے ہیں کہ

کہ پہلے رسول بھی آدمی تھے یا فرشتے اگر وہ کہیں کہ فرشتے تھے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت تمہارا اعتراض بجا ہے اور اگر وہ کہہ دیں کہ نہیں وہ رسول بھی بشر تھے تو تمہارا انکار آنحضرتؐ کی رسالت کے متعلق بالکل بے جا ہے اللہ پاک نے کفار کو خطاب کر کے اہل کتاب سے سوال کرنے کا حکم اس لئے فرمایا کہ مشرکین مکہ اہل کتاب کو صاحب علم جانتے تھے۔ پھر اللہ پاک نے پہلے رسولوں کے متعلق فرمایا کہ اُن کو ہم نے معجزے اور کتابیں دے کر بھیجا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا کہ ہم نے تمہاری طرف بھی کتاب اتارا ہے تم اسے کھول کر انہیں سمجھاؤ شاید یہ لوگ کچھ فکر کریں اور گمراہی سے نکل کر راہ حق کی طرف آنے کی کوشش کریں۔ صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظلم کی تفسیر شرک کے لفظ سے کی ہے[1]۔ صحیح بخاری میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں اَلسَّبْعُ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمُ کی تفسیر سورت فاتحہ ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے جس میں يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ (۱۴: ۴۸) کی تفسیر میں اللہ کے رسول نے فرمایا ہے کہ زمین جب بدلی جاوے گی تو اُس وقت سب لوگ پلصراط پر ہوں گے یہ حدیثیں اور اس قسم کی اور صحیح حدیثیں لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ کی گویا تفسیر ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن شریف کے جو لفظ دوسرے لفظوں کے ذریعہ سے تفسیر کر دینے کے قابل تھے حکم لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ کی تعمیل میں اللہ کے رسول نے اُن کی تفسیر بخوبی فرما دی اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (۲: ۴۳) اَتِمُّوا الصِّيَامَ (۲: ۱۸۷) وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ (۳: ۹۷) اور ایسے اور موقع میں سوا تفسیر لفظی کے جہاں عمل کر کے سمجھانے کی ضرورت تھی لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ کی ویسی ہی تعمیل کر دی مشرکین مکہ جب تک قرآن شریف کی نصیحت کے سننے سے بے رغبتی کرتے رہے وہ تو الگ بات ہے ۶ ھ میں صلح حدیبیہ ہو کر جب مشرکین اور اہل اسلام کے مابین میں پہلے کا سا روکاؤ نہیں رہا تو وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ کی پیشین گوئی کا ظہور بھی خوب ہوا چنانچہ صلح حدیبیہ پر اہل اسلام کی تعداد چودہ سو تھی اور پھر دو برس کے بعد مکہ کی فتح کے وقت دس ہزار تک پہنچ گئی۔

۴۵ — ۴۷ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ اپنی بردباری اور علم کا حال بیان کرتا ہے کہ یہ لوگ جو بُرے داؤں کر رہے ہیں کیا اپنے گمان میں بے خوف ہیں جو طرح طرح کے مکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر رہے ہیں اور قرآن کے ساتھ مسخراپن کرتے ہیں مسلمانوں کو اذیتیں پہنچا رہے ہیں ان کو کچھ بھی خدا کا خوف نہیں یہ اس بات سے نہیں ڈرتے کہ خدا ان پر اس طرح عذاب نازل کرے کہ زمین میں ان کو دھنسا دے جس طرح قارون کو غرق زمین کر دیا یا ایسا عذاب ان پر بھیج دے کہ ان کو خبر بھی نہ ہو جس طرح لوط علیہ السلام کی قوم پر اچانک عذاب بھیج کر ہلاک کر دیا یا اس طرح عذاب ان پر اتارے کہ یہ چلتے پھرتے ہوں سفر میں ہوں یا بازاروں میں آتے جاتے ہوں اور یک بیک ان پر عذاب نازل کر دے وہ ہر طرح سے قادر ہے کوئی اُس کو عاجز نہیں

[1] صحیح بخاری ص ۱۰۴۷ ج ۲ تفسیر سورت لقمان۔ دیکھئے ص ۴۸۱ جلد ہذا، جلد ہذا ص ۲۷۶۔

يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۴۵﴾

دھنسا دیوے اُن کو اللہ زمین کو یا آ پہنچے اُن کو عذاب جہاں سے خبر نہ رکھتے ہوں

اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۴۶﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ

یا پکڑ لے اُن کو چلتے پھرتے سو وہ نہیں تھکانے والے یا پکڑ لے ان کو ڈرانے کر

فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۷﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا

سو تمہارا رب بڑا نرم ہے مہربان کیا نہیں دیکھتے جو اللہ نے بنائی ہے کوئی چیز ڈھلتی ہیں

کرسکتا ہے نہ یہ کفار کہیں بھاگ کر جا سکتے ہیں اَوْ یَاْخُذَھُمْ عَلٰی تَخَوُّفٍ کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک یہ ہے کہ اللہ پاک نے پہلے ہی پہل ان پر عذاب نہ بھیجے بلکہ پہلے ان کو خوف دلاوے پھر ان پر عذاب بھیجے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ پاک ان کے جان و مال کو گھٹا گھٹا کر عذاب بھیجے ان کے پھل کم ہونے لگیں پیداوار میں کمی ہو جائے اور مال و دولت ان سے علیحدہ ہونے لگے اور وہ اس خوف سے ہلاک ہو جائیں عذاب دنیوی کے طور پر مکہ میں قحط جو پڑا تھا جس کا ذکر صحیح بخاری وغیرہ میں عبداللہ بن مسعود کی حدیث[1] میں ہے اُس سے آخر کے قول کی بڑی تائید ہوتی ہے پھر اللہ پاک نے اپنی بردباری اور رحمت کو بیان کیا کہ باوجود ان باتوں کے کہ کفار کفر و شرک سے باز نہیں آتے اور رسول کو جھٹلاتے ہیں اور طرح طرح کی تکلیف دیتے ہیں مگر خدا ان پر عذاب نہیں بھیجتا اور نہ ان کی روزی میں کمی کرتا ہے وہ بڑا رؤف و رحیم ہے صحیحین کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعری کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے[2] کہ اللہ سے بڑھ کر کوئی بھی بردبار نہیں ہے لوگ خدا کا بیٹا ٹھہراتے ہیں اور وہ اس پر بھی اُن کو روزی پہنچاتا ہے اور آرام سے رکھتا ہے۔ دوسری حدیث صحیحین میں ابوموسیٰ اشعری کی یوں ہے کہ اللہ پاک ظالم کو مہلت دیتا ہے پھر جب پکڑ لیتا ہے تو نہیں چھوڑتا۔ ان حدیثوں کو آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب قرار پایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بردباری سے ان مشرکین مکہ کو مہلت دے رکھی ہے جس مہلت کے زمانے میں یہ لوگ اپنی مالداری کے نشہ میں مغرور اور تنگدست مسلمانوں کو حقیر جانتے ہیں اور اُن کو طرح طرح کے مکر و فریب اور ایذا رسانی سے تنگ کرتے ہیں لیکن مہلت کے زمانے میں اگر یہ مشرک اپنی شرارت سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ ان کو ایسا پکڑے گا جس سے ان کا چھٹکارہ مشکل ہوگا۔ اللہ سچا ہے اللہ کا کلام سچا ہے ان مشرکوں کی پہلی پکڑ تو ہجرت سے پیشتر مکہ کے قحط سے ہوئی جس کا ذکر صحیح بخاری کی عبداللہ بن مسعود کی روایت کے حوالہ سے ایک جگہ گزر چکا ہے[3] پھر ہجرت کے بعد بدر کی لڑائی میں ان کے بڑے بڑے سرکش مارے گئے اور مرتے ہی آخرت کے عذاب میں گرفتار ہو گئے جس عذاب کے جتلانے کے لئے اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی لاشوں پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ اب تو تم لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے وعدے کو سچا پا لیا چنانچہ اس کا ذکر بھی صحیح بخاری و مسلم کی انس بن مالک کی روایت کے حوالہ سے گزر چکا ہے[4]۔

۴۸ — اللہ پاک اس آیت میں اپنی عظمت و کبریائی کی خبر دیتا ہے کہ باوجود اس بات کے کہ وہ ایسا صاحب عظمت ہے کہ کل چیزیں

---

[1] دیکھئے جلد ہذا ص ۲۱۴ [2] جلد ہذا ص ۳۲۰ [3] جلد ہذا میں متعدد موقعہ آ چکی مثلاً ص ۲۰۵ وغیرہ [4] جلد ہذا ص ۲۱۴ [5] دیکھئے جلد ہذا کے صفحہ ۲۰۲ - ۲۰۸ وغیرہ۔

ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ

چھائیاں ہیں اُن کے داہنے سے اور بائیں سے سجدہ کرتے اللہ کو اور وہ عاجز ہیں اور اللہ کو سجدہ کرتا ہے

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾

جو آسمان میں اور جو زمین میں ہے جاندار سے اور فرشتے اور وہ بڑائی نہیں کرتے

اس کے حکم کی فرمانبرداری کیا حیوان اور کیا بے جان اسی طرح خواہ فرشتے ہوں خواہ جن ہوں سب اُس کے قہر و غلبہ کے سامنے مجبور و لاچار ہیں کل وہ چیزیں جن کا سایہ ہے جاندار ہوں یا بے جان صبح و شام داہنے بائیں خدا برتر کے سامنے سجدہ کرتی ہیں مجاہد کا قول ہے کہ جب سورج ڈھلتا ہے تو ہر چیز اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے اور کل مخلوق خدا کے سامنے حقیر ہے کسی کی حقیقت و ہستی اُس کے آگے نہیں ہے وہ سب سے بڑا صاحب شوکت ہے ترمذی کے حوالہ سے حضرت عمر کی حدیث جو آگے آتی ہے وہ بھی گویا اس کی تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سب چیزوں کا سایہ زوال سے پہلے سیدھے ہاتھ کی طرف اور سورج کے ڈھلنے کے بعد اُلٹے ہاتھ کی طرف جو آتا ہے یہی سب چیزوں کے سایہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے سجدہ مقرر کیا ہے آیت وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ (۱۳: ۱۵) جو سورت الرعد میں گزر چکی ہے حضرت عبداللہ بن عباس کے شاگردوں میں سے مجاہد نے اس سورت الرعد کی آیت کو اس آیت کی تفسیر قرار دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ زمین کے ایماندار جن و انس اور آسمان کے سارے فرشتے خوشی سے اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور ایماندار جن و انس کی پرچھائیاں بھی سجدہ کرتی ہیں اور مشرک لوگ خود تو بتوں کو سجدہ کرتے ہیں مگر اُن کی پرچھائیاں اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہیں صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوذر کی حدیث قدسی ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمام دنیا کے جنات اور انسان اللہ کی عبادت میں مشغول اور پرہیزگار ہو جاویں تو اس سے اللہ کی بادشاہت میں کچھ بڑھ نہ جاوے گا اسی طرح اگر یہ سب اللہ کی عبادت چھوڑ دیویں تو اس سے اُس کی بادشاہت میں سے کچھ گھٹ نہ جاوے گا[1] اس حدیث کو بھی آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ مشرک لوگ خالص اللہ کو جو سجدہ نہیں کرتے اللہ تعالیٰ کو نہ اُس کی کچھ پرواہ ہے نہ ان کے سجدہ نہ کرنے کے سبب سے اُس کی بادشاہت میں سے کچھ گھٹ جاوے گا لیکن اللہ کی عظمت اور بڑائی کا اثر ان کی پرچھائیوں پر ایسا ہے کہ وہ بے اختیار اللہ کو سجدہ کرتے ہیں معتبر سند سے مسند امام احمد ترمذی ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں ابوذر سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آسمان پر چار انگل بھی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں ایک فرشتہ سجدہ میں نہ پڑا ہو[2] فرشتوں کے سجدہ کرنے کا اس آیت میں مختصر طور پر اور آگے کی آیت میں صاف طور پر جو ذکر ہے یہ حدیث اس کی گویا تفسیر ہے۔

۴۹۔۔ ۵۰۔ ترمذی میں حضرت عمر سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ظہر کی چار سنتیں بڑے ثواب کی چیز ہیں ان چار رکعتوں کا ثواب گویا تہجد کا سا ثواب ہے اسی ذکر کے سلسلہ میں آپ نے فرمایا کہ زوال کے بعد سب چیزیں اللہ پاک کے نام کی تسبیح پڑھتی ہیں یہ فرما کر پھر آپ نے اوپر کی آیت پڑھی[3] غرض فرشتے انسان جن پہاڑ درخت دیوار سب کے

---

[1] صحیح مسلم ص ۳۱۹ ج ۲ باب تحریم الظلم [2] دیکھئے تفسیر ہذا جلد دوم ص ۳۴۷ [3] جامع ترمذی ص ۱۴۱ ج ۲ تفسیر سورت النحل۔

يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۩ ﴿٥٠﴾ وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَّخِذُوا

ڈرتے ہیں اپنے رب کا اوپر سے اور کرتے ہیں جو حکم پاتے ہیں اور کہا ہے اللہ نے نہ پکڑو

إِلَٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۖ إِنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ فَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ ﴿٥١﴾ وَلَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ

معبود دو وہ معبود ایک ہی ہے سو مجھی سے ڈرو اور اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں

وَالْأَرْضِ وَلَهُ الدِّينُ وَاصِبًا ۚ أَفَغَيْرَ اللَّهِ تَتَّقُونَ ﴿٥٢﴾ وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ

میں اور زمین میں اور اُسی کا انعام ہے ہمیشہ سو کیا سوا اللہ کے کسی سے خطرہ رکھتے ہو اور جو تمہارے پاس ہے کوئی نعمت

اوپر اللہ کی عظمت اور بڑائی کا اثر ہے پہاڑ درخت اور سب چیزوں کا سایہ زوال سے پہلے سیدھے ہاتھ کی طرف اور سورج ڈھلنے کے بعد اُلٹے ہاتھ کی طرف ہو جاتا ہے یہ اللہ تعالیٰ نے سایہ کے لئے سجدہ مقرر کیا ہے اور یہی اُس کی عبادت ہے اس حدیث کی روایت میں علی بن عاصم منفرد ہے لیکن تقریب میں اُس کو صدوق کہا ہے اور امام احمد بن حنبل نے اُس کو ناقابل اعتراض ٹھہرایا ہے[1] اس حدیث میں دوپہر کے وقت اصل چیزوں کی تسبیح کا بھی ذکر ہے اگرچہ معتبر سند سے مسند بزار اور مستدرک حاکم میں عبداللہ بن عمرو بن العاص کی جو حدیث ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چیزوں کی تسبیح سبحان اللہ وبحمدہ ہے لیکن عام لوگوں کی سمجھ میں وہ تسبیح نہیں آسکتی[2] چنانچہ تفصیل سے یہ ذکر سورت بنی اسرائیل میں آوے گا مسند امام احمد ترمذی ابن ماجہ اور مستدرک حاکم کے حوالہ سے ابوذرؓ کی معتبر روایت اوپر گزر چکی ہے[3] اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ آیت میں فرشتوں کے سجدہ کا جو ذکر ہے وہ حدیث اُس کی گویا تفسیر ہے اِس آیت سے آگے اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کا ذکر فرمایا ہے ان آیتوں کا اور آگے کی آیتوں کا حاصل مطلب یہ ہے کہ بے جان چیزوں کو اپنے خالق کے پہچاننے کی سمجھ ہے جو انسان اپنے آپ کو جاندار سمجھدار سمجھتے ہیں اور پھر اپنے خالق کو چھوڑ کر دوسری چیزوں کی پرستش کرتے ہیں وہ بے جان چیزوں سے بھی بدتر ہیں۔

۵۱ سے ۵۵ ۔ اوپر ذکر تھا کہ مشرکوں کی پرچھائیاں بے اختیار اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہیں اس ذکر کے بعد خود مشرکوں کو یہ ہدایت ہے کہ تم بھی اللہ کے ساتھ اور کسی کو شریک نہ کرو کیونکہ عبادت اور کسی کو لائق نہیں ہے اگر ہے تو اسی خدائے وحدہ لاشریک کو زیبا ہے اور پھر یہ فرمایا کہ سوائے اللہ کے اور کسی سے نہ ڈرو یہ بت اس قابل نہیں ہیں جو ان کا خوف مانا جائے نہیں کوئی قدرت نہیں ہے کہ کسی کو کچھ نقصان پہنچا سکیں البتہ اللہ کے قہر و غضب سے ڈرو کیوں کہ اُس کی وہ پکڑ ہے جس کی کوئی پناہ نہیں ہے آسمان و زمین میں جس قدر مخلوق ہے وہ سب اللہ ہی کے تحت حکومت میں ہے ان میں کسی کی ذرہ برابر بھی شراکت نہیں ہے اسی لئے خالص اُسی کی عبادت سزاوار ہے اور ہمیشہ اسی کی اطاعت و فرمانبرداری زیبا ہے کسی غیر سے کیوں ڈرتے ہو کسی کا خوف کیوں کرتے ہو کیوں کہ عظمت اور قدرت تو صرف خداوند جل جلالہ کو ہے اور کل اشیاء اس کی محتاج ہیں۔ اور فنا ہونے والی ہیں کوئی ذات اگر ہمیشہ باقی رہے گی تو وہ خدا ہی کی ذات ہے پھر اس کے بعد اپنی نعمتوں پر شکر کرنے کا ارشاد کیا ہے۔ جتنی نعمتیں تمہیں دنیا میں حاصل ہیں

[1] تہذیب التہذیب ص ۳۴۵ ج ۷ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۴۲ ج ۳ تفسیر سورت بنی اسرائیل بروایت مسند امام احمد [3] یعنی صفحہ سابق پر۔

فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ

سو اللہ کی طرف سے پھر جب لگتی ہے تم کو سختی سو اسی کی طرف چلاتے ہو پھر جب کھول دی تم سے سختی

عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ

تب ہی ایک فرقہ تم میں اپنے رب کے ساتھ لگتا ہے شریک بتانے تا منکر ہو جاویں اس چیز سے جو ہم نے دی سو

فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾

برت لو آخر معلوم کر لو گے

وہ سب خدا کی عنایت ہے مال دولت آل اولاد رزق کی فراخی سب اسی کی دی ہوئی چیزیں ہیں اس لئے بندوں پر واجب ہے کہ اس کا شکر ادا کریں۔ کیوں کہ جب کسی کو کسی سے کچھ فائدہ پہنچتا ہے تو اس کی شکر گزاری بھی ضرور کرنی ہوتی ہے پھر اس کے بعد انسان کی غفلت کو بیان فرمایا کہ جس وقت انسان کو خوشحالی اور فارغ البالی ہوتی ہے اُس وقت اللہ کو بھولا رہتا ہے مگر جب کوئی مصیبت کا سامنا ہوتا ہے بیماری یا کوئی اور سختی درپیش ہوتی ہے تو خدا سے چلا چلا کر فریاد کرنے لگتا ہے پھر جب خدا اُس کی فریاد کو سن لیتا ہے اور اس کی مصیبت دور کر دیتا ہے تو جو لوگ گمراہ ہیں اس خدا سے بڑھ کر غیروں کو شریک ٹھہرانے لگتے ہیں اور اللہ کو بالکل بھول جاتے ہیں گویا کوئی وقت سختی کا اُن پر آیا ہی نہ تھا پھر یہ فرمایا کہ یہ شرک کرنا ان کا اس لئے ہوتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے ان کو دیا ہے اس کو بالکل بھول جائیں پھر فرمایا خیر تم دنیا میں جس طرح چاہو کفران نعمت کرو جیسے چاہو خدا کی نعمتوں کا انکار کرو آگے آگے معلوم کر دو گے کہ تمہارا کیا حال ہو گا اور کیا وقت تمہیں پیش آوے گا اور کیا انجام ہو گا دنیا میں تم پر کیا بلا آنے والی ہے اور آخرت میں کیا گت تمہاری ہو گی مشرکین مکہ اپنے مطلب کے وقت اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے قائل ہو جاتے تھے اور جب مطلب نکل جاتا تھا تو پھر شرک کرنے لگتے تھے چنانچہ سورت العنکبوت میں آوے گا کہ جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے اور ناموافق ہوا سے ڈرتے تو اکیلے اللہ کو پکارتے اور جب خشکی میں آن کر وہ ڈر جاتا رہتا تو پھر مشرک ہو جاتے اسی واسطے فرمایا اللہ کا دین ہمیشہ وحدانیت کا ہے ان لوگوں کو چاہیے کہ مطلب اور بے مطلب کے وقت اُسی کو اپنا معبود جانیں اور دو معبود ٹھہرانے چھوڑ دیں۔ صحیح بخاری کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت ایک جگہ گزر چکی ہے[1] کہ قوم نوح میں کے کچھ نیک لوگ مر گئے تھے جن کے مرنے کا رنج اُن کے رشتہ داروں اور معتقدوں کو بہت تھا شیطان نے موقع پا کر ان لوگوں کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ اُن نیک لوگوں کی شکل کی مورتیں بنا کر آنکھوں کے سامنے رکھ لی جاویں تو اُن مورتوں کے ہر وقت دیکھ لینے سے اُن کے آنکھوں کے سامنے سے اٹھ جانے کا رنج کسی قدر کم ہو جاوے گا۔ اس وسوسہ کے موافق اُن لوگوں نے وہ مورتیں بنائیں اور کچھ عرصہ کے بعد ان مورتوں کی پوجا ہونے لگی جو آج تک چلی آتی ہے یہ مورتیں اُن لوگوں کے مرنے کے بعد بنائی جا کر ان مورتوں کی پوجا شروع ہوئی ہے اس لئے وہ نیک لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو اپنا گواہ قرار دے کر اس معاملہ سے اپنی بے خبری ظاہر کریں گے چنانچہ اس کا ذکر سورت یونس میں گزر چکا ہے

[1] جلد ہذا ص ۲۱۵

وَيَجْعَلُونَ لِمَا لَا يَعْلَمُونَ نَصِيبًا مِّمَّا رَزَقْنَاهُمْ تَاللَّهِ لَتُسْأَلُنَّ عَمَّا

اور ٹھہراتے ہیں ایسوں کو جن کی خبر نہیں رکھتے ایک حصہ ہماری دی روزی میں سے قسم اللہ کی تم سے پوچھنا ہے جو

كُنتُمْ تَفْتَرُونَ ﴿٥٦﴾

جھوٹ باندھتے تھے

حاصل کلام یہ ہے کہ مورتیں تو بالکل پتھر ہیں اور مورتوں والے پوجا سے بے خبر اسی واسطے ان بتوں سے ڈرنے کو اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی شکر گزاری میں ان بتوں کو شریک ٹھہرانے کو ان آیتوں میں لاحاصل قرار دیا گیا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی روایت ایک جگہ گزر چکی[1] ہے کہ بدر کی لڑائی میں مشرکین مکہ میں کے بڑے بڑے سرکش مارے گئے اور مرتے ہی عذاب آخرت میں گرفتار ہو گئے جس عذاب کے جتلانے کے لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی لاشوں پر کھڑے ہو کر یہ فرمایا اب تو تم لوگوں نے اللہ کا وعدہ سچا پایا ان آیتوں میں فَتَمَتَّعُوا فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ کا جو وعدہ تھا اُس کے ظہور کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے۔

۵۶۔ اوپر ذکر تھا کہ جو بلائیں اور بیماریاں ان لوگوں کو پہنچتی ہیں اور یہ خدا سے گڑگڑانے لگتے ہیں اور خداوند عالم محض اپنی شان رحیمی سے فضل کرتا ہے اور وہ ضرر ان سے دفع کر دیتا ہے تو بجائے اُس کے شکریہ کے طرح طرح کی ناشکریاں ان سے سرزد ہونے لگتی ہیں۔ اس آیت میں فرمایا یہ بت جو بالکل بے خبر پتھر ہیں اُن کے واسطے اللہ کی دی ہوئی روزی میں سے یہ لوگ حصہ مقرر کرتے ہیں اور اُن بتوں کو اس کی مطلق خبر بھی نہیں ہے نہ جاندار ہیں نہ انہیں آنکھیں ہیں نہ کان۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ یہ بت جن کو کسی شئی کے سمجھنے بوجھنے کی قوت نہیں کفار اپنے مال میں سے اُن کا حصہ ٹھہراتے ہیں مجاہد کا یہ قول ہے کہ کفار جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے اور ہر طرح کا فائدہ و نقصان وہی انہیں پہنچاتا رہتا ہے یہ بت جن کو فائدہ اور نقصان کا علم نہیں ہے یہ مشرک اللہ کی دی ہوئی روزی میں سے اُن کا حصہ ٹھہراتے ہیں۔ سدی کا قول یہ ہے کہ یہ آیت اُس آیت کی طرح ہے جو سورت انعام میں گزر چکی هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا (۶: ۱۳۶) جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مشرک اپنے مال و دولت و چارپایوں میں خدا کا حصہ مقرر کرتے تھے اور اپنے بتوں کے واسطے بھی حصہ مقرر کرتے تھے اور جو مال خدا کے نام کا اچھا دیکھتے تھے تو اُس کو بتوں کے حصہ میں بدل دیتے تھے اور جو چیز بتوں کے واسطے مقرر کرتے تھے اگر وہ اچھی ہوتی تھی تو خدا کے واسطے اُس کو نہیں بدلتے تھے۔ غرض کہ اس بات پر اللہ پاک نے اپنی ذات کی قسم کھائی کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ضرور ان لوگوں سے پوچھے گا کہ یہ لوگ دنیا میں کیا جھوٹ اللہ پر باندھا کرتے تھے۔ ترمذی مسند بزار اور طبرانی کے حوالہ سے ابوبرزہؓ اور معاذ بن جبل کی معتبر روایتیں گزر چکی[2] ہیں کہ قیامت کے دن ہر شخص کو چار باتوں کی جواب دہی کے لئے اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑا ہونا پڑے گا (۱) تمام عمر کن کاموں میں گزاری (۲) جوانی میں کیا کیا (۳) روپیہ پیسہ کیوں کر کمایا اور کہاں خرچ کیا (۴) علم دین کی نصیحت پر کیا عمل کیا۔ ان روایتوں کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مشرکوں نے جو کچھ عمر بھر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہے ان چار باتوں کی جواب دہی

[1] شفاؤص ۲۰۲ ج ۴ و ۲ و غیرہ [2] دیکھئے تفسیر ہذا جلد دوم ص ۲۲۳ و جلد ہذا ص ۲۸۹ و ۳۰۶ ۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ

اور ٹھہراتے ہیں اللہ کی بیٹیاں وہ اس لائق نہیں اور آپ کو جو دل چاہے اور جب خوشخبری ملی ایسی کسی

بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ

کو بیٹی کی سارے دن رہے اس کا منہ سیاہ اور جی میں گھٹ رہا چھپتا پھرے لوگوں سے اس

سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ

برائی اس خوشخبری کی جو سنے اس کو رہنے دے ذلت قبول کر کر یا اس کو داب دے مٹی میں سنتا ہے بری

میں وہ سب کھل جاوے گا۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث گزر چکی ہے کہ جو شخص ان باتوں کے جواب کے وقت جھوٹ بولے گا تو اس کے منہ پر خاموشی کی مہر لگائی جا کر اس کے ہاتھ پیروں کو اصل حال بیان کرنے کا حکم ہو گا[1]۔

۵۷۔۵۹۔ اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی بے وقوفی اور ان کا بے جان چیزوں سے بھی بدتر ہونا فرما کر اس آیت میں ایک اور بیوقوفی ان کی بیان فرمائی ہے اس بیوقوفی کی دو شاخیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ مشرک لوگ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے دوسرے یہ کہ اپنی اولاد میں لڑکی کے پیدا ہونے سے بہت چڑتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے یہ ایک رسم ٹھہرا رکھی تھی کہ لڑکی پیدا ہو کر چھ برس کے اندر اپنی موت سے مر گئی تو خیر ورنہ جنگل میں ایک گڑھا کھود کر اچھے کپڑے پہنا کر اس لڑکی کو جنگل میں لے جاتے تھے اور اسے گڑھے میں جھانکنے کو کہتے جب وہ جھانکتی تو اس کو گڑھے میں دھکا دیتے تھے اور اوپر سے مٹی ڈال کر اس کو جیتا دبا دیتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ دونوں باتیں ان کی بیوقوفی کی ہیں اللہ اولاد شریک سب سے پاک ہے اس کو اولاد سے کیا تعلق علاوہ اس کے جس اولاد کو خود یہ لوگ نہیں پسند کرتے اس کو اللہ کی طرف منسوب کرنا یہ اور بیوقوفی در بیوقوفی ہے اسلام نے مشرکوں کی اس لڑکی کے پیدا ہونے سے چڑنے کی رسم کو مٹایا اور لڑکی پیدا ہو تو اس کو محبت سے پالنے پر اجر کا وعدہ اسلام میں آیا ہے چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں جو شخص لڑکی کے پالنے اور اس کے شادی بیاہ کرنے کا بوجھ اٹھاوے گا تو عاقبت میں وہ لڑکی دوزخ کی آگ کی ڈھال بن جاوے گی[2]۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے عمرو بن العاصؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ جو مشرک شخص دائرہ اسلام میں داخل ہوا اس کے زمانہ شرک کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں[3] معتبر سند سے مسند بزار میں قیسؓ بن عاصم سے روایت ہے جس میں قیس بن عاصمؓ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرت میں نے اسلام سے پہلے چند زندہ لڑکیوں کو گاڑ دیا ہے اس کے جواب میں آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر لڑکی کے معاوضہ میں ایک غلام آزاد کرنا چاہیے۔ یا ایک اونٹ کی قربانی کرنی چاہیے[4] ان حدیثوں کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عمرو بن العاصؓ کی حدیث میں سوا جیتی لڑکیوں کے زمین میں دبا دینے کے اسلام سے پہلے کے

[1] صحیح مسلم ص ۴۰۹ ج ۲ فصل فی بیان ان الاعضاء منطقۃ شاھدۃ یوم القیمۃ [2] الترغیب ص ۴۲ ج ۲ باب الترغیب فی النفقۃ علی الزوجۃ والعیال الخ

[3] مشکوٰۃ ص ۱۴ کتاب الایمان [4] تفسیر ابن کثیر ص ۴۷۸ ج ۴ تفسیر سورت تکویر۔

مَا يَحْكُمُونَ ﴿۵۹﴾ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۖ وَلِلَّهِ الْمَثَلُ

چکوتی کرتے ہیں جو نہیں مانتے پچھلے دن کو انہیں پر بُری کہاوت ہے اور اللہ کی کہاوت

الْأَعْلَىٰ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۶۰﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِم مَّا

سب سے اوپر اور وہی ہے زبردست حکمت والا اور اگر پکڑے اللہ لوگوں کو اُن کی بے انصافی پر نہ

تَرَكَ عَلَيْهَا مِن دَابَّةٍ وَلَٰكِن يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ

چھوڑے زمین پر ایک چلنے والا لیکن ڈھیل دیتا ہے اُن کو ایک وعدے ٹھہرے تک پھر جب پہنچا اُن کا

اور گناہوں کا ذکر ہے اور جیتی لڑکیوں کے زمین میں دبا دینے کا حکم وہ ہے جس کا ذکر قیس بن عاصم کی حدیث میں ہے کہ اسلام کے بعد بھی اس جرم کی سزا فدیہ سے بدل جاتی ہے۔ جو فدیہ ایک غلام کے آزاد کرنے یا ایک اونٹ کی قربانی سے پورا ہو سکتا ہے۔

۶۰ — اس سے اوپر کی آیتوں میں اللہ پاک نے یہ بیان کیا تھا کہ مشرکین مکہ لڑکیوں کے پیدا ہونے سے ناک چڑھاتے ہیں اور ان بیچاریوں کو اپنے لئے ننگ و عار سمجھتے ہیں اور ان غریب معصوموں کو زندہ زمین میں دفن کر دیتے ہیں اور باوجود اس بات کے اپنی زبان سے یہ کہا کرتے ہیں کہ خدا کی لڑکیاں ہیں اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں جانتے ہیں اپنے واسطے تو لڑکیاں پسند نہیں کرتے اور اُس خدائے پاک کو جس کے نہ بیوی ہے نہ بیٹے بیٹیوں کا ہونا بتلاتے ہیں وہ ان باتوں سے بالکل پاک ہے وہ نہ اولاد کا محتاج اور نہ کسی رشتے کنبے والوں کا پھر اب یہ فرمایا اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ آخرت کے دن پہ ایمان نہیں رکھتے ہیں انہیں اُس حساب و کتاب کے دن کا بالکل خوف نہیں ہے انہیں لوگوں کے واسطے بُری مثالیں ہیں جاہل ہیں تو یہی ہیں کافر ہیں تو یہ ہیں۔ خدا کے ساتھ شریک ٹھہرانا انہیں کا کام ہے خدا کو آل و اولاد کا محتاج بتلانا انہیں کا قول ہے خدا تو ان باتوں سے بالکل پاک و منزہ ہے اُس کے واسطے نہایت ہی اعلیٰ درجہ کی مثالیں ہیں وہ بُری باتوں کو بندوں کے حق میں بھی نہیں پسند کرتا ہے اپنی ذات کے واسطے کیوں کر گوارا کرے گا وہ تو بڑا ہی غالب ہے کوئی اُس پر غالب نہیں ہو سکتا اُس کی حکمت سب سے بلند ہے وہ بڑا ہی حکمت والا ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالے سے ابو موسیٰ اشعری کی حدیث گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالےٰ سے بڑھ کر کوئی بردبار نہیں ہے کہ لوگ اُس کو صاحب اولاد قرار دیتے ہیں اور وہ اُن لوگوں کے رزق اور اُن کی صحت کے انتظام کو برقرار رکھتا ہے۔ اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حشر کے منکر لوگ اللہ کی قدرت میں بٹہ لگاتے ہیں حشر کو اُس کی قدرت سے باہر گنتے ہیں اُس کو اولاد کا محتاج بتلاتے ہیں مخلوق کو اُس خالق کا شریک ٹھہراتے ہیں لیکن اُس نے اپنی بردباری سے ایسے لوگوں کی راحت کا انتظام برقرار رکھا ہے۔

۶۱ — ۶۲ — اللہ پاک اس آیت میں اپنے درگزر کا حال بیان فرماتا ہے کہ یہ مشرک لوگ جیسے جیسے فتنہ و فساد برپا کرتے ہیں اگر خدا کو اُس فتنہ و فساد کا مؤاخذہ منظور ہو تو ان کے ساتھ ان کی بدبختی کی وجہ سے ساری دنیا کو ہلاک کر دے اور کوئی جاندار روئے زمین پر باقی نہ چھوڑے۔ صحیح مسلم میں ابن عمرؓ سے ایک روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی پر عذاب کا ارادہ کرتا ہے تو اُس عذاب میں

[1] جلد ہذا ص ۳۳۲ صفحہ ۔ صحیح بخاری باب قول اللہ ان اللہ ہو الرزاق و تفسیر فتح البیان ص ۹۰ ج ۲۔

أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٦١﴾ وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ

وعدہ نہ دیر کر سکیں گے ایک گھڑی اور نہ جلدی اور کرتے ہیں اللہ کا

مَا يَكْرَهُونَ وَتَصِفُ أَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ أَنَّ لَهُمُ الْحُسْنَىٰ ۖ لَا جَرَمَ أَنَّ

جو اپنا جی نہ چاہے اور بتاتی ہیں زبانیں اُن کی جھوٹ کہ اُن کو خوبی ہے آپ ہی ثابت ہوا کہ

اُس قوم کے سارے آدمیوں کو شریک کرتا ہے پھر یہ لوگ اپنی اپنی نیت کے مطابق اٹھائے جائیں گے جس کا مطلب یہ ہے کہ جیسی جس کی نیت اور جیسے جس کے اعتقاد ہوں گے ویسا ہی اُس کا حشر ہوگا چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں ایسا ہو چکا ہے کہ سوائے اہل کشتی کے سارا جہان اُس طوفان میں ہلاک ہو گیا کوئی ملک کوئی گاؤں کوئی قریہ باقی نہیں رہا پھر اللہ پاک نے یہ ارشاد فرمایا کہ ہم نے ان لوگوں کو ڈھیل دے رکھی ہے اور ایک وعدہ مقررہ تک ان کا ہلاک کرنا منظور نہیں ہے جب وہ وقت آجاوے گا تو پھر گھڑی بھر کی بھی مہلت نہیں ملے گی اور اس میں بھی خدا کی بہت بڑی مصلحت ہے کہ اُن کو ایک زمانہ تک زندہ باقی رکھا ہے اور عذاب بھیج کر ہلاک نہیں کیا کیونکہ خداوند جل شانہ عالم الغیب ہے اُس نے انہیں اس بات کا موقع دیا کہ شاید یہ عذر کریں اور اپنے کفر اور سرکشی سے شرمسار ہو کر دین اسلام میں داخل ہو جائیں اور ان کی نسل سے جو اولاد پیدا ہو وہ اہل ایمان ہو پھر اللہ پاک نے اس بات کا ذکر کیا کہ جن باتوں سے کفار کو عار ہے اور جو بات یہ لوگ اپنے واسطے پسند نہیں کرتے مثلاً لڑکیوں کا ہونا وہ خداوند جل جلالہ کے حق میں یوں کہتے ہیں کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں اور خدا کے ساتھ بتوں کو شریک ٹھہراتے ہیں حالانکہ خود ان کو یہ گوارا نہیں ہے کہ کوئی شخص ان کی ملکیت میں قبضہ کرے اور ان کے مال میں تصرف کرے پھر خدائے غالب وقہار کے ساتھ اُس کے صفات میں کیوں کر کسی کو شریک سمجھتے ہیں۔ آسمان زمین کے انتظام میں کوئی اُس کا شریک نہیں اور سوا بیہودہ ان باتوں کے پھر وہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انہیں آخرت میں فلاحیت ہوگی یہ کیوں کر ممکن ہے کہ دنیا میں تو تم ایسے ایسے ظلم و فساد کرو رسولوں کو جھٹلاؤ کفر کرو خدا کے شریک ٹھہراؤ خدا کی ذات میں عیب لگاؤ کہ اُس کی بیٹیاں ہیں اور پھر آخرت میں بھلائی کی امید رکھو ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا ہے وہاں تو ان لوگوں کے واسطے دوزخ ہے اور پہلے پہل یہی دوزخ میں ڈالے جائیں گے اور جس طرح دنیا میں یہ لوگ خدا کو بھولے ہوئے بیٹھے تھے اسی طرح یہ لوگ وہاں اللہ کی رحمت سے ایسے بھلائے جائیں گے پھر ان کی کوئی خبر بھی نہیں لے گا صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعری کی حدیث گزر چکی[1] ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک وقت مقررہ تک اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو مہلت دیتا ہے اور جب یہ لوگ مہلت کے زمانہ میں اپنی سرکشی سے باز نہیں آتے تو پھر ان کو برباد کر دیتا ہے۔ اِس حدیث کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین مکہ کو اللہ تعالےٰ نے وقت مقررہ تک مہلت دی لیکن مہلت کے زمانہ میں جب یہ لوگ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے تو ان کی بربادی شروع ہوئی پہلے مکہ میں سخت قحط پڑا جس میں یہ لوگ مردار جانوروں کی کھالیں تک کھا گئے۔ پھر بدر کی لڑائی میں ان کے بڑے بڑے سرکش مارے گئے اور پھر فتح مکہ کے بعد ان میں کوئی سرکش دنیا پر باقی نہ رہا چنانچہ فتح مکہ کے وقت اللہ کے

[1] صحیح بخاری ص ۶۷۸ ج ۲ وکذلک اخذ ربک اذا اخذ القریٰ۔

لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿۶۲﴾ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ

ان کو آگ ہے اور وہ بڑھائے جاتے ہیں قسم اللہ کی ہم نے رسول بھیجے کتنے فرقوں میں تجھ سے

قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ

پہلے پھر سنوارے اُن کے آگے شیطان نے اُن کے کام سو وہی رفیق اُن کا ہے آج اور اُن کو دکھ کی

رسول نے اِن کے بتوں کو لکڑیاں مار مار کر زمین پر گرا دیا اور کوئی شخص ان کی حمایت کو کھڑا نہیں ہوا۔ سورت احقاف میں فرمایا وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ (۴۶: ۱۱) مطلب یہ ہے کہ مشرکین مکہ میں کے مالدار لوگ غریب مسلمانوں سے یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنی مہربانی سے دنیا میں ہم کو خوشحال کر رکھا ہے جس کے سبب سے ہم ان غریب مسلمانوں سے ہر حال میں بہتر ہیں اگر حشر کا قائم ہونا صحیح ہوتا اور اسلام حشر کی بہبودی کا سبب ہوتا تو دنیا کی بہبودی کے قیاس سے ہم ان غریب مسلمانوں سے پہلے دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتے سورت احقاف کی یہ آیت وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى کی تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی قدرت میں بتوں کو شریک قرار دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی شان میں صاحب اولاد ہونے کا بٹہ لگاتے ہیں اور یہ بھی ایسا کہ خود تو لڑکیوں سے گھبراتے ہیں اور انہیں لڑکیوں کو اللہ کی اولاد قرار دیتے ہیں لڑکوں کو اپنے لئے پسند کرتے ہیں اور پھر دنیا کی چند روزہ خوشحالی کے قیاس پر عقبیٰ کی خوشحالی کی توقع رکھتے ہیں ان لوگوں کا اللہ پر یہ جھوٹ باندھنا ہے نمرود فرعون اور قارون دنیا میں اِن لوگوں سے زیادہ خوشحال تھے لیکن اُن کی بداعمالی نے جو نتیجہ انہیں دکھایا وہ ان لوگوں نے سنا ہوگا اِس لئے اِن کو ہوشیار کر دیا جاوے کہ ایسے حد سے بڑھ جانے والے سرکش لوگوں کو عقبیٰ کی بہبودی کا میسر آنا تو درکنار بلکہ ایسے لوگوں کا انجام دوزخ ہے کیونکہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے انصاف کے بالکل برخلاف ہے کہ وہ نیک و بد کا عقبیٰ میں ایک انجام کر دیوے۔ ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالہ سے شداد بن اوس کی معتبر روایت ایک جگہ گزر چکی ہے[1] جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عقلمند وہ شخص ہے جو موت سے پہلے موت کے بعد کا کچھ سامان کر لیوے اور نادان وہ شخص ہے جو عمر بھر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں لگا رہے اور عقبیٰ کی بہبودی کی توقع رکھے اس حدیث کو بھی آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین کہ طرح طرح کی نافرمانیوں میں گرفتار رہ کر دونوں جہان کی بہبودی کی توقع جو اللہ تعالیٰ سے رکھتے تھے یہ ان لوگوں کی بڑی نادانی اور ایک شیطانی وسوسہ تھا مُفْرَطُوْنَ کو بعضے سلف نے افراط سے لیا ہے جس کے معنے حد سے بڑھ جانے کے ہیں شاہ صاحب نے ترجمہ میں یہی قول لیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وسوسہ شیطانی نے ان لوگوں کو نافرمانی میں حد سے بڑھا دیا ہے اِس لئے ان کا ٹھکانا دوزخ ہے قتادہ نے مفرطون کو فرط سے لیا ہے جس کے معنے پیشرو کے ہیں مطلب یہ ہے کہ ایسے سرکش لوگ پیشرو کی طرح عام دوزخیوں سے پہلے دوزخ میں جاویں گے لیکن حافظ ابن جریر نے اِس معنے کو محاورہ عرب کے خلاف قرار دیا ہے۔

۶۳ــ۶۵ــ اللہ پاک نے اپنی ذات مقدس کی قسم کھا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی دینے کو یہ آیتیں نازل فرمائیں اور فرمایا

[1] تفسیر ہذا جلد دوم ص ۲۲۳۔

الیه ﴿۶۳﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ

مدد ہے — ہم نے اتاری تجھ پر کتاب اِسی واسطے کہ کھول سنادے اُن کو جس میں جھگڑ رہے ہیں

وَهُدًی وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا

اور سجھانے کو اور مہر کو اُن لوگوں پر جو مانتے ہیں — اور اللہ نے اتارا آسمان سے پانی پھر اس سے جلایا

کہ تم ان مشرکوں کی باتوں سے تنگ دل نہ ہو ہم نے تم سے پہلے پہلی امتوں میں بھی رسول بھیجے ہیں جنہیں ان لوگوں نے اسی طرح جھٹلایا ہے جس طرح کفار کہ تم کو جھٹلاتے ہیں اور شیطان نے اُن کے کاموں کو ایسی زیب و زینت دی کہ وہ لوگ شیطان کے وسوسہ سے گمراہی میں پڑے رہے اور اپنی عقل و سمجھ سے انہوں نے کچھ کام نہ لیا اس واسطے دنیا میں بھی اُن کا ساتھی یہی شیطان ہے جس کے بہکانے میں وہ پڑے رہے اور آخرت میں بھی اُسی کے ساتھ بہت سخت عذاب کے سزاوار ہوں گے اللہ پاک نے اپنے کلام پاک کی نسبت فرمایا کہ جو کچھ ہم اتارتے ہیں وہ اس واسطے ہے کہ تم ان لوگوں کے اختلاف کی حقیقت کھول کر بتلا دو کہ توحید اور قیامت کا قائم ہونا اور احکام دین جس کے یہ لوگ منکر ہیں اور جو لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں ان کا فیصلہ ظاہر ہو جاوے کہ کون ان میں حق پر ہے اور کون جہالت میں پڑا ہوا ہے پھر فرمایا کہ یہ قرآن پاک اس ایماندار بندے کے لئے ہدایت اور رحمت ہے جو اس کو پڑھتا ہے اور غور کرتا ہے پھر فرمایا کہ اگر یہ کفار اور مشرکین اس بات سے بے خوف ہوں کہ کیسی قیامت اور کیسا دوزخ اور بہشت اور پھر مرنے کے بعد زندہ ہونا کیسا تو ان لوگوں کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ خدا میں ہر طرح کی قدرت ہے ایک ذراسی بات یہ ہے کہ زمین میں جب خشکی کی انتہا ہو جاتی ہے اور سارے درخت خشک ہو کر مردہ ہو جاتے ہیں تو وہ آسمان سے مینہ برسا کر زمین کو ترو تازہ کر دیتا ہے اور پھر زمین گویا زندہ ہو جاتی ہے اور سارے درخت ہرے بھرے ہو جاتے ہیں اسی طرح اسے یہ بھی قدرت ہے کہ ہر جاندار کے فنا ہو جانے کے بعد اسے زندہ کر دے گا جو لوگ دل کے کان رکھتے ہیں اور اس کی مدد سے ہر ایک طرح کی باتوں کو سنتے ہیں اور غور کرتے ہیں اُن کے واسطے یہ بہت بڑی دلیل ہے اور جو لوگ دل کے اندھے ہیں انہیں کسی دلیل سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ صحیح بخاری کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت ایک جگہ گزر چکی ہے[1] کہ قوم نوح میں کے کچھ نیک لوگ مر گئے تھے جن کے مر جانے کا رنج ان کے رشتہ داروں اور معتقدوں کو بہت تھا شیطان نے موقع پا کر پہلے تو ان لوگوں کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ ان نیک لوگوں کی شکل کی مورتیں بنا کر آنکھوں کے سامنے رکھ لی جاویں تو ان مورتوں کے ہر وقت دیکھ لینے سے وہ اصل نیک لوگ گویا آنکھوں کے سامنے آجاویں گے اور اُن کی جدائی کا رنج کسی قدر کم ہو جاوے گا اور پھر کچھ عرصہ کے بعد ان مورتوں کی پوجا دنیا میں پھیلا دی یہ حدیث فَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ شیطان بُرے کاموں کو زیب و زینت دے کر ایسا کر دیتا ہے کہ ان بُرے کاموں کی برائی لوگوں کو نظر نہیں آتی صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے[2] کہ ہر ایک شخص کے ساتھ ایک فرشتہ اور ایک شیطان رہتا ہے فرشتہ اُس شخص کو نیک کاموں کی نصیحت کرتا ہے اور شیطان اُس شخص کے دل میں بُرے کاموں کا وسوسہ ڈالتا

[1] جلد ہذا ص ۲۱۵ و ۲۲۷ [2] صحیح مسلم ص ۳۷۶ ج ۲ باب تحریش الشیطان الخ

بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝ ۶۵ وَاِنَّ

زمین کو — اس کے مرنے پیچھے — اس میں — پتے ہیں — ان لوگوں کو جو سنتے ہیں — اور

لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّ

تم کو — چوپایوں میں — بوجھ کی جگہ ہے — پلاتے ہیں تم کو — اُس کے پیٹ کی چیزوں میں سے گوبر اور

رہتا ہے یہ حدیث فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین مکہ ہر وقت شیطانی وسوسہ کے موافق بُرے کاموں میں لگے رہتے تھے اس لئے شیطان کو اُن کا رفیق فرمایا صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو سعیدؓ خدری کی حدیث[1] ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے قرآن کی نصیحت کی مثال مینہ کے پانی کی اور اچھے بُرے لوگوں کی مثال اچھی بُری زمین کی فرمائی ہے یہ حدیث وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مینہ کے پانی کی طرح اگرچہ قرآن کی نصیحت عام فائدہ کے لئے ہے مگر اس سے فائدہ وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جو اچھی زمین کی طرح علم الٰہی میں فرمانبردار قرار پا چکے ہیں۔ اور جو لوگ علم الٰہی میں نافرمان ٹھہر چکے ہیں اُن کے حق میں قرآن کی نصیحت ایسی رائیگاں ہے جس طرح بُری زمین میں مینہ کا پانی رائیگاں جاتا ہے ان آیتوں میں مختصر طور پر مینہ کے پانی سے کھیتی کی پیداوار کا ذکر فرمایا گیا ہے لیکن سورت الاعراف میں کھیتی کے ذکر کے بعد یہ بھی فرمایا ہے كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اب مینہ کے پانی کے اثر سے کھیتی کی پیداوار ہوتی ہے اسی طرح دوسرے صور سے پہلے ایک مینہ برسے گا جس کے اثر سے سب جسم تیار ہو جاویں گے پھر ان میں روحیں پھونک دی جاویں گی اور منکرین حشر اپنی آنکھوں کے سامنے حشر کو دیکھ لیویں گے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو ہریرہؓ کی روایت ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں دوسرے صور سے پہلے اس مینہ کا اور اس سے جسموں کے تیار ہو جانے کا ذکر تفصیل سے ہے[2]

۶۶ — جانوروں اور دودھ والی عورتوں کے پیٹ میں غذا جا کر نجاست پیشاب خون دودھ سب کچھ اسی غذا سے بنتا ہے قدرت الٰہی سے ایک چیز کا رنگ بو اثر دوسری چیز میں ہرگز کچھ باقی نہیں رہتا اگر آدمی غور کرے تو قدرت الٰہی کا یہ بڑا ایک نمونہ ہے اسی نمونہ قدرت کو یاد دلانے کی غرض سے اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے تاکہ غافل لوگ ہر روز کے کھانے پینے میں اپنی اولاد کے پالنے میں دودھ کا استعمال جو کرتے ہیں اس استعمال کے وقت دودھ کی پیدائش میں جو قدرت الٰہی ہے اسے وہ ذرا غور کریں اور قدرت کے ذریعہ سے اس قادر مطلق کو پہچان لیں دنیا میں نوکری تجارت زراعت اللہ کے پیدا کئے ہوئے اسباب ہیں ان اسباب سے روزی حاصل کرنے سے بچہ عاجز ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالےٰ نے ان دنوں کا اُس کا یہ رزق پیدا کیا ہے اور جانوروں کے بچوں کے ساتھ انسان کا ساجھا بھی لگا دیا ہے غرض بچوں کے اس طرح بے خلش رزق کے پیدا ہونے سے انسان کو یقین کر لینا چاہئیے کہ رزق سب کا اللہ کی طرف سے ہے یہی غذا بغیر دودھ کے دنوں میں عورت گائے بھینس وغیرہ کھاتے ہیں لیکن دودھ کی ایک بوند پیدا نہیں ہوتی جن دنوں میں آدمی اور جانوروں کے بچوں کو رزق کا پہنچانا اس قادر مطلق کو منظور ہوتا ہے اسی ہمیشہ کی غذا سے دودھ پیدا ہونے لگتا ہے

[1] صحیح بخاری ص ۱۸ ج ۱ باب فضل من علم وعلم [2] مشکوٰۃ ص ۴۸۱ باب النفخ فی الصور۔

دُمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ

لہو کے بیچ میں سے دودھ ستھرا رچتا پینے والوں کو اور میووں سے کھجور کے اور انگور کے

تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

بناتے ہیں اُس سے نشا اور روزی خاصی اُس میں پتا ہے اُن لوگوں کو جو بوجھتے ہیں

صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت کی حدیث قدسی ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ تعالٰے نے فرمایا جنتی لوگوں کے لئے جنت میں وہ چیزیں پیدا کی گئی ہیں کہ نہ کسی نے وہ چیزیں آنکھوں سے دیکھیں نہ کانوں سے سنیں نہ کسی کے دل پر ان کا تصور گزر سکتا ہے[1] اس حدیث کی بنا پر عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہؓ بن عباس کا صحیح قول یہ ہے کہ دنیا کی جن چیزوں کے نام جنت کی چیزوں سے ملتے جلتے ہیں وہ فقط نام میں ہی ملتے جلتے ہیں ورنہ جنت کی چیزوں کی تاثیر اور مزہ دنیا کی چیزوں سے بالکل الگ ہے۔ اس حدیث اور اوپر کے دونوں قولوں کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا کا دودھ جس کا ذکر اس آیت میں ہے اور جنت کے دودھ کی نہر جس کا ذکر سورت محمد میں آوے گا وہ دونوں بالکل الگ الگ چیزیں ہیں دنیا کا دودھ کچھ دیر کے بعد کھٹا ہو جاتا ہے اور جنت کا دودھ سالہا سال اپنے اصلی مزہ پر رہے گا اب یہ ظاہر بات ہے کہ دنیا میں اس طرح کا دودھ نہ کسی نے آنکھوں سے دیکھا نہ کانوں سے سنا نہ کسی کے دل پر ایسے دودھ کا تصور گزر سکتا ہے جو سالہا سال تک نہ بگڑے۔ صحیح بخاری کے حوالہ سے حضرت عبداللہؓ بن عباس کی روایت ایک جگہ گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سورج گہن کی نماز میں جنت اور دوزخ کو دیکھا اور صحابہ سے فرمایا کہ اگر جنت کے انگور کی بیل میں سے ایک خوشہ میں توڑ لیتا تو قیامت تک اُس کے انگور باقی رہتے[2] اس حدیث سے بھی وہی بات ثابت ہوتی ہے کہ جنت کے دودھ کی طرح جنت کے میوے بھی دنیا کے میووں سے بالکل الگ ہیں کیونکہ دنیا کا کوئی انگور کا خوشہ قیامت تک رہنے کے قابل نہ کسی نے آنکھوں سے دیکھا نہ کانوں سے سنا نہ کسی کے دل میں ایسے خوشہ کا تصور گزر سکتا ہے۔

۶۷ — اوپر دودھ کا ذکر فرما کر اللہ تعالٰی نے یہ دوسرا احسان اپنے بندوں پر جتلایا کہ کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم اپنے واسطے نشہ کی چیز تیار کرتے ہو اور اس سے دوسری حلال روزی بناتے ہو جیسے سرکہ وغیرہ اگرچہ مفسروں کا قول یہ ہے کہ آیت شراب کے حرام ہونے کے حکم اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ سے منسوخ ہے لیکن اس تفسیر میں یہ بات ایک جگہ گزر چکی ہے کہ ناسخ منسوخ امر و نہی کی آیتوں میں ہوتا ہے خبر کی آیتوں میں نہیں ہوتا کیونکہ ایک کام کے کرنے یا نہ کرنے کو کہا جا کر پھر اس کو ملتوی کیا جا سکتا ہے برخلاف خبر کے کہ اس میں ایک خبر کے بعد پھر دوسری خبر دی جاوے تو پہلی خبر جھوٹی ٹھہرتی ہے اسی واسطے حافظ ابوجعفر ابن جریر نے اپنی تفسیر میں تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا کی تفسیر انگوروں کو میوے کی طرح کھانے اور انگوری سرکہ بنانے کی کی ہے[3] اور سَکَرًا کے معنے شراب کے لے کر سورت مائدہ کی آیت اِنَّمَا الْخَمْرُ سے اس آیت کو منسوخ نہیں قرار دیا شاہ صاحب نے ترجمہ میں انہی مفسروں کا قول لیا ہے جو سکرا کے معنے شراب کے لیتے ہیں لیکن اس قول پر وہی اعتراض

[1] مشکوٰۃ ص ۴۹۵ باب صفۃ الجنۃ و اہلہا [2] صحیح بخاری ص ۱۴۲ — ۱۴۴ ج ۱ باب صلوٰۃ الکسوف جماعۃ [3] تفسیر ابن جریر ص ۱۳۸ ج ۱۴۔

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِىْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا
اور حکم بھیجا تیرے رب نے شہد کی مکھی کو کہ بنالے پہاڑوں میں گھر اور درختوں میں اور جہاں

يَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾ ثُمَّ كُلِىْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِىْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ
چھتریاں ڈالتے ہیں پھر کھا ہر طرح کے میووں سے پھر چل راہوں میں اپنے رب کی صاف پڑے ہیں

يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِىْ
نکلتی ہیں اُس کے پیٹ میں سے پینے کی چیز جس کے کئی رنگ ہیں اُس میں آزار چنگے ہوتے ہیں لوگوں میں اس میں

ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾
پتا ہے اُن لوگوں کو جو دھیان کرتے ہیں

باقی رہتا ہے جس کا ذکر اوپر گزر سا۔ آخر آیت میں فرمایا کہ کھجور اور انگور سے طرح طرح سے نفع اٹھا کر اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ان چیزوں سے اللہ تعالیٰ کو وہی لوگ پہچانتے ہیں جن کو کچھ عقل ہے ورنہ نادان لوگ تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو کام میں لاتے ہیں اور اس کی تعظیم اور عبادت میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔ ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالہ سے شدادؓ بن اوس کی روایت اوپر گزر چکی ہے[1] جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عقلمند وہ شخص ہے جو موت سے پہلے موت کے بعد کا کچھ سامان کر لیوے اور نادان عقل سے عاجز وہ شخص ہے جو عمر بھر اس سامان سے غافل رہے اور موت کے بعد اللہ تعالیٰ سے بہبودی کی توقع رکھے یہ حدیث اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں پر دھیان کر کے عقبیٰ کی بہبودی کے خیال سے احکام الٰہی کے پابند وہی لوگ ہوتے ہیں جن کو کچھ عقل ہے اور نادان وہ لوگ ہیں جو اس کے برخلاف ہیں۔

۶۸۔۶۹۔ اللہ پاک نے اس آیت میں اپنی ایک اور عجائب قدرت کا حال بیان فرمایا کہ یہ شہد کی مکھیاں جو کچھ بھی جان نہیں رکھتیں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دی ہے کہ پہاڑوں اور درختوں میں جہاں جہاں مناسب سمجھیں اپنے قیام کے لئے گھر بنالیں یہ مکھی اپنے گھر بنانے میں نہایت ہی سمجھ رکھتی ہے اور اس مضبوطی اور حکمت کے ساتھ اپنا گھر بناتی ہے کہ کیا مجال کہ ذرا بھی سوراخ رہ جائے۔ پھر اللہ پاک نے اُس کو طرح طرح کے میوے اور پھلوں سے جنگل اور باغوں میں چل پھر کر کھانے پینے کا حکم دیا اور اسے یہ بھی سمجھ دی کہ اپنے گھر کا رستہ نہ بھولے دور دراز مسافت طے کرنے پر بھی سیدھے اپنے گھر ہی کی طرف واپس آئے پھر یہ بیان فرمایا کہ اُس کے پیٹ میں سے رنگ برنگ کا شہد نکلتا ہے جس کا رنگ لال بھی ہوتا ہے زرد بھی ہوتا ہے سبحان اللہ کیا اُس کی حکمت ہے کہ ایسی بے حقیقت مکھی سے اتنا بڑا کام لیا شہد کی مکھیاں جب پھلوں اور پھولوں میووں کو چوس چوس کر آتی ہیں تو اپنے گھر میں اس چوسے ہوئے رس کو خزانہ کی طرح جمع کرتی جاتی ہیں اور اسی کا نام شہد ہے اور اُس کے پردوں سے موم بنتا جاتا ہے۔ پھر اللہ پاک نے یہ بیان کیا کہ یہ شہد جو ان مکھیوں سے حاصل ہوتا ہے اس میں انسان کے ہر مرض کی شفا ہے سارے امراض اس کے استعمال سے دفع ہوتے ہیں صحیحین میں ابو سعیدؓ خدری سے

[1] تفسیر ہذا جلد دوم ص ۲۲۳ و جلد ہذا ص ۲۱۲۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۙ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا

اور اللہ نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو موت دیتا ہے اور کوئی تم سے پہنچتا ہے اُن کی عمر کو کہ سمجھ کے

يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝۷۰

پیچھے کچھ نہ سمجھنے لگے اللہ سب خبر رکھتا ہے قدرت والا

روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے آکر کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے بھائی کو دست آرہے ہیں آپ نے فرمایا اس کو شہد پلا اُس نے جاکر شہد پلایا اور پھر آکر بیان کیا کہ یا رسول اللہ میں نے اُس کو شہد پلایا مگر اس کو تو اور زیادہ دست آنے لگے آپ نے فرمایا جا شہد پلا اُس نے پھر جاکر شہد پلایا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے شہد پلایا مگر دست اور زیادہ آنے لگے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے جا جاکر شہد پلا وہ گیا اور جاکر شہد پلایا اُس کا بھائی اچھا ہو گیا دست آنے بند ہو گئے[1] شہد کے متعلق ہر مرض میں مفید ہونے کی اکثر حدیثیں ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس کی ایک روایت یوں ہے کہ شفا تین چیزوں میں ہے پچھنے لگانا اور شہد کا پینا اور جس جگہ درد ہو اس کا داغ دینا[2] دوسری حدیث بخاری میں جابر رضی اللہ عنہ سے بعینہ یوں ہی ہے مگر اس میں اتنا اور زیادہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں داغ دینے کو دوست نہیں رکھتا[3] ابن ماجہ میں بسند جید عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ تم دو شفاؤں کو لازم پکڑو ہر مرض کے لئے کامل شفا ہیں شہد اور قرآن[4] حاصل کلام یہ ہے کہ طب کی تمام معجونوں میں شہد پڑتا ہے جسمانی مرضوں کو اسی طرح رفع کرتا ہے جس طرح قرآن کی نصیحت دل کے امراض شرک کفر اور نفاق کو رفع کرتی ہے۔

۷۰۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ساٹھ برس کی عمر کا ہو کر جو شخص دنیا کی مکروہات میں پھنسا ہے اس طرح کا شخص اگر اللہ کے روبرو توبہ کرنے اور نیک کام کرنے کا موقع نہ پانے کا عذر کرے گا تو اُس کا عذر مقبول نہ ہوگا[5] کیونکہ اتنی بڑی عمر پانے سے اُس کو اللہ کی طرف جھک جانے کا اچھا موقع مل چکا ہے۔ اسی طرح کی روایتوں سے علماء نے انسان کی عمر کے چار درجے ٹھہرائے ہیں اول درجہ تو دل بدن بڑھنے کا ہے اُس کی مدت تینتیس ۳۳ برس تک ہے پھر چالیس تک ایک ہی حالت پر آدمی رہتا ہے اسی کو سن وقوف کہتے ہیں پھر چالیس سے ساٹھ تک اندرونی گھٹاؤ انسان کی حالت میں شروع ہو جاتا ہے ایسی ہی عمر کو ادھیڑ کہتے ہیں اس کے بعد سے طرح طرح کے اندرونی مرض پیدا ہو کر وہ ادھیڑ پنے کی حالت بھی باقی نہیں رہتی اور بات کہہ کر بھول جانا اور خرابیاں اس ناکارہ عمر کی شروع ہو جاتی ہیں جس ناکارہ عمر کا ذکر آیت میں ہے حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ اس امت کے لوگوں کے لئے پچھتر برس کی عمر وہی ناکارہ عمر ہے[6] جس کا ذکر آیت میں ہے بخاری اور مسلم میں انسؓ بن مالک سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی عمر سے اللہ کی پناہ چاہی ہے[7] بعضے علماء نے یہاں پر ایک شبہ کیا ہے کہ مسند امام احمد ترمذی رمی

[1] صحیح بخاری ص ۸۴۸ ج ۲ باب الدواء بالعسل و تفسیر ابن کثیر ص ۵۷۵ ج ۲ [2] صحیح بخاری ص ۸۴۸ ج ۲ باب الشفاء فی ثلاث [3] صحیح بخاری ص ۸۴۹ ج ۲ باب الدواء بالعسل لیکن یہ روایت جابرؓ [4] تفسیر ابن کثیر ص ۵۷۶ ج ۲ الدر المنثور ص ۱۲۳ ج ۴ [5] صحیح بخاری ص ۹۵۰ ج ۲ باب من بلغ ستین سنۃ الخ [6] تفسیر ابن کثیر ص ۵۷۷ ج ۲ [7] صحیح بخاری ص ۹۴۲ ج ۲ باب الاستعاذۃ من ارذل العمر

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ

اور اللہ نے بڑائی دی تم میں ایک کو ایک سے روزی کی سو جن کو بڑائی دی نہیں پہنچا دیتے اپنی

رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ۭ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ

روزی ان کو جن کے مالک ان کے ہاتھ ہیں وہ سب اس میں برابر رہیں کیا اللہ کی نعمت کے

طبرانی اور مستدرک حاکم میں ابی بکرہؓ اور عبد اللہ بن بسرؓ کی صحیح روایتیں ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ جس شخص کی عمر بڑی ہو اور عمل نیک ہوں وہ اچھا شخص ہے۔ پھر آپ نے بڑی عمر سے اللہ کی پناہ جو چاہی ہے اس کا کیا مطلب ہے جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ جس عمر تک آدمی سے نیک کام ہو سکے نہ اس کا آیت میں ذکر ہے نہ آپ نے اس سے پناہ چاہی ہے بلکہ آپ نے ناکارہ عمر سے پناہ چاہی ہے اور اسی کا ذکر آیت میں ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آدمی کی عمر کا انقلاب یاد دلا کر یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ ان انقلابوں پر جو قادر رہا اُس نے ایک اس انقلاب کا بھی مقرر وعدہ کیا ہے کہ ہر ایک انسان کو مر کر پھر جینا ہے اس پر ایمان لانا اور عقبیٰ کی فکر کا کرنا ہر مسلمان کا جزو ایمان ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس اپنے علم اور قدرت کے موافق پہلی دفعہ انسان کو پیدا کیا ہے اُسی کے موافق وہ انسان کو پھر دوبارہ پیدا کرے گا جو لوگ اس کے منکر ہیں وہ گویا اپنی پہلی پیدائش کے منکر ہیں۔

اے — اللہ پاک نے مشرکوں کے غلط عقیدہ کے متعلق ایک دوسری دلیل بیان فرمائی کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دے رکھی ہے کسی کو غنی و تونگر پیدا کیا ہے اور کسی کو فقیر و محتاج بنایا ہے اور جس طرح مال و دولت میں ایک کو ایک پر فضیلت دی ہے اسی طرح عقل و فہم ناتوانی کمزوری حسن بدصورتی صحت مرض میں بھی ایک کو ایک پر فضیلت دی ہے ایک کی عقل زیادہ ہے ایک کی کم ایک کا علم دوسرے سے بڑھ کر ہے ایک بیمار و کمزور ہے تو دوسرا صحیح اور صاحب قوت۔ سورت الزخرف میں آوے گا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا [۲۲] مطلب یہ ہے کہ دنیا میں بعضوں کو خوشحال اور بعضوں کو تنگدست پیدا کرنے میں اتنی بڑی مصلحت ہے کہ اُس پر تمام دنیا کا انتظام منحصر ہے کیونکہ خوشحال لوگوں کو تنگدست لوگوں سے طرح طرح کے کام لینے کی ضرورت اور تنگدست لوگوں کو خوشحال لوگوں کے طرح طرح کے کام کر کے اُن سے اُجرت کے پانے کی ضرورت اور یہ ایسی ضرورتیں ہیں کہ ان پر تمام دنیا کا انتظام منحصر ہے دنیا کے سب لوگ مالدار یا سب لوگ تنگدست ہوتے تو دنیا کا یہ انتظام کبھی نہ چل سکتا معتبر سند سے مسند امام احمد میں ابی بن کعبؓ سے اور ترمذی میں ابوہریرہؓ سے جو روایتیں ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ توحید کا عہد لینے کے لئے عالم ارواح میں جب اللہ تعالیٰ نے سب روحوں کو آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا تو آدم علیہ السلام کو یہ بھی جتلا دیا کہ دنیا میں مثلاً اتنے آدمی مالدار ہوں گے اور اتنے غریب اور اسی طرح اور حالتوں کو بھی جتلا دیا اس پر آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ یا اللہ ان سب کو ایک حالت پر کیوں نہیں پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس میں یہ مصلحت ہے کہ اچھی حالت کے لوگ اپنے سے کم درجے

[1] جامع ترمذی ص ۵۹ ج ۲ باب ما جاء فی طول العمر للمؤمن

يَجۡحَدُونَ ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡ

مکر ہیں اور اللہ نے بنا دیا تم کو تمہاری قسم سے عورتیں اور دیئے تم کو تمہاری

اَزۡوَاجِكُمۡ بَنِيۡنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمۡ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالۡبَاطِلِ يُؤۡمِنُوۡنَ

عورتوں سے بیٹے اور پوتے اور کھانے کو دیں تم کو ستھری چیزیں سو کیا جھوٹی باتیں مانتے ہیں

وَبِنِعۡمَتِ اللّٰهِ هُمۡ يَكۡفُرُوۡنَ ۝۷۲

اور اللہ کے فضل کو نہیں مانتے

کی حالت والوں کو دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کریں۔ صحیح مسلم ترمذی اور ابن ماجہ میں عبداللہؓ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس تنگدست آدمی نے تنگدستی پر صبر و قناعت کو اختیار کیا اُس نے بڑی مراد پائی مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن ایسے شخص کو صبر و قناعت کا بڑا اجر ملے گا سورت الزخرف کی آیت اور ان حدیثوں کو اس آیت کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سب بندوں کو ایک حالت پر کیوں نہیں پیدا کیا حضرت عبداللہؓ بن عباس کے قول کے موافق آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مصلحت کے موافق ان مشرکین مکہ کو مالدار پیدا کر کے ان کے غلام لونڈی کو ان کا محتاج بنا دیا اور یہ ظاہر بات ہے کہ یہ لوگ اپنے لونڈی غلاموں کو اپنی عزت اپنی مالداری کی حالت میں شریک نہیں کرنا چاہتے تو پھر وہ اللہ جو آسمان و زمین کا بادشاہ ہے اُس کی تعظیم اور بادشاہت میں یہ لوگ دوسروں کو کیوں اور کس سند سے شریک ٹھہراتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جو ان کو پیدا کیا ہے اور ان کو دنیا کی طرح طرح کی نعمتیں جو دی ہیں کیا اُس کی شکر گزاری کے یہی ڈھنگ ہیں جو ان لوگوں نے اختیار کئے ہیں صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبداللہؓ بن مسعود کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اب اپنے پیدا کرنے والے کی تعظیم میں جو دوسروں کو شریک کرے تو اُس سے بڑھ کر کوئی بات ناشکری اور وبال کی دنیا میں نہیں ہے[1] اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل وہی ہے جو حضرت عبداللہؓ بن عباس کے قول کے موافق اوپر بیان کیا گیا۔

۲؎ اللہ پاک نے یہ ایک نعمت کا احسان جتلایا کہ تمہارے واسطے تمہاری جنس کی عورتیں پیدا کیں حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے حضرت حوا کو پیدا کیا چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں اور علیحدہ صحیح مسلم میں ابو ہریرہؓ کی جو روایتیں[2] ہیں ان میں اس کا ذکر تفصیل سے ہے اور اُس میں مصلحت یہ ہے کہ اگر غیر جنس کی بیویاں انسان کے لئے پیدا کی جاتیں تو انسان کو ایسے وحشت ہوتی یہ محبت اور انسیت میاں بیوی میں ہرگز نہ ہوتی غرض کہ یہ کمال مہربانی اللہ جل شانہ کی ہے کہ اُس نے انسان کے لئے انسان ہی کا جوڑا بنایا اور پھر اُس سے آل و اولاد کا سلسلہ چلایا حضرت عبداللہؓ بن عباس حَفَدَةً کی تفسیر میں یہ کہتے ہیں کہ اِس سے مراد پوتے پوتیاں ہیں اور نواسے نواسیاں پھر اللہ پاک نے یہ فرمایا کہ تمہاری زندگی کے لئے یہ سامان بھی مہیا کر دیا کہ تمہارا رزق پاک صاف چیزوں میں مقرر کیا تاکہ ایک وقت مقررہ تک تم زندگی بسر کرو پھر

؎ جامع ترمذی ص ۳۲ ج ۲ تفسیر سورت الاعراف و مشکوٰۃ ص ۲۲ باب الایمان بالقدر ؎ جامع ترمذی ص ۵۹ ج ۲ باب ماجاء فی الکفاف والصبر علیہ ؎ مشکوٰۃ ص ۱۶ باب الکبائر ——— [1] ؎ صحیح بخاری ص ۷۷۹ ج ۲ باب المداراۃ مع النساء و تفسیر ہذا جلد دوم ص ۲۲۱۔

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمَاوَاتِ وَ

اور پوجتے ہیں اللہ کے سوا ایسوں کو جو مختار نہیں اُن کی روزی کے آسمان

الْأَرْضِ شَيْئًا وَلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿٧٣﴾ فَلَا تَضْرِبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ ۚ إِنَّ اللَّهَ

زمین سے کچھ اور نہ مقدور رکھتے ہیں سو مت بٹھاؤ اللہ پر کہاوتیں اللہ جانتا

يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٧٤﴾

ہے اور تم نہیں جانتے

ان نعمتوں کا بھی کچھ خیال نہیں کرتے بت پرستی کئے چلے جاتے ہو اور وہ بت جن میں کسی ایک بات کی بھی قدرت نہیں اُن کو اپنا معبود ٹھہراتے ہو اور انہیں پر تمہارا ایمان ہے اور خدا کی ان سب نعمتوں کا شکر نہیں بجا لاتے کفر کرتے ہو اوپر کی آیت کی تفسیر میں صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث گزر چکی ہے[۱] اسی حدیث کو اس آیت کی تفسیر میں بھی بڑا دخل ہے جس کا حاصل وہی ہے جو عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق اوپر کی آیت کی تفسیر میں بیان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو ان کو ان کی جنس کی بیویوں کو پیدا کیا اور ان کو اور دنیا کی نعمتیں دیں اب ان نعمتوں کے پیدا کرنے والے کی تعظیم میں دوسروں کو شریک ٹھہرانا بڑے وبال کی بات ہے۔

۷۳۔۷۴۔ اوپر وحدانیت الٰہی کا ذکر فرما کر اب مشرکوں کو یوں قائل کیا کہ تم لوگ جو سوا اللہ کے غیروں کی عبادت کرتے ہو جن میں اتنی بھی قدرت نہیں کہ تمہارے رزق کا کچھ انتظام کریں نہ آسمان میں ان کا اختیار کہ وہاں سے مینہ برسا سکیں نہ زمین میں ان کا کچھ تصرف ہے کہ اُس میں غلہ پیدا کریں اور درخت اگائیں عالم بالا اور عالم پستی میں کہیں بھی ان کا ذرہ برابر دخل نہیں بلکہ خود انہی میں کوئی قدرت نہیں دوسرے کے محتاج ہیں خدا کی مخلوق ہیں اس لئے یہ عبادت کے ہرگز سزاوار نہیں اطاعت اور بندگی تو خدائے وحدہ لاشریک کو زیبا ہے جو کل شئے کا خالق اور رازق ہے پھر فرمایا کہ اللہ کی مخلوق کو اُس کا شبیہ نہ قرار دو کیونکہ وہ سب خدا کے بندے ہیں اور اُس کی ملکیت اور اختیار میں ہیں صرف وہی اکیلا ہے جو کسی کے اختیار میں نہیں اس واسطے اُس کا کوئی مثل نہیں مشرکین مکہ جاہلیت میں اعتقاد رکھتے تھے کہ اللہ جل جلالہ کا مرتبہ ایسا عالی ہے کہ ہم میں سے کسی کو اُس کی عبادت کی مجال نہیں ہے اسی واسطے وہ لوگ بتوں کی پوجا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جن لوگوں کی یہ بت مورتیں ہیں وہ اللہ کے خالص بندے ہیں اُن کو خدا کے دربار میں تقرب حاصل ہے بارگاہ الٰہی میں یہ ہماری شفاعت کریں گے جس طرح چھوٹے آدمی دنیا میں بادشاہوں کے مصاحبوں کی خدمت کرتے ہیں اور وہ لوگ بادشاہوں کی خدمت بجا لاتے ہیں ہر شخص کا مقدور نہیں کہ بادشاہوں تک اُس کی رسائی ہو جاوے تو انہی مصاحبوں کے وسیلے سے اللہ پاک نے اس عقیدے کو یوں غلط قرار دیا کہ تمہیں اس کا علم نہیں ہم جانتے ہیں خدا کے ہاں بھلا اُن کو کیا تقرب حاصل ہو سکتا ہے اگر ایسا ہوتا تو اس بت پرستی کے جرم میں پہلی امتوں پر طرح طرح کی آفتیں کیوں آتیں مکہ کے قحط کے وقت تمہیں ان بتوں سے کچھ مدد کیوں نہ ملی صحیح بخاری کے حوالہ سے عبداللہ بن عباسؓ کی روایت

[۱] یعنی زیر تفسیر آیات سابقہ۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا

اللہ نے بتائی ایک کہاوت ایک بندہ پرایا مال نہیں مقدور رکھتا کسی چیز پر اور ایک جس کو ہم نے روزی دی اپنی

رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ۭ هَلْ يَسْتَوٗنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ

طرف سے خاصی روزی سو وہ خرچ کرتا ہے اس میں سے چھپے اور کھلے کہیں برابر ہوتے ہیں سب تعریف اللہ کو ہے

گزر چکی[1] ہے کہ ان بت پرستوں نے مرے ہوئے نیک لوگوں کی مورتیں بنالی ہیں انہیں مورتوں کی پوجا کرتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ نیک لوگ ان بت پرستوں کی سفارش کریں گے۔ سورت یونس میں یہ بھی گزر چکا ہے کہ قیامت کے دن جب ان بت پرستوں کا ان نیک لوگوں سے آمنا سامنا ہوگا تو وہ نیک لوگ ان بت پرستوں سے اپنی بیزاری ظاہر کریں گے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ سورت یونس کی آیت وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ (۱۰: ۲۸) اور سورت الانبیا کی آیت يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا (۲۱: ۹۷) اور حضرت عبد اللہ بن عباس کی حدیث یہ سب آیت اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ کی گویا تفسیر ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اب تو ان لوگوں کا یہ اعتقاد ہے کہ جن نیک لوگوں کی مورتوں کی یہ پوجا کرتے ہیں وہ نیک لوگ اللہ سے ان بت پرستوں کی سفارش کریں گے لیکن جس قیامت کے یہ لوگ منکر ہیں اس دن کا حال ان کو معلوم نہیں اللہ کو خوب معلوم ہے کہ اس دن وہ نیک لوگ بجائے سفارش کے ان بت پرستوں سے بیزار ہو جاویں گے جس بیزاری کے بعد یہ بت پرست اپنے اس غلط اعتقاد پر بہت پچھتاویں گے اور اس وقت کا پچھتانا ان کے کچھ کام نہ آوے گا۔

۷۵ ۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو اللہ کا شریک اور مثل ٹھہرانے سے منع فرما کر دو مثالیں بیان فرمائیں جن میں سے ایک کو اس آیت میں یوں ذکر فرمایا کہ تم دنیا میں دیکھو کہ ایک وہ شخص ہے جو کسی کا غلام ہو اور اس میں کسی بات کی قدرت نہ ہو بالکل مفلس ہو اپنے آقا کا دست نگر ہو دوسرا وہ شخص جو آزاد ہو اور اللہ پاک نے اسے آسودہ حال کیا ہو ہر طرح کی جاہ و ثروت اسے دے رکھی ہو وہ اپنے مال میں سے اپنی خواہش کے موافق کھلے چھپے خرچ کر رہا ہو کسی بات کا محتاج نہ ہو تو فرمایا کہ کیا یہ دونوں شخص کبھی برابر ہو سکتے ہیں ان میں آسمان و زمین کا فرق ہے باوجود اس بات کے پھر یہ دونوں خدا کی مخلوق ہیں اسی کے بندے ہیں صرف فرق ہے تو یہ ہے کہ ایک غلام و محتاج ہے دوسرا آزاد صاحب دولت ہے غرض کہ اللہ پاک کی بھی یہی مثال ہے کہ وہ سارے جہان میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرتا رہتا ہے کوئی اس کا ہاتھ نہیں روک سکتا اور ماسوا اللہ کے جن کی عبادت یہ مشرکین کرتے ہیں جن میں کسی بات کی قدرت نہیں خود وہ اپنے نفع اور ضرر کے مالک نہیں ہیں پھر وہ دوسروں کی کیا دستگیری کریں گے بہر حال جب ان میں کسی قسم کی قدرت نہیں ہے تو ہرگز یہ لائق اس کے نہیں ہیں کہ ان کی عبادت کی جائے اور ان کو معبود ٹھہرایا جائے عبادت کے قابل اسی کی ذات ہے جس کا کوئی مثل نہیں اور جس کو ہر شے پر پوری پوری قدرت حاصل ہے سارے جہان میں وہ جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔ پھر اللہ پاک نے یہ بیان فرمایا کہ ساری خوبیاں اور کل بڑائیاں اللہ جل جلالہ کو سزاوار ہیں اور کوئی اس کا استحقاق ذرہ برابر نہیں

[1] جلد ہذا ص ۲۱۵ ۔ ۲۲۷ ۔ ۲۲۳ ۔

بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٧٥﴾ وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا أَبْكَمُ

بلکہ وہ بہت لوگ نہیں جانتے اور بتائی اللہ نے ایک مثال دو مرد ہیں ایک گونگا

لَا يَقْدِرُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَهُوَ كَلٌّ عَلَىٰ مَوْلَاهُ أَيْنَمَا يُوَجِّههُّ لَا يَأْتِ بِخَيْرٍ

کچھ کام نہیں کر سکتا اور وہ بوجھ ہے اپنے صاحب پر جس طرف اس کو بھیجے نہ کر لاوے کچھ بھلا

رکھتا پھر فرمایا کہ اکثر لوگ جو گمراہ ہیں اور خدا اور رسول کے منکر ہیں اور اللہ جل شانہ کا شریک ٹھہراتے ہیں اس بات کو نہیں جانتے کہ عبادت کے لائق کون ہے اور جن مورتوں کی یہ پوجا کرتے ہیں اُن کو یا جن کی شکل کی یہ مورتیں ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کے کارخانوں میں کہاں تک دخل ہے اور اگر کچھ دخل نہیں ہے تو پھر اُن کو لائق عبادت اور اللہ کا شریک کیوں ٹھہرایا جاتا ہے اور دنیا کی بادشاہی مصاحبوں کی مثال اُن کے حق میں کیوں کر صادق کی جاتی ہے۔ صحیح بخاری کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعود کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے[1] کہ جب قریش نے اپنی سرکشی نہیں چھوڑی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں قحط کی بددعا کی اور مکہ میں ایسا سخت قحط پڑا کہ مشرک لوگ مردار جانوروں کی کھالیں کھا کھا کر زندگی بسر کرتے تھے اور اس سختی کے زمانے میں مشرکوں نے اپنے بتوں سے مینہ کے برسنے کی بہت کچھ التجا کی مگر کچھ نہ ہوا آخر اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی دعا سے مینہ برسا۔ اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جن مورتوں کی مشرک لوگ پوجا کرتے ہیں ان کو یا جن کی شکل کی یہ مورتیں ہیں اُن کو اللہ تعالیٰ کے کارخانوں میں کچھ دخل نہیں ہے اس لئے یہ مورتیں اور مورتوں والے اللہ تعالیٰ کے شریک نہیں ٹھہرائے جا سکتے۔

۷۶۔ یہ دوسری مثال اللہ پاک نے بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی اور اپنے جھوٹے معبودوں کی یہ مشرک یوں مثال سمجھیں کہ دنیا میں دو شخص ہوں ایک تو نا سمجھ اور گونگا ہو کہ کسی کی بات نہ سمجھے اور نہ کسی کی بات کا کچھ جواب دے سکے کسی کام کے کرنے کی اُس کو قدرت نہ ہو اور وہ اس وجہ سے اپنے مالک کو گراں گزرتا ہو کہ اُس کا آقا اُسے کسی کام کے انجام دینے بھیجے تو وہ زبان اور سمجھ بوجھ نہ ہونے کی وجہ سے اُس کو بخوبی اور عمدگی سے انجام نہ دے سکے دوسرا ایک وہ شخص ہو جو لوگوں کو اچھی اچھی باتوں اور نیک کاموں کی ہدایت کرے اور خود بھی راہ راست پر ہو تو فرمایا کہ کیا یہ دونوں شخص یکساں ہو سکتے ہیں اسی طرح ان بتوں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مثال ہے کہ بت اندھے بہرے لنگڑے بے دست و پا ہیں ایک پتھر کو تراش خراش کر کے اسے کسی جاندار کی شکل پر بنا رکھا ہے نہ اسے کسی بات کے سمجھنے کی طاقت ہے اور نہ کہیں آنے کی اور نہ کہیں جانے کی نہ وہ کسی کی سن سکتا ہے اور نہ کسی کی بات کا جواب دے سکتا ہے اور حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم جنہیں اللہ پاک نے اپنا رسول بنا کر لوگوں کی طرف بھیجا ہے وہ خود بھی راہ حق کے رہبر ہیں اور دوسروں کو بھی اس کی ہدایت کرتے ہیں تو اللہ کے رسول اور ان بتوں میں ظاہر ظاہر فرق ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ خدا اور مشرکوں کے جھوٹے معبود ہرگز مساوی نہیں ہیں خدا میں ہر ایک بات کی قدرت ہے جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے اور جس کی چاہتا ہے سنتا ہے اپنے رسول کی معرفت وہ جس کو چاہے نجات کا راستہ بتا سکتا ہے برخلاف ان بتوں کے کہ ان میں کوئی بات ان باتوں میں کی

[1] جلد ہذا ص ۳۱۴۔

هَلْ يَسْتَوِىْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٧٦﴾ وَ

کہیں برابر ہے وہ اور ایک شخص جو حکم کرتا ہے انصاف پر اور ہے سیدھی راہ پر اور

لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

اللہ پاس ہیں بھید آسمان اور زمین کے

نہیں پائی جاتی بعضے مفسروں نے اس آیت کی شان نزول میں یہ بیان کیا ہے کہ یہ آیت حضرت عثمانؓ اور ان کے ایک غلام کے حق میں جو گونگا تھا اتری[1] ہے۔ اُس غلام کا نام اسید بن ابی العیص تھا حضرت عثمانؓ اُس کے نان ونفقہ کے کفیل تھے اور اگرچہ حضرت عثمانؓ دین اسلام کے ایک زبردست رکن تھے مگر ان کا غلام دین اسلام کو مکروہ جانتا تھا مگر آیت عام ہے اَبْکَمُ سے ہر کافر مراد ہے اور یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ہر مومن دیندار مراد ہے صحیح بخاری کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعود کی حدیث جو اوپر کی آیت کی تفسیر میں گزری وہی حدیث اس آیت کی بھی تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کے رسول راہ حق پر ہیں اس لئے اُن کی بددعا سے پہلے مکہ میں قحط پڑا اور پھر ان کی ہی دعا سے وہ قحط رفع ہوا اور مشرکوں کے جھوٹے معبود کسی قابل نہیں اس واسطے قحط کے زمانے میں اپنے پجاریوں کی کچھ مدد نہ کر سکے اور جب ان جھوٹے معبودوں میں ایک قحط کے رفع کرنے کی قدرت نہیں تو اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور عبادت میں ان کو شریک کرنا بڑی نادانی ہے۔ سورۃ الشعراء میں مشرکوں کی اس نادانی کا ذکر تفصیل سے آوے گا جس کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے دن جب ان مشرکوں کو اور ان کے جھوٹے معبودوں کو دوزخ میں ڈالے جانے کا حکم ہوگا تو اس وقت یہ مشرک لوگ نادانی سے شرک میں گرفتار رہنے کا اقرار کر کے دنیا میں دوبارہ آنے اور شرک سے بچے رہنے کی تمنا کریں گے مگر یہ بے وقت کا اقرار اور بے وقت کی تمنا سب رائگاں جاوے گا۔

۷۷۔ آیت کے اس ٹکڑے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال علم کو ذکر فرمایا کہ غیب کا علم سوائے خدا کے اور کسی کو نہیں ہے انبیاء اور رسول کوئی بھی غیب دان نہیں ہیں اللہ پاک نے جس کو جتنا وحی یا الہام کے ذریعہ سے خبردار کر دیا وہ اتنا ہی جانتا ہے اور ماسوا اس کے آسمان و زمین میں جو جو باتیں غیب کی ہیں اس کا علم کسی کو نہیں خدا ہی جانتا ہے اور غیب کا علم اُسی کے ساتھ خاص ہے چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت عمرؓ سے روایت[2] ہے کہ جب حضرت جبریل علیہ السلام نے انسان کی شکل میں آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ قیامت کب ہے تو آپ نے یوں اپنی لاعلمی ظاہر کی کہ پوچھنے والے سے میں زیادہ نہیں جانتا ہوں جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح پوچھنے والے کو اُس کا علم نہیں ہے کیونکہ اگر وہ جانتا ہوتا تو پھر پوچھتا کیوں اسی طرح مجھے بھی اس کا علم نہیں ہے۔ جو چیز مخلوقات کی نظروں سے غائب ہے اُس کو غیب کہتے ہیں مثلاً دنیا میں یہ کہ قیامت کب آوے گی یا کل کیا ہوگا یا مینہ کب برسے گا یا حاملہ عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی یا عقبیٰ میں عذاب قبر جنت دوزخ کا حال یہ سب غیب کی باتیں ہیں سورۃ الجن میں آوے گا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے بذریعہ وحی کے ان غیب کی باتوں میں سے کچھ باتیں بتلا دیتا ہے تاکہ اُس غیب کی بات کا ظاہر کر دینا نبوت کی نشانی ٹھہرے مثلاً بدر کی لڑائی میں جو سرکش مشرک لوگ مارے جانے

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۵۷۹ ج ۲ [2] مشکوٰۃ ص ۱۱ کتاب الایمان۔

وَمَآ أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٧٧﴾

اور قیامت کا کام دیا ہے جیسے ایک نگاہ کی یا اُس سے قریب اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے

والے تھے ان کے مارے جانے سے ایک رات پہلے ان لوگوں کے نام اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بتلا دئے۔ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حال صحابہ سے کہہ دیا چنانچہ صحیح مسلم کی انسؓ بن مالک کی یہ روایت ایک جگہ گزر چکی ہے صحیح بخاری و مسلم میں ابو ذرؓ سے جو روایتیں ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا دوزخ کا حال جو کچھ مجھ کو معلوم ہے اگر وہ تفصیل سے تم لوگوں کو معلوم ہو جاوے تو تم ہنسنا بالکل کم کر دو ہر وقت روتے رہو بستی چھوڑ کر جنگل کو نکل جاؤ اور وہاں ہر دم اللہ سے لو لگائے رہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کا انتظام قائم رہنے کے لئے بعض غیب کی باتیں اللہ کے رسول نے بقدر ضرورت مختصر طور پر امت کو بتلائی ہیں حاصل کلام یہ ہے کہ ان جھوٹے معبودوں کو جب بھلا بُرا حال ہی کسی کا معلوم نہیں کہ آیندہ ان کے پوجنے والوں کے حق میں کیا ہونے والا ہے تو پھر یہ اپنے پوجنے والوں کے آیندہ کے نہ کسی ضرر کو دفع کر سکتے ہیں نہ کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں چنانچہ مکہ کے قحط میں ان مشرکوں کو اس کا تجربہ ہو چکا ہے کہ ان جھوٹے معبودوں سے کچھ مدد رفع قحط میں ان مشرکوں کو نہ ملی آخر اللہ کے رسول کی دعا سے وہ قحط رفع ہوا جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ بارگاہ الٰہی میں اللہ کے رسولوں کا کیا مرتبہ ہے اور ان جھوٹے معبودوں کی رسائی اس بارگاہ میں کہاں تک ہے۔

حدیث شریف میں قیامت کا لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو معنے میں فرمایا ہے ایک تو کسی زمانہ کے سارے موجودہ لوگوں کا رفتہ رفتہ اپنی عمر پا کر مر جانا اور دوسرے زمانہ کے لوگوں کا اُن پہلے لوگوں کی جگہ پیدا ہو جانا مثلاً رفتہ رفتہ سارے صحابہ کا وفات پا کر تابعین کے زمانہ کا آجانا یہ گویا ایک زمانے کے لوگوں کے مر جانے کے حساب سے ایک درمیانی قیامت ہے اسی زمانہ کو قرن صحابہ اور قرن تابعین کہتے ہیں۔ دوسرے تمام دنیا کی عمر پوری ہو کر صور کا پھونکا جانا غرض یہ دونوں صورتیں اس طرح کی ناگہانی اور اچانک آنے والی ہیں کہ جب اُن کا وقت آوے گا تو آنکھ جھپکانے میں آجاوے گا کیوں کہ ہر شخص کو اپنی عمر کا حال معلوم نہیں کہ آنکھ جھپکانے میں کب مر جاوے اسی طرح یہ بھی معلوم نہیں کہ جس قدر روحوں کا دنیا میں پیدا کرنا اللہ تعالیٰ نے ازل میں ٹھہرایا ہے اُن کی گنتی کب پوری ہو جاوے اور اس آخری قرن کے ختم پر دنیا کی عمر ختم ہو کر پلک جھپکانے میں صور پھونک دیا جاوے۔ اور تمام عالم تباہ ہو جاوے اس واسطے ہر انسان کی عمر کا بھروسہ نہ ایک پل کا ہے نہ دنیا کی عمر کا کچھ بھروسہ ہے۔ اس مطلب کے ذہن نشین کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے۔ حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ غفلت سے لوگ اپنی عمر اور دنیا کی عمر کے بھروسہ پر بڑے بڑے دیر طلب کام کرتے ہیں اللہ کے نزدیک وعدہ آجانے کی دیر ہے پھر اُس کی قدرت کے روبرو درمیانی

[1] صحیح بخاری ص ۲۰۷ – ۲۰۸ و غیرہ [2] الترغیب ص ۲۶۱ ج ۲ الترغیب فی الخوف و فضلہ۔

وَاللّٰهُ أَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ أُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّجَعَلَ لَكُمُ

اور اللہ نے تم کو نکالا تمہاری ماں کے پیٹ سے نہ جانتے تھے کچھ اور دیئے تم کو

اور آخری قیامت کا قائم ہو جانا پلک کے جھپکنے سے بھی نزدیک ہے کیونکہ اُس کی درگاہ میں ہر کام کے لئے فقط حکم کی دیر ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ بُرے کام سے توبہ اچھے کام کا سرانجام جو کچھ انسان کو کرنا ہے وہ آج کرے آج کے کام کو کل پر نہ رکھے کس لئے کہ جب انسان کی عمر کو قیام ہی نہیں تو نہیں معلوم کہ کل کیا ہو۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رض سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ لوگ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے آنے کا حال پوچھا کرتے تھے تو آپ ایک کم عمر لڑکے کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کرتے تھے کہ یہ لڑکا بوڑھا نہ ہونے پاوے گا کہ اتنے میں تم لوگوں کی قیامت قائم ہو جاوئے گی مطلب یہ ہے کہ اُس لڑکے کے بوڑھا ہونے سے پہلے اُس قرن کے سب عمر رسیدہ لوگ مر جاویں گے یہ حدیث قیامت کے پہلے معنے کی تفسیر ہے۔ صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب عیسٰی علیہ السلام دجال کو ہلاک کر چکیں گے تو ملک شام کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا آوے گی جس سے اس طرح کے سب لوگ مر جاویں گے جن کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا اب دنیا میں پھر شرک پھیل جاوے گا۔ اسی حالت میں پہلا صور پھونکا جاوے گا اور تمام دنیا برباد ہو جاوئے گی۔ یہ حدیث قیامت کے دوسرے معنے کی تفسیر ہے۔ صحیح بخاری کے حوالہ سے عبداللہ بن عمر کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ مرنے کے بعد جو شخص قیامت کے دن جنتی بن جانے والا ہے اُس کو اُس کا جنت کا ٹھکانا اور جو دوزخی بن جانے والا ہے اُس کو اُس کا دوزخ کا ٹھکانا صبح شام اللہ کے فرشتے دکھا کر یہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن اس ٹھکانے میں جانے کے لئے تجھ کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا حضرت عائشہ رض کی روایت میں ہر قرن کی موت کو قیامت جو فرمایا ہے اُس کی یہ تفصیل عبداللہ بن عمر کی روایت سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ مرنے کے ساتھ ہی ہر شخص کو قیامت کے دن کا اپنا انجام معلوم ہو جاتا ہے اس لئے ہر قرن کے لوگوں کے حق میں اُن کی موت بھی گویا قیامت ہے اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی کام اللہ کی قدرت سے باہر نہیں ہے اس لئے وقت مقررہ پر ایک قرن کے لوگوں کی موت اور تمام دنیا کی بربادی اور پھر جزا و سزا کے لئے حشر کا قائم ہونا ان سب چیزوں کی اس کو قدرت ہے جو لوگ اس کے منکر ہیں وہ نادان ہیں۔ کیونکہ دنیا کا کارخانہ دیکھ کر یہ ہر سمجھدار سمجھ سکتا ہے کہ یہ اتنا بڑا کارخانہ بغیر جزا و سزا کے بے ٹھکانے رہ جاتا ہے۔

۷۸۔۷۹۔ اوپر ذکر تھا کہ جب وقت آئے گا تو پلک جھپکنے میں درمیانی یا آخری قیامت آجائے گی کیونکہ اسے ہر شئے پر پوری قدرت ہے وہ کسی چیز سے عاجز نہیں ہے منکر حشر یہ نہ سمجھیں کہ قیامت نہ ہوگی اور پھر انسان دوبارہ زندہ نہ ہوں گے اب فرمایا کہ اللہ پاک نے تمہیں اِس حالت میں پیدا کیا کہ تمہارا کچھ وجود نہ تھا باپ کی پیٹھ سے ماں

۱؎ مشکوٰۃ ص ۴۸۰ باب قرب الساعۃ الخ ۲؎ صحیح مسلم ص ۴۰۳ ج ۲ باب ذکر الدجال ۳؎ صحیح بخاری ص ۱۸۴ ج ۱ باب المیت یعرض علیہ مقعدہ الخ۔

السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۷۸﴾ أَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ

کان اور آنکھیں اور دل شاید تم احسان مانو کیا نہیں دیکھے اڑتے جانور

مُسَخَّرَاتٍ فِي جَوِّ السَّمَاءِ ۖ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ

حکم کے باندھے آسمان کی ہوا میں کوئی نہیں تھام رہا ان کو سوا اللہ کے اس میں پتے ہیں اُن

لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۷۹﴾

لوگوں کو جو یقین لاتے

کے شکم میں نطفہ کو ٹھہرادیا اور رفتہ رفتہ اُس نطفہ سے پتلا بنایا پھر روح پھونکی اور تمہیں ماں کے پیٹ سے جب رد ئے زمین پر ظاہر کیا اس وقت بھی تمہاری حالت یہ تھی کہ تم دنیا میں کسی چیز کو نہیں جانتے تھے نہ نفع کی چیزوں کا تمہیں علم تھا نہ ضرر دینے والی اشیا کو تم جانتے تھے نہ دوست کو پہچانتے تھے نہ دشمن کی شناخت تھی یہاں تک کہ اپنے ماں باپ کو بھی نہیں پہچانتے تھے مگر اللہ پاک نے تمہیں کان دئیے کہ تم لوگوں کی باتوں کو سنو کہ وہ کیا کہتے ہیں اور آنکھیں بھی دیں کہ اچھے برے کو دیکھ کر تمیز کرو اور اپنی زندگی میں ان آنکھوں کے ذریعہ سے مناسب کام لو نفع و ضرر کو دیکھو دوست و دشمن کو پہچانو غرض کہ آنکھیں عجیب نعمت ہیں ان کی حقیقت اور قدر وہی جانتا ہے جو کسی زمانے میں آنکھیں رکھتا ہو اور پھر بحکم قضاء و قدر اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہو گیا پھر اسی پر اللہ پاک نے اکتفا نہیں کیا انسان کو دل بھی دیا تاکہ ہر شے کو سمجھے بوجھے اطباء کے قول کے موافق دل مرکز حیات ہے اگر دل میں کچھ فتور پڑ جاوے تو انسان کی زندگی کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ بہر حال یہ نعمتیں ایسی نہیں ہیں جن کو انسان بھول جاوے اور اُن پر منعم حقیقی کا شکر نہ بجالائے انسان جس جس طرح اپنے کمال پر پہنچتا جاتا ہے اُسی اُسی طرح اُس کے کان اور دل کی قوت میں ترقی ہوتی جاتی ہے اور اُس کی عقل رفتار زمانہ کو دیکھ دیکھ کر تازہ تازہ سبق حاصل کرتی ہے اور ہونہار اور سلیم الطبع شخص اسی عقل کے ذریعہ سے اپنے حقیقی مالک کی ہستی پر دلیل قائم کرتا ہے اور اس بات کو پائے ثبوت تک پہنچا دیتا ہے کہ انسان جیسے کل پرزے کے پتلے کی پیدا کرنے والا ضرور کوئی نہ کوئی ذات ہے جس کا کوئی مثل نہیں پھر اللہ پاک نے اپنی ہستی پر دوسری دلیل قائم کی کہ آسمان و زمین کے درمیان میں تم سینکڑوں جانوروں کو اڑتے ہوئے دیکھتے ہو جن کو نہ آسمان سے کوئی تعلق نہ زمین سے کوئی علاقہ جس طرح انسان دریا میں تیرتا ہے اسی طرح یہ ہوا میں سیر کرتے پھرتے ہیں کیا ان کا تھامنے والا اور روکنے والا سوائے خدا کے اور کوئی ہے ہرگز نہیں یہ بھی اس کی ادنیٰ قدرت ہے ورنہ یہ خاکی جانور اپنے اجسام کے بوجھ کے سبب سے فوراً زمین پر آن پڑتے پھر فرمایا کہ یہ باتیں ایسی ہیں جن پر سلیم عقلیں ایمان لاتی ہیں اور ایمان دار بندے جو خدا کے دین کے تابعدار ہیں ان باتوں سے خدا کی وحدانیت اور اُس کے عجائب قدرت پر دلیل پکڑتے ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہؓ بن مسعود سے اور صحیح مسلم میں حذیفہؓ بن اسید سے جو روایتیں ہیں۔ اُن کا حاصل یہ ہے کہ حمل کے دوسرے چلے میں بچے کے آنکھ کان اور دل کی بناوٹ شروع ہو جاتی ہے اور چار مہینے میں بچہ کا پتلا بالکل تیار ہو کر اُس میں روح پھونکی جاتی ہے[1] ان حدیثوں کو آیت کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب قرار

[1] صحیح مسلم ص ۳۳۲ ج ۲ باب کیفیت خلق الآدمی الخ۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ

اور اللہ نے بنادئے تم کو تمہارے گھر بسنے کی جگہ اور بنادئے تم کو چوپایوں کی کھال سے ڈیرے

بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَ

جو ہلکے رہتے ہیں تم کو جس دن سفر میں ہو اور جس دن گھر میں آؤ اور اُن کی اون سے اور

اَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا

برئیوں سے اور بالوں سے کتنے اسباب اور برتنے کی چیز ایک وقت تک اور اللہ نے بنادئے تم کو اپنی بنائی

پایا کہ آنکھ کان اور دل کی بناوٹ تو ماں کے پیٹ میں ہوتی ہے اور ان اعضا سے نفع اٹھانے کا موقع ماں کے پیٹ سے پیدا ہو جانے کے بعد حاصل ہوتا ہے اور آیتوں میں ان اعضا سے نفع اٹھانے کا اور اُس کی شکر گزاری کا ذکر ہے اس لئے آیتوں میں بچہ کی پیدائش کے بعد ان اعضا کا ذکر فرمایا اور حدیثوں میں ان اعضا کی ساخت اور بناوٹ کے وقت کا ذکر فرمایا گیا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ آیتوں اور حدیثوں میں کچھ مخالفت نہیں ہے بلکہ ایک دوسرے کی تفسیر ہے۔ اوپر اُڑتے ہوئے جانور آنکھوں سے نظر آتے ہیں اور آنکھوں سے دیکھی ہوئی چیز پر آدمی کو پورا یقین ہو جاتا ہے اس لئے آنکھوں کے ذکر کے بعد اڑتے ہوئے جانوروں کا ذکر فرمایا تاکہ آنکھوں والا شخص اس قدرت الٰہی کو دیکھے اور اس صاحب قدرت کو پہچانے اور اُس کی تعظیم میں کسی کو شریک نہ کرے۔

۸۰۔ ۸۳۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ایک اور دلیل اپنی توحید کی بیان کی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے آرام و آسائش کے لئے گھر بنادئے کہ جب چل پھر کر تھک جاؤ تو وہاں آکر آرام کرو راتوں کو اطمینان سے اس میں سو جاؤ تمہارے بال بچے ادھر اُدھر مارے مارے نہ پھریں دھوپ کی گرمی سے امن پاؤ برسات میں مینہ کے بھیگنے سے بچو جاڑے کی سردی سے نجات پاؤ پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا اس حکمت سے تم اگر سفر میں جاؤ گے تو کہاں قیام کرو گے تمہارے واسطے چارپاؤں کے کھال کے خیمے چھولداریاں وغیرہ بنادئے جن کو تم اپنے ساتھ لے جایا کرو اور آسانی سے اُن کو نصب کر لیا کرو اور سونے بیٹھنے میں اس سے بہت بڑا نفع حاصل کرو پھر فرمایا کہ جانوروں کی کھال ہی تک نفع محدود نہیں رکھا بلکہ اُس کی۔ اون اور بال تمہارے واسطے بنائے ہیں شال دوشالے پشمینے وغیرہ کپڑے اسی جانور کے ان سے لوگ بنتے ہیں اور بہی طرح طرح کی اشیاء اس سے تیار ہوتی ہیں پھر فرمایا کہ جب تک یہ دنیا قائم ہے اور جب تک تمہاری زندگی دنیا میں ہوگی اس سے عجیب و غریب نفع اٹھاؤ گے بہرحال یہ نعمتیں جو اللہ پاک نے بیان فرمائیں کہ خیمے وغیرہ تمہاری آسائش کے لئے بنائے گئے یہ درحقیقت امراء کے لئے نعمت تھی مگر بیچارے غریب جو سفر میں آتے جاتے رہتے ہیں اُن کی رفع تکلیف کے لئے یہ سامان راحت مہیا کر دیا کہ جابجا رستوں میں درخت پیدا کر دیئے ہیں تاکہ آنے جانے والے مسافر دھوپ میں اُس کے سایہ میں آرام حاصل کریں اور مینہ میں بھی قدرے اُس کے نیچے پناہ پکڑیں اور پہاڑ اور پہاڑ کی گھاٹیاں تمہارے سایہ میں ٹھہرنے کے واسطے ایک عمدہ جگہ تیار کی ہے پھر اللہ پاک نے اپنی عام نعمت کا ذکر فرمایا جو امیروں اور غریبوں پر یکساں ہے فرمایا کہ تمہارے لئے پہننے کے کپڑے اس لئے بنائے کہ گرمی میں اُن کو پہنو تو لو وغیرہ سے بچو اور جاڑے میں اُسے استعمال کر کے سردی سے نجات پاؤ اللہ پاک نے اس آیت میں صرف گرمی

خَلَقَ ظِلٰلًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ

چیزوں کی چھاؤں اور بنا دیں تم کو پہاڑوں میں چھپنے کی جگہ اور بنا دیئے تم کو کرتے جو بچاؤ ہیں

الْحَرَّ وَ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ

گرمی کے اور کرتے جو بچاؤ ہیں لڑائی کے اسی طرح پورا کرتا ہے اپنا احسان تم پر شاید تم

تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ

حکم میں ہو پھر اگر پھر جاویں تو تیرا کام یہی ہے کھول کر سنا دینا پہچانتے ہیں اللہ

اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَ اَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾ ع

کا احسان پھر منکر ہو جاتے ہیں اور بہت اُن میں ناشکر ہیں

کا ذکر کیا ہے کیونکہ قرآن مجید ملک عرب میں نازل ہوا ہے اور عرب میں گرمی زیادہ پڑتی ہے سردی مطلق نہیں ہوتی اسی لئے صرف گرمی کے بچاؤ کا ذکر کیا مگر مراد اس سے یہی ہے کہ گرمی اور سردی دونوں موسموں میں انسان کے واسطے کپڑے آرام کی چیز ہیں۔ پھر اللہ پاک نے اُس کرتے کا ذکر کیا جس کو زرہ کہتے ہیں یا جسے لڑائی میں پہنا کرتے ہیں فرمایا کہ تمہارے واسطے وہ کرتے بھی تیار کرا دئے جسے پہن کر لڑائی کے وقت دشمنوں کی تلوار کی ضرب سے امن میں رہو غرض کہ اللہ پاک اپنی نعمتیں لوگوں پر اسی طرح پوری کرتا ہے تاکہ لوگ اُس کو پہچانیں پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر کہا کہ اگر باوجود ان نعمتوں کے معلوم کرنے کے یہ لوگ اسلام سے بے بہرہ رہیں اور ایمان نہ لاویں تو اس کا تم پر کوئی الزام نہیں ہے تمہیں تو کھول کر اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے پھر تم بری الذمہ ہو ماننا نہ ماننا ان کا اختیار ہے یہ لوگ خدا کی نعمتوں کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور پھر بھی خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں تمہاری رسالت کا انکار کرتے ہیں کفر کرتے ہیں تو اس کا وبال ان پر پڑے گا مجاہد کا قول ہے کہ ایک گنوار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا آپ نے یہ آیت پڑھی وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے رہنے کے لئے گھر بنا دئے اُس اعرابی نے کہا کہ ہاں پھر آپ نے کہا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا آخر تک اُس گنوار نے کہا ہاں پھر آپ نے ساری آیت پڑھ کر سنائی وہ ہاں ہاں کرتا رہا جب آپ نے یہ آیت پڑھی كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ جس کا مطلب ہے کہ اللہ پاک تم پر اپنی نعمتیں پوری کرتا ہے تاکہ تم اسلام لاؤ وہ اعرابی اس آیت کو سن کر اٹھ کر چلا گیا اُس پر یہ آیت نازل ہوئی يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَ اَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ[1] کہ خدا کی نعمتوں کو یہ کفار پہچانتے ہیں اور پھر بھی انکار کرتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ ان میں اکثر ازلی کافر ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے[2] کہ دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کے موافق لوح محفوظ میں یہ لکھ لیا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد کتنے آدمی جنت میں جانے کے قابل کام کریں گے اور کتنے آدمی دوزخ میں جلنے کے قابل اب دنیا میں پیدا ہونے کے بعد ہر شخص ویسے ہی کام کرتا ہے اور وہی کام اُس کو اچھے اور آسان معلوم ہوتے ہیں اس حدیث کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان مشرکین مکہ میں کے جو لوگ

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۵۸۰ ج ۲ [2] جلد ہذا ص ۲-۲-۲۲۲ وغیرہ۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا

اور جس دن کھڑا کریں ہم ہر فرقہ میں ایک بتانے والا پھر حکم نہ ملے منکروں کو اور نہ

هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٨٤﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ

اُن سے توبہ مانگے اور جب دیکھیں بے انصاف مار پھر ہلکے نہ ہوں اُن سے

وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿٨٥﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ

اور نہ اُن کو ڈھیل ملے اور جب دیکھیں شریک پکڑنے والے اپنے شریکوں کو بولیں اے رب یہ ہمارے

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچان کر پھر جو انجان بن جاتے ہیں اور اپنے کفر پر اڑے ہوئے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کا انجام علم الٰہی میں دوزخ قرار پا چکا ہے اس لئے اے رسول اللہ کے ان کی گمراہی کا کچھ الزام تم پر نہیں ہے فقط اللہ کا پیغام سب کو پہنچا دو جن کی قسمت میں راہ راست پر آنا لکھا گیا ہے وہ راست پر آجاویں گے ہاں بدبخت ازلی اپنے ارادہ سے تو راہ راست پر آنے والے نہیں اور اُن کو مجبور کر کے راہ راست پر لانا انتظام الٰہی کے برخلاف ہے کیونکہ دنیا نیک و بد کے آزمانے کے لئے پیدا کی گئی ہے مجبوری میں وہ آزمائش باقی نہیں رہتی۔

۸۴۔۸۷۔ اللہ پاک نے مشرکوں کے نتیجے جو قیامت کے دن ہوں گے اُن کو ان آیتوں میں بیان فرمایا کہ ہر ایک امت کا گواہ اس روز اُس امت کا پیغمبر کھڑا ہو کر اس بات کی گواہی دے گا کہ جو پیغام خدا کی طرف سے اِن کے پاس پہنچایا گیا اُس کا کیا جواب ان لوگوں نے دیا کس کس نے اُن کی رسالت کی تصدیق کی اور کس کس نے اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا اگرچہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے لیکن اُس نے مخلوق کے حساب و کتاب کا دارومدار اپنے علم پر نہیں رکھا ہے جس طرح دنیا میں انسان کی عادت جاری ہے کہ ہر ایک مقدمہ میں گواہ پیش ہو کر فیصلہ ہوا کرتا ہے اسی طرح آخرت میں بھی گواہوں کی شہادت سن کر فیصلہ کیا جائے گا غرض منکر من قبلہ انبیاء و رسول ہر امت کے خدا کے روبرو اُن کی گواہی دیں گے اور مشرک لوگ جب اس گواہی کو نہ مانیں گے تو مشرکوں کے اعضاء سے گواہی دلوائی جاوے گی پھر ان مشرکوں کا کوئی عذر نہیں سنا جائے گا اور نہ ان کو زبان کھولنے کی اجازت ملے گی پھر مشرکین اور کفار جنہوں نے خدا کی نافرمانی کر کے دنیا میں اپنی جان پر ظلم کیا تھا جہنم کے عذاب کو دیکھیں گے اور ان پر عذاب ہونے لگے گا تو پھر اُس میں کمی نہیں کی جائے گی دم لینے کی بھی مہلت نہیں ملے گی اور جس وقت مشرکین اپنے ان معبودوں کو دیکھیں گے جنہیں دنیا میں وہ پوجتے تھے اور خدا کا شریک ٹھہراتے تھے تو کہنے لگیں گے کہ اے رب یہی ہمارے وہ شریک ہیں جنہیں ہم تیرے سوا دنیا میں پوجتے تھے اور پکارتے تھے انہیں کی نسبت ہمارا یہ خیال تھا کہ ان کے سبب سے ہمیں تیری قربت حاصل ہوگی اور انہیں کی نسبت ہمارا یہ اعتقاد تھا کہ تیرے دربار میں یہ ہماری شفاعت کریں گے مشرکوں کی یہ باتیں سن کر اُن کے وہ معبود جلدی سے اُن کے قول کو جھٹلا دیں گے کہ تم محض جھوٹے ہو تم نے ہرگز ہماری عبادت نہیں کی تم تو اپنی خواہش نفسانی کے پیرو تھے تمہارا نفس جو کچھ تمہیں سکھلاتا تھا وہی کرتے تھے۔ یہاں شہید کے معنے گواہ کے ہیں تفسیر ابن ابی حاتم میں قتادہ کا قول ہے کہ ہر ایک امت کی حالت پر یہ رسولوں کی گواہی اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہوگی کہ اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام اپنی امتوں کو پہنچا دیا۔ مسند امام احمد صحیح بخاری نسائی اور ابن ماجہ کے حوالہ سے سورۃ الاعراف میں

شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ

شریک ہیں جن کو ہم پکارتے تھے تیرے سوا تب وہ اُن پر ڈالیں بات کہ تم

لَكٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ۨالسَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا

جھوٹے ہو اور آپڑیں اللہ کے آگے اُس دن عاجز ہو کر اور بھول جاوے اُن کو جو جھوٹ

يَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا

باندھتے تھے جو لوگ منکر ہوئے ہیں اور روکتے رہے ہیں اللہ کی راہ سے اُن کو ہم نے بڑھائی مار

ابو سعیدؓ خدری کی حدیث گزر چکی ہے[۱] جس کا حاصل یہ ہے کہ جن امتوں نے دنیا میں اپنے رسولوں کی نافرمانی کی ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُن امتوں کے رسولوں سے پوچھے گا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے احکام اپنی امتوں کو پہنچا دئے تھے اللہ تعالیٰ کے رسول جواب دیویں گے یا اللہ تجھے خوب معلوم ہے کہ ہم نے ان لوگوں کو تیرے سب احکام پہنچا دئے تھے۔ اس حدیث سے قتادہ کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے اس لئے قتادہ کا قول اور یہ حدیث آیت کے ٹکڑے وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا کی تفسیر ہے۔ صحیح بخاری میں سعیدؓ بن جبیر سے روایت ہے[۲] جس کا حاصل یہ ہے کہ نافع بن ازرق نے حضرت عبداللہ بن عباس سے پوچھا تھا کہ قرآن شریف میں کہیں تو یہ ہے کہ مشرکوں کو قیامت کے دن بات کرنے اور کسی عذر کے پیش کرنے کا حکم نہ ہوگا اور کہیں یہ ہے کہ مشرک لوگ قسمیں کھا کھا کر اللہ تعالیٰ کے روبرو شرک کا انکار کریں گے اس اختلاف کا کیا سبب ہے۔ حضرت عبداللہؓ بن عباس نے اس کا جو جواب دیا اُس کا حاصل یہ ہے کہ قیامت پچاس ہزار برس کا دن ہے اُس میں یہ مشرک لوگ پہلے پہل شرک سے انکار رسولوں کا جھٹلانا سب کچھ کریں گے پھر آخر کو ان کے منہ پر خاموشی کی مہر لگائی جا کر ان کے ہاتھ پیروں سے گواہی لی جاوے گی اس کے بعد ان کو جھوٹ بولنے اور کسی جھوٹے عذر کے پیش کرنے کا موقع باقی نہ رہے گا۔ معتبر سند سے مسند امام احمد صحیح ابن حبان اور مسند ابی یعلی میں ابو سعیدؓ خدری سے روایت ہے[۳] جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کا دن پچاس ہزار برس کا ہوگا صحیح مسلم کے حوالہ سے ابو ہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے[۴] کہ جب مشرک لوگ اپنے اسلام کا جھوٹا دعویٰ کریں گے تو ان کے منہ پر خاموشی کی مہر لگائی جا کر ان کے اعضا سے اصل حال کی گواہی ادا کرائی جاوے گی تاکہ ان کا جھوٹ اچھی طرح کھل جاوے اور یہ لوگ پورے قائل ہو جاویں۔ ان حدیثوں سے عبداللہؓ بن عباس کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے اور حضرت عبداللہؓ بن عباس کا قول اور یہ حدیثیں آیت کے ٹکڑے ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ کی تفسیر ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ آیت کے اس ٹکڑے میں مشرکوں کی ایک خاص حالت کا ذکر ہے دوزخیوں کی جلی ہوئی کھال کے گھڑی گھڑی بدلے جانے کا ذکر مشرکوں کے جھوٹے معبودوں کا اپنے پوجنے والوں سے بیزار ہونے کا ذکر مشرکوں کے شرک سے پچتانے کا ذکر یہ سب اوپر گزر چکا ہے وہی باقی آیتوں کی تفسیر ہے۔

۸۸؎ علماء مفسرین نے اس میں بڑا اختلاف کیا ہے کہ وہ عذاب پر عذاب جو زیادہ دیا جاوے گا جس کا ذکر اس آیت میں ہے وہ کس قسم کا عذاب ہوگا لیکن اوپر حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث صحیح مسلم کی روایت سے بیان ہو چکی ہے کہ جو کوئی شخص کوئی راستہ نیک نکالے

۱؎ تفسیر ہذا جلد دوم ص ۱۴۳۱ ۲؎ صحیح بخاری ص ۷۱۲ ج ۲ ۳؎ تفسیر سورہ حم السجدہ ۴؎ تفسیر ابن کثیر ص ۵۸۱ ج ۲ ۵؎ جلد ہذا ص ۳۲۹۔

فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿٨٨﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا

مار بدلا اس کا جو شرارت کرتے تھے اور جس دن کھڑا کر دیں گے ہر فرقے میں ایک جتانے

عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ

والا اُن پر اُنہیں میں کا اور تجھ کو لاویں بتانے کو اُن لوگوں پر اور اُتاری ہم نے تجھ پر کتاب

تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿٨٩﴾

کھلا بیان ہر چیز کا اور راہ کی سوجھ اور مہر اور خوشخبری حکم برداروں کو

تو اُس نیک راستہ پر جتنے لوگ دنیا میں عمل کریں گے جس قدر اجران عمل کرنے والوں کو ملے گا اتنا ہی اجر نیک راستہ نکالنے والوں کو ملے گا اسی طرح جو کوئی شخص دنیا میں کوئی بُرا طریقہ ایجاد کرے گا تو جس قدر لوگ اُس بُرے طریقہ پر چلیں گے جتنا عذاب اُن کو ہوگا اُتنا ہی عذاب بُرا رستہ نکالنے والے پر ہوگا۔ اس حدیث سے صاف معلوم ہوگیا کہ ہر نیکی اور بدی کا ثواب وعذاب اللہ کی بارگاہ میں مقرر ہے اس صورت میں آیت کی تفسیر میں اختلاف کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ اُس صحیح مسلم کی حدیث کی بنا پر جتنے تفسیر آیت کے یہ ہیں کہ جو کوئی خود بُرا کام کرے گا اُس کو جو سزا اُس بُرے کام کی مقرر ہے وہ ملے گی اور جو کوئی بُرا کام کرکے دوسرے شخص کو کسی نیک کام سے روکے گا اور باز رکھے گا اُس باز رہنے والے شخص کو جو سزا ہوگی اُسی قدر اس باز رکھنے والے کو بھی ہوگی مثلاً زید نے فرض نماز ترک کر دی تو تارک الصلوٰۃ کی سزا زید کو ہوگی اور خالد نے خود فرض نماز چھوڑ دی اور حامد کو بہکا کر اس کا روزہ چھوڑوا دیا تو خالد کو تارک الصلوٰۃ اور تارک صوم دونوں شخصوں کی سزا ہوگی اور حامد کو فقط تارک صوم کی جو سزا ہے وہی ہوگی صحیح مسلم میں سمرہؓ بن جندب سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ کی آگ بعضے لوگوں کو ٹخنوں تک جلاوے گی اور بعضوں کو گھٹنوں تک اور بعضوں کو کمر تک اور بعضوں کو گردن تک[1] سوا اس کے اور صحیح حدیثیں ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ اہل جنت اور اہل دوزخ کے درجے اعمال کے موافق ہوں گے حاصل کلام یہ ہے کہ خود بہکنا اور دوسروں کو بہکانا یہ دو گناہ ہیں دونوں گناہوں کے سبب سے ہر نیکی اور بدی کی جزا و سزا دوزخ کے درجہ میں ایسے لوگوں کو رکھا جاوے گا۔ گنہگاروں کو دوہری سزا دی جاوے گی اور جس دوہری حرکت کے مناسب حال دوزخ کے درجہ میں ایسے لوگوں کو رکھا جاوے گا۔

٨٩۔ اللہ پاک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت میں خطاب کرکے فرمایا کہ قیامت کے دن ہر امت کے رسول اُن امت کی حالت کی گواہی دیں گے اور جب وہ امتیں اپنے رسولوں کو جھٹلاویں گی تو اے رسول اللہ کے تم سے ان رسولوں کے بیان کی صداقت کرائی جاوے گی کیوں کہ قرآن میں یہ سب صداقت موجود ہے۔ صحیح بخاری وغیرہ کے حوالہ سے ابو سعید خدری کی حدیث جو اوپر گزر چکی اس میں یہ ہے کہ قیامت کے دن نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا کہ آپ نے رسالت کی تبلیغ کی تھی نوح علیہ السلام کہیں گے کہ ہاں اے رب ہمارے ہم نے تبلیغ کی تھی پھر اُن کی امت سے سوال کیا جائے گا کہ تمہارے پاس نوح علیہ السلام نے پیغام پہنچایا تھا وہ لوگ کہیں گے ہمارے پاس تو کوئی پیغمبر ڈرانے والا نہیں پہنچا پھر نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا کہ تمہارا کوئی گواہ ہے وہ فرماویں گے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی امت گواہ ہے غرض کہ امت

[1] صحیح مسلم ص ۳۸۱ ج ۲ باب فی شدۃ حر نار جہنم و مشکوٰۃ ص ۵۰۲ باب صفۃ النار واہلہا و تفسیر ابن کثیر ص ۳۶۰ ج ۲۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ

اللہ حکم کرتا ہے انصاف کو اور بھلائی کو اور دینے کو ناتے والے کو اور منع کرتا ہے

الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٩٠﴾

بے حیائی کو اور نامعقول کام کو اور سرکشی کو تم کو سمجھاتا ہے شاید تم یاد رکھو

محمد صلی اللہ علیہ وسلم بلائی جائے گی اور وہ اُن کی صداقت کی گواہی دے گی کہ نوح علیہ السلام نے ان کے پاس پیغام پہنچایا تھا۔ جس کا قرآن میں ذکر ہے۔ غرضکہ اسی طرح ہر ایک رسول سے سوال کیا جائے گا اور وہ اپنی امت کے گواہ ہوں گے اور حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم اور اُن کی اُمت عام لوگوں کے گواہ ہوں گے کسی فرقہ اور کسی قوم اور کسی شہر والوں کے ساتھ یہ بات خاص نہ ہوگی۔ پھر اللہ پاک نے یہ فرمایا کہ اللہ نے وہ کتاب اتاری ہے جو ساری باتیں کھول کھول کر بیان کرتی ہے اسی واسطے اس میں پہلے رسولوں کے بیان کی صداقت موجود ہے اور جو لوگ فرمانبردار ہیں اُن کو یہ کتاب نجات کا رستہ بتاتی ہے اور جو اس پر عمل کرتے ہیں اُن کے لئے یہ کتاب اللہ کی رحمت اور جنت کی خوشخبری ہے۔

۹۰۔ مفسروں کے قول عدل و احسان کے متعلق مختلف ہیں بعضوں نے کہا ہے کہ عدل کلمہ طیبہ لا آلہ الا اللہ کی شہادت ہے اور احسان فرائض کا ادا کرنا ہے حضرت عبداللہؓ بن عباس سے بھی ایک روایت[1] میں یوں ہی ہے۔ اور دوسری روایت میں یوں ہے کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا یہ عدل ہے اور خدا کی عبادت کرنا کہ عبادت کرنے والا گویا خدا کو دیکھ رہا ہے یہ حسن عبادت ہے اسی کو احسان فرمایا ہے عدل کے معنے انصاف کے ہیں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اور انسان کی سب ضرورت کی چیزوں کو پیدا کیا اس لئے اللہ کی تعظیم میں کسی کو شریک نہ کرنا عین انصاف اور شریک کرنا بڑی ناانصافی ہے۔ حضرت عبداللہؓ بن عباس کے صحیح قول کے موافق یہاں عدل کے یہی معنے مناسب ہیں صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبداللہؓ بن مسعود کی حدیث ایک جگہ گزر چکی[2] ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں شرک سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں اس حدیث سے عبداللہ بن عباسؓ کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے صحیح مسلم میں حضرت عمرؓ بن خطاب کی روایت سے ایک حدیث ہے جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی عبادت اس طرح کرو گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو یہ سمجھو کہ وہ تم کو دیکھ رہا[3] ہے اس حدیث سے احسان کی صحیح تفسیر وہی ہے۔ جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ایک قول کے موافق اوپر گزری پھر اللہ پاک نے عدل و احسان کے بعد قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم فرمایا کہ ان کو دیتے لیتے رہو اگر خدا کا فضل تمہارے شامل حال ہو اور تمہیں مقدور ہو تو روپے پیسے سے اُن کی مدد کرو تم آپ بھوکے محتاج ہو تو میل ملاپ محبت مروت کی ہمدردی اُن کے ساتھ کرتے رہو پھر اللہ پاک نے نیک خصلتوں کے اختیار کرنے کا حکم فرما کر بُرے اخلاق سے منع فرمایا کہ فحش باتوں سے بچتے رہو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فحشاء کی تفسیر میں بیان فرمایا ہے کہ مراد اس سے زنا ہے کیونکہ انسان میں جو جو بُری خصلتیں ہوتی ہیں ان سب میں زیادہ قبیح یہی زنا ہے اور بعضوں نے اس کی تفسیر عام رکھی ہے کہ ہر فعل و قول جو انسان کے نزدیک مذموم ہو خواہ زنا ہو خواہ کچھ ہی ہو یہی

[1] تفسیر ابن جریر ص ۲۰۲ ج ۱۴ [2] جلد ہذا ص ۲۰۴-۲۰۶ وغیرہ [3] مشکوٰۃ ص ۱۱ کتاب الایمان۔

وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا

اور پورا کرو قرار اللہ کا جب آپس میں قرار دو اور مت توڑو قسمیں پکی کئے پیچھے

وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا ۚ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿٩١﴾ وَلَا

اور کر کے اللہ کو رکھا ضامن اللہ جانتا ہے جو کرتے ہو اور مت ہو

تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ

جیسی وہ عورت کہ توڑا اُس نے اپنا سوت کاتا محنت کے پیچھے ٹکڑے ٹکڑے کر ٹھہراؤ اپنی قسمیں بیچ لے

فحشاء ہے معتبر روایتوں میں اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے شرم وحیا کے مقابلہ میں فحش کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس سے پچھلے معنے کی پوری تائید ہوتی ہے منکر کی تفسیر بعضوں نے یہ بیان کی ہے کہ جو بات شریعت خدا و سنت رسول اللہ میں نہ پائی جاوے وہ منکر ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ شرک وکفر کو منکر فرماتے ہیں تیسری چیز جس سے بچنے کو اللہ پاک نے فرمایا وہ سرکشی ہے معتبر سند سے ترمذی اور ابن ماجہ نے ابی بکرؓ سے روایت کی ہے کہ سرکشی اور قطع رحم بڑا گناہ ہے جس کے گناہ گار کو دنیا میں جلدی عذاب کیا جاتا ہے عبداللہ بن مسعودؓ اس آیت کے متعلق یہ بیان فرماتے تھے۔ کہ قرآن مجید میں اس سے زیادہ جامع کوئی آیت نہیں ہے معتبر سند سے مسند بزار اور مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قرابتداروں کے ساتھ سلوک کرنے سے آدمی کے رزق وعمر میں ترقی ہوتی ہے[1] صلہ رحمی کی فضیلت کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جو نصیحت فرمائی ہے وہ ہر ایمان دار شخص کو یاد رکھنی چاہئے بغی سے مطلب احکام الٰہی سے سرکشی کرنے کے ہیں جس طرح مشرکین کہ اللہ کے رسول کی مخالفت اور احکام الٰہی کی تعمیل میں سرکشی کرتے تھے۔

۹۱—۹۲—اوپر کی آیت میں جن احکام کا ذکر تھا ان میں سے ایفائے عہد کو اللہ جل شانہٗ نے خاص طور پر علیحدہ بیان فرمایا اور یہ عہد عام ہے خواہ بیعت کا عہد ہو خواہ کوئی اور عہد ہو غرض انسان رات دن اپنے معاملات دینی یا دنیاوی میں جو قول وقرار کیا کرتا ہے اُس کے خلاف کرنے کو منع فرمایا کہ جب تم کسی بات کا عہد کرو تو اُس کو پورا کرو اور اگر کسی بات پر قسم کھاؤ تو اُس کو توڑو نہیں اور خاص کر اُس صورت میں جب کئی بار قسمیں کھائی ہوں کیونکہ تاکیدی قسم کے توڑنے کا گناہ معمولی قسم کے توڑنے سے بڑھ کر ہے۔ صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی بات پر قسم کھائی اور پھر دوسری بات کو اُس سے بہتر دیکھا تو وہ کام کرے جو پہلے کام سے بہتر ہے اور اپنی قسم کا کفارہ دے دے[2] کیونکہ اللہ جل شانہٗ نے دوسری جگہ بیان فرمایا ہے لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تمہیں ناکارہ قسموں پر نہیں پکڑتا پھر اللہ پاک نے یہ بیان فرمایا کہ عہد کر کے تم نے خدا کو اپنا ضامن بنایا ہے تو اسے تمہارے افعال کی پوری خبر ہے وہ تمہارے قول و قرار کے انجام کو خوب جانتا ہے کہ تم نے اپنے قول وقرار پورے کئے ہیں یا عہد شکنی کی ہے قیامت کے دن تم جو کام کیا کرتے ہو

[1] مشکوٰۃ ص ۴۲۰ باب البر والصلۃ۔ [1] الترغیب ص ۱۲۹ ج ۲ الترغیب فی صلۃ الرحم الخ [2] صحیح مسلم ص ۴۸ ج ۲ باب ندب من حلف یمینا فرای غیرہا خیرا منہا الخ۔

دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ ۚ إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ

کا بہانہ ایک دوسرے میں اس واسطے کہ ایک فرقہ ہو گر زیادہ چڑھ رہا ہو دوسرے سے یہ تو اللہ پرکھتا ہے تم کو اس سے

وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۹۲﴾ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ

اور آگے کھولے گا اللہ تم کو قیامت کے دن جس بات میں تم پھوٹ رہے تھے اور اللہ چاہتا

سب معلوم ہیں اُس کے موافق وہ تم کو جزا و سزا دے گا اس کے بعد اللہ پاک نے اُس عورت کی مثال بیان فرمائی جو سوت کات کات کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا کرتی تھی فرمایا کہ ان لوگوں کی مثال جو عہد مضبوط کر لیتے ہیں اور پھر اُس پر قائم نہیں رہتے۔ بعینہٖ اُس عورت کی مثال ہے کہ سوت کات کات کر جمع کرتی اور جب اس سے نفع اُٹھانے کا وقت آیا تو اُس کو ٹکڑے کر دیا حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ سعیدہ اسدیہ سوت بال اور چھال جمع کیا کرتی تھی اور اُس کو کتواتی اور پھر ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیتی یہ آیت اُسی کی شان میں اُتری ہے[1] امۃ سے مراد جماعت ہے اور اربیٰ سے مراد اکثر ہے مطلب یہ ہے عرب آپس میں دوستی کا عہد کرتے ہیں اور پھر صاحب عہد قبیلہ نے علاوہ کسی اور قبیلہ کو زور آور دیکھتے ہیں تو پہلے قبیلہ کے عہد کو توڑ کر دوسرے زور آور قبیلہ کے طرفدار بن جاتے ہیں اسی کو اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ اللہ کو سب چیزیں معلوم ہیں وہ عہد کے پورا کرنے کا حکم دے کر اُس کی تعمیل کو آزماتا ہے اور قیامت کے دن بدعہدی کے گناہ تمہیں جتلائے جاویں گے اور حق و ناحق علیحدہ علیحدہ کر دیا جاوے گا اور اُسی کے موافق جزا و سزا دی جاوے گی۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے عبد اللہؓ بن عمر کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہر طرح کی بدعہدی کرنے والوں کے نام کا ایک جھنڈا قیامت کے دن کھڑا کیا جاوے گا اور بدعہد لوگوں کو اُس جھنڈے کے نیچے جمع کیا جا کر تمام مخلوق کے روبرو رسوا کرنے کے لئے کہا جاوے گا کہ یہ لوگ طرح طرح کی بدعہدیاں کرنے والے ہیں[2]۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبد اللہؓ بن عمرو بن العاص کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعہدی کو منافق کی نشانی فرمایا ہے[3]۔ صحیح بخاری ترمذی اور نسائی میں عبد اللہؓ بن عمرو بن العاص سے ایک روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی قسم کو کبیرہ گناہ فرمایا ہے[4]۔ معتبر سند سے مستدرک حاکم صحیح ابن حبان اور طبرانی کبیر میں عبد اللہؓ بن مسعود اور حارثؓ بن البرصا سے جو روایتیں ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ جھوٹی قسم کا کفارہ نہیں ہے[5] جس کا مطلب یہ ہے کہ جھوٹی قسم کا گناہ بغیر توبہ کے فقط کفارہ سے معاف نہیں ہوتا بدعہدی اور جھوٹی قسم کا جو خمیازہ آدمی کو بھگتنا پڑے گا اُس کا حال ان حدیثوں سے اچھی طرح معلوم ہو سکتا ہے اس واسطے یہ حدیثیں ان دونوں آیتوں کی گویا تفسیر ہیں۔

۹۳—۹۶ — اس آیت میں اللہ پاک نے یہ بیان فرمایا کہ اگر اللہ جل شانہ چاہتا تو سارے جہان کے لوگوں کو ایک ہی فرقہ بنا دیتا کوئی کسی کا مخالف نہ ہوتا اور بدعہدی اور جھوٹی قسم کھانے کا موقع پیش نہ آتا مگر اُس کی مشیت اس کو مقتضی نہ ہوئی اسی بات میں اُس کی حکمت تھی کہ متعدد طریقے قائم ہوں اور وہ جس کو چاہے راہ راست پر آنے کی توفیق نہ دے اور جسے چاہے ہدایت دے اور پھر قیامت کے دن سارے لوگوں سے اُن کے اعمال کی پرسش کرے کہ تم نے کیا بھلائی کی اور کیا برائی کی پھر اس کے

[1] تفسیر فتح البیان ص ۴۴۲ ج ۲ [2] صحیح مسلم ص ۸۳ ج ۲ باب تحریم الغدر [3] مشکوٰۃ ص ۱۷ باب الکبائر وعلامات النفاق [4] صحیح بخاری ص ۹۸۷ ج ۲ باب الیمین الغموس الخ [5]

لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْـَٔلُنَّ

تو تم سب کو ایک ہی فرقہ کرتا لیکن بھٹکاتا ہے جس کو چاہے اور سوجھاتا ہے جس کو چاہے اور تم سے

عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ

پوچھ ہوتی ہے جو کام تم کرتے تھے اور نہ ٹھہراؤ اپنی قسمیں رکھنے کا بہانہ ایک دوسرے سے کہ ڈگمگا جائے کسی کا پاؤں

بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ

جمے پیچھے اور تم چکھو سزا اس پر کہ تم نے روکا اللہ کی راہ سے اور تم کو

بعد اللہ پاک نے اس بات کا ذکر کیا اور تاکید کی کہ تم قسم کھا کر اور قول و قرار کر کے پھر و نہیں اس میں بہت بڑی خرابی تمہارے لئے بھی ہے اور خدا کے دین میں بھی خلل آتا ہے تمہاری عہد شکنی اور وعدہ خلافی سے اور لوگ جو دین اسلام میں آنا چاہتے ہیں وہ بدظن ہو جائیں گے اور تمہارے قدم جمے ہوئے بھی اکھڑ جائیں گے اور جب تمہارے قدم اکھڑے اور دوسرے لوگ تمہارے دین میں نہ داخل ہوئے تو بے شبہ تمہاری قوت گھٹ جائے گی اور تمہیں ذلت نصیب ہو گی علاوہ اس کے آخرت میں تمہیں اس کردار کی سزا میں عذاب کا سامنا ہو گا یہاں قسم سے مطلب وہ بیعت اسلام ہے جو اسلام لانے کے وقت لوگوں سے لی جاتی تھی سو اس بیعت میں اسلام پر قائم رہنے کا مضبوط عہد لیا جاتا تھا اس لئے اس کو قسم کھانا فرمایا پھر اللہ پاک نے یہ بیان فرمایا اور جتلایا کہ لالچ میں آ کر اور دنیا کے مال فانی کی حرص میں اگر خدا کے عہد کو توڑ ڈالو گے تو تمہارے حق میں بہتر نہ ہو گا دنیا کا مال اگرچہ کتنا ہی کثیر ہو اور کتنا ہی بیش بہا ہو مگر دنیا ہمیشہ کے لئے نہیں ہے اور نہ ہمیشہ اس کو بقا ہے اس لئے جو چیزیں اس کی ہیں وہ بھی پائدار نہیں اور اگر خدا کے عہد پر جمے رہو گے تو اس کا بدلہ آخرت میں جو کچھ تمہیں ملے گا وہ تمام دنیا کی دولت سے بدرجہا بہتر اور برتر ہے کیونکہ ہمیشہ کے لئے اس کو قیام ہے اور دائمی چیز اگر قلیل بھی ہو تو اس فانی چیز سے جو کثیر ہو کہیں بہتر سمجھی جاتی ہے تم اس بات کو جانتے نہیں ہو اگر تمہیں اتنا علم ہو جائے تو آخرت کے انعام پر دنیا کی فانی دولت کو ہرگز ترجیح نہ دو پھر یہ فرمایا کہ تم جس طرح ناپید ہونے والے ہو اسی طرح تمہارے پاس کی چیزیں بھی ناپید ہونے والی ہیں اور خداوند عالم جس طرح ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اسی طرح اس کے پاس کی چیزیں بھی دائم البقا ہیں پھر صبر کرنے والوں کو بشارت دی کہ صابرین کو ایسا اچھا بدلہ ملے گا جس طرح انہوں نے اپنے نفسوں پر جبر کر کے صبر کیا ہے اسی طرح اللہ پاک انہیں جزا بھی دے گا ایک عمل کا دس گنا سے لے کر سات سو تک بلکہ اس سے بھی زیادہ بدلہ ملے گا۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی[1] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اپنے علم ازلی کے نتیجہ کے طور پر اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں یہ لکھ لیا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد کتنے آدمی جنت میں جانے کے قابل کام کریں گے اور کتنے دوزخ میں جانے کے قابل اب ہر شخص کو وہی کام اچھے اور آسان معلوم ہوتے ہیں جو دنیا میں پیدا ہونے کے بعد علم الٰہی کے موافق وہ شخص کرنے والا ہے یہ حدیث يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ علم الٰہی میں نیک قرار پا چکے ہیں وہ نیک کاموں کا ارادہ بھی کرتے ہیں اور نیک کام ان کو اچھے اور آسان بھی نظر

[1] صحیح بخاری ص ۷۳۸ ج ۲ تفسیر سورہ وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى۔

عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٩٤﴾ وَلَا تَشْتَرُوا بِعَهْدِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ إِنَّمَا عِنْدَ اللَّهِ هُوَ

بڑی ۔ مادو ۔ اللہ ۔ اللہ کے قرار پر ۔ مول ۔ تھوڑا ۔ بیشک اللہ کے یہاں ہے ۔ وہی

خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٩٥﴾ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ ۖ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ ۗ

بہتر ہے تم کو اگر تم جانتے ہو ۔ جو تمہارے پاس ہے نبڑ جاوے گا اور اللہ پاس ہے سو رہتا ہے

وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِينَ صَبَرُوا أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾

اور ہم بدلے میں دیویں گے ٹھہرنے والوں کو ان کا حق ان کا بہتر کاموں پر جو کرتے تھے

آتے ہیں اور اُن کے ارادہ کے پورے ہو جانے کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو جاتی ہے اور جو لوگ علم الٰہی میں بدقرار پاچکے ہیں وہ خود تو نیک کام کا ارادہ نہیں کرتے اور زبردستی اُن کے دل میں نیک کام کے ارادہ کا پیدا کر دینا انتظام الٰہی کے برخلاف ہے کیونکہ دنیا نیک و بد کے امتحان کے لئے پیدا کی گئی ہے کسی کو زبردستی راہ راست پر لانے کے لئے نہیں پیدا کی گئی معتبر سند سے ابی برزۃؓ اور معاذ بن جبلؓ کی روایتیں ترمذی مسند بزار اور طبرانی کے حوالہ سے ایک جگہ گزر چکی ہیں[1] کہ قیامت کے دن چار باتوں کی جواب دہی کے لئے ہر شخص کو اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑا ہونا پڑے گا (۱) تمام عمر دنیا میں کیا کیا (۲) جوانی کن کاموں میں گزاری (۳) روپیہ پیسہ کیوں کر کمایا اور کہاں خرچ کیا (۴) دین کی نصیحت پر کیا عمل کیا۔ یہ روایتیں وَلَتُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ کی گویا تفسیر ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ عہد شکنی قسم کا توڑنا جھوٹی قسم کا کھانا غرض عمر بھر جو کچھ آدمی نے کیا ہے ان چار سوالوں کے جواب میں وہ سب کھل جاوے گا اور پھر اُسی کے موافق سزا ہو گی۔ اچھی حالت سے کوئی شخص بُری حالت میں آجاوے تو ایسے موقع پر عرب لوگ زَلَّتْ قَدَمٌ بولتے ہیں آیت میں اس محاورہ کا مطلب یہ ہے کہ اسلام پر قائم رہنے کا عہد کر کے جو شخص اُس عہد سے پھر گیا تو گویا ایک اچھے موقع سے اُس کے پاؤں اکھڑ گئے۔ پاؤں ڈگمگا نے اور پاؤں اکھڑ جانے کا ایک مطلب ہے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے[2] جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں جو شخص کوئی ایسا بُرا طریقہ نکالے گا جس سے لوگ بہکیں گے تو ایسے لوگوں کو بہکنے کا جدا عذاب ہو گا اور انہوں نے بُرا طریقہ نکال کر اور لوگوں کو جو بہکایا اُس کا عذاب ان پر جدا ہو گا یہ حدیث وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان لوگوں نے اسلام پر قائم رہنے کے عہد کو جو توڑا اُس کا عذاب ان پر جدا ہو گا اور اُن کی بد عہدی کے دیکھا دیکھی جو لوگ اسلام کی طرف سے بدگمان ہو جاویں گے اور اس بدگمانی کے سبب سے دائرہ اسلام میں داخل ہونے سے رُک جاویں گے اس کا عذاب ان لوگوں پر جدا ہو گا صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انس بن مالکؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اتنی جگہ میں گھوڑے کا سوار اپنا کوڑا رکھتا ہے جنت میں کی اتنی سی جگہ تمام دنیا سے بہتر ہے[3] یہ حدیث إِنَّمَا عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس شخص نے دنیا کے کسی لالچ کے سبب سے اپنی عقبیٰ کو بگاڑا اگر وہ سمجھے تو ایسا شخص بڑے ٹوٹے میں رہا۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوسعید خدریؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ موت کو ذبح کیا جا کر جنتی اور

---

[1] تفسیر ہذا جلد دوم ص ۲۲۳ و جلد ہذا ص ۲۲۸ [2] جلد ہذا ص ۳۹۰

[3] صحیح بخاری ص ۹۲ ج ۱ باب المرابطین الخ۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً
جس نے کیا نیک کام مرد ہو یا عورت ہو اور وہ یقین پر ہے تو اس کو ہم جلا دیں گے ایک اچھی زندگی

وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۹۷)
اور بدلے دیں گے ان کو حق ان کا بہتر کاموں پر جو کرتے تھے

دوزخیوں کو ہمیشہ کے لئے جنت اور دوزخ میں رہنے کا حکم سنایا جائے گا[1] یہ حدیث مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ کی گویا تفسیر ہے
جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے سب کی آنکھوں کے سامنے اس کو قیام نہیں اور عقبیٰ میں جو کچھ ہوگا اس کی ہمیشگی ہے۔ طبرانی کبیر
میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن جب شرع کی تکلیفوں
اور تنگدستی پر صبر کرنے والوں کو بے حساب بدلہ دیا جائے گا اور لوگ یہ کہیں گے کہ دنیا میں ان کی بوٹیاں کوئی قینچی سے کاٹتا[2]
اور وہ صبر کرتے تو آج ان کو بھی بڑا بدلہ ملتا۔ آخر آیت میں صبر کے اجر کا جو ذکر مختصر طور پر ہے یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے
اس حدیث کی سند میں ایک راوی مجاعہ بن الزبیر ہے جس کو بعضے علماء نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن امام احمد نے
اس کو ناقابل اعتراض کہا ہے[3]۔

۹۷۔ اس آیت میں اللہ پاک نے یہ فرمایا کہ جو شخص اسلام کے عہد پر قائم رہے گا اور نیک عمل کرے گا خواہ وہ عمل کرنے
والا مرد ہو یا عورت تو اس کو دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت میں بھی دنیا میں اس کی چین سے کٹے گی اور آخرت میں اس کے
عمل کا بہتر سے بہتر بدلہ ملے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص مطابق شریعت کے عمل کرے گا اس کے لئے دنیا اور دین کا یہ اجر ہے حیاتِ طیبہ
میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے اس کی تفسیر میں یوں کہا ہے کہ مراد حیات طیبہ سے رزق حلال ہے[4]
جو دنیا میں نیک عمل کرنے والے مومن کو عطا ہوتا ہے گا اور حضرت علیؓ بن ابی طالب نے اس کی تفسیر قناعت کے ساتھ کی[5]
ہے۔ مسند امام احمد اور صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو کی ایک حدیث ہے کہ وہ شخص بامراد ہے جو مسلمان ہو گیا اور جو حلال قوت
لایموت اسے ملے گا۔ اس پر اس نے قناعت کی[6] اس حدیث سے حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت علیؓ کے قول کی تائید
ہوتی ہے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے صہیب رومی کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے[7] جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایماندار
شخص کی زندگی ہر حالت میں اچھی ہے کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے اگر کچھ خوش حالی دی تو وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور اگر کچھ تنگدستی
ہوئی تو صبر کرتا ہے صحیح مسلم میں انس بن مالک سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایماندار شخص
کے نیک عملوں کا بدلہ اس کو دنیا میں بھی دیا جاتا ہے اور آخرت میں بھی اس کو اجر ملے گا ہاں نافرمان لوگوں کے نیک عملوں
کا بدلہ دنیا میں ہی مل جاتا ہے۔ اجر کے قابل ان کی کوئی نیکی آخرت میں باقی نہیں رکھی جاتی[8]۔ صحیح بخاری و مسلم میں چند
صحابہ سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ ایماندار شخص کے نیک عمل کا اجر آخرت میں دس گونہ سے لے کر سات سو تک اور
بعض نیکیوں کا اس سے بھی زیادہ ملے گا۔ آیت میں ایماندار شخص کی دنیا کی اچھی زندگی اور عقبیٰ کے بہتر بدلہ کا جو ذکر ہے

[1] صحیح بخاری ص ۶۹۱ ج ۲ باب قول وانذرہم یوم الحسرۃ [2] الترغیب ص ۷۰ ج ۲ الترغیب فی الصبر الخ [3] تفسیر ابن کثیر ص ۵۰۵ ج ۲ [4] تفسیر ابن کثیر ص ۵۰۵ ج ۲

[5] تفسیر ہذا جلد دوم ص ۵۲ [6] تفسیر ابن کثیر ص ۵۰۵ ج ۲ [7] تفسیر ابن کثیر ص ۲۱۷–۲۱۶ ج ۱۔

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿۹۸﴾ إِنَّهُ لَيْسَ

سو جب تو پڑھنے لگے قرآن تو پناہ لے اللہ کی شیطان مردود سے اُس کا زور

لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۹۹﴾ إِنَّمَا سُلْطَانُهُ

نہیں چلتا اُن پر جو یقین رکھتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں اُس کا زور انہیں پر

عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُم بِهِ مُشْرِكُونَ ﴿۱۰۰﴾

ہے جو اُس کو رفیق سمجھتے ہیں اور جو اُس کو شریک ٹھہراتے ہیں

ان حدیثوں کو اُس کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایماندار شخص کی زندگی ہر حال میں اچھی ہے کیوں کہ اُس کی خوشحالی کی زندگی شکر گزاری کی ہے اور تنگدستی کی زندگی صبر و قناعت کی اور عقبیٰ میں اُس کی شکر گزاری اور صبر و قناعت کا اور اسی طرح باقی کی نیکیوں کا اجر دس گونہ سے لے کر سات سو تک اور بعضی نیکیوں کا اس سے بھی زیادہ ملے گا آیت میں وَهُوَ مُؤْمِنٌ جو فرمایا اُس کی یہ تفسیر انسؓ بن مالک کی اوپر کی حدیث سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ عقبیٰ کے اجر کے لئے ایمان داری کی شرط ضروری ہے:۔

۹۸۔۱۰۰۔ اس آیت میں اللہ پاک نے یہ حکم فرمایا کہ جب قرآن پڑھنے لگو تو پہلے خدا کے نام کے ساتھ شیطان سے پناہ مانگ لو علماء کے نزدیک یہ حکم واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔ پھر فرمایا کہ جو لوگ خدا اور رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور خدا ہی پر ہر ایک کام میں اپنا بھروسا اور تکیہ لگائے ہوئے ہیں شیطان کا ان پر کوئی قابو نہیں چلتا اور جن لوگوں نے شیطان کو اپنا رفیق ٹھہرا لیا ہے اور ہر ایک کام میں اُس کو شریک ٹھہرا لیتے ہیں انہیں پر شیطان کا زور بھی چلتا ہے اور وہ اُنہیں کے دل میں وسوسہ ڈال ڈال کر گمراہ کرتا رہتا ہے یہاں اس بات کا اختلاف ہے کہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم قرأت کے پہلے ہونا چاہیئے یا بعد میں اکثر صحابہ و تابعین و تبع تابعین اور ائمہ و فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ قرأت سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہنا چاہیے اور یہی مذہب صحیح ہے۔ تلاوت قرآن سے پہلے۔ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ کا کہنا اسی بنا پر مستحب معلوم ہوتا ہے کہ شیطان تلاوت کے وقت دل میں وسوسہ نہ ڈالے۔ صحیح مسلم میں عثمان بن ابی العاص سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ نماز اور تلاوت قرآن کے وقت شیطان اُن کے دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈال کر پریشان کرتا ہے نہ دل لگا کر نماز پڑھنے دیتا ہے نہ قرآن کی تلاوت کرنے دیتا ہے آپ نے فرمایا نماز اور تلاوت قرآن سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھ لیا کرو۔ عثمانؓ بن ابی العاص فرماتے ہیں اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کے کہہ لینے سے پھر نماز اور تلاوت قرآن کے وقت میری وہ شکایت جاتی رہی[1] اس حدیث کو پہلی دونوں آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ذکر الٰہی سے پہلے جو ایمان دار لوگ اللہ پر بھروسہ کر کے شیطانی وسوسے سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دے دیتے ہیں اُن پر شیطان کا قابو نہیں چلتا۔ معتبر سند سے حارثؓ[2] اشعری کی حدیث ایک جگہ ترمذی وغیرہ کے حوالہ سے گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ شیطان کے قابو سے بچنے کے لئے

[1] مشکوٰۃ ص ۱۹ باب فی الوسوسۃ۔

وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ ۙ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنتَ مُفْتَرٍ

اور جب ہم بدلتے ہیں ایک آیت کی جگہ دوسری اور اللہ بہتر جانتا ہے جو اُتارتا ہے تو کہتے ہیں تو تو بنا لاتا ہے یونہی

بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٠١﴾ قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ

پر اُن بہتوں کو خبر نہیں تو کہہ اُس کو اُتارا ہے پاک فرشتے نے تیرے رب کی طرف سے تحقیق

لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ﴿١٠٢﴾

تا ثابت کرے ایمان والوں کو، اور راہ کی سوجھ اور خوشخبری مسلمانوں کو

ذکر الٰہی بہت بڑی چیز ہے[1] اس حدیث کو آخری آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مشرک لوگ خالص دل کے ذکر الٰہی کے منکر ہوتے ہیں اس لئے وہ ہر وقت شیطان کے پھندے میں گرفتار رہتے ہیں اور شیطان اُن کا ہر وقت کا رفیق بنا رہتا ہے۔

۱۰۱ — ۱۰۲ — جب اللہ پاک کسی آیت کو منسوخ فرما دیتا اور اس کی جگہ دوسری آیت نازل فرماتا تو مشرکین کہا کرتے تھے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ قرآن اپنے جی سے بنا لیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ جواب دیا کہ یہ لوگ قرآن کے نازل ہونے کی حقیقت سے بالکل ناواقف ہیں قرآن مجید کی ایک ایک آیت معجزہ ہے اللہ پاک ہی کو اس کا علم ہے وہی جانتا ہے کہ کونسا حکم اس وقت کیلئے مناسب ہے اور پھر دوسرے وقت کی مصلحت کے لحاظ سے کونسا حکم ہونا چاہیئے پھر فرمایا کہ ان کافروں سے کہہ دو کہ ساری آیتیں قرآن پاک کی جبریل علیہ السلام اللہ جل شانہ کے پاس سے لاتے ہیں اس میں کوئی ناسخ ہو خواہ کوئی منسوخ سب اسی پاک پروردگار عالم کی طرف سے ہیں جو لوگ صاحب ایمان ہیں خدا اور رسول پر اُن کا پکا عقیدہ ہے وہ ہر ایک آیت پر ثابت قدم ہیں اور جانتے ہیں کہ قرآن شریف اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے پیغمبر ہیں اللہ تعالےٰ کی طرف سے جیسا پیغام آتا ہے یہ اُس کو پہنچا دیتے ہیں اگر قرآن ان کا کلام ہوتا تو اپنے قول کا اعتبار بڑھانے کے لئے پہلے قول کو دوسرے قول سے خود یہ کبھی نہ بدلتے اس ثابت قدمی کے سبب سے یہ صاحب ایمان لوگ روز بروز ہدایت پاتے رہتے ہیں اور نئی آیتوں سے نئی نئی بشارت اُن کو آخرت کے واسطے پہنچتی رہتی ہے۔ پہلا حکم دوسرے حکم سے بدل جاوے تو پہلے حکم کو منسوخ اور دوسرے کو ناسخ کہتے ہیں۔ تمام قرآن شریف میں پانچ آیتیں منسوخ ہیں جن کی تفصیل اس تفسیر کے مقدمہ[2] میں بیان کر دی گئی ہے۔ ناسخ منسوخ کی زیادہ تفصیل سورت البقرہ میں گزر چکی ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعری کی حدیث بھی سورت البقرہ میں گزر چکی ہے[3] جس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں مدینہ میں ہم صحابہ لوگ سورت براۃ کی برابر ایک سورت پڑھا کرتے تھے مگر اب وہ یاد نہیں رہی۔ اس حدیث کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن شریف کے کسی حصہ میں ناسخ منسوخ کی فقط یہی ایک صورت تھی کہ پہلے حکم سے دوسرا حکم بدل گیا مثلاً سورت مزمل کی اول کی آیتوں میں تہجد کی نماز کی فرضیت کا حکم ہو کر اس سورت کی آخر کی آیتیں نازل ہوئیں جن سے پہلا حکم جاتا رہا اسی واسطے ان کی آیتوں میں ناسخ منسوخ کی اسی ایک سورت کا ذکر فرمایا ہے ہاں قرآن شریف

[1] جامع ترمذی ص ۱۹۰ ج ۲ باب ماجاء فی فضل الصلاۃ والصیام والصدقۃ [2] تفسیر ہذا مقدمہ ص ۲۱ — ۲۲ [3] تفسیر ہذا جلد اول ص ۱۱۱۔

وَلَقَدۡ نَعۡلَمُ اَنَّهُمۡ يَقُوۡلُوۡنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِىۡ يُلۡحِدُوۡنَ

اللہ ہم کو معلوم ہے کہ وہ کہتے ہیں اُس کو تو سکھاتا ہے آدمی جس پہ تعریض کرتے ہیں اُس کی زبان ہے

اِلَيۡهِ اَعۡجَمِىٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِىٌّ مُّبِيۡنٌ ﴿۱۰۳﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰيٰتِ

اوپری اور یہ زبان عربی ہے صاف جن کو اللہ کی باتیں یقین نہیں آتیں

کے مدنی حصہ میں منسوخ آیتوں کی یہ صورت بھی پیش آئی ہے جس کا ذکر ابو موسٰیؓ اشعری کی حدیث میں ہے اِس لئے سورت بقرہ مدنی سورت میں اَوۡ نُنۡسِهَا فرما کر اس کا ذکر بھی کر دیا جس کا مطلب یہ ہے کہ بعض آیتیں بغیر کسی بدلہ کے لوگوں کے دل سے اُٹھ جاتی ہیں یہ بھی منسوخ کی ایک صورت ہے۔

۱۰۳- اس جگہ مشرکین مکہ کا دوسرا اعتراض قرآن کی نسبت اللہ پاک نے بیان فرمایا کہ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہیں کہ قرآن کچھ اللہ کا کلام نہیں بلکہ ایک آدمی محمد کو یہ قرآن سکھا جاتا ہے۔ معتبر سند سے مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ[1] کا قول ہے کہ اِس آدمی کا نام عبد بن حضرمیؓ ہے یہ شخص توراۃ اور انجیل جانتا تھا اور اُس کی زبان رومی تھی بعضے مفسروں نے یہاں سلمان فارسی کا نام ذکر کیا ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور سلمان فارسی مدینہ میں اسلام لائے ہیں غرض کہ اللہ پاک نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا کہ ان کافروں کی عقلیں کہاں گئیں جس شخص کی زبان عربی نہیں ہے اس شخص کو اللہ کے رسول کا اُستاد قرار دیتے ہیں یہ تو ظاہر بات ہے کہ قرآن مجید فصیح بلیغ زبان عربی میں نازل ہوا ہے پھر یہ کس طرح عجمی شخص کی تعلیم قرار دی جا سکتی ہے۔ یہ مشرکین مکہ خود عربی زبان کے بڑے ماہر اور نہایت فصیح و بلیغ ہیں پھر بھی ایک سورت اِس قرآن کی سورت جیسی نہیں بنا سکتے اور غیر زبان والے کو بتلاتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس سے قرآن کی آیتیں سیکھتے ہیں اِس سے ثابت ہو گیا کہ اللہ کے رسول جو کلام لاتے ہیں نہ تو وہ خود اُن کا بنایا ہوا ہے اور نہ کسی بشر عجمی یا عربی کی تعلیم ہے بلکہ حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی کے نازل ہوا ہے۔ معتبر سند سے صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے خود سلمان فارسیؓ کے حوالہ سے جو روایت کی ہے اُس کا حاصل یہ ہے کہ سلمان فارسی فارس کے شہزادوں میں سے ہیں دین کی تلاش میں اپنے وطن سے نکلے اور نو عمری کے سبب سے غلامی کے پھندے میں پھنس گئے پھر اِسی حالت میں مدینہ میں پہنچ کر اسلام سے مشرف ہوئے اِس کے بعد آزادی کے حاصل کرنے کے لئے جو رقم آخری آقا کو ادا کرنے کی تھی وہ ادا کر کے آزاد ہو گئےؓ اِس روایت کو آیت کے ساتھ ملانے سے جو مطلب قرار پایا اُس کا حاصل یہ ہے کہ اِس مکی آیت کی شان نزول میں سلمان فارسی کا نام جن مفسروں نے لکھا ہے وہ خود سلمان فارسی کے قولؓ کے برخلاف ہے۔

۱۰۴-۱۰۵- جو لوگ خدا کی نشانیوں پر ایمان نہیں لاتے اور خدا کے ذکر سے منہ پھیرتے ہیں اور اُس کے کلام کی تصدیق نہیں کرتے وہ ہرگز ہدایت نہیں پا سکتے اور نہ زبردستی خدا انہیں راہ راست پر لائے گا کیونکہ ان کی بدبختی پہلے ہی خداوند عالم کے

[1] مستدرک حاکم ص ۳۵۷ ج ۲ تفسیر سورت النحل ۲ فتح الباری ص ۲۹۴ ج ۲ شرح باب شری المملوک من الحربی الخ و ص ۲۹۳ ج ۲ شرح باب الاسلام سلمان فارسی۔

اللّٰهِ لَا يَهْدِيهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۰۴﴾ إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ

اُن کو اللہ راہ نہیں دیتا اور اُن کو دکھ کی مار ہے جھوٹ بناتے وہ ہیں جن کو

لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللّٰهِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿۱۰۵﴾ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ

یقین نہیں اللہ کی باتوں پر اور وہی لوگ جھوٹے ہیں جو کوئی منکر ہوا اللہ سے پیچھے

بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَٰكِنْ مَنْ

لائے پیچھے مگر وہ نہیں جس پر زبردستی کی گئی اور اُس کا دل برقرار ہے ایمان پر لیکن جو کوئی دل

علم ازلی میں ظاہر ہو چکی ہے اِس لئے آخرت میں اِن کے واسطے بہت ہی دردناک عذاب مقرر کیا گیا ہے یہ لوگ یہ جو کہتے ہیں کہ قرآن محمد نے آپ ہی سے گھڑ کر بنایا ہے یا کسی بشر نے انہیں سکھلایا ہے یہ ان لوگوں کا جھوٹ ہے کہ ایسے شخص کو جو نہایت راست گو مشہور ہیں انہیں جھٹلاتے ہیں۔ جس وقت ابوسفیان سے روم کے بادشاہ ہرقل نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے چال چلن اور صفات کو دریافت کیا اور پوچھا کہ کیا تم انہیں جھوٹ کی تہمت لگا سکتے ہو تو ابوسفیان نے جواب دیا نہیں کیونکہ کبھی ان کو جھوٹ بولتے نہیں سنا اس پر ہرقل نے کہا کہ پھر بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ دنیاداری کے معاملہ میں جو شخص لوگوں کے سامنے جھوٹ بولنا چھوڑ دے اور اللہ پاک پر جھوٹ بولے اپنے کلام کو اُس کا کلام بتادے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہؓ بن عباس کی روایت جو ابوسفیان کے حوالہ سے ہے اُس میں یہ ہرقل کا قصہ تفصیل سے ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین مکہ ازلی بدبختی کے سبب سے اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتے تھے ورنہ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا سچ ان لوگوں میں ایسا مشہور تھا کہ ان میں کا کوئی شخص اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ کی تہمت نہیں لگا سکتا تھا اسی واسطے فرمایا کہ اللہ کے رسول کی صداقت کی شہرت کے بعد پھر جو یہ لوگ اُن کو جھٹلاتے ہیں تو یہی لوگ جھوٹے ہیں صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے[۲] جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اپنے علم ازلی کے نتیجہ کے طور پر اللہ تعالے نے لوح محفوظ میں یہ لکھ لیا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد کتنے آدمی جنت میں جانے کے قابل کام کریں گے اور کتنے دوزخ میں جانے کے قابل اب دنیا میں ہر شخص کو وہی کام اچھے اور آسان معلوم ہوتے ہیں جن کو علم الٰہی کے موافق وہ کرنے والا ہے۔ اِس حدیث کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ مشرکین مکہ اللہ کے رسول کی صداقت کے قائل تھے مگر بدبختی ازلی کے سبب سے پھر بھی اللہ کے رسول کا جھٹلانا اُن کو اچھا نظر آتا تھا اور دنیا نیک و بد کے امتحان کے لئے پیدا ہوئی ہے اِس لئے اِن لوگوں کو مجبور کر کے راہ راست پر لانا اللہ تعالیٰ کو منظور نہ تھا۔

۱۰۶—۱۰۹۔ اللہ پاک نے اِس آیت میں اُن لوگوں کا حال بیان فرمایا جو ایمان لانے کے بعد پھر اسلام سے پھر جاتے ہیں اور اُن کے دل میں کفر کی باتیں سما جاتی ہیں ایسے لوگوں کے حق میں فرمایا کہ ان لوگوں پر خدا کا غضب ہے ان پر آخرت میں بہت بڑا عذاب ہوگا کیونکہ انہوں نے ایمان کو پہلے جان لیا تھا اور پھر کفر کیا ان لوگوں نے دنیا کی زندگی اور اُس کے اسباب کو دوست رکھا اور آخرت کی کچھ

[۱] صحیح بخاری میں ہے ج اقبل کتاب الایمان [۲] جلد ہذا ص ۲۰۲۔

شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٦﴾

کھول کر کفر سے ہو سو اُن پر غضب ہے اللہ کا اور اُن کو بڑا مار ہے

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ ۙ وَأَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي

یہ اس واسطے کہ انہوں نے عزیز رکھی دنیا کی زندگی آخرت سے اور اللہ راہ نہیں

الْقَوْمَ الْكٰفِرِينَ ﴿١٠٧﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ

دیتا منکر لوگوں کو وہی ہیں کہ مہر کر دی اللہ نے اُن کے دلوں پر اور کانوں پر

پرواہ نہیں کی کہ وہاں کیا ہوگا ایسے لوگوں کو خدا کبھی ہدایت نہیں کرتا بلکہ ان کے دل اور کان اور آنکھ پر مہر لگا دیتا ہے کہ نہ تو کسی بات کو سمجھتے ہیں اور نہ حق بات کو سنتے ہیں اور نہ اچھے برے کے دیکھنے کی انہیں تمیز ہوتی ہے یہ لوگ سراسر غفلت میں رہتے ہیں اور انجام کار ان کا آخرت میں یہی ہونے والا ہے کہ ہر طرح سے یہ نقصان میں رہیں گے مگر بعض لوگ ان میں وہ بھی ہیں جو بسبب اسلام لانے کے ایذا دیئے جاتے ہیں اور ان پر کفر کرنے کو بڑے بڑے جور و ستم ہوتے ہیں۔ اگر یہ لوگ جان بچانے کی خاطر سے کفر کا کلمہ فقط منہ سے کہہ دیں اور دل سے ایماندار ہیں تو پھر ان پر مضائقہ نہیں معتبر سند سے تفسیر ابن ابی حاتم میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ عمار بن یاسرؓ پر کفار طرح طرح کا ظلم کرتے تھے اور سخت عذاب ان پر ہوا کرتا تھا اور یہ سب کچھ اس بات کے واسطے تھا کہ وہ حضرت سرور کائنات صلعم کی رسالت کا انکار کریں مجبور ہو کر انہوں نے کفار کی کلام کی تائید کی اور آنحضرت صلعم کے پاس آکر عذر خواہی کی کہ یا رسول اللہ میں نے اس طرح آپ کی شان میں کہا اُس پر اللہ پاک نے آیت نازل فرمائی[1] معتبر سند سے دلائل النبوت بیہقی اور مستدرک حاکم میں محمد بن عمار بن یاسرؓ کی ایک روایت ہے کہ مشرکوں نے ایک روز عمار بن یاسرؓ کو پکڑ لیا اور اُن پر بہت ہی سختی کی جب انہوں نے ان مشرکوں کے بعض ارادہ اور گفتگو میں شراکت کی پھر یہ شکایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی آپ نے عمار بن یاسرؓ سے دریافت فرمایا کہ تو اپنے دل کی کیا کیفیت پاتا ہے آیا کفر کے کلمے فقط زبان ہی سے کہے یا دل میں بھی اُس کا خطرہ گزرا عمار بن یاسرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلعم میرا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہے دل میں ایک شبہ بھی کفر کا نہیں ہے[2] آپ نے فرمایا اگر مشرک پھر تجھ سے اس بات کو چاہیں تو بھی ویسا ہی کر نسائی میں معتبر سند سے روایتیں ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمارؓ نے اگرچہ زبان سے کلمہ کفر کہا لیکن اُس کا دل ایمان سے بھرا ہوا تھا[3] غرض جس کے دل میں ایمان ہو اور اُس پر کفر کا کلمہ کہنے کے لئے ظلم کیا جائے اور اُس کی جان اُس وقت معرض خطر میں ہو تو اُس کو جائز ہے کہ جان بچانے کے لئے زبان سے کلمہ کفر کا اگر چاہے تو کہہ دے اور نہیں کہنا تو بہر حال اولیٰ ہے کیونکہ جو شخص اس حالت میں قتل کیا جاتا[4] ہے وہ درجہ شہادت پاتا ہے چنانچہ عمار کے باپ یاسر اور اُن کی ماں سمیہؓ کو مشرکین مکہ نے طرح طرح کی تکلیفیں دے کر شہید کر ڈالا عمار کی ماں سمیہؓ مشرکوں کی پروردہ تھیں عمار کے باپ یاسرؓ نے سمیہؓ سے نکاح کر لیا تھا اسی واسطے مشرکین مکہ ان تینوں کو اسلام سے پھر جانے کے لئے غلاموں کی طرح تکلیفیں دیتے تھے معتبر سند سے ترمذی ابوداؤد نسائی

---

[1] تفسیر فتح البیان ص ۲۴۳ ج ۲ و تفسیر الدر المنثور ص ۱۳۲ ج ۴ [2] تفسیر فتح البیان ص ۲۴۳ ج ۲ و تفسیر ابن کثیر ص ۵۸۷ ج ۲ و مستدرک حاکم ص ۳۵۷ ج ۲ [3] تفسیر سورت النحل [4]

وَأَبْصَارِهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ﴿١٠٨﴾ لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ

اور آنکھوں پر اور وہی ہیں بیہوش آپ ہی ثابت ہوا کہ آخرت میں وہی

الْخَاسِرُونَ ﴿١٠٩﴾ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ

خراب ہیں پھر بات یہ ہے کہ تیرا رب اُن لوگوں پر کہ وطن چھوڑا ہے بعد اس کے کہ بچلائے گئے پھر

جَاهَدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١١٠﴾ يَوْمَ تَأْتِي

لڑتے رہے اور ٹھہرے رہے تیرا رب ان باتوں کے بعد بخشنے والا مہربان ہے جس دن آوے گا

۱۴ ع ۱۰ ۲۰

اور ابن ماجہ میں سعیدؓ بن زید سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے دین کی حفاظت میں مارا جاوے وہ شہیدؓ ہے اِس حدیث سے یاسرؓ اور سمیہؓ کی شہادت اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے یہ سعید بن زیدؓ عشرہ مبشرہ میں سے مشہور صحابی ہیں اِن کی کنیت ابوالاعور ہے سوائے بدر کے اور سب لڑائیوں میں یہ شریک تھے بدر کی لڑائی کے وقت یہ ابوسفیان کے قافلہ کی تلاش میں گئے ہوئے تھے اس واسطے بدر کی لوٹ کے مال میں سے اُنہوں نے بھی حصہ پایا ہے یہ سعید بن زیدؓ حضرت عمرؓ کے بہنوئی ہیں حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ سعید بن زیدؓ کی بیوی وہی ہیں جن کے سبب سے حضرت عمرؓ اسلام لائے حدیث کی سب کتابوں میں ان سعید بن زیدؓ سے روایتیں ہیں معتبر سند سے مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کاتب وحی نے جب ناسخ منسوخ آیتیں لکھیں تو اُس کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو گیا کہ قرآن اگر کلام الٰہی ہوتا تو ہمیشہ اُس میں ایک ہی حکم قائم رہتا دوسرے حکم سے پہلا حکم کبھی نہ بدلتا اسی شبہ کے سبب سے عبداللہ بن سعد اسلام سے پھر گیا اور فتح مکہ تک اسی حال پر رہا حاصل کلام یہ ہے کہ جس طرح عمار بن یاسرؓ کا قصہ مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ کی تفسیر ہے اسی طرح عبداللہ بن سعد کا قصہ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا کی تفسیر ہے معتبر سند سے ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ ترمذی اور نسائی کے حوالہ سے گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کثرت گناہوں سے آدمی کے دل پر مہر کی طرح زنگ چھا جاتا ہے جس کے سبب سے ایسے لوگوں کے دل میں حق بات کے سمجھنے کی آنکھوں اور کانوں میں حق بات کے دیکھنے اور سننے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی آیتوں میں عبداللہ بن سعد جیسے لوگوں کے دل آنکھ کان پر مہر کر دینے کا جو ذکر ہے یہ حدیث گویا اُس کی تفسیر ہے صحیح بخاری و مسلم میں انسؓ بن مالک سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے دن بعض لوگوں کو حوض کوثر پر سے فرشتے گھسیٹ کر لے جانے لگیں گے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماویں گے یہ تو میری جان پہچان کے مسلمان لوگ ہیں فرشتے جواب دیویں گے آپ کے بعد یہ لوگ اسلام سے پھر گئے یہ حدیث بھی مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا کی گویا تفسیر ہے۔

۱۱۰۔۱۱۱۔ جو لوگ دل کھول کر اسلام سے پھر گئے اوپر اُن کا ذکر تھا ان آیتوں میں اُن لوگوں کا ذکر فرمایا جو کمزور تھے اور اپنی قوم میں خوار و ذلیل ہو رہے تھے اور کفار مکہ کے فتنے میں پڑ گئے تھے اور پھر قابو و موقع پا کر وہاں سے نکل کھڑے ہوئے اور

لہ جامع ترمذی ص ۷، ج ۱ باب ما جاء من قتل دون مالہ فہو شہید۔ ۲ مستدرک حاکم ص ۳۵۶ - ۳۵۷ ج ۲ تفسیر سورت النحل۔ ۳ جامع ترمذی ص ۱۶۸ ج ۲ تفسیر سورت ویل للمطففین۔ ۴ صحیح بخاری ص ۹۷۴، ج ۲ کتاب الحوض۔

كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا

ہر جی جواب سوال کرتا اپنی طرف سے اور پورا ملے گا ہر کسی کو جو اُس نے کمایا اور اُن پر

يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا

ظلم نہ ہوگا اور بتائی اللہ نے کہاوت ایک بستی تھی چین امن سے چلی آتی تھی اُس کو

خدا کی رضامندی کے لئے اپنے سارے کنبے اور رشتے کے لوگوں کو چھوڑ کر ہجرت کی اور پھر جب کفار اور مسلمانوں میں جنگ کا سامان ہوا تو خوب لڑے اللہ پاک نے ان کی شان میں یہ فرمایا کہ جب اتنے کام اُن سے دیکھ لئے تو ان پر خدا کی بخشش ہوئی کیوں کہ اللہ جل شانہٗ غفور رحیم ہے ان پر اُس روز رحم فرمائے گا جس روز نہ باپ بیٹے کو اور نہ بیٹا باپ کو پوچھے گا بھائی کو بھائی کی پروانہ ہوگی۔ بی بی شوہر سے شوہر بیوی سے گھبرائیں گے غرض کوئی کسی سے فائدہ نہیں حاصل کر سکتا فرمایا کہ وہ روز ایسا ہے کہ اُس دن ہر ایک نفس کے کردار کا بدلہ بھرپور دیا جائے گا جس نے جیسا کیا ہوگا اُس کو ویسی جزا ملے گی۔ اُن پر کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا بلکہ نیکی کرنے والوں کو ایک نیکی کا ثواب دس گونہ سے کر سات سو تک اور بعض نیکیوں کا اس سے بھی زیادہ ملے گا اور گناہ کی سزا میں کچھ زیادتی نہ ہوگی چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں چند صحابہ کی روایتیں[1] اس باب میں آئی ہیں یہ روایتیں وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ کی گویا تفسیر ہیں۔

۱۱۲۔۱۱۳۔ اللہ پاک نے اس آیت میں اُس بستی کی مثال بیان فرمائی جہاں کے رہنے والے لوگ ہر طرح کے راحت و آرام میں اپنی زندگی بسر کرتے تھے کھانے پینے کا انہیں آرام تھا طرح طرح کی روزی اور معاش بے خوف و خطر اور بے مشقت انہیں مل جاتی تھی اپنے ملک میں کسی دشمن کا ڈر نہیں رکھتے تھے مگر انہوں نے بیٹھے بٹھائے خدا کی نعمتوں کی ناشکری کی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُن کی حالت کو بدل ڈالا نہ تو وہ امن و امان قائم رہا اور نہ وہ کھانے پینے کا آرام رہا بھوک کے مرنے لگے اور چاروں طرف سے خوف و خطر نے اُن کو آگھیرا بڑی ناشکری ان لوگوں کی یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے جب اپنا پیغمبر اُن کی ہدایت کو بھیجا تو انہوں نے اُس کو جھٹلایا جس کے سبب سے اللہ پاک نے اُن پر عذاب نازل کیا وہ اُن کے ظلم کا نتیجہ تھا ورنہ خدا ناحق کسی پر بے جو بد تعدی نہیں کرتا ظلم اُس نے اپنی ذات پاک پر حرام ٹھہرا لیا ہے چنانچہ صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوذر کی حدیث[2] اس باب میں ایک جگہ گزر چکی ہے مفسرین کا اس جگہ لفظ قریہ میں اختلاف ہے لیکن حضرت عبداللہ بن عباس کے صحیح قول کے موافق قریہ سے مطلب خاص مکہ معظمہ ہے یہاں کے باشندے ہر طرح امن و امان میں تھے کسی طرح کی ان کو تشویش نہیں تھی ہر شہر اور ہر ملک سے ان کی روزی گھر بیٹھے آجاتی تھی کسی دشمن کا خوف انہیں نہیں تھا اللہ پاک نے ان پر ایک اور عنایت کی کہ انہیں کی قوم میں سے اُن کی ہدایت کے لئے اپنا رسول مقرر فرمایا مگر کفار مکہ نے اُن کو جھٹلایا اور خدا کی اس نعمت عظمیٰ کی کچھ قدر نہ کی اس لئے لاچار ہو کر اللہ کے رسول نے اُن پر بددعا کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سات برس تک مکہ میں قحط پڑا یہ لوگ قحط میں کھانے پینے کو محتاج ہو گئے ایک دانہ بھی میسر نہیں آتا تھا اور حضرت صلے اللہ علیہ وسلم معہ دیگر مومنین کے جب مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے تو ان مشرکین مکہ کے دل میں ہر وقت خوف لگا رہتا تھا کہ خبر نہیں مسلمان لوگ کس وقت آمادہ

[1] دیکھیے تفسیر ابن کثیر ص ۲۱۶۔۲۱۷ ج ۳ [2] صحیح مسلم ص ۳۱۹ ج ۲، باب تحریم الظلم۔

رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللّٰهِ فَأَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ

روزی فراغت کی ہر جگہ سے پھر ناشکری کی اللہ کے احسانوں کی پھر چکھایا اس کو اللہ نے مزہ کہ ان کے تلے

الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿١١٢﴾ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ

بکپڑے ہوئے بھوک اور ڈر بدلا اس کا جو کرتے تھے اور ان کو پہنچ چکا رسول انہی میں کا

فَكَذَّبُوْهُ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿١١٣﴾

پھر اس کو جھٹلایا پھر پکڑا ان کو عذاب نے اور وہ گنہگار تھے

جنگ ہو جائیں اور وہیں قتل و غارت کریں یہاں تک کہ مکہ کو جناب سرور کائنات نے فتح کر لیا غرض کہ یہ حالت اور وقت مکہ والوں پر انہیں کے کرتوت سے پہنچا نہ خدا کی نعمتوں کا کفر کرتے اور نہ اس سزا کو پہنچتے جس طرح ان کفار مکہ کا حال خدا نے بدل دیا کہ غنی سے محتاج ہو گئے اسی طرح اللہ پاک نے اہل اسلام کی حالت کو بھی تبدیل کر دیا ابتدائے اسلام میں یہ لوگ کفار کے ہاتھوں میں خوار تھے اور روز نئی نئی تکلیف اٹھاتے رہتے تھے اور بالکل محتاج و مفلس ہو گئے تھے پھر اللہ پاک نے ان پر جو اپنا فضل کیا تو چاروں سمت میں انہیں کا ڈنکا بجنے لگا اور ایسے مالا مال ہوئے کہ تاریخ خلفاء جس کی گواہ ہے پھر جوں جوں اسلام کی باتیں اہل اسلام چھوڑتے گئے ویسا ہی ضعف ان کی حالت میں آتا گیا۔ ان آیتوں میں مبہم طور پر ایک بستی کا ذکر فرما کر اس کے بعد یہ جو فرمایا کہ انہی بستی والوں میں سے اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول بھیجا اور جب ان لوگوں نے اللہ کے رسول کو جھٹلایا تو ان لوگوں پر قحط اور بستی کی بربادی کے خوف کی آفت آئی اس لئے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے اس قول کی پوری تائید ہوتی ہے کہ آیتوں میں بستی سے مطلب مکہ ہے کیونکر صحیح بخاری کے حوالہ سے عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی[1] ہے کہ جب مشرکین مکہ نے حد سے زیادہ سرکشی شروع کی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بددعا کی اور اس بددعا کے اثر سے مکہ میں ایسا سخت قحط پڑا کہ مکہ کے لوگ مردار جانوروں کی کھالیں تک کھا گئے۔ سورت بقرہ میں عبد اللہ بن جحش کا قصہ گذر چکا ہے کہ مدینہ سے مکہ اور طائف کے درمیان میں بطن نخلہ مقام پر جا کر عبد اللہ بن جحش اور ان کے ساتھ کے مسلمانوں نے مشرکوں کا قافلہ لوٹ لیا یہ قصہ بدر کی لڑائی سے دو مہینے پہلے کا ہے اس قصہ کے دو مہینے کے بعد بدر کی لڑائی میں مشرکوں کے بڑے بڑے سرکش سردار مارے گئے اس کا ذکر صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی انس بن مالکؓ کی حدیث کے حوالہ سے اوپر ایک جگہ گذر چکا[2] ہے اسی کو فرمایا کہ ہر طرح کے امن و امان کے بعد مشرکین مکہ کی بد اعمالی کے سبب سے ان لوگوں کو بھوک اور بربادی کے ڈر نے تن بدن کے کپڑوں کی طرح چاروں طرف سے گھیر لیا تھا اور آخر کو ان کا یہ ڈر ان کے سامنے آیا کہ مکہ فتح ہو گیا اور جن اللہ کے رسولوں کی صداقت ان لوگوں میں مشہور تھی زبردستی ان اللہ کے رسول کو ان لوگوں نے جھٹلایا اس واسطے اس کے وبال میں پکڑے گئے صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوذرؓ کی حدیث اوپر گذر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ظلم اپنی ذات پاک پر حرام کر لیا ہے یہ حدیث وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ابراہیم خلیل اللہ کی دعا کی برکت سے مکہ میں امن و امان اور رزق کی بحالی کی جو حالت تھی اس کو ان لوگوں نے اپنی بداعمالی سے خود کھویا اللہ تعالیٰ نے ان پر کچھ ظلم نہیں کیا

[1] جلد ہذا ص ١٤١ - ١٤٣ - ٣٥٢ [2] جلد ہذا ص ١٤١ - ٣٤٣

فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ

سو کھاؤ جو روزی دی تم کو اللہ نے حلال اور پاک اور شکر کرو اللہ کے احسان کا اگر تم

اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ

اسی کو پوجتے ہو یہی حرام کیا ہے تم پر مردہ اور لہو اور سور کا گوشت

وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ

اور جس پر نام پکارا اللہ کے سوائے کسی کا پھر جو کوئی لاچار ہو جاوے نہ زور کرتا ہو نہ زیادتی تو اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

بخشنے والا مہربان ہے

کیونکہ اُس نے اپنی رحمت سے ظلم کو اپنی ذات پاک پر حرام ٹھہرالیا ہے۔

۱۱۴۔۱۱۵۔ اس آیت میں اللہ پاک نے اپنے مومن بندوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ جو جو چیزیں اللہ پاک نے تمہارے لئے حلال اور تمہاری روزی اُس میں مقرر کی ہے بخوشی و رغبت وہ چیزیں کھاؤ اور اپنے خالق اور منعم کا شکر بجالاؤ اور ایسا نہ کرو کہ خدا کی حلال کی ہوئی چیزیں حرام اور حرام کو حلال بنالو جس طرح مشرکوں کا قاعدہ ہے۔ مشرکوں کے اس قاعدہ کی تفصیل سورت انعام میں گزر چکی ہے۔ پھر فرمایا کہ خدا نے تم پر چند چیزیں حرام کی ہیں اور باقی اشیاء تمہارے لئے حلال طیب ہیں اپنی قوت بازو سے حاصل کرو اور کھاؤ جو چیزیں خداوند جل شانہ نے حرام ٹھہرادی ہیں وہ یہ ہیں۔ مردار۔ اور خون۔ سور کا گوشت۔ اور جو جانور خدا کے سوا اور کسی کے نام پر چھوڑا جائے یا ذبح کیا جائے وہ دونوں بھی حرام ہیں مگر وقت ضرورت کے اگر اُس وقت جب جان پہ آن بنے اور سوائے اُن حرام اشیاء کے اور کوئی چیز کھانے کو میسر نہ آتی ہو تو باندازہ سد رمق کھالینا جائز ہے اور خداوند جل شانہ تمہیں اس پر نہیں پکڑے گا وہ بڑا غفور رحیم ہے کہ اُس نے جان بچانے کے وقت حرام چیزوں کو تم پر حلال کر دیا غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا حلال چیزوں کے ملتے ہوئے ایماندار آدمی حرام چیز کی طرف مائل نہ ہو اور بے بسی میں حرام چیز کو حلال چیز کی طرح پیٹ بھر کر نہ کھاوے مطلب یہ ہے کہ بے بس آدمی کو حرام چیز کے کھانے کی اجازت ہے۔ حلال چیز کے ملتے یا حرام چیز کے بقدر جان بچانے کے کھانے کے بعد پھر آدمی بے بس نہیں رہتا۔ معتبر سند سے طبرانی میں ابی واقد لیثی سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو دو وقت کا فاقہ ہو اور اس کے بعد بھی جنگل کے کسی ساگ وغیرہ کے ملنے کی امید بھی اُس شخص کو نہ ہو تو ایسا شخص حرام چیز کھا کر اپنی جان بچا سکتا ہے[1]۔ یہ حدیث بے بسی کی گویا تفسیر ہے ابی واقد کا نام حارث بن عوف مدنی صحابہ میں قدیم الاسلام صحابی ہیں حدیث کی سب کتابوں میں ان سے روایت ہے مالکی مذہب میں تین دن کے فاقہ کو بے بس قرار دیا ہے زیادہ تفصیل اس مسئلہ کی فقہ کی کتابوں میں ہے۔ معتبر سند سے مسند بزار اور مستدرک حاکم کے حوالہ سے ابو درداؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی چیز کے حلال یا حرام ٹھہرانے کا حق سوا

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۲۰۴ ج ۱ بروایت مسند امام احمد۔ [2] تفسیر ہذا جلد دوم ص ۱۴۸۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ

اور مت کہو اپنی زبانوں سے جھوٹ بنانے سے کہ یہ حلال ہے اور یہ

لِتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ

جھوٹ باندھو بیشک جو جھوٹ باندھتے ہیں اللہ پر

اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں ہے۔ شریعت کے اس قاعدہ کے برخلاف مشرکین کہ نے اپنی طرف سے حرام حلال کا قاعدہ ٹھہرا رکھا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں کئی جگہ مشرکین کے اُس قاعدہ کو توڑا ہے۔

۱۱۶ ۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور سلف نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ مشرکین کہ نے سانڈ اور جانور اپنی طرف سے حرام ٹھہرا رکھے تھے جس کا ذکر سورت انعام میں گزر چکا ہے اصل آیت اس حکم میں نازل ہوئی ہے حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ شریعت اللہ کے حکم کا نام ہے اس لئے جب تک اللہ یا رسول وقت جو اللہ کی طرف سے پیغام ہدایت لے کر آتے ہیں کسی چیز کو حلال یا حرام یا جائز ناجائز بیان نہ کریں امت میں سے کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے یہ حق نہیں دیا ہے کہ اپنی طرف سے کسی چیز کو حرام یا حلال ٹھہرا دے چنانچہ مسند بزار اور مستدرک حاکم کے حوالہ سے ابو الدرداء کی معتبر روایت اس باب میں اوپر گزر چکی ہے[1] اس صورت میں یہ اللہ پر بہتان ہے کہ ایک بات اللہ نے فرمائی ہی نہیں اور خواہ مخواہ آدمی اپنے منصوبہ سے اس کو اللہ کا حکم ٹھہرا دے یہ منصب تو اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو ہی دیا ہے کہ بذریعہ وحی کے اللہ کی مرضی یا نامرضی بیان کر کے کہہ سکتے ہیں کہ یہ چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز ہے یا جائز نہیں ہے آیت کے اس حکم میں تمام بدعتیں قولی و فعلی و اعتقادی داخل ہیں کیونکہ بدعت وہی چیز ہے جس کا پتہ شریعت کے حکم سے نہ لگتا ہیں اور لوگ اُس کو شریعت کا حکم جان کر کرتے ہیں چنانچہ صحیحین کی حضرت عائشہ کی حدیث میں آنحضرت نے بدعت کی تعریف جو فرمائی ہے[2] اس کا حاصل یہی ہے کہ دین میں ایسی بات کا نکالنا جس کا پتہ قرآن اور حدیث میں نہ ہو اور فقہ کے ان مفتیوں کے فتوے جن کی تائید کسی حکم شریعت سے نہیں ہوتی یا کوئی حکم شریعت کسی فتوے کے مخالف ہے سب کے سب اس حکم میں داخل ہیں کیونکہ جب حکم شریعت ٹھہرانے کا حق خاص اللہ اور رسول ہی کو حاصل ہے تو جس عالم کے فتوے کی تائید حکم شریعت سے نہ ہو اس طرح کے فتوے کو کس سند سے حکم شریعت کہا جا سکتا ہے اسی واسطے ترمذی نسائی ابو داؤد اور ابن ماجہ میں بریدہ سے جو روایت ہے اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے شریعت میں فتویٰ دینے والے عالموں کی تین قسمیں ٹھہرا کر ایک قسم کے لوگوں کو جنتی اور دو قسم کے لوگوں کو جہنمی فرمایا ہے[3] یہ حدیث مستدرک حاکم میں بھی ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے حاصل مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ شریعت کے قاضی تین طرح کے شخص ہیں ایک وہ کہ جو شریعت کا کوئی حکم یا فتوے دیوے وہ انجانی سے نہ ہو بلکہ خوب تلاش کے بعد شریعت کے حکم کے موافق حق حق فتویٰ اور حکم دیوے دوسرا وہ کہ شریعت کا حکم اس کو معلوم تو ہو مگر کسی دنیا کے لالچ یا رعایت کے سبب سے خلاف حکم شریعت کے فتویٰ یا حکم دیوے تیسرا وہ کہ

[1] زیر آیات سابقہ۔ [2] مشکوٰۃ ص ۲۷ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔ [3] مشکوٰۃ ص ۳۲۴ باب العمل فی القضاء والخوف والترغیب ص ۸۰ ج ۳ باب ترغیب من ولی شیئا من امور المسلمین الخ۔ المستدرک ص ۹۰ ج ۴۔

لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

بھلا نہیں پاتے

اصل حکم شریعت کا تو اُس کو معلوم نہیں مگر اپنی رائے سے ایک بات کو شریعت کا حکم ٹھہرا کر فتویٰ یا حکم دیوے پہلی قسم کا قاضی اور مفتی جنتی ہے اور پچھلی دونوں قسموں کے قاضی اور مفتی جہنمی۔ ترمذی[1] میں حضرت عبداللہؓ بن عباس سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس نے قرآن شریف کی تفسیر بغیر سند شرعی کے اپنی عقل سے کی یا حدیث کی روایت اٹکل سے بغیر خوب یاد کئے کر دی اس کا ٹھکانا دوزخ میں تیار ہے اس[2] حدیث کی سند میں ایک راوی سہل بن عبداللہ کو بعضے علماء نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن ابن معین نے اُس کو معتبر کہا ہے۔ ترمذی کی دوسری سند میں سہل بن عبداللہ نہیں ہے اس سند کو ترمذی نے حسن کہا[3] ہے۔ ابو داؤد میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص ایک عالم سے شرعی کوئی مسئلہ پوچھے اور وہ عالم اس شخص کو غلط مسئلہ بتا دیوے اور ان پڑھ شخص اس مسئلہ پر عمل کر لیوے تو اس غلط عمل کا وبال اس غلط مسئلہ بتلانے والے عالم پر رہے گا ابو داؤد نے اس حدیث کی سند پر کچھ اعتراض نہیں کیا[4] علاوہ اس کے یہ حدیث مسند امام احمد میں بھی ہے جس کی سند معتبر[5] ہے۔ صحیح مسلم میں ابن سیرین سے روایت ہے کہ مسلمان شخص کو دین کا مسئلہ کسی عالم سے حاصل ہو تو اُس کو ذرا جانچ لینا چاہئے کہ اس عالم نے مسئلہ کے بتلانے میں کوئی غلطی تو نہیں کی ہے غرض حاصل بہت سی احادیث اور آثار کا یہ ہے کہ عالم کو شریعت کا مسئلہ بتلانے میں اس بات کی بڑی احتیاط چاہئے کہ حکم شریعت میں کوئی غلطی نہ ہو جائے اور ان پڑھ لوگوں کو ذرا اس بات کی احتیاط چاہئے کہ شریعت کے مسئلہ کو ایک دو جگہ دو کی جگہ چار عالموں سے پوچھ لیا کریں تاکہ حکم شریعت میں کچھ غلطی ہو تو نکل جاوے ان پڑھ سے ان پڑھ لوگوں کو معاملات دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ ایک سودا وہ لیتے ہیں تو دس دکانیں پھر کر لیتے ہیں پھر دین میں ایسی کاہلی کیوں کر جائز ہو سکتی ہے کہ اڑتے اڑاتے ٹھکانے اور بے ٹھکانے جس سے جو بات سُن لی اسی کو اپنا دین قرار دے لیا کیا دین دنیا سے بھی گھٹ کی چیز ہے۔ حدیث اور تفسیر کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے عالم لوگوں پر تو اللہ کی خفگی اس سبب سے ہوئی کہ توریت میں جو جو تبدیلیاں اُنہوں نے کر لیں تھیں آنحضرت کے تشریف لانے اور قرآن شریف کے نازل ہونے کے بعد بھی وہ ان تبدیلیوں پر جمے رہے اور عام ان پڑھ یہود پر اس سبب سے بلا آئی کہ باوجود حق بات کے معلوم ہو جانے کے وہ اپنے عالموں کے غلط قول پر اڑے رہے علماء نے اس بحث کی ذیل میں یہ بھی لکھا ہے کہ صحیح حدیث میں آنحضرت نے یہ جو فرمایا ہے کہ یہود نے جو کچھ کیا ہے وہ سب میری امت میں ہو گا بلکہ یہود کے بہتر[6] فرقے تھے میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے اس حدیث کی رو سے یہ بھی خدا اور رسول کی خفگی کے قابل ایک فرقہ ہے جو یہود میں بھی تھا اور اس امت میں بھی ہے کہ شریعت کی ایک حق بات معلوم ہو جانے کے بعد

[1] ص ۱۱۹ ج ۲ باب ما جاء فی الذی یفسر القرآن برایہ [2] سہل بن عبداللہ حضرت جندب رض کی روایت کی سند میں ہے جو حضرت ابن عباس رض کی حدیث مذکور کے بعد ہے (ع ، ح) [3] یعنی وہی حدیث جس کا حوالہ ابھی اوپر گزرا [4] ص ۲ ۵۱ باب التوقی فی الفتیا از کتاب العلم [5]

[6] جامع ترمذی ۸۸ - ۸۹ ج ۲ باب افتراق ھذہ الامۃ۔

مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا

تھوڑا سا برت لیں اور اُن کو دُکھ کی مار ہے۔ اور جو لوگ یہودی ہیں ان پر ہم نے حرام کیا تھا جو

قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِن قَبْلُ ۖ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۱۱۸﴾

تجھ کو سنا چکے پہلے اور ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا پر اپنے اوپر آپ ظلم کرتے تھے

کسی عالم یا استاد یا پیر کے غلط قول پر اڑے رہتے ہیں نجات عاقبت کے چاہنے والے مسلمان کو لازم ہے کہ اللہ رسول کی اطاعت پر کسی عالم استاد پیر کی اطاعت کو نہ مقدم گنے کیوں کہ عاقبت کی نجات اللہ کی مرضی کے موافق کام کرنے پر منحصر ہے اور اللہ کی مرضی کا بتلانا خاص صاحب وحی کا منصب ہے۔

۱۱۷۔ اوپر ذکر تھا کہ حرام حلال میں خاص اللہ تعالیٰ کا حکم درکار ہے بغیر اللہ تعالیٰ کے حکم کے کسی چیز کو حرام یا حلال ٹھہرانا اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے اور اللہ پر جھوٹ باندھنے والے لوگ کبھی فلاح اور بہبودی کو نہیں پہنچ سکتے۔ اب فرمایا ایسے لوگ اپنی حلال حرام ٹھہرائی ہوئی چیزوں کی چند روز تائید کریں مگر آخرت میں عذاب الیم سے انہیں رہائی نہیں ہوگی وہاں ان کے کردار کی سخت باز پرس ہو کر اُس کی سزا پائیں گے اور سزا بھی ایسی جو نہایت ہی دردناک ہوگی۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے مستورد بن شداد کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخرت کی ہمیشہ کی زندگی مانند ایک دریا کے ہے اور اُس کے مقابلہ میں دنیا کی چند روزہ زندگی ایسی ہے جیسے دریا میں کوئی شخص اپنی انگلی ڈبوئے اور اُس کی انگلی پر پانی کی کچھ نمی آجاوے[1] یہ حدیث متاع قلیل کی گویا تفسیر ہے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباس کی حدیث بھی ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن کم سے کم دوزخ کا عذاب یہ ہوگا کہ دوزخی شخص کے پاؤں میں آگ کی جوتیاں پہنادی جاویں گی جس سے اُس کا بھیجا پگھل کر نکل پڑے گا اس سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ جب کم سے کم عذاب کا یہ حال ہے تو آیت میں سخت عذاب کا جو ذکر ہے اس عذاب کا کیا حال ہوگا۔

۱۱۸۔۱۱۹۔ اِس آیت میں اللہ پاک نے یہود کے حال کا بیان فرمایا کہ ان پر جو جو چیزیں حرام اور جو جو چیزیں حلال کی گئیں تھیں اُن کا ذکر پہلے سورت انعام کی آیت وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا (۶: ۱۴۶) میں گزر چکا ہے پھر فرمایا کہ یہ بات اللہ کی طرف سے بطور ظلم کے نہیں تھی بلکہ اُن ہی یہود کی بغاوت اور ظلم کا نتیجہ تھا کہ بطور عذاب کے بہت سی چیزیں اُن پر حرام کردی گئیں تھیں کیونکہ خدا ظالم نہیں ہے جو ناحق کسی پر حلال شئے کو حرام کرتا صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوذرؓ کی حدیث گزر چکی ہے[2] کہ ظلم اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک پر حرام ٹھہرالیا ہے یہ حدیث وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ کی گویا تفسیر ہے پھر یہ فرمایا کہ جو لوگ بسبب جہالت اور نادانی کے بُرے کام کے مرتکب ہو جاتے ہیں اور پھر جب انہیں سمجھ بوجھ آگئی اور خدا کے خوف سے ڈر کر توبہ کی تو خدا اُن سے درگزر بھی کر دیتا ہے کیوں کہ اللہ پاک

[1] تفسیر ہذا جلد دوم ص ۳۰۷ و ۳۹۲ [2] مشکوٰۃ ص ۵۰۲ باب صفۃ النار و اہلہا

[2] صحیح مسلم ص ۳۱۹ ج ۲ باب تحریم الظلم

ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ

پھر یوں ہے کہ تیرا رب اُن لوگوں پر جنھوں نے بُرائی کی ناواقفی سے پھر توبہ کی اُس کے پیچھے

وَأَصْلَحُوا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۱۹﴾ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ

اور سنوار پکڑی تیرا رب ان باتوں کے پیچھے بخشنے والا مہربان ہے اصل ابراہیم تھا راہ

أُمَّةً قَانِتًا لِّلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ

ڈالنے والا حکم بردار اللہ کا ایک طرف کا ہو کر اور نہ تھا شریک والوں میں حق ماننے والا اُس کے احسانوں کا

۱۵ ع ۹ ۲۱

غفور الرحیم ہے۔ مشرکین مکہ نے جس طرح اپنی طرف سے حرام حلال کا قاعدہ ٹھہرا رکھا تھا اسی طرح یہود نے بھی اپنی طرف سے حرام حلال ٹھہرا رکھا تھا مثلاً سور کو یہود اور مشرکین مکہ دونوں حلال سمجھتے تھے حالانکہ ملت ابراہیمی اور شریعت موسوی میں اُس کے حلال ہونے کا کہیں حکم نہیں ہے غرض سورت انعام میں بھی اِس عقلی حرام و حلال کے تذکرے میں مشرکین مکہ اور یہود کا ذکر تھا یہاں بھی مختصر طور پر اُسی سلسلے سے ذکر فرمایا یہود کی شرارت کی سزا میں جو چیزیں اُن پر حرام ہوئیں اُن میں مردار جانوروں کی چربی بھی تھی لیکن یہود لوگ اِس سزا کے بعد بھی اپنی شرارت سے باز نہیں آئے چربی کو پگھلا کر بیچا کرتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں جابرؓ بن عبد اللہ سے جو روایت ہے اس شرارت کا ذکر اُس میں تفصیل[1] سے ہے آخر نتیجہ یہود کی شرارتوں کا یہ ہوا کہ مدینے کے گرد و نواح میں یہود کے تین قبیلے رہتے تھے اُن میں سے دو کو تو جلاوطنی نصیب ہوئی اور ایک قبیلہ کو قتل کر دیا گیا اِس تفسیر میں اِن تینوں قبیلوں کا حال تفصیل سے ایک جگہ گزر چکا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ یہود کے ذکر سے مشرکین مکہ کی یہ تنبیہ منظور ہے کہ شرارت کی وجہ سے جو حال یہود کا ہوا وہی حال ان کا ہوگا اللہ سچا ہے اللہ کا کلام سچا ہے۔ مشرکین مکہ اِس تنبیہ کے بعد بھی حسب اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو اِن شرارتوں کی سزا بدر کی لڑائی اور فتح مکہ کے وقت جو کچھ ہوئی اُس کا ذکر کئی جگہ گزر چکا ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو سعیدؓ خدری کی شفاعت کی بڑی حدیث کا ذکر ایک جگہ گزر چکا ہے کہ سب شفاعتوں کے بعد خود اللہ تعالیٰ ایسے کلمہ گو دوزخیوں کو جنت میں داخل کرے گا جنھوں نے دنیا میں عمر بھر کوئی نیک کام نہیں کیا۔ یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے غفور الرحیم ہونے کی گویا تفسیر ہے۔

۱۲۰۔۱۲۳ ۔ عرب اپنے کو ملت ابراہیمی پر کہتے تھے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی وہ صفتیں بیان فرمائیں تاکہ مشرکین مکہ قائل ہوں کہ اُن میں ابراہیم علیہ السلام کی کوئی بھی صفت نہیں ہے پہلی صفت ابراہیم علیہ السلام کی یہ ہے کہ ابراہیم اپنے اکیلے دم سے بجائے ایک امت کے تھے اُن کے زمانہ میں سارے لوگ کافر تھے صرف ابراہیم علیہ السلام حق پرست تھے مجاہد کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام اپنے وقت میں اکیلے آپ ہی مومن تھے اِس سبب سے اللہ پاک نے ان کے حق میں یہ فرمایا کہ ابراہیم اپنے دم سے خود ایک امت تھے دوسری صفت ابراہیم علیہ السلام کی اللہ پاک نے یہ بیان کی کہ قانت تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے پکے فرماں بردار تھے خدا کے ہر ایک امر کے مطیع اور ہر نہی سے باز رہنے والے تیسری صفت یہ بیان کی کہ حنیف تھے جس کا مطلب

[1] مشکوٰۃ ص ۲۴۱ باب الکسب وطلب الحلال [2] صحیح بخاری ص ۱۰۰۰ ج ۲ باب قول اللہ وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ۔

اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾ وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً

اُس کو اللہ نے چن لیا اور چلایا سیدھی راہ پر اور دی دنیا میں ہم نے اُس کو خوبی

وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ

اور وہ آخرت میں اچھے لوگوں میں ہے پھر حکم بھیجا ہم نے تجھ کو کہ چل دین

اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾

ابراہیم پر جو ایک طرف کا تھا اور نہ تھا وہ شریک والوں میں

یہ ہے کہ اُن کی ذات میں کوٹ کوٹ کر توحید بھری ہوئی تھی چوتھی صفت یہ بیان کی کہ وہ اپنی عمر کے کسی حصہ میں بھی شرک کرنے والوں میں نہیں تھے بچپن اور کم سنی میں اپنی فطری عقل سے یہ اقرار کیا کہ بت یا دوسرے معبودات جن کو مشرکین معبود مانتے ہیں وہ انہیں دوست نہیں رکھتے اور صاف کہہ دیا کہ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ پھر اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بت خانہ میں گھس کر بتوں کو توڑ ڈالا جس کے سبب سے آگ میں ڈالے گئے پانچویں صفت یہ بیان کی کہ خدا کی نعمتوں کے نہایت شکر گزار بندے تھے آپ کا قاعدہ تھا کہ بغیر مہمان کے کسی روز کھانا نہیں کھاتے تھے ایک روز کا ذکر ہے کہ کوئی مہمان آپ کے یہاں نہیں آیا آپ نے کھانے کے وقت سے زیادہ دیر تک انتظار کیا کہ شاید کوئی مہمان آجائے اتنے میں چند فرشتے انسان کی صورت میں آپ کے یہاں وارد ہوئے آپ نے انہیں کھانے کو بلایا انہوں نے ایک بہانہ آپ کے سامنے پیش کیا کہ ہمیں جذام ہے یہ سن کر ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اب تو ہم پر واجب ہو گیا کہ ہم تمہارے ساتھ کھانا کھائیں کیونکہ خدا کا یہ نہایت شکر ہے کہ اُس نے ہمیں اِس مرض سے محفوظ رکھا اور تم اِس بلا میں گرفتار ہو چھٹی صفت یہ بیان کی کہ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ پاک نے اپنی خلق کی ہدایت کے لئے منتخب کیا ساتویں صفت یہ بیان فرمائی کہ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ جل شانہ نے دین اسلام کے سیدھے رستہ کی ہدایت کی آٹھویں صفت یہ بیان کی کہ اللہ پاک نے ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں بہتری بخشی کہ سارے مذاہب وملت کے لوگ آپ کو اچھے نام سے یاد کرتے ہیں کیا یہود کیا نصارٰی اور عرب کو تو خاص کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وجہ سے فخر حاصل ہے نویں صفت یہ بیان فرمائی کہ جس طرح دنیا میں ابراہیم علیہ السلام پر خدا کا فضل رہا ویسے ہی آخرت میں بھی خدا اُن پر مہربان اور جنت میں ابراہیم علیہ السلام کو بڑا درجہ عطا کیا جاوے گا یہ صفات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیان فرما کر اللہ جل شانہ نے آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب کیا کہ اسی لئے اللہ نے تم پر وحی کے ذریعہ سے یہ حکم نازل کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کی ملت اور طریقے کو اختیار کرو وہ طریقہ شرک سے بالکل الگ ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے[1] جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں جو شخص نیک راہ نکالے اُس کو نیک راہ نکالنے کا اجر جدا دیا جاوے گا اور جتنے آدمی اُس نیک راہ پر چلیں گے ان سب کے برابر اجر اس نیک راہ نکالنے والے کو جدا دیا جاوے گا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد میں سے نبی آخر الزمان کے پیدا ہونے کی جو دعا کی تھی اس کا ذکر سورت بقر میں اور انہوں نے اپنی اولاد کے حق میں بت پرستی سے بچنے کی جو دعا کی تھی اُس کا ذکر سورت ابراہیم میں گزر چکا ہے مسند امام احمد کے

[1] جلد ہذا ص ۲۶۰

إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ

ہفتے کا دن جو ٹھہرایا سو انہی پر جو اس میں پھوٹ گئے اور تیرا رب حکم کرے گا

بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۲۴﴾

اُن میں قیامت کے دن جس بات میں پھوٹ رہے تھے

حوالہ سے عرباض بن ساریہ کی معتبر حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے[1] جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی پیدائش کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا اثر فرمایا ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے جابرؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد فرمایا کہ جزیرہ عرب کی بت پرستی سے شیطان اب مایوس ہو گیا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک دعا کے اثر سے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا پیدا ہونا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہی دوسری دعا کے اثر سے بنی اسمٰعیل کی بت پرستی سے شیطان کا مایوس ہو جانا اس سب کا اجر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملنے والا ہے جو بت پرستی سے بچنے والی ایک امت کے اجر کے برابر ہے اسی واسطے اجر کے حساب سے اکیلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک امت فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ابراہیمی گھرانہ سے کہیں نبوت کے باہر نہ جانے کا وعدہ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا اُس کا ذکر سورت بقرہ میں گزر چکا اور اُس وعدہ کا ظہور سب کی آنکھوں کے سامنے ہے کہ ایک مدت تک اسحاق بن ابراہیم کی اولاد میں نبوت رہی اور پھر اسمٰعیل بن ابراہیمؑ کی اولاد میں نبوت کا خاتمہ ہوا۔ یہ حالت وَآتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً کی گویا تفسیر ہے۔ معراج کی صحیح حدیثوں میں ہے کہ معراج کی رات حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیم علیہ السلام کو سب انبیأ سے اوپر ساتویں آسمان پہ دیکھا[2] یہ حالت وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ کی گویا تفسیر ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دین ابراہیمی پہ چلنے کا جو حکم ہے اُس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن شریف سے دین ابراہیمی کے جو مسئلے منسوخ نہیں ہوئے اُن پہ چلنا چاہیے۔

۱۲۴۔ اوپر کی آیت میں اللہ پاک نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ملت ابراہیمیؑ کی اتباع کا حکم دیا تھا کہ ابراہیم کے طریقہ کی آپ پیروی کریں کیوں کہ اُن کا طریقہ خاص توحید کا ہے اُس میں شرک کا ذرا بھی لگاؤ نہیں۔ اب یہود کو ہفتہ کے دن کی تعظیم کرتے ہوئے دیکھ کر مشرکین مکہ کہتے تھے کہ یہود بھی اپنے آپ کو ملت ابراہیمی کا پابند بتلاتے ہیں اور شرع محمدی کو بھی ملت ابراہیمی کے موافق کہا جاتا ہے پھر شرع محمدی میں ہفتہ کی تعظیم کی جگہ جمعہ کی تعظیم کیوں ہے اسی کو فرمایا کہ ہفتہ کا دن یہود نے آپ اپنی رائے سے اور اپنے باہمی اختلاف سے مقرر کر لیا ہے دین ابراہیمی میں ہفتہ کے دن کی تعظیم کا ذکر نہیں ہے بلکہ موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اللہ پاک کا ہفتہ میں ایک دن کو عبادت کے لئے خاص کر لینے کا حکم ہوا تھا اُس پر یہود نے اپنی عقل سے ہفتہ کا دن مقرر کیا کہ اُس دن خدا کی عبادت کیا کریں گے کیونکہ اُس روز خدا بھی دنیا کی چیزوں کے پیدا کرنے سے فارغ تھا کسی مخلوق کو اُس روز پیدا نہیں کیا اس واسطے اللہ پاک نے انہیں کے انتخاب کے موافق اُسی دن کو اُن کے واسطے مقرر کر دیا اور مچھلی کا شکار اُس روز بالکل ممنوع کر دیا گیا اب حضرت عیسٰے علیہ السلام کے زمانہ تک یہود اسی دن پر قائم تھے

[1] تفسیر ہذا ص ۱۲۱ جلد اول [2] مشکوٰۃ ص ۱۹ باب سنن الرسول [3] مشکوٰۃ ص ۵۲۷ باب فی المعراج۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ

بلا اپنے رب کی راہ پر پکی باتیں سمجھا کر اور نصیحت کر کر بھلی طرح اور الزام دے ان کو جس طرح

پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی ہوئے تو نصاریٰ نے اتوار کا دن اختیار کیا اور یہ کہا کہ اللہ تعالےٰ نے اُسی روز سے مخلوق کی پیدائش کی بنیاد ڈالی ہے اور اُس روز عبادت کرنے لگے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہوئے تو اللہ پاک نے آپ کی امت کے لئے جمعہ کا دن منتخب کر دیا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی امت قیامت تک اُسی پر قائم رہے گی۔ صحیحین میں ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم ساری امتوں کے بعد دنیا میں آئے ہیں اور قیامت میں سب سے پہلے ہوں گے مگر یہ بات ضرور ہے کہ پہلی امتوں کو خدا کی کتاب ہم سے پہلی ملی ہے اور یہ دن جمعہ کا وہ ہے کہ اللہ پاک نے ان امتوں کے اختیار پر چھوڑا تھا مگر انہوں نے اُس میں اختلاف کیا اِس لئے اللہ پاک نے ہمیں اِس کی ہدایت دی ہے اور ہم نے اِس جمعہ کے دن کو اختیار کیا اب جتنی امتیں ہیں وہ سب ہمارے تابع ہیں یہود ہم سے ایک روز بعد اور نصاریٰ اِس سے بھی ایک دن بعد۔[1] پھر اللہ پاک نے یہ بات بیان فرمائی کہ قیامت کے دن اِس سارے اختلاف کا فیصلہ بخوبی ہو جائے گا اور ہر ایک گروہ سزا ملے گی جس کا وہ مستحق ٹھہرے گا مطلب یہ ہے کہ یہود نے ہفتہ کا دن خالص عبادت کا ٹھہرا کر پھر ان میں سے ایک فرقے نے قوم کے لوگوں سے جو اختلاف کیا اور ہفتہ کے دن مچھلیوں کا شکار کھیلا ایسے لوگوں کی سزا کا فیصلہ قیامت کے دن ہو گا۔ معتبر سند سے مستدرک حاکم اور اسماء و صفات بیہقی میں حضرت عبداللہ بن عباس سے جو روایتیں ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ ہجرت کے بعد مدینہ میں یہود نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے دنیا کی پیدائش کا حال پوچھا تھا اُس پر آپ نے فرمایا اتوار کے دن سے دنیا کی چیزوں کی پیدائش شروع ہو کر جمعہ کے روز ختم ہو گئی۔ یہود نے آپ کے اِس کلام کی پوری تصدیق کی اوپر یہ جو گزرا کہ یہود نے ہفتہ کا دن عبادت کے لئے اس واسطے اختیار کیا کہ اُس دن اللہ تعالیٰ نے دنیا کی چیزوں میں سے کوئی چیز پیدا نہیں کی اور نصاریٰ نے اتوار کا دن اِس لئے اختیار کیا کہ اُس دن سے دنیا کی پیدائش شروع ہوئی تھی اُس کا مطلب ان روایتوں سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔

۱۲۵۔ اِس آیت میں اللہ پاک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ آپ لوگوں کو اسلام کی نصیحت کریں تو نہایت ہی نرمی سے گفتگو کریں اِس طرح اللہ پاک نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس جانے کا ارشاد فرمایا تو یہی حکم دے دیا تھا کہ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا جس کا مطلب یہ ہے کہ سختی سے اُس کے ساتھ کلام نہ کیا جائے اس واسطے اہل اسلام کو بھی زیبا ہے کہ جب کسی مخالف فرقہ سے مناظرہ کریں تو یہی شیوہ اختیار کریں خواہ وہ راہ راست پر آویں یا نہ آویں چنانچہ اسی بات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حکم ہوا کہ آپ اِس بات کی حرص نہ کریں کہ سب کے سب آپ کی نصیحت سے راہ راست ہی پر آجاویں کیونکہ ہدایت اللہ کے ہاتھ ہے وہ جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے نہ دے وہ ہدایت پانے والے کو خوب جانتا ہے اور جو لوگ ہدایت نہیں پانے والے ہیں انہیں بھی وہ جان چکا ہے مگر جزا و سزا کا دار و مدار اُس نے اپنے علم پر نہیں رکھا ہے اِس لئے اتمام حجت کے طور پر اُس نے اپنے رسول مخلوق میں بھیج دیئے تاکہ کسی کو اِس بات کے کہنے کی گنجائش نہ رہے

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۵۹۱ ج ۲ ۔

هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ

بہتر ہو تیرا رب وہی بہتر جانتا ہے جو بھولا اس کی راہ سے اور وہی

أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۱۲۵﴾ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ

بہتر جانے جو راہ پر ہیں اور اگر بدلا دو اس قدر جتنی تم کو تکلیف تم پہنچے

کہ ہمیں کوئی راہ بتلانے والا نہیں ملا یا کوئی رسول و پیغمبر خدا کا ہمارے پاس پیغام لے کر نہیں آیا۔ معتبر سند سے ترمذی نسائی مصنف ابن ابی شیبہ اور مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ابوطالب کی بیماری کے وقت ابوجہل اور چند مشرک ابوطالب کی خبر کو آئے اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکایت کی کہ یہ ہمارے بتوں کو برا کہتے ہیں اتنے میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی اس مجلس میں تشریف لائے اور اس شکایت کا حال سن کر آپ نے فرمایا میں تو ان لوگوں کو ایسا کلمہ کہنے کی نصیحت کرتا ہوں کہ اگر یہ لوگ وہ کلمہ کہہ دیویں گے کہ ان کو تمام عرب کی بادشاہت مل جاوے گی ان لوگوں نے پوچھا وہ کیا کلمہ ہے تو آپ نے بت پرستی کے چھوڑنے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے مان لینے کی نصیحت کی اس پر وہ مشرک لوگ خفا ہو کر اس مجلس سے اٹھ گئے۔ سورت آل عمران میں گزر چکا ہے کہ نجران کے پادری جب زبانی بحث سے قائل نہیں ہوئے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جھوٹے گروہ پر بددعا کرنے کا طریقہ اختیار کیا جس پر وہ پادری ڈر گئے اور انہوں نے سالانہ کچھ رقم ادا کرنے کے وعدہ پر صلح کر لی۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اپنے علم ازلی کے موافق اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں یہ لکھ لیا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد کتنے آدمی جنت میں جانے کے قابل کام کریں گے اور کتنے دوزخ میں۔ آیت میں حکمت اور تدبیر سے نصیحت کرنے کا اور مخالف لوگوں کو اچھے طریقے سے الزام دینے کا اور پھر نصیحت کے بعد راہ راست پر آنے والوں اور نہ آنے والوں کا حال اللہ تعالیٰ کو معلوم ہونے کا جو حکم ہے یہ روایتیں گویا اس کی تفسیر ہیں جن سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ مشرکین مکہ کو اللہ کے رسول نے کس حکمت اور تدبیر سے شرک سے باز آنے کی نصیحت کی اور نجران کے پادریوں کو کیسے اچھے طریقے سے الزام دیا اور اس نصیحت اور الزام کے بعد علم الٰہی کے موافق آخر نتیجہ کیا ہوا۔

۱۲۶ ؎ معتبر سند سے ترمذی نسائی مستدرک حاکم اور دلائل النبوت میں بیہقی نے ابوہریرہؓ اور ابی بن کعبؓ کی روایت سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جنگ احد میں جو[1] چونسٹھ آدمی انصار اور چھ آدمی مہاجر یہ سب ستر شخص جو شہید ہوئے تو سوا ایک حنظلہ بن عامرؓ کے اور سب شہدا کی لاشوں کے ساتھ مشرکین نے بڑی بے رحمی کا برتاؤ کیا شہیدوں کے ناک کان شرم گاہ کاٹ ڈالے پیٹ پھاڑ ڈالے حنظلہ بن ابو عامرؓ سے مشرکین اس سبب سے برائی سے پیش نہیں آئے کہ حنظلہ کے باپ ابو عامر مشرکین کے لشکر میں ابوسفیان کے ساتھ تھے غرض جب مشرکوں نے مسلمانوں کے شہداء کی لاشوں کے ساتھ یہ بدسلوکی کی تو اس پر مسلمانوں نے یہ کہا تھا کہ ہم بھی جب کبھی موقع پاویں گے تو جو کچھ مشرکوں نے کیا ہے اس سے بڑھ کر ہم ان کے مقتولوں کا برا درجہ کریں گے اور آنحضرتؐ نے بھی حضرت امیر حمزہ

[1] جامع ترمذی ص ۵ ج ۲ تفسیر سورت نحل [2] جلد ۲ ص ۲۰۲۔

بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

اور اگر صبر کرو تو یہ بہتر ہے صبر والوں کو

کی لاش کو کان ناک کٹا اور پیٹ پھٹا جب دیکھا تھا تو قسم کھا کر یہ فرمایا تھا کہ امیر حمزہ کے عوض میں ستر مشرکوں کے کان ناک میں کاٹوں گا اس پر اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کے وقت یہ آیت نازل فرمائی[1] حاصل معنے آیت کے یہ ہیں کہ ایذا کے بعد اگر کوئی صبر کرے تو صبر بہت بہتر ہے اور اگر بدلا بھی لیا جاوے تو اس قدر بدلا لیا جاوے جس قدر ایذا دشمنوں کی طرف سے پہنچی ہے اس سے بڑھ کر بدلا لینا اللہ کے انصاف میں منع ہے اس آیت کے اترنے کے بعد آنحضرتؐ نے اپنی قسم کا کفارہ دیا اور یہ فرمایا کہ ہم کو صبر منظور ہے۔ سوا اس شان نزول کے بعضے مفسروں نے آیت کی اور شان نزول بیان کر کے آیت کو حکم جہاد سے منسوخ ہو ٹھہرایا ہے اس شان نزول سے یہ شان نزول جو اوپر بیان ہوئی ہے زیادہ صحیح ہے اسی واسطے ابو جعفر ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں اس شان نزول کو پسندیدہ اور قوی ٹھہرایا[2] ہے۔ ہرم بن حیان ایک تابعی بزرگان دین میں سے جب وفات کے قریب پہنچے تو ان کے رشتہ داروں اور دوستوں نے کہا کہ کچھ وصیت فرمائیے انہوں نے کہا کہ بڑی وصیت تو مال کی ہوتی ہے مال تو میرے پاس نہیں ہے لیکن سورت نحل کی آخر کی آیتوں کی میں تم کو وصیت کرتا ہوں ان بزرگ کی وصیت کا حاصل وہی ہے جو حاصل آیت کے معنے میں بیان ہوا اللہ کی بردباری کی عادت کی ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے اوپر ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالےٰ سے بڑھ کر کون بردبار ہو سکتا ہے کہ لوگ شرک کرتے اور اللہ تعالےٰ ان کے رزق اور ان کی صحت میں خلل نہیں ڈالتا[3] اور احادیث میں بھی غصہ کے وقت بردباری اور تحمل کی بڑی فضیلت آئی ہے جس طرح آگے کی آیت میں اللہ تعالےٰ نے اپنے پرہیزگار اور نیک بندوں کے ساتھ ہونے کا ذکر فرمایا ہے اسی طرح قرآن شریف میں جہاں کہیں اللہ کا اپنے بندوں کے ساتھ ہونے کا ذکر ہے اہل سنت کے نزدیک اس کے معنے یہ ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ اپنے علم اور مدد سے بندوں کے ساتھ ہے اللہ کی ذات پاک کا ہر جگہ ہونا اور ہر شے میں ہونا فرقہ جہمیہ کا اعتقاد ہے اہل سنت اس کے قائل نہیں ہیں چنانچہ امام احمد بن حنبل نے فرقہ جہمیہ کے عقیدوں کے غلط ٹھہرانے میں خاص ایک کتاب لکھی ہے جس میں بہت سی آیتیں اور عقلی دلیلوں سے جہمیہ فرقہ کو قائل کیا گیا ہے چنانچہ مثلاً آیت قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا (۶۵ ، ۱۲) کے موافق اہل سنت کے مذہب کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے علم کو ہر جگہ تسلیم کر کے عقلی طور پر بعضے مقامات کی بحث کی ہے جہاں اللہ تعالےٰ کے بالذات موجود ہونے کے اعتقاد کو بڑی گستاخی اور بے ادبی کا اعتقاد ثابت کیا ہے جیسے مثلاً صحیح مسلم کی جابرؓ کی حدیث میں ہے کہ شیطان سمندر میں اپنا تخت بچھا کر بیٹھتا[4] ہے اب اوپر کی آیت کے موافق اللہ تعالیٰ اپنے علم کی رو سے تو وہاں موجود ہے لیکن نعوذ باللہ منہا اس تخت پر اللہ تعالےٰ کے بالذات موجود ہونے کا اعتقاد کسی مسلمان

[1] جامع ترمذی ص ۱۴۱ ج ۲ تفسیر سورت النحل [2] تفسیر ابن جریر ص ۱۹۷ ج ۱۴ [3] مشکوٰۃ ص ۱۲ کتاب الایمان [4] مشکوٰۃ ص ۱۸ باب فی الوسوسۃ۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ

اور تو صبر کر اور تجھ سے صبر ہو سکے اللہ ہی کی مدد سے اور ان پر غم نہ کھا اور مت خفا

کو زیبا نہیں ہے ایسی نقلی اور عقلی مثالیں اُس کی کتاب میں بہت سی ہیں جن سے جہمی فرقہ کے مذہب کی غلطی اچھی طرح ثابت ہوتی ہے۔

۱۲۷ـ۱۲۸۔ اس سے اوپر کی آیت میں اللہ پاک نے مومنوں کو خطاب کیا تھا کہ جب کوئی تم پر ظلم کرے اور تم کسی وقت اُس پر قابو پا کر بدلہ لینا چاہو تو اُسی قدر بدلہ لو جتنا اُس نے ظلم کیا تھا ایسا نہ ہو کہ اُس سے تجاوز کر دو بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ صبر کرو اس آیت میں خاص کر سرورِ کائنات حضرت رسول مقبول صلعم کو حکم فرمایا کہ آپ صبر اختیار کریں اور اِس کی تاکید فرمائی اور اِس بات کی خبر دی کہ خداوند جل جلالہ کی مدد کے بغیر صبر ہاتھ نہیں آتا آپ اگر صبر کریں گے تو خدا ہی کی مدد سے کر سکیں گے اور پھر آپ کو اس بات سے منع فرمایا کہ جو شخص آپ کے خلاف کرے تو اس سے رنجیدہ ہو جاویں کیونکہ یہ بھی خدا ہی کی طرف سے مقدر ہو چکا تھا جو کچھ احد کی لڑائی میں ہوا اور پھر کفار کے مکر و فریب کرنے سے غمگین ہونے کو منع فرمایا کہ اگر یہ مکر و فریب کرتے ہیں تو کرنے دو خدا تو تمہارے ساتھ ہے ان کے مکر و فریب سے تمہیں کیا نقصان ہوگا اللہ پاک متقی اور خالص نیت سے نیک عمل کرنے والے لوگوں کے ساتھ ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابو سعیدؓ خدری سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تکلیف کے وقت جو شخص صبر کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ اُس شخص کی غیب سے مدد کرتا ہے[1] جس سے تکلیف کی برداشت اُس شخص پر آسان ہو جاتی ہے یہ حدیث گویا وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ کی گویا تفسیر ہے جس میں اللہ کے رسول نے آیت کے ٹکڑے کا مطلب اچھی طرح سمجھا دیا ہے۔ اسلام کی ترقی کو روکنے کے لئے مشرکین کہ طرح طرح کے مکر و فریب کرتے تھے۔ چنانچہ اسی سورت میں اُن کے ایک فریب کا ذکر قتادہ کے صحیح قول کے حوالہ سے گذر چکا ہے کہ یہ لوگ حج کے موسم میں مکہ کے چاروں طرف آدمی بٹھلا دیتے تھے تاکہ وہ مکہ کے آنے والے مسافروں سے قرآن اور آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مذمت بیان کر کے اُنہیں اسلام کی طرف مائل نہ ہونے دیویں اسی واسطے فرمایا کہ ان مشرکوں کی سرکشی پر نہ کچھ رنجیدہ ہونا چاہیئے نہ ان کا مکر و فریب کچھ اندیشہ کے قابل ہے پرہیزگار اور نیک لوگوں کے ساتھ اللہ ہے وہ اُن کی مدد کرے گا اور اُس کی مدد کے آگے کسی کا مکر و فریب کچھ چل نہیں سکتا اللہ سچا ہے اللہ کا وعدہ سچا ہے کہ مکہ کے چاروں طرف آدمی بٹھلا کر جن مکہ کے مسافروں کو ان مشرکوں نے اسلام سے روکنا چاہا اللہ تعالےٰ نے اپنے وعدہ کے موافق ایسی مدد کی کہ انہی مکہ کے مسافروں کے ذریعہ سے اہل اسلام کی جماعت بڑھا دی صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبادہؓ بن الصامت کی وہ حدیث ایک جگہ گزر چکی[2] ہے جس میں منے کی گھاٹی کی بیعت اسلام کا قصہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک سال موسم حج میں قبیلہ اوس و خزرج کے کچھ لوگ مدینہ سے مکہ آئے اور منے کی گھاٹی میں انہوں نے اسلام قبول کیا اور آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن میں سے بارہ شخصوں

[1] الترغیب ص ۲۶۲ ج ۲ الترغیب فی الصبر الخ [2] تفسیر ہذا جلد دوم ص ۱۵۹۔

ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ

ان کے فریب سے ۔ اللہ ساتھ ہے اُن کے جو پرہیزگار ہیں اور جو

کو نقیب مقرر کیا تھا کہ وہ مدینہ اور اطراف مدینہ میں اسلام کو پھیلا دیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہجرت سے پہلے مدینہ اور اطراف مدینہ میں چودہ پندرہ سو آدمیوں کی جماعت اہل اسلام کی قائم ہو گئی حاصل کلام یہ ہے کہ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ جو فرمایا تھا کہ اللہ کے رسول اور اُن کے ساتھ کے اہل اسلام کی غیب سے ایسی مدد ہو گی جس سے ان مشرکین کا مکر و فریب کچھ نہیں چل سکے گا عبادۃ بن الصامت کی یہ حدیث اُس وعدہ کے ظہور کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مکہ کے چاروں طرف آدمی بھیلا کر جن لوگوں کو مشرکین مکہ نے اسلام سے روکنا چاہا تھا مدد الٰہی سے وہی لوگ اسلام کے ایسے مددگار بن گئے کہ قیامت تک اُن کا نام انصار اور دین کے مددگار قرار پا گیا معتبر سند سے عطیہؓ سعدی کی روایت ایک جگہ گزر چکی ہے کہ کوئی شخص متقیوں کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا جب تک بے ڈر کی چیز کو ڈر کی چیز کی دہشت سے نہ چھوڑ دے یہ حدیث متقیوں کے حال کی گویا تفسیر ہے احسان کے معنے حسن سلوک کے بھی ہیں اور حسن عبادت کے بھی ہیں ان آیتوں میں محسنون کا لفظ خالص نیت سے عبادت کرنے والوں کے لئے ہے کہ حسن عبادت کا یہی مطلب ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے حضرت عمرؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حسن عبادت کے معنوں میں جو احسان ہے اُس کی تفسیر یوں فرمائی ہے کہ آدمی عبادت کرتے وقت یہ خیال کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اگر یہ مرتبہ آدمی کو میسر نہ ہو تو اتنا خیال ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کو دیکھ رہا ہے۔ اگرچہ سورت آل عمران میں احد کی لڑائی کا قصہ بیان کر دیا گیا ہے لیکن اس آیت اور اس سے اوپر کی آیت میں مختصر طور پر احد کی لڑائی کا ذکر آیا ہے اس سبب سے مناسب معلوم ہوا کہ یہاں بھی احد کی لڑائی کے قصہ کا مختصر طور پر ذکر کر دیا جاوے۔ احد کی لڑائی کا سبب یہ ہے کہ جب ۲ھ میں بدر کی لڑائی ہو کر مسلمانوں کی فتح ہوئی تو مشرکین مکہ کو مسلمانوں کی اس فتح اور اپنی شکست کا بڑا رنج تھا اس لئے بدر کی لڑائی کے تیرہ مہینے کے بعد مشرکین مکہ پھر لڑائی کے ارادہ سے آئے اور احد کے مقام پر لڑائی ہوئی۔ یہ لڑائی ایسے ڈھنگ سے تھی کہ احد پہاڑ مسلمانوں کی پشت پر تھا۔ لڑائی کے شروع ہونے سے پہلے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر اسلام کی پشت کی حفاظت کے ارادہ سے پچاس تیر اندازوں کو اس پہاڑ پر تعینات کر دیا تھا تاکہ مشرک لوگ دھوکا دے کر لشکر اسلام کی پشت کی طرف سے حملہ کرنا چاہیں تو یہ تیر انداز اُن کو روکیں۔ اول اول مشرکوں نے لشکر اسلام کی پشت کی طرف سے تین دفعہ حملہ کرنا چاہا لیکن ان تیر اندازوں نے بڑی جرأت سے مشرکوں کے تینوں دفعہ کے حملہ کو رد کیا مگر جب اُن تیر اندازوں نے دیکھا کہ مسلمان غالب ہوا چاہتے ہیں تو ان تیر اندازوں نے اپنی تعیناتی کی جگہ کو چھوڑ دیا اور لوٹ لوٹتے ہوئے لشکر اسلام میں جا ملے۔ مشرکوں نے موقع پا کر لشکر اسلام کی پشت پر سے بھی حملہ کر دیا اور مسلمانوں کے پیر اکھاڑ دئے آخر ستر آدمی مسلمانوں کے شہید ہوئے حضرت امیر حمزہؓ اور نامی نامی صحابہ بھی انہیں ستر میں شریک ہیں۔ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا دانت ٹوٹ گیا اور آپ کی ناک میں اور گھٹنے کو بھی صدمہ پہنچا اور آپ ایک

لہ مشکوٰۃ ص ۱۱ کتاب الایمان۔

۱۶ ع ۹ ۲۲

هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾
نیکی کرتے ہیں

گڑھے میں گر پڑے جس سے شیطان نے غل مچا دیا کہ رسول وقت شہید ہو گئے۔ اسی مسلمانوں کی شکست کے بعد مشرکوں نے مسلمانوں کی لاشوں کے ساتھ وہ بدسلوکی کا برتاؤ کیا جس کا ذکر اوپر کی آیت کی تفسیر میں گزرا اور اسی بدسلوکی کے برتاؤ کو دیکھ کر اللہ کے رسول اور مسلمانوں کو وہ جوش آیا جس کا ذکر اوپر کی آیت کی تفسیر میں ہے اور اسی جوش کے مٹانے کے لئے اس آیت میں صبر کا حکم نازل ہوا۔

ماخذ و مراجع[1]

عدد مسلسل	کتاب	اجزاء	مؤلف	سن وفات	مطبعہ	سن طباعت
۱	شرح خمسین	۱	حافظ عبدالرحمٰن ابن رجب	۷۹۵ھ	امرتسر	
۲	المقاصد الحسنۃ فی الاحادیث المشتھرۃ علی الالسنۃ	۱	محمدؒ بن عبدالرحمٰن سخاوی	۹۰۲ھ	علوی لکھنؤ	۱۳۰۴ھ
۳	الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ	۱	محمدؒ بن علی الشوکانی	۱۲۵۰ھ	مصر	
۴	مختصر تذکرہ قرطبی	۱	عبدالوھاب شعرانی	۹۷۳ھ	مصر	
۵	شرح الصدور فی احوال القبور	۱	حافظ جلال الدّین عبدالرحمٰن سیوطی	۹۱۱ھ	مصر	
۶	الاصابہ فی تمییز الصحابہ	۴	حافظ احمد بن علی ابن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ	مصر	۱۳۲۷ھ
۷	میزان الاعتدال	۳	حافظ محمدؒ بن احمد ذھبی	۷۴۸ھ	السعادۃ مصر	۱۳۲۵ھ
۸	فتاویٰ ابن تیمیہ	۵	شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ	۷۲۸ھ	مصر	۱۳۲۹ھ
۹	حادی الارواح الی بلاد الافراح	۱۰	ابن القیمؒ	۷۵۱ھ	مکتبۃ الازھر مصر	۱۹۲۸ھ

[1] جلد اول و دوم کے آخر میں مراجع کی فہرست دے دی گئی ہے یہ ان کے علاوہ ہے (ع - م)

اشاریۂ روایات

(الف)

ل - م - ن

سلسلہ مطبوعات نمبر ۹

طابع .... عبدالرحمن گوہڑوی

مطبع ....

قیمت ....

تاریخ اشاعت ....

اورینٹ پروسس لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِس تفسیر کو پڑھنے اور اِس سے فائدہ
اُٹھانے والے حضرات سے درخواست ہے کہ وُہ

بلال گروپ آف انڈسٹریز

کے مالکان، اِنکے آباؤ اجداد، آل اولاد اور اہل وعیال کو
اپنی دُعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھیں، خصوصاً یہ دُعا کہ اللہ تعالیٰ
اُنکی تمام لغزشیں مُعاف فرمائے اور حسنات قبول فرمائے،
اور خاتمہ بالخیر فرمائے : آمین ثم آمین

فون : 5716134-36

88-A مین گلبرگ ــــ لاہور

وقف

بسم الله الرحمن الرحيم
قل أعوذ برب الفلق من شر ما خلق ومن شر
غاسق إذا وقب ومن شر النفاثات
في العقد ومن شر حاسد إذا حسد

بسم الله الرحمن الرحيم
قل أعوذ برب الناس ملك الناس إله
الناس من شر الوسواس الخناس الذي
يوسوس في صدور الناس من الجنة والناس

وَقف فِی سبیلِ اللہ
ہدیہ منجانب
بلال گروپ آف انڈسٹریز
لاہور کراچی
۱۰- سی فیلڈ روڈ - کراچی ——— ۸۰ اے مین گلبرگ - لاہور
Tel: 5716134-6
Fax: 5711530
Tel: 512529
513311